بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ
لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی و ثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ: ۱۶-۲۱۵- جنوری تا جون ۲۰۱۰ء

خصوصی شمارہ

قرآنی علوم ومعارف

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱

فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷

Email:newdelhi@gmail.com

http://newdelhi.icro.ir

شمارہ: ۱۶-۲۱۵- جنوری تا جون ۲۰۱۰ء

چیف ایڈیٹر: علی دہگاہی

ایڈیٹر: پروفیسر سیّد اختر مہدی رضوی

مشاورین علمی

ڈاکٹر کریم نجفی برزگر، حجت الاسلام والمسلمین آقا مہدی مہدوی پور، پروفیسر سیّد امیر حسن عابدی،
ڈاکٹر اوصاف علی، ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی، پروفیسر شاہ محمد وسیم، پروفیسر سیّد علی محمد نقوی،
پروفیسر سید عراق رضا زیدی، پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی

مدیر اجرائی : علی ظہیر نقوی

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی وکمپوزنگ : محمد یاسین

ناظر چاپ : حارث منصور

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کیلئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہ اسلام مقالات ومضامین کے انتخاب واصلاح وایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہو تو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مأخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ واقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ مأخذ کا ذکر کردیا جائے۔

پریس : الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی

فہرست

شمارہ: ۱۶-۲۱۵- جنوری تا جون ۲۰۱۰ء

اداریہ: قرآن یعنی کتاب نور وہدایت	حجۃ الاسلام والمسلمین آقا مہدی مہدوی پور	۷
تفسیر ومفسر قرآن...	حضرت آیت اللہ امام خمینیؒ	۱۱
قرآن کی شناخت	آیت اللہ شہید مطہری	۲۵
سائنسی نظریات اور قرآن	ڈاکٹر مظفر سلطان ترابی	۵۲
قرآن کے مخاطبین	آیت اللہ شہید مطہری	۶۲
قرآن کی تحقیقات پر ماہرین شرقیات کا جائزہ	مجید معارف	۸۲
قرآن اور بین الاقوامی تعلقات	عبد اللہ امیری	۱۰۰
تفسیر ینابیع الانوار۔ایک مطالعہ	ڈاکٹر شہوار حسین نقوی	۱۱۸
مسلمانوں کا جمالیاتی ذوق اور قرآن حکیم	ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف	۱۲۴
قرآن فہمی کے بنیادی اصول ومراتب	علی اسعدی	۱۳۳
مقدمۂ تفسیر قرآن سید اولاد حسین فوق بلگرامی	پروفیسر سید جعفر رضا بلگرامی	۱۴۹
اوصاف قرآن	سید محمد ابراہیم حسنی	۱۵۸
عصری اقتصادی مسائل اور تعلیمات قرآن	پروفیسر شاہ محمد وسیم	۱۷۸
عربی وفارسی تفسیر نویسی میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ	جمال الدین اعظمی	۱۹۵
ہندوستان میں علماء امامیہ کے اردو تراجم	مولانا سید محمد جابر جوراسی	۲۰۳
اصول تفسیر	مولانا رئیس احمد جارچوی	۲۱۰
تفسیر عمدۃ البیان۔ایک اجمالی تعارف	پروفیسر سید فرمان حسین	۲۲۱
ہندوستان میں قرآن کریم کی تفاسیر وتراجم	پروفیسر ڈاکٹر یحیٰ انجم	۲۳۱
برصغیر ہندو پاک میں علماء امامیہ کی تفسیریں	سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل	۲۹۸

ترجمہ شاہ محدث دہلوی	بہاء الدین خرمشاہی	۳۱۶
تفسیر وتاریخ تفاسیر ایک مطالعہ	ادارہ	۳۲۸
قرآن کریم کی بعض آیات جن کی تفہیم اب آسان ہے	سید غلام حیدر	۳۶۶
قرآن کا تصور انصاف	پروفیسر محمد اسلم اصلاحی	۳۷۳
قرآن ناقابل تحریف آسمانی کتاب	سید مرتضیٰ عسکری	۳۷۹
قرآن کریم کے چند اردو تراجم	ڈاکٹر شریف حسین قاسمی	۳۸۵
مفتی محمد عباس شوشتری اور قرآنی علوم ومعارف	مہدی باقر معراج	۳۸۹
قرآن کریم اور تہذیب نفس	پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی	۳۹۵
قرآن شناسی	حجۃ الاسلام سید مجتبیٰ موسوی لاری	۴۰۱
قرآن کریم میں اسلام	خانم زہرا میرزائی	۴۰۸

خداوند کریم کی لامتناہی رحمتوں کے طفیل ''راہ اسلام'' کا یہ خصوصی شمارہ ''قرآنیات'' سے متعلق ہے، چنانچہ ہم نے اس کے اداریہ کے سلسلے میں محقق علوم قرآنی حجۃ الاسلام والمسلمین جناب آقای مہدی مہدوی پور سے درخواست کی اور انہوں نے اُسے قبول فرماتے ہوئے، قرآن یعنی کتاب نور ہدایت کے عنوان اپنے بیش قیمت اور انتہائی معلوماتی رشحات قلم سے اس مجلّہ کی معنویت کو دو چند اں کردیا۔

چیف ایڈیٹر

اداریـــــــہ:

قرآن یعنی کتاب نور وہدایت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْن وَلَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلاَّ خَسَاراً۝ ۱؎

یعنی اور ہم تو قرآن میں وہی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے (سراسر) شفا اور رحمت ہے (مگر) نافرمانوں کو تو گھاٹے کے سوا کچھ بڑھاتا ہی نہیں۔

قرآن وہ مقدس اور جامع ترین آسمانی کتاب ہے جو اشرف المخلوقات انسان کی زندگی کیلئے ایک منظّم اور منصوبہ بند مکمل ضابطۂ حیات اور لائحہ عمل کی حیثیت سے اس دنیا میں نازل ہوئی ہے۔ درحقیقت یہ گرانقدر وبیش قیمت گنجینہ دو اہم پہلوؤں کا حامل ہے۔ان میں سے ایک پہلو ارشاد خداوندی کے بموجب ''ھُدًی للمتقین ''ہدایت ورہنمائی سے جڑا ہوا ہے جبکہ دوسرا پہلو انسانی زندگی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے والا اور جملہ رنج ومصائب میں شفا فراہم کرنے والا ہے۔

اس مقدس کتاب الٰہی کی پہلی اور بنیادی حیثیت بنی نوع انسان کے عظیم ترین رہنما کی ہے جو انسان کو صحیح اور سعادتمند زندگی کا راستہ دکھاتی ہے تاکہ دنیا کے نشیب وفرراز اور کائنات میں ہر سو پھیلی ہوئی ظلمت وتاریکی میں وہ درست اور سیدھی راہ کی تشخیص کر سکے۔

غور طلب بات ہے کہ جب آپ بازار سے کوئی مشینی سازوسامان مثلاً ٹیلی ویژن یا کمپیوٹر وغیرہ خرید کر لاتے ہیں تو اس کے ساتھ ایک اطلاعاتی کتابچہ بھی ملتا ہے جس میں یہ لکھا رہتا ہے کہ اس مشین کو کیسے استعمال کیا جائے۔ ترکیب استعمال کے ساتھ ہی ساتھ مشین سے حاصل کئے جانے والے فوائد کی تفصیل بھی اس کتابچے میں لکھی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح خداوند عالم ، جو انسان کا خالق ہے، انسانی وجود کے تمام زاویوں سے دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مطلع اور واقف ہے پس انسان شناسی اور انسان سازی کی بنیادی اطلاعاتی کتاب کا نام قرآن ہے لیکن اس سے زیادہ افسوسناک بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ آج انسان اس چراغ ہدایت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کررہا ہے

اسی وجہ سے وہ انحطاط وزوال اور پسماندگی وبے سروسامانی کی زندگی بسر کررہا ہے۔تاریکی وگمراہی میں ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد اب وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ عصری مسائل ومشکلات کو دور کرنے کے لئے انسانی ذہن نے جو حل پیش کئے وہ بالکل مفید وکارآمد ثابت نہیں ہوئے اور باہمی تعامل وتعاون پر مبنی خاندانی اور اخلاقی نظام کی کڑیاں منتشر ہوتی چلی جارہی ہیں اورعصر حاضر کا انسان پسندیدہ سکون اور حقیقی اطمینا ن قلب سے پوری طرح محروم ہوچکا ہے۔مختلف النوع مکروفریب،ظلم وستم ،شہوت پسندی ودنیا پرستی، خود خواہی و اقتدار طلبی، غیر منطقی خواہشات، غرور ونخوت اور حسدو نفاق کی گرم بازاری نے دنیائے بشریت کو ویرانے میں تبدیل کردیا ہے۔ اگرغور سے دیکھا جائے تو انسان بنیادی اعتبار سے انہیں درد ومصائب میں گرفتار ہے جن کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے میں نت نئے فتنہ وفساد،قتل وغارتگری، جنگ وخونریزی اور طرح طرح کے جھگڑے ابھرتے اور پروان چڑھتے نظر آرہے ہیں جن کی وجہ سے دنیائے بشریت سرگردانی اور بے سروسامانی کے سمندر میں غرق ہوتی چلی جارہی ہے اور سردست اس کو ایک ایسے آزمودہ وشفابخش نسخہ کی تلاش ہے جو اس کے درد و رنج کامکمل اور بھر پور علاج کر سکے اور وہ مفید وکارآمد وآزمودہ نسخہ یہی قرآن مجید ہے جس کی شناخت کا دوسرا اہم پہلو بنی نوع انسان کو ہرطرح کے رنج ومصائب سے شفاعطا کرنا ہے۔قرآن مجید کی جس آیۂ کریمہ سے اس مقالہ کا آغاز کیا گیا ہے اس میں یہی وضاحت پیش کی گئی ہے کہ قرآن نور ہدایت بھی ہے اور ہردرد ومصائب کا کارآمد علاج بھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔'' وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوراً نَهْدِىْ بِهٖ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۲

یعنی اس قرآن کو ایک نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ تم (اے رسولؐ) سیدھا ہی رستہ دکھاتے ہو۔

سردست میرا خطاب ملّت اسلامیہ عالم سے ہے کیونکہ اس قرآن پر آپ مسلمانوں کامکمل اعتقاد و ایمان ہے اور آپ لوگ اس مقدس کتاب کو خداوند عالم کے آخری نبی حضرت محمدؐ کا معجزہ جاوید تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کتاب نور وہدایت ہے جس کا مقصد تاریکی سے نور کی طرف ہدایت کرتے ہوئے بنی نوع انسان کی نجات کی راہ ہموار کرنا ہے۔ ہرمسلمان اس عقیدہ کا حامل ہے کہ اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے اور قیامت تک اس میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔

مسلمانو! تم لوگوں نے تو اس کتاب کو اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ منصوبہ بنارکھا ہے پھر اس مقدس آسمانی کتاب سے دوری وعلیحدگی کیوں اختیار کئے ہوئے ہو اور صرف تلاوت کلام پاک اور اس کی خوبصورتی اور سجاوٹ پر کیوں زور دے رہے ہو؟ فقط اس کی ظاہری خوبصورتی پر اکتفانہ کرو کیونکہ پیغمبر اکرم نے بذات خود اس کتاب کو ''دستور العمل'' قرار دے رکھا ہے پس اس کے حفظ وسجاوٹ پر اکتفا نہیں کی جاسکتی۔

اسلامی انقلاب کے قائد عظیم الشان حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے شہر یزد میں اپنی ایک تقریر میں ارشاد فرمایا تھا کہ غور طلب بات ہے کہ اعجاز قرآن کس چیز میں ہے؟ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن کا اعجاز اس کی فصاحت وبلاغت میں مضمر ہے اور بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اعجاز قرآن ان مسائل کی منصوبہ بندی میں ہے جن کی انسانی علوم نے صدیوں کے بعد تائید کی ہے جی ہاں! یہ حقائق قرآنی معجزات کا اہم جز ہیں لیکن قرآن کا سب سے زیادہ اہم معجزہ یہ ہے کہ یہ ہر زمانے میں انسان کی اہم ترین ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ ہے اور اہم ترین بشری معاملات وسوالات کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ آج دنیائے بشریت کے سامنے سب سے بڑا سوال روٹی، کپڑا، مکان، گاڑی اور دیگر وسائل زندگی کی فراہمی کا نہیں ہے بلکہ آج کا انسان سعادت مند زندگی کی راہ کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ انسان منزل کمال کیسے حاصل کرسکتا ہے؟ انسان کو اس دنیا میں کس مقصد کے لئے خلق کیا گیا ہے؟ انسان کونسی باطنی استعداد وصفات کا حامل ہے؟ منزل کمال تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اسے کس منزل اور کتنے عالم سے گزرنا ہوگا؟ اس دنیا کے بعد انسان کا انجام کیا اور کیسا ہے؟ انسا کامل کی تعریف کیا ہے؟ منزل کمال تک رسائی حاصل کرنے کے لئے انسان کو کیسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا ہوگا؟ انسان کو واقعی وباطنی سکون حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ پوری انسانی دنیا سکون کی تلاش میں بھٹک رہی ہے اسے یہ سکون کیسے حاصل ہو؟ کائنات کا نظام کیسا ہے؟ اور نظام کائنات میں انسان کس مرتبہ کا حامل ہے؟

جی ہاں! قرآن مجید میں مذکورہ سوالات کا ہی نہیں بلکہ اس قسم کے دیگر سیکڑوں مسائل ومعاملات کا حل موجود ہے جس کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ کتاب بذات خود ایک اہم معجزہ ہے کیونکہ یہ پرانی ہونے والی کتاب نہیں ہے بلکہ ہر دور اور ہر زمانے میں انسان کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتی ہے۔ اس کتاب پر گزرتے ہوئے وقت کا کوئی اثر مرتب ہونے

والانہیں ہے اسی وجہ سے اس کتاب کے علاوہ ہر دور اور ہر زمانے میں انسان کی ہدایت ورہنمائی کا کام صرف یہی کتاب انجام دے سکتی ہے۔

پس اگر آج دنیا کے مٹھی بھر دنیا پرست افراد وعناصر قرآن کی توہین پر کمر بستہ دکھائی دیتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کا مخالف ہے اسی وجہ سے ان لوگوں کی کوشش یہ ہے کہ قرآن دنیا کے مختلف عالمی معاشروں کے درمیان اہم ترین رہنمای بشریت کی حیثیت سے پہچانا نہ جاسکے۔ درحقیقت یہ لوگ اپنے معاشروں میں قرآنی علوم ومعارف کی تبلیغ واشاعت سے خوفزدہ ہیں کہ اگر عالمی انسانی برادری نے اپنے علمی وسائل کے ذریعہ عصر حاضر کے اہم مسائل کا حل قرآن مجید میں ڈھونڈ لیا تو پوری دنیا قرآن واسلام کی گرویدہ ہوجائے گی۔ مولائے متقیان حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اس عظیم آسمانی کتاب سے اپنی باطنی اور سماجی بیماریوں کا شفا بخش علاج طلب کیجئے اور اپنے بڑے مسائل ومعاملات کا حل تلاش کرنے کے لئے اس کتاب سے مدد حاصل کیجئے کیونکہ اس کتاب میں بڑے بڑے درد کا علاج موجود ہے۔ جیسے درد کفر و نفاق اور گمراہی وضلالت کا درد'' ۳

پیغمبر عظیم الشان حضرت ختمی مرتبتؐ نے اسی حقیقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے حدیث ثقلین میں امت اسلامیہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس آسمانی کتاب اور ان کے اہلبیت اطہارؑ کے دامن سے متمسک رہے تاکہ دنیا کی تڑک بھڑک اور زود گزر رعنائی انہیں گمراہ نہ کرسکے اور وہ نجات وکمال کی منزل تک رسائی حاصل کرلیں۔

جی ہاں ! فقط حدیث ثقلین ہی نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات اور پیغمبر کی دیگر احادیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے بعد پیغمبرؐ اکرم کے ارشادات اور ان کے اہلبیت علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنا ہی حقیقی راہ اسلام ہے جو بنی نوع انسان کی نجات کی ضمانت ہے۔

والسلام

حوالے:

۱۔سورہ اسراء آیت ۸۲
۲۔سورہ شوریٰ آیت ۵۲
۳۔نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۶

تفسیر ومفسر قرآن ایک اجمالی تجزیہ

حضرت آیت اللہ امام خمینیؒ

قرآن مجید وہ عظیم صحیفۂ الٰہی ہے جس کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ زمین وآسمان اور فلک بوس پہاڑوں نے اس امانت الٰہی کا بوجھ اٹھانے سے اپنی عاجزی وناتوانی کا اظہار کیا تو حافظ شیرازی کی زبان میں'' قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند'' جی ہاں ! اس کتاب کی عظمت کے لئے یہ بتادینا کافی ہے کہ اس کا مخاطب انسان ہے اور دنیائے بشریت کی ہدایت و رہنمائی اس کا مقصد نزول ، سامراجیت نے اس کتاب کی نابودی کے لئے ہرممکن ہتھکنڈے استعمال کئے لیکن گذشتہ چودہ سو برس کے دوران وہ اس کتاب میں ایک حرف بھی تبدیل نہ کرسکی۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اب تک اس کتاب کی تفسیر میں ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں لیکن اس کی حقیقی اور مکمل تفسیر اب تک نہیں ہوسکی اور قیامت تک اس کی تفسیر یں لکھی جاتی رہیں گی اور اس کے علوم ومعارف روز بروز پہلے سے زیادہ موثر انداز میں دنیاوالوں کی نگاہوں کے سامنے منکشف ہوتے رہیں گے۔ درج ذیل مقالہ میں تفسیر مفسر قرآن کے سلسلے میں امام خمینیؒ کے افکاروعقائد پیش کئے جارہے ہیں۔(ادارہ)

درحقیت مفسر کی بنیادی ذمہ داری نزول قرآن کے مقصد کو بیان کرنا ہے۔البتہ سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک اس کتاب خدا کی حقیقی ''تفسیر'' نہیں لکھی گئی مجموعی طور پر کتاب کی تفسیر کا مطلب اس میں مندرج مقاصد کو تفصیل سے بیان کرنا ہے۔مفسر کی پوری توجہ اس بات پر مرکوز ہونی چاہئے کہ صاحب کتاب کا نکتہ نظر قاری پر پوری طرح واضح ہوجائے۔ یہ عظیم کتاب خدا کی گواہی کے مطابق ہدایت وتعلیم کی کتاب اور انسانیت کے ارتقاء وسلوک کا نورانی راستہ ہے۔لہٰذا مفسر قرآن کو چاہئے کہ وہ اس کے قصوں میں سے ہر قصے اوراس کی آیتوں میں سے ہر آیت کے ذریعہ قاری کو عالم غیب، سعادت کی راہوں اور معرفت وانسانیت کے سلوک کی جانب ایک کامیاب رہنما کی حیثیت سے روشناس کرائے۔مفسر جب نزول قرآن کے مقصد کی مکمل تفہیم کے بعد مفسر کہلائے جانے کا مستحق ہے صرف نزول آیات کے سبب کا بیان جیسا کہ تفاسیر میں دکھائی دیتا ہے ، کافی نہیں ہے۔حضرت آدمؑ وحواؑ کے اسی قصے میں ابلیس کے ساتھ ان کی داستان ، ان کی خلقت کے روز اول سے لے کر ان کے زمین میں اترنے تک کہ جسے خداوند عالم نے اپنی کتاب میں مکرر بیان کیا ہے، کتنے معارف ومواعظ ذکر

کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی انہیں اسرار کی صورت میں بھی بیان کیا گیا ہے جو ہمیں کتنے ہی عیوب نفس، شیطانی اخلاق اور کمالات ومعارف سے روشناس کراتے ہیں لیکن ہم ان سے غافل ہیں۔

ان تمام معارف میں سے ایک معرفت حسن اخلاق اور سعادت وکمال کی جانب دعوت ہے۔ اسی طرح تفسیر کو عرفانی واخلاقی تفسیر کی خصوصیات سے بھی مزین ہونا چاہئے اور وہ عرفانی واخلاقی جہات سمیت سعادت کی جانب دعوت دینے والی دیگر جہات کو واضح طور پر بیان کرے۔ جس مفسر نے بھی قرآن کی اس جہت سے غفلت کی یا اس سے صرف نظر کیا یا اسے اہمیت نہیں دی تو گویا اس نے قرآن کے اصلی مقصد، کتب سماوی کے نزول اور انبیاء کے بھیجے جانے کے اصل ہدف سے غفلت کی اور یہ اتنی بڑی غلطی ہے کہ جس نے صدیوں سے ملت (اسلامیہ) کو قرآن مجید کے استفادہ سے محروم اور لوگوں پر ہدایت کے دروازہ کو بند کررکھا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس کتاب کے مقصد نزول کو عقلی واستدلالی نظر سے سمجھنے کے بجائے خود اس قرآن سے سمجھیں کہ جو اپنے مقصد نزول کو خود بیان کرتا ہے۔ کتاب کا مصنف ہی کتاب کے مقصد کو بہتر طور پر جانتا ہے۔ اگر آپ اس کتاب کے بارے میں اس کے مصنف کے ارشادات پر نظر کریں تو دیکھیں گے کہ وہ خود فرماتا ہے۔ذلکَ الْکِتابُ لاَریبَ فیْه هُدیً لّلمُتَّقِین ۱؎ اس آیت میں اس نے اس کتاب کو ہدایت کی کتاب کہا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک مختصر سے سورے میں کئی مرتبہ اس جملہ کی تکرار کرتا ہے۔ وَلَقَد یَسّرنَا الْقُرآن للذّ کرِ فَهَل مِنْ مدّ کر ۲؎۔ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاَنْزَلْنَا الَیکَ الذّکْرَ لِتُبینَ لِلنّاس مَانُزلَ الَیهمْ وَلَعَلَّهُم یَتَفَکَّرُون ۳؎ اور کِتَابٌ اَنْزلنَاه الَیکَ مُبَارکٌ لیَدبّروا آیاته وَلِیَتَذَکّر اُلُوا الاَلبَاب ۴؎ اور اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں کہ جن کا بیان گفتگو کو طولانی کردے گا۔

اس گفتگو کا مقصد تفاسیر پر تنقید کرنا نہیں ہے ہر مفسر اپنی تفسیر کے لئے زحمتیں برداشت کرتا اور مصیبتیں جھیلتا ہے فللّٰه درهم وعلی اللّٰه اجرهم ۵؎ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب سے مستفید ہونے کی راہوں کو لوگوں کے لئے کھولا جائے یہی وہ واحد کتاب ہے جو سلوک کی جانب راہنمائی کرنے، نفوس کو مہذب بنانے اور خدا کی بارگاہ میں مودب بننے کے آداب اور روش کو بیان کرنے والی ہے اور جو خالق ومخلوق کے درمیان رابطے اور اس کے مقام ربوبیت کی عزت سے متمسک ہونے کے لئے عروۃ الوثقیٰ اور حبل المتین کی حیثیت رکھتی ہے۔ علما اور مفسروں کو چاہئے کہ فارسی وعربی

(اردو...) میں تفسیریں لکھیں کہ جن کا مقصد قرآن کی تعلیمات اور عرفانی واخلاقی دستورات ، خالق ومخلوق کے درمیان رابطے کی کیفیت ، اس فانی دارغرور (دنیا) سے ہمیشہ زندہ وجاوید رہنے والے دار سرور (آخرت) کی جانب ہجرت کی راہوں کو ویسا ہی بیان کریں جیسا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مالک سکا کی اور شیخ نہیں ہے جن کا مقصد قرآن سے فصاحت وبلاغت کے نکات کی جمع آوری ہے، نہ وہ سیبویہ اور خلیل ہے کہ قرآن میں جن کی توجہ صرف علم ونحو پر ہوتی ہے اور وہ نہ ہی مسعودی اور خلکان کی مانند ہے جو صرف تاریخ پر بحث کرتے ہیں۔ یہ کتاب حضرت موسیٰ کے عصایا ان کے ید بیضاء یا مردوں کو زندہ کرنے والے دم عیسیٰ کی مانند نہیں ہے جو صرف پیغمبر اکرم کے معجزے اور ان کی نبوت کی صداقت پر دلیل ہو بلکہ یہ صحیفۂ الٰہی خداوند عالم کے علم ومعارف کی حیات ابدی کے لئے قلوب کو زندہ کرنے والی کتاب ہے، یہ خدا کی کتاب ہے جو خداوند عالم کی تمام شان ومنزلت اور معرفت کی جانب دعوت دیتی ہے۔ مفسر کو چاہئے کہ لوگوں کو خداوند عالم کی عظمت ومعرفت کی تعلیم دے اور لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ ان تعلیمات کے حصول کے لئے ان کی جانب رجوع کریں تاکہ ان کے بیانات سے مستفید ہوسکیں۔وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقرآن مَاهُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌلِّلْمُومنِين وَلاَيَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلاّ خَسَاراً ۶ اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور نقصان ہوگا کہ ہم چالیس سال قرآن پڑھتے اور تفاسیر کی جانب رجوع کرتے ہیں اور پھر بھی اس کتاب کے اہداف ومقاصد سے دور ہیں!رَبَّنا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِن لّم تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسرين۔ ۷

تفسیر قرآن میں صرف الفاظ پر بحث کرنا

علماء تفسیر کے ایک گروہ کے نظریہ کے مطابق قرآن سے استفادہ صرف علم قرائت کے اختلافی اقوال کی جمع آوری، ان پر بحث ومباحثہ ، لغت کے مختلف معنوں کو بیان کرنے ،کلموں کی تصریف (ایک کلمے سے مختلف کلمے بنانے) کے مختلف قواعد (اور ان میں کوفی وبصری علماء کے اختلافی اقوال کو ذکر کرنے) لفظی ومعنوی عبارتوں کو خوبصورت بنانے ، قرآن کے معجزے ہونے کے دلائل کو پیش کرنے، عرف عام کے معنی بیان کرنے اور ان کے فہم وادراک میں لوگوں کی مختلف ذہنی سطحوں پر بحث کرنے پر ہی منحصر ہے۔ یہ لوگ قرآن کی دعوت، اس کے معنوی پہلوؤں اور معارف الٰہی سے بالکل غافل ہیں۔ یہ لوگ ان مریضوں کی مانند ہیں جنہوں نے طبیب کی جانب رجوع کیا اور اس سے نسخہ بھی حاصل کیا۔

نسخے میں لکھی ہوئی عبارت کو علاج کے لئے حفاظت کو ہی اپنا علاج سمجھ بیٹھے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو خود ان کا مرض ہلاک کردے گا واضح رہے کہ صرف نسخے کا علم رکھنا اور طبیب کی جانب رجوع کرنا ہی کافی نہیں بلکہ کتاب کی شکل میں فقط نسخہ کی موجودگی بالکل بے سود ثابت ہوگی۔

تفاسیر کے مختلف شیریں جام

قرآن کی تفسیر کوئی ایسا کام نہیں ہے جسے ہم اور ہمارے جیسے لوگ انجام دے سکیں بلکہ درجہ اوّل کے شیعہ وسنی علماء نے اس باب میں بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں اور ان کی کوششیں قابل قدر ہیں لیکن ہر ایک نے ایک خاص علم میں اپنی مہارت اور تحقیق کے مطابق قرآن کے حقائق کے پردوں میں سے ایک پردے کو اٹھایا ہے۔ ان کی یہ تفسیریں بھی کامل نہیں ہیں۔ گزشتہ صدیوں میں عرفا نے جو تفاسیر لکھی ہیں مثلاً محی الدین ابن عربی ۸ نے اپنی بعض کتابوں میں، عبد الرزاق کا شانی ۹ نے ''تاویلات'' میں اور ملا سلطان علی ۱۰ نے اپنی تفسیر میں جو روش اختیار کی ہے وہ معرفت کی روش ہے۔ ان میں سے بعض عرفا نے اپنے خاص اور پسندیدہ علم میں اپنی مہارت کے مطابق بہت اچھا لکھا ہے لیکن قرآن وہ نہیں ہے جو انہوں نے لکھا اور تفسیر کی ہے بلکہ یہ سب قرآنی حقائق کے بحر عظمت کے چند قطرے ہیں۔ مثلاً طنطاوی ۱۱ اور اسی طرح قطب ۱۲ نے بھی ایک اور انداز میں تفسیر کی ہے جو اپنے تمام معنوں کے ساتھ پھر بھی قرآن کی مکمل اور حقیقی تفسیر نہیں بلکہ یہ قرآن کے صرف ایک پہلو سے پردہ ہٹانے کی ایک کاوش ہے۔ عرفا اور فلسفی مفسرین کے علاوہ بھی دوسروں نے تفاسیر لکھی ہیں مثلاً ''مجمع البیان'' ۱۳ ایک بہترین تفسیر ہے جس میں شیعہ سنی علما کے اقوال کو جمع کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ لکھی جانے والی دیگر تمام تفاسیر جملہ قرآنی پہلوؤں میں سے ایک پہلو کے حقائق میں سے ایک حقیقت سے پردہ ہٹانے کی کوشش ہے۔ قرآن مجید ایسی کتاب کی مانند نہیں ہے کہ جس کی ہم یا کوئی اور ایک ایسی جامع تفسیر لکھ سکے جو اس کے شایان شان ہو۔ علوم قرآن ایک دوسری طرح کے علوم ہیں جو ہماری عقل وفکر سے بھی ماوراء ہیں۔ ہم اس کتاب خدا کی صرف ایک صورت اور حقائق میں سے ایک حقیقت کو سمجھتے ہیں اور بقیہ حقائق کے لئے اہل بیت عصمت وطہارتؑ کی تفسیر کے محتاج ہیں جو پیغمبر اکرمؐ کی تعلیمات کے معلم ہیں۔

قرآن کی عظمت فہم مفسرین سے بہت بلند ہے

مفسرین کی بہت زیادہ زحمتیں برداشت کرنے کے باوجود قرآنی حقائق اور اس کے ظریف ولطیف نکات کو ہم درک کرنے سے قاصر ہیں اور یہ عجز وناتوانی اس لئے نہیں کہ انہوں نے جان بوجھ کر کوتاہی کی ہے بلکہ اس کی وجہ قرآن کی عظمت ان کی عقلی اور فکری صلاحیتوں سے بہت زیادہ بلند ہے۔

قرآن کی حقیقی تفسیر کا فقدان

بنی نوع انسان کے لئے لازم جملہ علوم ومعارف کے اس خزانے یعنی ''قرآن'' کی آج تک کوئی جامع تفسیر نہیں لکھی گئی اور نہ ہی اس میں موجود علوم ومعارف کو ہمارے لئے بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ حسرتیں ہیں کہ جنہیں ہم اپنے ساتھ قبر میں لے جائیں گے۔ قرآن اب بھی انسانی عقل وشعور سے پردے میں مستور اور پوشیدہ ہے۔ ہاں ! قرآن کی بعض آیات ہیں کہ مختلف افراد فلسفیوں اور عارفوں نے محدود وپیمانے پر ان کے بارے میں لب کشائی کی ہے لیکن جو ہونا چاہئے تھا وہ نہ ہوسکا کیونکہ انما یعرف القرآن من خوطب بہ یعنی قرآن کو وہی پہچان سکتا ہے جو اس کا حقیقی مخاطب ہے۔ اگر تفسیر کا مقصد یہی ظاہری اور عرف عام میں سمجھنے والے معنیٰ ہوتے تو ان کو تو لوگ جانتے ہی ہیں پس تفسیر کا مقصد کیا ہے؟ ہم آخر عمر تک افسوس میں ہی زندگی گزاریں گے۔ دشمن حضرت امام رضاؑ کو اپنے تمام مکروحیلہ کے ساتھ مدینہ سے خراسان لے گئے ، انہیں زبردستی لے گئے اور وہ جانتے تھے کہ امامؑ سے کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ دشمن کو پہلے ہی سے یہ بات معلوم تھی کہ امام رضاؑ سلسلہ امامت سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ امام حکومت کو تشکیل نہ دے سکیں یا کم سے کم حقیقی تعلیمات الٰہیہ کو لوگوں تک نہ پہنچا سکیں ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کے سامنے راہ کھلی تھی کہ وہ فقط علم فقہ کو وسعت دیں ، بیان کریں اور بہت سے غیر فقہی مسائل کو بھی لوگوں تک پہنچائیں لیکن انہیں جن علوم کو بیان کرنا چاہئے تھا وہ پردہ ہی میں رہ گئے اور پورا علم شریعت بیان سے رہ گیا کیونکہ امامؑ کو ان مسائل اور علوم کے بیان کی نہ آزادی تھی اور نہ ہی شاگرد تھے جو اس بارسنگین کو اٹھاتے۔ امام کے پاس صرف فقہ کے شاگرد آتے تھے۔

پس ہمیں افسوس کرنا چاہئے کہ ہم درک قرآن سے عاجز ہیں۔ روز اول سے آج تک قرآن کی خوشبوؤں میں سے ایک خوشبو سے معطر ہیں، بہر حال ہر صورت میں انہیں تفسیر نہیں کہا

جاسکتا۔ درک قرآن سے قاصر ہونے پر ہمیں انّا للّٰہ وَانّا اِلَیْہ رَاجعُون ۱۴؎ کہنا چاہئے۔ ابھی تک عادلانہ حکومت بھی تشکیل نہیں پائی ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ سوچیں اور فکر کریں کہ ان تمام اہداف تک پہنچنے کیلئے ہمیں کیا کام کرنا چاہئے ؟

تفسیر قرآن میں صرف ایک پہلو پر توجہ

عرصۂ دراز سے فلاسفہ، عرفا اور متکلمین یعنی علماء علم کلام کی ایک بڑی جماعت فقط قرآن کے معنوی پہلو کی تفسیر میں لگی ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے صرف معنوی زاویوں کی تفسیر پر ہی اکتفا کی ہے۔ ہر ایک نے اپنی فکری وسعت کے مطابق اسے درک کیا اور ساتھ ہی قرآن کے معنوی پہلوؤں کی تفسیر نہ کرنے والوں کی توبیخ بھی کی۔ ان افراد نے اپنے علاوہ تمام لوگوں کو صرف ظاہری خول (چھلکا) قرار دے کر بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے قرآن کی اکثر آیات کی عرفانی، فلسفی اور معنوی ابعاد کے ساتھ تفسیر کی لیکن دنیوی زندگی میں اس کی ضرورتوں اور قرآنی آیات میں پوشیدہ اس دنیا میں تربیت کے پہلوؤں سے بالکل غافل رہے۔ یہ لوگ اپنے اپنے مسلکوں کی جداجدا راہوں پر چل پڑے۔ ان لوگوں نے فہم و ادراک سے بالاتر معنوں کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کی، دینی تفسیر میں قرآن کے دوسری جہات اور پہلوؤں پر دوسرے لوگوں کی توجہ کی مزمت کی اوراسی طرح فقہی اور تعبدی امور کی جانب توجہ دینے والے اپنے ہم عصر علماء کی راہ کو غلط قرار دیا یہاں تک کہ انہیں ملحد وکافر بھی کہا۔ یہ دونوں روشیں حقیقت کے خلاف ہیں۔ ایک گروہ نے اسلام کو فروع دین کے احکام میں منحصر کیا اور دوسرے نے معنوی احکام اور ماوراء الطبیعت امور میں۔ ان لوگوں نے خیال کیا کہ ماوراء الطبیعت علم ہی تمام جہات کا مالک ہے جبکہ دوسرے گروہ کے مطابق دنیا کے احکام اور اسلامی فقہ میں ہی سب کچھ ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ بے قدر وقیمت ہے

قرآن کی انحرافی تفسیر

اسلام کئی صدیوں سے بیگانوں کے نفوذ کی وجہ سے انحراف اور کج فہمی کا شکار ہے۔ دشمن نے خدا کے اس واحد مکتب جہاد ومبارزہ کو اپنے پروپگنڈے کے ذریعے غلط شکل میں پیش کیا اور قرآن کریم کو ایک مسخ شدہ صورت میں متعارف کرایا جو مشرکوں اور سرکش لوگوں کے قتل کا خدائی حکم دینے اور استعمار اور ظلم کے خلاف قیام کی رغبت دلانے والی تنہا آسمانی کتاب ہے اس دشمنانہ سازش

کی وجہ سے اسلام کے نورانی اور نجات دہندہ احکام یکے بعد دیگر استعماری ایجنٹوں کے ذریعے ان کی اغراض تلے پائمال ہوتے رہے۔

اسلام کو اُلٹا پیش کرنا

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کو نہیں چاہتے ہیں ۱۵؎ ایک علاقے میں فتنہ برپا کرتے ہیں اور مختلف صوبوں میں فساد کی جڑوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اسلام کا نفاذ نہیں چاہتے اور اگر اسلام چاہتے بھی ہیں تو اپنے من پسند اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو پیغمبر اکرمؐ اور وحی اسلام کے اسلام میں ردو بدل کرتے اور اسے الٹی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

قرآن فقط عرفانی پہلو کا حامل نہیں ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ جب ہم ایک طرف عوام الناس اور دوسری طرف اہل علم کے ایک گروہ میں پھنسے ہوئے تھے جو اسلام کو الٹی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ عرفا اسلام کے پابند تھے مگر اس کے تمام مسائل کو عرفانی معنوں میں ہی بیان کرتے تھے اور وہ دنیوی زندگی کے روز مرہ مسائل کے قائل نہیں تھے۔ اگر کوئی آیت یا روایت ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرتی جو جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کرتی تو اسے جہاد نفس سے تعبیر کرتے اور یوں اسلام کو ایک دوسری اور غیر جامع صورت میں پیش کرتے تھے جبکہ اسلام ایک جامع دین ہے اور تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے۔ جیسا کہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک مدت تک ان افراد کے افکار کا بہت چرچا تھا۔ البتہ یہ نیک افراد تھے لیکن اسلام کے صرف ایک پہلو کو ہی مدنظر رکھتے تھے۔

مادیت ومعنویت کی معکوس تاویل

ہم دو زمانوں میں دو گروہوں کے افکار ونظریات میں گرفتار تھے۔ ایک زمانہ میں ایک ایسا گروہ تھا جو بہت عجیب انداز سے قرآن کی تفسیر کرتا اور دوسرے معنی میں اس کی تاویل کرتا تھا۔ قرآن کے مادی اور دنیوی پہلوؤں کی جانب ان لوگوں کی کوئی توجہ نہیں تھی۔ وہ تمام آیات کو معنویت وروحانیت کی طرف پلٹاتے تھے حتی مشرکین کے قتل کے حکم قرآنی کو نفس اور نفسانی خواہشات کے قتل کی صورت میں تفسیر کرتے تھے غرض یہ کہ تمام دنیوی مسائل اور ان سے مربوط تمام چیزوں کی تاویل

معنویت میں کرتے تھے۔

ان افراد نے قرآن کے صرف ایک پہلوکو درک کیا تھا یعنی صرف معنوی پہلو کو اور وہ بھی ناقص صورت میں اور تمام مسائل کو اسی کی جانب پلٹاتے تھے۔ ان کے مدمقابل ایک اور گروہ آیا اور اپنے ردعمل کو ظاہر کیا آج بھی ان کے نظریات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ایک وہ گروہ تھا جو قرآن واحادیث کو ماوراء الطبیعت علوم کی صورت میں تاویل کرتا اور اس دنیا، حکومت اسلامی اور دیگر شعبہ زندگی سے بالکل غافل تھا۔ ان کے مقابلے میں ایک گروہ ان کا حد درجہ مخالف تھا۔ ان لوگوں نے معنویت کو مادیت پر فدا اور انہوں نے مادیت کومعنویت پر قربان کردیا۔ ہرآیت جو انکے ہاتھ لگتی اسے ایک دنیوی امر کی صورت میں معنی کرتے کہ جیسے سب کچھ اسی دنیا میں ہے اور ماوراء دنیا کچھ نہیں ! ان لوگوں کی نظر میں عالم غیب کے ماوراء کچھ نہیں تھا اور کسی حد تک ان کی باتیں صحیح بھی تھیں لیکن اس دوسرے گروہ نے تو دنیا پر سب کچھ قربان کردیا گویا کہ اس عالم کے بعد کچھ بھی نہیں ہے !

قرآن میں تفکر اور تفسیر بالرائے

بہت سے لوگوں نے اپنے باطل اور بے بنیادعقیدے کی بنیاد پر قرآن میں تفکر وتدبر کوتفسیر بالرائے سے تشبیہ دی ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ ان لوگوں نے غلط رائے اور باطل عقیدے سے قرآن سے مستفید ہونے کی راہوں کو بالکل مسدود کرکے قرآن کو معاشرے میں یکتا وتنہا کردیا جبکہ اخلاقی ایمانی اورعرفانی فوائد حاصل کرنا کسی بھی طرح تفسیر سے مربوط نہیں کہ ہم اسے تفسیر بالرائے کا نام دیں۔ مثلاً اگر کوئی حضرت موسیٰؑ کی حضرت خضرؑ سے ملاقات، اپنی تمام عظمت ونبوت کے باوجود مزید علمی مقامات تک رسائل کے لئے ان کی حضرت خضرؑ سے گفتگو، اپنی حاجت کو بہت مؤدبانہ طریقے سے جیسا کہ آیۂ شریفہ هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا ۱۶ میں ذکر کیا گیا ہے، حضرت خضرؑ کی خدمت میں پیش کرنے سفر کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کرنے، حضرت خضرؑ کے جواب اور حضرت موسیٰ کی عذرخواہی کرنے، علم کے بلند وبالا مقام اور ایک شاگرد کے اپنے استاد کے سامنے منازل سلوک طے کرنے کے لئے زانوئے ادب تہہ کرنے میں .. کہ شاید اس واقعے میں بیس آداب ذکر کئے گئے ہوں.. غوروفکر اور ان کے مطالب سے استفادہ کرے تو اس کا تفسیر سے

کیا تعلق ہے کہ ہم تفسیر بالرائے کا دروازہ کھولیں یہ وہ مطالب ہیں جنہیں انسان تلاوت سے خود بھی اخذ کرسکتا ہے۔ قرآن کی بہت سی آیتیں اسی طرح ہیں (کہ جن میں تفسیر کی ضرورت نہیں) مثلاً معرفت کو بیان کرنے والی آیتوں میں کہ اگر کوئی تمام حمدوثناء اور تعریف کو خدا ہی سے مخصوص کرنے والے قول خدا الحمد للّٰہ ربّ العالمین سے توحید افعالی کے نکات درک کرے اور کہے کہ اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس عالم میں موجود تمام کمال وجمال اور عزت وجلال جسے چشم کور اور مادیت کے غلافوں اور حجابوں میں لپٹا ہوا دل لوگوں سے ہی منسوب کرتا ہے، صرف اور صرف خداوندعالم سے مخصوص ہے اور کوئی ایسا موجود نہیں جو خود کسی چیز کا مالک ہو لہٰذا تمام حمدو ثناء اور تعریف صرف اسی کیلئے ہے اوراس میں کوئی اسکا شریک نہیں ،تو یہ تمام باتیں کس تفسیر سے مربوط اور ماخوذ ہیں کہ ہم اس کا نام تفسیر بالرائے رکھیں ؟ اس کے علاوہ اور بہت سے امور ہیں کہ جو خود کسی کلام یا تحریر سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ کسی بھی طرح تفسیر سے مربوط نہیں۔ اسکے علاوہ خود تفسیر بالرائے میں بھی گفتگو کی گنجائش موجود ہے کہ جو شاید آیات معارف ،برہان واستدلال کے میزان پر پورے اترنے والے عقل علوم اور اخلاق کو بیان کرنے والی آیات کہ جن میں عقل کو غور وفکر کی اجازت ہے سے مربوط نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ تفسیر یں برہان عقلی یا عقل کے واضح اعتبارات کے عین مطابق ہیں اگراس کا ظاہری معنی حقیقت کے برخلاف ہوتو اسے ظاہری معنی پر حمل نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً آیۂ کریمہ وجاء ربّک ۱۷؎ اور الرحمن علی العرش استویٰ ۱۸؎ کا ظاہری معنی دلیل وبرہان کے برعکس ہے چنانچہ اس آیت کے ظاہری معنی کو رد کرنا اور دلیل وبرہان کے مطابق اس کی تفسیر کرنا نہ تو تفسیر بالرائے ہے اور نہ ہی قابل مذمت۔

احکام کو بیان کرنے والی آیات اور تفسیر بالرائے

پس یہاں اس بات کا احتمام نہیں بلکہ قوی امکان ہے تفسیر بالرائے کا تعلق احکام کو بیان کرنے والی آیات سے ہو کہ جن میں ہم اپنی رائے دینے اور غوروفکر سے قاصر ہیں اور جن کی تفسیر صرف خالص بندگی اور اطاعت کے ذریعے خزانۂ وحی سے مربوط اور ملائکہ کی محل نزول ہستیوں سے ہی اخذ کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس باب میں اہل سنت فقہا کے نظریات کے برخلاف جو دین خدا کو اپنی عقل اور قیاس سے سمجھنا چاہتے ہیں، بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ لیس شئ بعد من

عقول الرجال من تفسیرالقرآن۱۹ ایک اور روایت میں ہے کہ دین الله لایصاب العقول ۲۰ یہ تمام احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ (دین اللہ) سے مراد دین کے تعبدی احکام ہیں کہ جن کے سامنے بغیر کسی چوں وچرا کے سر تسلیم خم کردینا چاہئے تاکہ انسان تعبد (خالص بندگی) کی منزل کو پاسکے ورنہ تو کائنات کے صانع ، اس کی وحدانیت اور پاکیزگی ، اثبات معاد ونبوت بلکہ تمام معارف دین میں عقل کو غوروفکر اور تدبر کا پورا حق حاصل ہے اور اسی سے مخصوص ہے۔

تفسیر بالرائے ممنوع ہے

کچھ عرصے پہلے کچھ ایسے لوگ سامنے آئے جو سرے ہی سے تفسیر بیان کرنے کے اہل نہیں تھے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ اپنے من پسند مقاصد ومطالب کو قرآن وسنت سے منسوب کردیں حتی کہ سوشل ازم کے حامیوں اور کمیونسٹوں نے بھی اپنے آپ کو قرآن سے صرف اسی لئے منسلک کیا تھا تاکہ اپنے مقاصد کو قرآن سے منسوب کرسکیں۔ ان کو نہ تفسیر سے کوئی کام تھا اور نہ ہی قرآن سے کوئی دلچسپی۔ یہ لوگ صرف قرآن سے اپنے کاموں کا جواز پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ نوجوان نسل کو گمراہ کرسکیں اور یہ ظاہر کریں کہ ان کی باتیں اسلام کے عین مطابق ہیں!

لہٰذا جو بات میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ افراد جن کی علمی سطح زیادہ بلند نہیں ہے ، وہ نوجوان جو ان تمام مطالب اور دیگر اسلامی مفاہیم سے نابلد ہیں اور تمام وہ افراد جو اسلام کی صحیح معلومات نہیں رکھتے ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ قرآن کی تفسیر کریں۔ اگر وہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے قرآن کی تفسیر کریں تو ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ انکی تفسیروں پر توجہ نہ دیں۔ اسلام میں جن چیزوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک تفسیر بالرائے ہے ۲۱ کیونکہ جس نے بھی اپنی رائے کو قرآن کی کسی بھی آیت پر تھوپنے یا اپنی رائے اور ناقص فکروخیال سے اس کی تفسیر وتاویل کی کوشش کی وہ جہنمی ہے۔ پس ضروری معلوم ہوتا ہے کہ۔اہل قلم حضرات اور مفکرین کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کردیا جائے کہ وہ اپنی رائے اور ذاتی فکرو خیال سے قرآن اور اسلامی احکامات کی تفسیر وتاویل کرنے سے واقعاً پرہیز کریں۔

انفرادی رائے اور فکر کو تفسیر قرآن میں شامل کرنا

یونیورسٹی کے طلبا اساتید، علمااور دیگر طبقوں کو چاہئے کہ قرآن کریم کی تفسیر اور احکام اسلامی

کی تاویل میں اپنی فردی وشخصی نظر اور ذاتی فکرو خیال کو داخل نہ کریں۔ اسلامی احکامات پر اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ عمل پیراہوں اور مطمئن رہیں کہ عدل وانصاف کی فراہمی ، ملک سے ظالم طاقتوں کی جڑوں کو اکھاڑنے ،ملکی خودمختاری اور آزادی کی حفاظت ، قابل عمل اقتصادی ،قومی دولت کی منصفانہ تقسیم اور اسلام کے نفاذ سے ہی معاشرہ ارتقائی منازل طے کرسکتا ہے اور اس کے لئے بیرونی ملک سے کسی کی تاویلات وتوجیہات کی ضرورت نہیں

تفسیر بالرائے کی سزا

صدر اسلام میں یہ جملہ کئی بار دہرایا گیا کہ جو کوئی اپنی رائے اور فکروخیال کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ ایک قسم کی قبل از وقت کہی گئی بات ہے کہ اگر کوئی قرآن کے برخلاف اپنی فکر اور رائے سے ایک نئی چیز گڑھنا چاہئے تو اس کی اصلاح کرلی جائے لیکن یہ کام قدرے مشکل ہے کیونکہ یہ (گمراہ) لوگ قرآن سے ملتی جلتی بات کرتے ہیں جس کا حقیقت سے جدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

قرآن سے نابلد افراد کا تفسیر کرنا

بعض گروہوں کے بیانات اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے افراد نے میں جن کو اسلامی احکامات اور معارف کی تشخیص کی صلاحیت نہیں ہے بہت سے انحرافی مکتبوں کا اثر قبول کرتے ہوئے قرآن کریم اور احادیث کی اپنی عقل وفکر سے تفسیر کی ہے۔ وہ اپنی آرا کو قرآن سے منسوب کرتے ہیں اور اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہیں کہ اسلامی فقہ کے منابع ومدارک ایسی بنیادوں پر قائم ہیں جن کے لئے طولانی تحقیق اور عمیق درس وبحث کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں ان مضحکہ خیز اور سطحی استدلالوں کے ذریعہ ایک دوسرے کی نفی کرنے والی دلیلوں (ادلہ معارض) کی جانب متوجہ ہوئے بغیر اور اسلام کے عمیق اور بلند پایہ معارف کے تمام پہلوؤں کی تحقیق کیے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

منافقین اور قرآن کی تفسیر

کچھ مدت سے ہم ایسے لوگوں میں گرفتار ہیں جو پہلے گروہ کے بالکل برعکس ہیں اور تمام

معنویت کا مادیات میں ہی خلاصہ کرتے ہیں ۔خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن نہ ان کا نظریۂ توحید اسلامی ہے اور نہ نظریہ بعثت ،نہ انکا نظریۂ نبوت اسلام کے مطابق ہے اور نہ نظریۂ امامت وقیامت ، سب اسلام کے خلاف ہے۔ یہ لوگ آج کی پیداوار نہیں بلکہ حوزہ علمیہ قم کی ابتدا میں بھی ایسے لوگ تھے۔ اسی طرح کے چند عمامہ پوش افراد ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے درس و بحث سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قیامت یہی دنیا ہے اور تمام جزا بھی اسی دنیا میں ملے گی ! اس قسم کے افراد تھے اور ماضی میں بھی تھے اور اب ان کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ جب میں نجف اشرف میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا تو ایک گروہ کا نمائندہ میرے پاس آیا اور تقریباً چوبیس دن نجف اشرف میں رہا۔ میں نے اسے ہرروز مہلت دی کہ روزانہ ایک گھنٹہ یا کچھ زیادہ وقت کے لئے میرے پاس آئے تاکہ مجھ سے بحث کرے۔ اس کی تمام باتیں قرآن ونہج البلاغہ سے اخذ شدہ تھیں لیکن اس نے کسی چیز کو بھی صحیح طرح نہیں سمجھا تھا اسی لیے مجھے اسکے بارے میں سوءظن پیدا ہوگیا۔

قرآن کو گوشہ نشین کرنے کا نتیجہ تفسیر بالرائے ہے

معرفت خدا اور اس کے سیروسلوک کو بیان کرنے والی یہ کتاب ہمارے جاہل ونادان دوستوں کی وجہ سے معاشرے میں تنہا رہ گئی اور اسے تاریک گوشے میں ڈال دیا گیا۔تفسیر بالرائے اور انحرافی اقوال وآرا کے ذریعے اسے بیان کیا جانے لگا جسے تمام ائمہ ہدیٰؑ نے ممنوع قرار دیا تھا اور ہر شخص اپنی نفسانیت،خودغرضی اور اپنے شخصی نظریات سے اس کی تفسیر کرنے لگا۔

اپنی رائے سے قرآن کی تاویل ممکن نہیں

ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو تمام شخصی ،اجتماعی سیاسی، ملکی منافع اور دیگر تمام چیزوں کی حامل ہے۔ البتہ ان تمام تفسیروں اور بیانات سے اس کا فہم ممکن ہے جو اہل تفسیر سے متعلق ہوں۔ ہم اپنی ناقص رائے وعقل سے قرآن کی تاویل نہیں کرسکتے۔ہمیں اس ناقابل تردید حقیقت کی طرف ہمہ تن وہمہ وقت متوجہ رہنا چاہئے کہ'' قرآن کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کا حقیقی مخاطب ہے۔'' پس وحی اور وحی سے وابستہ افراد کے ذریعے قرآن کو سمجھیں اور الحمد للہ ہم اس سلسلے میں بہت غنی ہیں۔

حوالے:

۱۔سورہ بقرہ ، آیت ۲

۲۔ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا ہے، پس ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے۔(سورہ قمر، آیت ۱۷)
۳۔اے رسول ہم نے تمہاری طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو صاف صاف اور واضح طور پر بیان کردو کہ ان کی طرف کیا چیز نازل کی گئی ہے شاید وہ تفکر کریں (سورہ نحل ،آیت ۴۴)
۴۔ ہم نے تمہاری جانب مبارک کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور صاحب عقل واندیشہ نصیحت حاصل کریں۔(سورۂ ص ، آیت ۲۹)
۵۔انہوں نے خدا کیلئے زحمت وکوشش کی اور خدا کیلئے نیکی انجام دی چنانچہ انکا اجر خدا ہی پر ہے۔
۶۔ہم قرآن سے وہ نازل کرتے ہیں جو مومنین کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کیلئے سوائے نقصان کے کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔(سورہ اسرائیل ، آیت ۸۲)
۷۔ خداوندا! ہم نے اپنے اوپر خود ظلم کیا اور تو اگر ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو بے شک ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔(سورہ اعراف ،آیت ۲۳)
۸۔محمد بن علی بن محمد عربی(۵۶۰۔۶۳۸ ہجری) ساتویں صدی ہجری کے بڑے اسلامی عرفا میں شمار کیے جاتے ہیں ۔ یہ'' ابن عربی''،'' محی الدین'' اور'' شیخ اکبر'' کے نام سے معروف ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب'' فتوحات مکیہ'' میں آیات قرآن کی عرفانی روش پر تفسیر کی ہے۔
۹۔ملا عبد الرزاق بن جمال الدین (جلال) کاشانی ،کنیت'' ابو الغنائم'' اور لقب'' کمال الدین'' کی شہرت سے آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عرفا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انکے تفسیری مطالب ان کی کتاب ''تاویل الآیات'' یا ''تاویلات القرآن'' میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔
۱۰۔سلطان محمد بن حیدر الجنابذی الخراسانی'' سلطان علی شاہ'' کے نام سے چودہویں صدی ہجری کے عارفوں اور صوفیوں میں شمار کیے جاتے ہیں ۔ ان کی تفسیر'' بیان السعادہ فی مقامات العبادہ'' رمز واسرار کے مطالب اور فلسفی نکات سے پُر ہے۔
۱۱۔ طنطانوی بن جوہری مصری (۱۲۷۸۔۱۳۵۸ ہجری) کا شمار مصری دانشمندوں اور قاہرہ دار العلوم کے استادوں میں سے ہوتا ہے۔ ان کی تفسیر کا نام''الجوھری فی تفسیر القرآن الکریم'' ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں مسلمانوں کی ضرورت کے احکام اور اخلاق کے بارے میں قلم اٹھایا ہے۔ انکی تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت وہ علمی مباحث ہیں کہ جن میں انہوں نے ۷۵۰ آیتوں کو علوم طبیعی سے تطبیق دی ہے۔
۱۲۔ سید بن قطب بن ابراہیم ، چودہویں صدی ہجری کے مصری مفکروں میں سے ہیں۔ آپ مصر کے بڑے محققین اور عربی زبان کے استادوں میں سے ایک ہیں۔ آپ اخوانالمسلمین کے رکن اور اس کے اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ سید قطب مصر میں جمال عبد الناصر کی حکومت میں گرفتار ہوئے اور آپ کو پھانسی دی گئی۔ تفسیر قرآن میں

آپ کی ''التصویر الفنی فی القرآن''، ''مشاھدۃ القیامۃ فی القرآن'' اور تفسیر فی ظلال القرآن'' زیادہ شہرت رکھتی ہیں کہ جس میں آپ اجتماعی مباحث کو زیر بحث لائے۔

۱۳۔مجمع البیان فی تفسیر القرآن؛ یہ تفسیر ابوعلی فضل بن حسن بن فضل طبرسی (۴۷۲۔۵۷۸یا۵۵۱ہجری) چھٹی صدی ہجری کے بلند پایہ مفسر اور عالم تشیع کے بڑے فقہا میں شمار کیے جاتے ہیں ۔ انہوں نے اپنی گرانقدر تفسیر میں ادبی بحثوں ،علم قرائت ، دوسرے مفسروں کے اقوال اور آیات کے مطالب کو بیان کیا ہے۔

۱۴۔سورۂ بقرہ آیت ۱۵۶

۱۵۔حضرت امام خمینیؒ کا اشارہ انقلاب مخالف چھوٹے چھوٹے مسلح گروہوں کی جانب ہے جواوائل انقلاب میں ہر جگہ فتنہ برپا کرتے تھے۔

۱۶۔سورۂ کہف ۔آیت ۶۶

۱۷۔اور روز قیامت تمہارا پروردگار آئے گا۔ (سورۂ فجر ،آیت ۲۲)

۱۸۔اور رحمٰن نے عرش پر اقتدار وتسلط (استیلاء) پالیا۔ (سورۂ طٰہ ،آیت ۵)

۱۹۔تفسیر قرآن سے زیادہ کوئی چیز لوگوں کی عقل سے دور نہیں (بحارالانوار، ج ۸۹،ص ۹۵)

۲۰۔دین خدا کو انسانوں کی ناقص عقول کے ذریعے نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ (بحار الانوار،ج ۲،ص ۳۰۳)

۲۱۔عن النبیؐ (من فسر القرآن برایہ فلیتبوا معقدہ من النار) (رسول اکرمؐ: جو اپنی فکرورائے کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔)

قرآن کی شناخت

از آیت اللہ شہید مطہری

قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جو خداوند عالم کی طرف سے نازل ہوئی ہے جس کا بنیادی مقصد بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی ہے تاکہ وہ دنیا کی رعنائیوں میں اس قدر گرفتار نہ ہوکہ اسے راہ نجات کی فکر ہی نہ رہ جائے۔ واضح رہے کہ راہِ نجات وصراط مستقیم کی نشاندہی کے لئے خداوند عالم نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے قبل ہزاروں انبیاء علیہم السلام ارسال فرمائے اور متعدد مقدس کتابیں اور آسمانی صحف بھی نازل کئے لیکن قرآن مجید کا شرف امتیاز یہ ہے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور ہمارے پیغمبر آخر الزماں کا معجزہ جاوید ہے واضح رہے کہ قیامت تک قرآنی ارشادات اور پیغمبر آخر الزماں کی ہدایتوں کی تعمیل کے ذریعہ ہی خداوند عالم کی رضا وخوشنودی ممکن ہے جس کو انسانی حیات کا ماحصل قرار دینا مبالغہ نہ ہوگا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ اسلام دشمن سامراجی طاقتوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ امت اسلامیہ قرآن اور قرآنی علوم ومعارف کی گہرائیوں سے ناواقف رہ جائے وہ زبان سے قرآنی عبارت کی تلاوت تو کرے لیکن اس کتاب میں کیا کہا گیا ہے اس کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے۔ خوبصورت اور بیش قیمت غلاف میں اس کتاب کو گھر کی سب سے زیادہ اونچی جگہ پر رکھا جائے لیکن انسان اس میں مذکور اعلیٰ افکار وعقائد سے ناواقف رہ جائے۔ ایسے نامساعد اور اسلام دشمن ماحول میں قرآن کی شناخت ومعرفت کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ آیت اللہ شہید مطہری کے درج ذیل مضمون سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ (ادارہ)

ہر عالم اور ہر مومن کے لئے قرآن کی شناخت واجب وضروری ہے لیکن ایک انسان شناس اور معاشرہ شناس عالم کے لئے قرآن کی شناخت اس لئے بہت ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے کی سرنوشت بلکہ بشریت کی تکوین سرنوشت میں قرآن نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ تاریخ کے سرسری مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بشری معاشرہ تو خیر! ہر انسان کی زندگی پر عملی طور سے قرآن نے جو اثر چھوڑا ہے کسی دوسری کتاب نے اسے اتنا متاثر نہیں کیا ہے۔

اسی لئے قرآن خود بخود علم سماجیات کی بحث میں داخل ہوکر اس علم کے تحقیقاتی موضوعات کا جزو بن جاتا ہے۔ میری اس گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ اس چودہ سوسال کے عرصے میں دنیوی تاریخ کی تحقیق عموماً اور اسلامی معاشرے کی شناخت خصوصاً قرآن کی شناخت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ قرآن

کی شناخت ایک مرد مسلمان ومومن کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان کے دین وایمان کی بنیاد کا اصلی منبع یہی مقدس کتاب ہے جو مرد مومن کو نہ صرف حرارت زندگی عطا کرتی ہے بلکہ اس کی زندگی کو روحانی عظمتوں سے مالامال کردیتی ہے۔

قرآن ایسی مذہبی کتابوں کی طرح نہیں ہے جن میں صرف خدا خلقت وتکوین کے سلسلے میں مسائل اور زیادہ سے زیادہ کچھ اخلاقی نصیحتیں ہوں اور اس کے سوا کچھ اور ان کتابوں کے ماننے والے دیگر منابع سے دستور وافکار لینے پر مجبور ہوں۔نہیں ایسا ہرگزنہیں ہے بلکہ ہر انسان کے لئے ایک ''باایمان'' موجود ہونے کے ناطے جن عقائد وافکار کا جاننا ضروری ہے اور جن اصول تربیت واخلاق اور اجتماعی وخانوادگی نظام کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کو قرآن نے اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے ۔ صرف تفسیر وتوضیح وتشریح کو اور کبھی کبھی اجتہاد یعنی تطبیق اصول برفروع کو سنت کے ذریعہ مجتہد کی ذمہ داری کے حوالے کردیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی منبع سے استفادہ شناخت قرآن سے قبل غیرممکن ہے قرآن تمام دیگر منابع کا معیار وپیمانہ ہے۔ حدیث وسنت کو بھی قرآنی معیار پر پرکھنا ضروری ہے کیونکہ جواحادیث وسنن، قرآن کے مطابق ہیں ہم صرف انہی کو قبول کریں گے۔

قرآن مجید کے بعد احادیث کے سلسلے میں سب سے معتبر اور مقدس ترین مآخذ ہمارے یہاں کتب اربعہ ہیں۔ کافی،من لایحضرہ الفقیہ، تھذیب الاحکام، استبصار --اورخطبوں میں نہج البلاغہ اور دعاؤں میں صحیفہ سجادیہ ہے۔لیکن یہ سب قرآن ہی پر موقوف ہیں لیکن قرآن کے برابر قطعی الصدور نہیں ہیں۔کتاب کافی اتنی ہی معتبر ہے کہ جتنی قرآن کے مطابق اور تعلیمات قرآن کے موافق ہے ۔خود رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کا فرمان ہے ہماری حدیثوں کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کردیکھو اگر وہ قرآن کے مطابق نہیں ہیں تو سمجھ لو کہ جعلی ومن گھڑت ہیں اور لوگوں نے ہماری طرف غلط نسبت دی ہے کیونکہ ہم قرآن کی موافقت کے بغیر کچھ کہتے ہی نہیں ہیں!

شناخت قرآن کی قسمیں

جب یہ بات طے ہوگئی کہ ''شناخت قرآن'' کی ضرورت ہے تو اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کتاب کی شناخت کیونکر ہوسکتی ہے؟ ہر کتاب کے مطالعہ اور اس کی تحقیق کے لئے بطور کلی تین قسم کی معلومات کا فراہم ہونا ضروری ہے۔

سند یا انتساب

اس سلسلے میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ کتاب کی نسبت جس مصنف یا مؤلف کی طرف دی گئی ہے وہ کس حد تک یقینی ہے؟ مثلاً فرض کیجئے ہم دیوان حافظ یا دیوان خیام یا دیوان غالب کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ حافظ کی طرف منسوب تمام دواوین حافظ ہی کے ہیں یا ان میں سے کچھ تو واقعاً حافظ کے ہیں باقی سب حافظ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں جو حافظ کے نہیں ہیں۔ اسی طرح خیام وغالب کے دیوانوں کو دیکھنا پڑے گا۔ اور یہیں سے نسخوں کا مسئلہ اٹھ کھڑے ہوتا ہے کہ ان میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ معتبر نسخہ کونسا ہے؟ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا کی ہر کتاب کے لئے یہی بات ہوگی۔

حافظ کا وہ دیوان جسے مرحوم قزوینی نے شائع کیا ہے اور جس کی صحت میں معتبر ترین نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ وہ حافظ کے ان عام دیوانوں سے جو بمبئی یا ایران میں چھپے ہیں اور جن کے نسخے حافظ کے خاندان میں موجود ہیں ان سے کافی مختلف ہے۔ حافظ کے وہ نسخے جو ۳۰، ۴۰ سال پہلے چھپے ہیں آج کے ان نسخوں کے مقابلے میں جنہیں ماہرین معتبر سمجھتے ہیں تقریباً حجم میں دوگنے ہیں۔ حالانکہ ماہرین نے جن اشعار کو جعلی اور حافظ کی طرف ان کی نسبت کو غلط بتایا ہے ان میں کبھی ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جو حافظ کے اعلیٰ معیار پر پورے اترتے ہیں جو سب ایک ہی سطح کی ہیں اور اگر ان میں کوئی اختلاف ہے بھی تو صرف اسی قدر جو دیگر شعراء کے یہاں ہوتا ہے، حالانکہ اگر آپ تاریخی لحاظ سے ماضی کی طرف دیکھتے چلے جائیں اور خیام سے قریب تر جو زمانہ ہے تو اس میں آپ کو یقینی طور سے یہ ملے گا کہ جو تعداد خیام کی طرف قطعی وحتمی طور پر سے منسوب ہے وہ شاید بیس سے بھی کم ہو۔ باقی کی صحت مشکوک ہے یا پھر وہ قطعاً دوسروں سے متعلق ہیں۔

اس لئے کسی بھی کتاب کی شناخت کے لئے سب سے پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے با اعتبار سند اس کا قائل یا اس کا لانے والا کس قدر معتبر ہے؟ آیا سب ہی کی سند معتبر ودرست ہے یا اس کا کچھ حصہ تو معتبر ہے اور کچھ غیر معتبر، ایسی صورت میں کتنے فیصد مطالب کی تائید ہم انتساب کے اعتبار سے کر سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ ہم کس دلیل کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچھ حصہ معتبر اور کچھ قطعاً غیر معتبر اور کچھ مشکوک ہے؟

اس قسم کی شناخت کا وجود قرآن میں نہیں ہے اور صرف قرآن ہی دنیا کی وہ واحد قدیم ترین کتاب ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اب تک بغیر شک وشبہ کے باقی ہے۔ اس کے اندر ایسے مسائل کہ'' فلاح سورہ مشکوک ہے فلاں آیت فلاں نسخہ میں ہے، فلاں میں نہیں ہے'' کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ ان تمام آیات کے لانے والے محمد بن عبداللہ ہیں کہ ان تمام آیتوں کو بعنوان معجزہ اور کلام الٰہی آپؐ ہی لائے نہ کوئی شخص مدعی ہے اور نہ کسی نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ قرآن کا کوئی دوسرا نسخہ موجود تھا یا موجود ہے بلکہ اب تک دنیا میں کوئی ایسا مستشرق نہیں پیدا ہوا جو قرآن شناسی کے سلسلے میں کہے کہ قرآن کے قدیم ترین نسخوں کو تلاش کرکے دیکھنا چاہئے کہ اس میں کیا چیزیں ہیں اور کیا نہیں ہیں۔ تورات، انجیل، اوستا، شاہنامہ گلستان اور دوسری کتابوں کے لئے یہ احتمال ہے مگر قرآن کے بارے میں ایسا کوئی احتمال موجود نہیں ہے۔

قرآن ایک مقدس ترین کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلامؐ کے دعوے پر برہان صادق اور دلیل محکم بھی ہے اور رسول اسلام کا سب سے بڑا معجزہ بھی یہی ہے۔ ایک خصوصیت قرآن کی یہ بھی ہے کہ یہ وہ تورات کی طرح ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوا کہ بعد میں یہ اعتراض اٹھ سکے کہ اس کا اصل نسخہ کون سا ہے بلکہ قرآن کی آیتیں ۲۳ سال تک وقتاً فوقتاً ضرورت کی بناء پر بتدریج نازل ہوتی رہیں اور پہلے ہی دن سے مسلمانوں نے قرآن کی آیتوں کو حفظ وضبط کرنا شروع کردیا اور جس طرح ایک تشنہ لب ٹھنڈے وشیریں پانی کا طلبگار ہوتا ہے قرآنی آیات کے سلسلے میں مسلمانوں پر ہمیشہ یہی کیفیت طاری رہی۔

اس کے علاوہ اس زمانے میں مسلمانوں کے پاس کوئی دوسری کتاب بھی نہیں تھی جس کے حفظ اور ضبط پر مسلمان مجبور ہوں، چونکہ نوعا مسلمان لکھے پڑھے نہیں تھے اور بالکل خالی الذہن تھے اور بے پناہ حافظہ کے مالک تھے اور قرآن کی لطافت وبلاغت ان کے مزاج کے موافق تھی اس لئے آیات قرآنی ان کے سینوں میں اس طرح پیوست ہوجاتی تھی جس طرح پتھر پر نقش۔ اور چونکہ یہ لوگ قرآن کو خدا کا کلام سمجھتے تھے اس لئے اس کو مقدس سمجھتے تھے اور ایک کلمہ یا ایک حرف میں ردوبدل کے قائل نہ تھے نہ آگے پیچھے کرنے کو جائز جانتے تھے اور ان کی کوشش رہتی تھی کہ خدا سے قربت کا ذریعہ صرف تلاوت قرآن ہے اس لئے بیشتر اوقات مشغول تلاوت رہا کرتے تھے یہی اسباب تھے کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف نہ ہوسکی۔

اس کے علاوہ نزول قرآن کے پہلے دن سے رسول اکرمؐ نے کچھ مخصوص افراد کو قرآن کی کتابت کے لئے متعین کردیا تھا جو ہر نازل ہونے والی آیت کو لکھ لیا کرتے تھے۔ انکو ''کتاب وحی'' کہا جاتا تھا۔ اس قسم کے اسباب حفاظت کسی بھی قدیمی کتاب کو حاصل نہیں ہوسکے اور انہیں اسباب کی بناء پر وہ تمام اقسام کی تحریف سے محفوظ ومصؤن رہا۔منجملہ دیگر اسباب قبولیت کے لوگوں میں قرآن کے مقبول ہونے کا ایک اہم سبب اس کتاب کا غیر معمولی فصاحت وبلاغت کا حامل ہونا تھا۔ قرآن کی ادبیت لوگوں کو فوراً اپنی طرف کھینچ لیتی تھی اور لوگ بڑی جلدی سے اسے حفظ کر لیتے تھے۔

برخلاف دیگر ادبی کتابوں کے مثلاً دیوان حافظ ،مثنوی مولانا روم وغیرہ کہ جو حضرات اس سے دلچسپی رکھتے ہیں اس میں اپنی مرضی سے افسانہ وکمی کردیتے ہیں تاکہ اپنی نظر میں اسے کامل تر کر دیں۔لیکن قرآن کے سلسلے میں کسی کی یہ ہمت نہیں تھی کہ ذراسی ترمیم وتنسیخ کرسکے۔ کیونکہ اگر کوئی سوچتا بھی ہوگا تو قرآن کی یہ آیت:ولوتقوّل علینا بعض الاقاویل☆لاخذنا منه بالیمین☆ ثم لقطعنا منه الوتین☆[۱]

ترجمہ :'' اگر اس نے گھڑہ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے''۔ اور اس کے علاوہ دوسری آیتیں خداپر جھوٹ باندھنے کے عظیم گناہ کو آشکار کردیتی ہیں اور اس سے ہر شخص کے ذہن میں یہ بات میں بیٹھ جاتی تھی اور اس امر کے خیال سے بھی دوری اختیار کرتا ہے۔ اس طرح اس آسمانی کتاب میں تحریف ہونے سے پہلے پہلے اس کی آیتیں متواتر ہوگئیں اور اس منزل پر پہنچ گئیں کہ ان کے انکار یا ایک حرف کی بھی کمی بازیابی کا امکان ہی ختم ہوگیا۔لہٰذا قرآن کے بارے میں اس قسم کی بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے اور ہر قرآن شناس قرآن کے بارے میں اس بحث کو لغو سمجھتا ہے۔

ہاں ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ جب اسلامی حکومت چڑھتے ہوئے سورج کی طرح تمام دنیا کو اپنے زیرنگیں کررہی تھی اور تمام دنیا کی نظریں قرآن کی طرف لگی تھیں۔ اور مدینہ سے، جو حافظان قرآن وصحابہ کا مرکز تھا، عام مسلمانوں کی دوری تھی اس وقت یہ خطرہ بہت زیادہ تھا کہ رفتہ رفتہ کم از کم دور افتادہ مقامات پر عمداً یا سہواً یا اشتباہاً قرآن کے نسخوں میں کچھ کمی وبیشی یا رد وبدل ہوجائے لیکن مسلمانوں کی ذہانت اور موقع شناسی نے قرآن کو اس سے بچالیا اور مسلمانوں نے تو پہلی صدی ہی کے پانچ دہائیوں تک اس سر پر منڈ لانے والے خطرہ کو محسوس کرلیا تھا۔اس لئے

حافظا قرآن اور صحابہ کرام کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دور افتادہ مسلمانوں کے لئے مدینہ سے تصدیق شدہ قرآن کے نسخے بھیج دئے گئے تا کہ اس میں کوئی کمی یا زیادتی جان بوجھ کر یا بھولے سے بھی نہ ہونے پائے اور اس طرح قرآن کو ہمیشہ کے لئے تحریف سے بچا لیا گیا اور خصوصاً یہودیوں کی دسیسہ کاریوں اور مکاریوں سے محفوظ کرلیا گیا جن کا مشغلہ ہی یہی تھا۔

شناخت تحلیلی

شناخت تحلیلی سے مراد اس بات کو طے کرنا ہے کہ کتاب کن مطالب پر مشتمل ہے؟ کس مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے؟ کائنات کے بارے میں اس کتاب کا کیا نظریہ ہے؟ انسان کے بارے میں اس کا کیا تصور ہے؟ معاشرے کے بارے میں کونسا زاویہ نگاہ ہے؟ کتاب کے مطالب کو کس انداز سے پیش کیا گیا ہے؟ مسائل کو حل کرنے کے کیا انداز ہیں؟ اس کتاب کا نقطہ نظر فلسفیانہ ہے یا آج کی اصطلاح میں عالمانہ ہے؟ یہ کتاب واقعات کو ایک عارف کی نگاہ سے دیکھتی ہے یا اس کا خود اپنا ایک مخصوص انداز ہے؟اس کے فوراً بعد دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ کتاب بشریت کے لئے کوئی پیغام یا رہنمائی کا کام انجام دیتی ہے یا نہیں؟ اب اگر جواب مثبت ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام کیا ہے؟مختصر یہ کہ پہلی قسم کے سوالات اس بات سے مربوط ہیں کہ کائنات، انسان، حیوان، زندگی، اور موت وغیرہ کے بارے میں کتاب کا کیا نظریہ ہے؟ اس بات کو جامع لفظوں میں اس طرح بھی کہاجاسکتا ہے کہ کتاب ''آفاقیت'' سے مربوط ہے یا بقول اہل فلسفہ یہ کتاب حکمت نظری سے متعلق ہے۔ (حکمت عملی سے نہیں)لیکن دوسری قسم کے سوالات کا مقصد یہ ہے کہ کتاب انسانی مستقبل کے لئے کیا نظریہ پیش کرتی ہے انسانی اور انسانی معاشرے کو کس نمونہ کی بنیاد پر تربیت کرنی چاہئے؟ اسی کو ہم ''کتاب کا پیغام'' کہتے ہیں۔بہر حال اس قسم کی شناخت مشتملات کتاب سے مربوط ہے اور ہر کتاب کے بارے میں اس نظریہ سے بحث کی جاسکتی ہے چاہے وہ بوعلی سینا کی کتاب شفاہو یا سعدی کی گلستان! یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کتاب کے اندر نہ تو کوئی نظریہ پیش کیا گیا ہوا اور نہ کوئی پیغام! یا اس میں صرف نظریات سے بحث ہو پیغام کا نام ونشان بھی نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب دونوں باتوں کی حامل ہو۔

قرآن کی شناخت تحلیلی کے سلسلے میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن مجموعی طور سے کن مسائل پر مشتمل ہے؟ اور قرآن نے ان مسائل کو کس طرح پیش کیا ہے؟ مختلف چیزوں کے بارے میں قرآن

کے احتجاجات استدلات کس قسم کے ہیں؟ آیا چونکہ قرآن ایمان کا محافظ ونگہبان ہے اور اس کا پیغام ایک ایمانی پیغام ہے وہ عقل کو ایک رقیب کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عقل کے تمام تہاجم کی روک تہام کرے اور رقیب کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دے یا اس کے برعکس عقل کو ایک مددگار اور دفاع کرنے والے کی نظرے دیکھتا ہے اور اس کی طاقت سے مدد حاصل کرتا ہے۔ یہ سوالات اور اس قسم کے سینکڑوں سوالات ہیں جو قرآن کی شناخت تحلیلی کے سلسلے میں پیش آتے ہیں جو قرآن کی ماہیت سے آشنا کرتے ہیں۔

بنیادی شناخت:

جب کسی کتاب کا استناد وانتساب صحیح طریقے سے کسی مصنف کی طرف ثابت ہوجائے اور مضامین کتاب کی باقاعدہ تحقیق ہوجائے تو پھر اس کے بعد یہ تحقیق کرنا چاہئے کہ کتاب میں درج مضامین خود مصنف کے افکار وخیالات ہیں یا مصنف نے دوسروں کے مفاہیم کو اپنے الفاظ کے سانچے میں ڈھالا ہے مثلاً دیوان حافظ ہی کو لے لیجئے کہ اس کی مستند تحقیق اور تحلیلی شناخت کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ حافظ نے جن مطالب وافکار کو کلمات جملوں، اشعار کے سانچے میں ڈھالا ہے اور اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے یہ سب خود حافظ کی ایجاد واختراع ہے یا صرف الفاظ، کلمات، خوبصورتی وزیبائی تو حافظ کی ہے لیکن فکرومطالب کسی ایک یا کئی دوسرے افراد کی مرہون منت ہے۔

اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حافظ کی ہنری اصالت ثابت ہونے کے بعد ان کی اصالت فکری بھی ثابت ہونی چاہئے۔ممکن ہے کہ حافظ ایک ہنرمند شخص ہوں، نہ مفکر ہوں نہ عارف اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ہنرمند ہونے کے ساتھ ساتھ مفکر بھی ہوں اور عارف بھی۔ حافظ کے بارے میں جو بات طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ حافظ کا شمار شاعر ہونے سے پہلے علماء میں ہوتا تھا۔ وہ دوسروں کے افکار وتحریر سے بہت پہلے سے واقف تھے شعراء ادباء مفسرین، فقہا کے افکار وکتب سے خاصی واقفیت رکھتے تھے، خصوصاً عرفا کے کلام سے بہت زیادہ واقف تھے اور یہ بات مطالعہ کی مرہون منت نہیں تھی بلکہ تمام یا اکثر چیزوں کو اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرکے حاصل کیا تھا۔ اگرچہ ہمارے زمانے میں حافظ صرف شاعر ہونے کے ناطے پہچانے جاتے ہیں۔ بحیثیت عالم ان کو کوئی نہیں جانتا۔ حالانکہ وہ اپنے زمانے میں ایک برجستہ عالم تھے جو کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا

کرتے تھے۔ حافظ کے زمانے سے قریب جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں حافظ کے لئے جو القاب استعمال کئے گئے ہیں وہ زیادہ تر عالم کے لئے استعمال ہوتے ہیں نہ کہ شاعر کے لئے۔اب اس جیسے عالم کے لئے ---جو اپنی زبان کے اصولوں سے باقاعدہ واقف تھا اور عرفان وسیر وسلوک معنوی کے بارے میں کافی سے زیادہ معلومات رکھتا تھا۔سلوک عرفانی کی منازل کو دوسرے فارسی شاعروں کی بہ نسبت جس نے اپنے اشعار میں زیادہ استعمال کیا ہے--- یہ سوال اٹھتا ہے کہ ان افکار کے پیش کرنے میں حافظ صرف مقلد تھے یا ان خیالات کے موجد بھی ؟ اسی طرح مثلاً محی الدین اندلسی جن کو اسلامی عرفان کا بابا آدم کہا جاتا ہے،حافظ سے متاثر تھے کہ نہیں ؟ یا ابن فارس مصری جن کا زمانہ حافظ کے زمانے سے پہلے ہے۔ اور جو عربی وعرفانی ادبیات میں وہی اہمیت رکھتے ہیں جو حافظ فارسی ادبیات میں رکھتے ہیں۔ حافظ نے ان کے افکار سے استفادہ کیا ہے یا نہیں؟ یعنی ابن فارس نے حافظ کو متاثر کیا ہے یا نہیں؟ یہ تمام چیزیں بنیادی مسائل کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کا فریضہ ہے کہ ان تمام باتوں کا مفصل جواب دیں !

حافظ ہوں کوئی دوسرا مؤلف--- مولف کے افکار وخیالات کے بارے میں بنیادی مسائل کی تحقیق کا ایک طریقہ ہے اور اس قسم کی شناخت ،تحلیلی شناخت پر موقف ہوا کرتی ہے کہ پہلے تو بڑی باریک بینی کے ساتھ مؤلف کے افکار وخیالات کے بارے میں شناخت حاصل کی جائے اس کے بعد بنیادی شناخت کے بارے میں اقدام کیا جائے۔اور اگر اس صورت کار کو اختیار نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو بہت سے ایسے علوم کے تاریخ نویسوں کا ہوتا ہے جو علوم سے نہ آشنا ہونے کے باوجود علوم کی تاریخ لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔اس سلسلے میں بعض ان فلسفی کتابوں کے مؤلفین کا نام لیا جاسکتا ہے جو ابن سینا اور ارسطو اور ان کے متشابہات ومتفرقات کے بارے میں سینکڑوں صفحات سیاہ کردیتے ہیں ، حالانکہ نہ وہ ابن سینا کے بارے میں کچھ جانتے ہیں نہ ارسطو کے بارے میں واقفیت رکھتے ہیں۔ ان مؤلفین کی حالت یہ ہے کہ ذراسی لفظی مشابہت مل جانے پر فوراً فیصلہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ مقابلہ کرنے کے لئے بڑے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ابن سینا وارسطو جیسے فلسفیوں کے افکار وخیالات کی گہرائی کو سمجھنے کے لئے ایک عمر کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر اگر کچھ لکھا جائے گا تو وہ ظن وتخمین اور اندھی تقلید کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔

قرآن کا تینوں مرحلوں میں استقلال

قرآن کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ تینوں مرحلوں میں اصالت کا حامل ہے یعنی جہاں تک پہلی اصالت...اصالت انتساب کا سوال ہے وہ مسلم ہے یعنی قدیمی نسخوں کی تلاش وجستجو کے بغیر بلا جھجک یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آج جس کتاب کو بنام قرآن پڑھا جاتا ہے یہ بعینہ وہی قرآن ہے جس کو پیغمبر اسلام نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا تھا۔

اسی طرح دوسری اصالت یعنی مطالب قرآن کا اصلی ہونا ہے یہ بھی واضح ہے کہ قرآن کوئی اقتباسی یا نقلی کتاب نہیں ہے بلکہ اس سے تمام مضامین ابتکاری نہیں۔اب رہی تیسری اصالت یعنی یہ قرآن الٰہی کلام ہے اس کے مطالب حضرت رسولؐ کے ذہن وفکر کی تخلیق نہیں ہیں بلکہ یہ خدا کا کلام ہے۔ آنحضرتؐ کی حیثیت صرف ''حامل وحی'' کی ہے ۔قرآن کی بنیادی تحقیق کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے جس طرح دوسری اصالت شناخت تحلیل کا بھی یہی نتیجہ ہے۔

قرآن کی بنیادی تحقیق دوسری قسم کی شناخت پر موقوف ہے، اس لئے ہم اپنی بحث کا آغاز شناخت تحلیلی سے کریں گے یعنی ہم پہلے یہ تحقیق کریں گے کہ قرآن کے مضامین کیا ہیں؟ کون سے وہ مسائل ہیں جو قرآن نے پیش کئے ہیں ۔ اور وہ کون سے مسائل ہیں جن کے بارے میں قرآن بہت زیادہ حساس ہے، کن موضوعات کو قرآن نے پیش کیا ہے اگر شناخت تحلیلی کا مرحلہ بخوبی انجام پا گیا اور معارف قرآن سے کافی واقفیت حاصل کرلی تو پھر ہم اس اصالت تک پہونچیں گے جو عمدہ ترین اصالت کہی جاتی ہے یعنی ''اصالت الٰہی'' اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن معجزہ ہے۔

شناخت قرآن کی شرائط:

قرآن کی شناخت کے لئے چند مقدمات کا مختصراً بیان کرنا ضروری ہے۔

۱۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ عربی زبان کو بخوبی جانتا ہو۔ کیونکہ جس طرح حافظ وسعدی کے بارے میں آدمی اس وقت معقول جانکاری نہیں حاصل کرسکتا جب تک فارسی زبان کو نہ جانتا ہو۔ اسی طرح عربی زبان میں لکھے ہوئے قرآن سے اس وقت تک واقفیت نہیں حاصل ہوسکتی جب تک عربی زبان نہ جانتا ہو۔

۲۔ دوسری شرط تاریخ اسلام سے واقفیت کی ہے کیونکہ قرآن توریت وانجیل کی طرح کی

کتاب نہیں ہے جو ایک ہی مرتبہ میں پیغمبر کے واسطہ سے اس کی امت کے لئے بھیج دی گئی ہو۔ بلکہ قرآن بعثت سے لے کر وفات تک کے ۲۳ سالہ حیات پیغمبرؐ کے زمانے میں وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا ہے اور اسی لئے آیات قرآنی کے لئے شان نزول کا جاننا بھی ضروری ہے۔ شان نزول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آیت کے معنی کو محدود کردے بلکہ اس کا مطلب مضمون آیت کو مزید واضح و روشن کرنا ہے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ خود پیغمبر اسلامؐ کے کلام سے بھی واقفیت رکھتا ہو کیونکہ یہ نص قرآن اس کے پہلے مفسر یعنی بیان کرنے والے.. وہی ہیں چنانچہ قرآن میں ہے...وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ۲؎ اورتمہارے پاس قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں تم ان سے صاف صاف بیان کردو۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ ھو الذی بعث فی الامّیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ۳؎ وہی تو ہے جس نے مکہ والوں میں ان ہی میں کا ایک رسول (محمدؐ) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور انکے نفوس کو پاک کرتے اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔

قرآن کی نظر میں خود رسول اسلامؐ اس کتاب کے مبین مفسر ہیں اور رسول اکرمؐ کے اقوال تفسیر قرآن میں بہت معین ومددگار ہیں، اور ہم چونکہ شیعہ ہیں اور ائمہ پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کو جو چیزیں خدانے دی تھیں۔آنحضرتؐ نے اپنے اوصیاء کو منتقل فرمادیا ہے، اس لئے ائمہ معصومینؑ کی جو روایات معتبر ہیں ان کی حیثیت حدیث رسولؐ ہی کی طرح ہے اس لئے معصومینؑ کی حدیثیں بھی تفسیر میں بہت مددگار ہیں۔ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے تو قرآن کو قرآن ہی سے سمجھنے کی کوشش کی جائے کیونکہ پورا قرآن ایک عمارت کی طرح ہے۔ اگر ہم صرف ایک آیت کو قرآن سے الگ کرکے یہ کہیں کہ ہم صرف اسی آیت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو یہ صحیح طریقہ نہیں ہے اگرچہ اسکا بھی امکان ہے کہ ہم نے اس ایک آیت کا مطلب جو سمجھا ہے وہ درست ہو مگر یہ طریقہ بہر حال خلاف احتیاط ہے۔قرآن کی بعض آیتیں دوسری بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں۔۴؎

اور جیسا کہ بعض بزرگوں نے بھی فرمایا ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے اس قسم کی تفسیر کی تائید فرمائی ہے۔ یعنی قرآن کی ایک آیت کو دوسری آیتوں کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرنا...قرآن بیان مسائل کے سلسلے میں اپنا مخصوص انداز رکھتا ہے۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں کہ اگر ایک آیت کو لے

کر'' دوسری آیتوں کو دیکھے بغیر'' اسکے مفہوم کو دیکھا جائے اور پھر اسی قسم کی دوسری آیتوں کے پہلو میں رکھ کر اسی آیت کو دیکھا جائے تو دونوں مطلب میں بہت زیادہ فرق ہوجائے گا۔قرآن کا اپنا خود ایک مخصوص انداز ہے اس مفہوم کو ثابت کرنے کے لئے بطور نمونہ متشابہ ومحکم آیات کو پیش کیا جاسکتا ہے ۔محکم ومتشابہ آیات کے بارے میں ایک عوامی تصور یہ ہے کہ محکم آیات ان کو کہا جاتا ہے جن میں مطالب کو بہت واضح اور بالکل سیدھے طریقے سے بیان کیا گیا ہو۔ اور متشابہ ان آیات کو کہا جاتا ہے جن میں موضوعات کو بطور معمہ وپہیلی بیان کیا گیا ہو۔

اس تعریف کی بناء پر لوگوں کو یہ حق ہے کہ صرف محکم اور واضح آیتوں کے بارے میں غور کریں۔لیکن متشابہ آیتیں بنیادی طور سے شناخت کے قابل نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں غوروفکر کرنا چاہئے۔ اس وقت لازمی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر متشابہ آیتوں کا فلسفہ کیا ہے؟ اور قرآن نے کیوں ایسی آیتوں کو پیش کیا ہے جو شناخت کے قابل نہیں ہیں؟

اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ نہ تو محکم کے معنی صریح وسادہ کے ہیں اور نہ متشابہ کا مطلب پہیلی ومعمہ ہے بلکہ معمہ اور رمز ایسی لفظیں ہیں جن کے معنی مبہم ومجمل ہوا کرتے ہیں اور ان کو ایسے کلمات سے بیان کیا جاتا ہے جس سے براہ راست معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ مثلاً جب فردوسی نے ناقابل برداشت زحمت کرکے شاہنامہ لکھا اور محمود غزنوی نے اس کے مقابلے میں بہت معمولی سی اجرت دینا چاہی جسے فردوسی نے قبول نہیں کیا اور شاہنامے کے آخر میں ہجو کے اشعار شامل کرلئے جس میں محمود کو بخیل وکنجوس کہا۔ ان ہجویات میں کچھ اشعار تو صریح ہیں لیکن کچھ بطور معمہ کہے گئے ہیں مثلاً ایک شعر یہ ہے۔

؎ اگر مادر شاہ بانو بدی.....مراسیم وزر تا بہ زانو بدی

یعنی اگر شاہ کی ماں شہزادی ہوتی تو شاہ مجھ کو سونے چاندی میں زانو تک غرق کردیتا۔ مطلب یہ ہے کہ شاہ کنیز زادہ ہے۔ اس کنیز زادہ ہونے کو کنایۃً بیان کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

کف شاہ محمود کشور کشائی نہ اندر نہ آمد سہ اندر چہار

فردوسی نے یہاں پر ایک معمہ سے استفادہ کیا ہے۔ پہلے آپ اس معمے کو سمجھیں اسکے بعد شعر سمجھ میں آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ۳×۴=۱۲ اور ۹×۹=۸۱، ۸۱ اور ۱۲ کا مجموعہ ۹۳ ہوتا ہے۔ اب شعر کا مطلب یہ ہے کہ سلطان محمود کی مٹھی اس طرح مضبوطی کے ساتھ بند ہے کہ صرف

انگوٹھا کھلا ہوا ہے اور انگوٹھا وکلمہ کی انگلی باہم ۹ کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور اس کے بعد کی تینوں انگلیوں کو ملایا جائے تو ۹۳ ہوجاتا ہے۔ اس شعر سے فردوسی محمود کی ضرورت سے زیادہ بخل کی نشاندہی کرتا ہے ۔اب آیئے دیکھیں کہ کیا قرآن میں بھی معمے والی آیتوں کا وجود ہے؟ یہ بات قرآن کی اس آیت کے مخالف ہے جہاں یہ کہاجارہا ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو واضح ہے اور سب کے سمجھنے کے لائق ہے اس کی تمام آیتیں نور وہدایت ہیں۔ درحقیقت مطلب یہ ہے کہ قرآن میں بیان کئے گئے بعض مسائل (خصوصاً جہاں پر امورغیب اور ماورائے طبیعت کا بیان ہے) بنیادی طور پر الفاظ کے جامہ میں نہیں آسکتے۔ بقول شیخ شبستری:

؎ معانی ہرگز اندرحرف ناید... کہ بحربیکراں درظرف ناید..

معانی کسی طرح الفاظ کے اندرنہیں آسکتے جس طرح بحر بیکراں کسی ظرف میں نہیں آسکتا۔

لیکن چونکہ قرآن کی زبان انسانوں کی زبان ہے اس لئے لطیف ومعنوی چیزوں کو مجبوراً ان عبارات والفاظ سے بیان کیا گیا ہے جن کو انسان مادی چیزوں کے لئے استعمال کرتا ہے۔لیکن غلط فہمی سے بچانے کے لئے بعض آیتوں میں مسائل کو اس طرح بیان کردیا گیا ہے کہ دوسری آیتوں کی مدد سے ان کی تفسیر کی جاسکے اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا اس لئے ایسے طریقے کار کو استعمال کیا گیا مثلاً ایک مسئلہ خدا کے دیکھنے کا ہے یعنی دل کی نگاہوں سے خدا کا دیدار ممکن ہے اس مطلب کو قرآن نے اس طرح ادا کیا ہے ۔ وجوہٌ یّومئذ ناضرۃ☆ الی ربھا ناظرۃ " ۵ اس روز بہت سے چہرے تو تر وتازہ بشاش ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کی نعمت کو دیکھ رہے ہوں گے۔

اس جگہ پر قرآن نے دیکھنے (رویت) کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس سے مناسب تر (بظاہر) کوئی لفظ نہیں تھا۔لیکن اس لفظ (دیکھنے) سے اشتباہ ممکن تھا کہ لوگ سمجھیں گے خدا کو آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اس لئے رفع اشتباہ کے لئے دوسری جگہ وضاحت کردی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: لاَتُدْرِکُہُ الاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الاَبْصَار۶ اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور وہ (لوگوں) کی نظروں کو خوب دیکھتا ہے۔

فطری طور سے ہر تلاوت کرنے والا دونوں آیتوں کو دیکھ سمجھ لے گا کہ تشابہ لفظی کے باوجود یہ امور باہم ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ قرآن اس بات کو روکنے کے لئے کہ کہیں وہ بلند و عالی معانی مادی معانی سے مشتبہ نہ ہوجائیں، اعلان کرتا ہے کہ متشابہات کو محکمات کی طرف پلٹاؤ۔ چنانچہ

ارشاد ہوتا ہے۔ هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب ؎

وہی وہ خدا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں بعض آیتیں تو محکم (بہت صریح) ہیں کہ وہی اصل وبنیاد ہیں۔ یعنی وہ آیتیں اتنی مستحکم ہیں کہ ان کو ان کے معانی سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان کے دوسرے معانی لئے جاسکتے ہیں، یہی ام الکتاب ہیں یعنی آیتوں کی ماں ہیں یعنی جس طرح بچہ ماں کی طرف رجوع کرتا ہے اور ماں بچہ کی مرجع ہے یا جس طرح بڑے شہر ام القریٰ چھوٹے شہروں کے مرجع ہوتے ہیں اسی طرح آیات محکمات متشابہ آیتوں کی مرجع ہیں۔ متشابہ آیتیں سمجھنے اور غور کرنے کے لئے ہیں لیکن ان میں غورفکر آیات محکمات کے سہارے سے کرنا چاہئے۔ آیات محکمات کے سہارے کے بغیر متشابہ آیتوں کا جو مطلب اخذ کیا جائے گا وہ غیر معتبر ہوگا۔

کیا قرآن قابل شناخت ہے۔

قرآن کے مضامین کو سمجھنے کے لئے جو سوال سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا قرآن بنیادی طور سے قابل شناخت وقابل تحقیق ہے؟ یعنی کیا قرآن کے مطالب ومسائل غوروفکر کے قابل ہیں یا یہ کہ اس کتاب کو سمجھنے کے لئے بھیجا ہی نہیں گیا اس کتاب کو صرف ثواب حاصل کرنے اور برکت حاصل کرنے کے لئے یا تلاوت کرنے کے لئے اتارا گیا ہے۔

یہاں پر ممکن ہے لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سوال بے محل ہے کیونکہ قرآن ایسی کتاب ہے جو شناخت ہی کے لئے ہے اس میں کسی شخص کو کوئی شبہ وتردید ہی نہیں.. لیکن چونکہ اسلامی دنیا میں مختلف ناپسندیدہ اسباب کی بناپر قرآن کی شناخت کے سلسلے میں ایسے حالات رونما ہوئے ہیں کہ جنہوں نے مسلمانوں کے انحطاط میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑھا ہے کہ ایسے لچروپوچ وخطرناک افکار کی جڑیں ہمارے معاشرے میں اب بھی موجود ہیں۔ ان کی بناپر ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں مزید وضاحت کریں۔

شیعہ علماء کے درمیان تین چار رصدی قبل کچھ ایسے افراد پیدا ہوئے تھے جنہیں ہم اخباری علماء کہتے ہیں۔ یہ حضرات قرآن کو حجت ہی نہیں مانتے تھے۔ علمائے اسلام کی طرف سے اسلامی مسائل کی شناخت کے لئے جو چار مصادر بطور معیار معین کئے گئے تھے (یعنی قرآن سنت، عقل، اجماع) ان میں سے یہ اخباری علماء تین مصادر کو قبول ہی نہیں کرتے تھے، اجماع کو یہ کہہ کر رد کردیا

کرتے تھے کہ یہ تو سنیوں کی رسم ہے اور سنیوں کی پیروی نہیں کی جاسکتی ،عقل کے بارے میں کہتے تھے کہ اس کی طرف سے جو غلطیاں ہوتی ہیں ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے اور قرآن کے لئے کہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب اس سے کہیں بلند وبرتر ہے کہ ہم جیسے حقیر لوگ اس کا مطالعہ کرسکیں یا اس میں غور کرسکیں۔ صرف پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ کو یہ حق تھا کہ قرآنی آیات میں غور کرسکیں ہمیں صرف تلاوت کا حق ہے۔ لے دے کے ان حضرات کی نظروں میں سنت رسولؐ تھی آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ انہیں اخباری علماء میں سے بعض نے تفسیر یں لکھی ہیں ان تفسیروں میں جہاں آیت قرآنی کے سلسلے میں کوئی حدیث ملتی تھی اس آیت کو لکھ کر نیچے حدیث لکھ دیتے تھے اور جس آیت کے بارے میں حدیث نہیں ہوتی تھی اس آیت کو لکھتے ہی نہیں تھے گویا وہ آیت قرآن کا جزو ہی نہیں ہے۔

یہ طریقہ کار قرآن پر ظلم کرنے کے مترادف تھا اور اسی سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس معاشرے میں کوئی آسمانی کتاب ہو اور وہ بھی قرآن جیسی اور پھر معاشرہ اسے پس پشت ڈال دے تو وہ معاشرہ ہرگز قرآن کے راستے پر نہیں چل سکتا۔ اخباریوں کے علاوہ بھی کچھ گروہ ایسے تھے جو قرآن کو عوام کی دسترس سے باہر جانتے تھے ۔ ان گروہوں میں اشاعرہ کا نام لیا جاسکتا ہے جو شناخت قرآن کا مطلب آیات قرآنی میں غوروفکر کرنے کو نہیں مانتے تھے بلکہ شناخت قرآن کا مطلب تحت اللفظی معانی کا جاننا قرار دیتے تھے یعنی قرآن کے ظاہری لفظ سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں انہی کو قبول کرلینا چاہئے۔ اس کے باطن سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیئے یہ ان کا عقیدہ تھا۔ فطری بات ہے کہ قرآن کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنا بہت جلد انحراف و گمراہی کا سبب بن گیا کیونکہ یہ لوگ بھی آیات کی توضیح کرنے پر مجبور تھے لیکن چونکہ عقل کو معطل کررکھا تھا، اس لئے قہری طور پر قرآن سے عوامی باتیں ہی سمجھتے تھے اور اسی طریقہ کار کی بنا پر بہت جلد ، سیدھے راستے سے منحرف ہوجاتے اور غلط عقائد کے قائل ہوجاتے تھے مثلاً تجسم کا عقیدہ یعنی خدا جسم رکھتا ہے خدا کو آنکھوں سے دیکھنے کا عقیدہ ، بشری زبان سے خدا سے گفتگو کرنے کا عقیدہ اور اسی قسم کے دیگر باطل عقائد کے قائل ہوگئے تھے۔

ان لوگوں کے مقابلے میں جنہوں نے بنیادی طور سے قرآن چھوڑ رکھا تھا ۔ ایک دوسرا گروہ پیدا ہوگیا جس نے اپنے اغراض ومقاصد کو حاصل کرنے کے لئے قرآن کو ذریعہ بنالیا۔ جس طرح بھی ان کا مقصد پورا ہوتا ہو اسی طرح قرآنی آیتوں کی تاویل کرلیا کرتے تھے اور قرآن کی

طرف ایسے مسائل کو منسوب کر دیتے تھے جس سے روح قرآن واقف بھی نہیں تھی اور اسی کے ساتھ ہر اعتراض کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کرتے تھے کہ آیات کی باطنی تفسیر صرف ہم جانتے ہیں اور جو بات ہم کہہ رہے ہیں یہ باطن کو سمجھ کر ہی کہہ رہے ہیں۔

تاریخ اسلام میں اس قسم کے دو گروہوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

اول: اسماعیلہ (انہیں کو باطنیہ کہا جاتا ہے) دوم : صوفیہ۔ اسماعیل حضرات زیادہ تر تو ہندوستان میں ہیں لیکن تھوڑے بہت ایران میں بھی ہیں۔ ان لوگوں کی مصر میں ایک مدت تک حکومت بھی رہ چکی ہے جو فاطمی حکومت کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔اسماعیلی حضرات شیعوں کی اصطلاح میں ''شش امامی'' کہلاتے ہیں ، لیکن اس کے باوجود حتمی ویقینی طور سے اور تمام علماء شیعہ دوازدہ امامی کے اتفاق واجماع کی بناء پر یہ لوگ ''یعنی شش امامی'' ہر غیر شیعہ فرقہ کی بہ نسبت سب سے زیادہ شیعوں سے یہی حضرات دور ہیں ۔ انتہا یہ ہے کہ اہل سنت جو شیعوں کے کسی بھی امام سے اس طرح کی عقیدت نہیں رکھتے جیسے کہ شیعہ رکھتے ہیں اس کے باوجود بھی اہل سنت بہ نسبت شش امامی حضرات کے شیعوں سے نزدیک تر ہیں۔ ۸

اسماعیلیوں نے اپنی باطنی گری کا چکر چلا کر تاریخ اسلام میں بہت بڑی بڑی خیانتوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور اسلامی مسائل میں ضرورت سے زیادہ انحراف پیدا کیا ہے۔اسماعیلیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صوفی فرقہ بھی آیات کی تحریف وتاویل کرنے میں اپنے شخصی عقائد کے پیش نظر کافی یدطولیٰ رکھتا ہے ۔ میں یہاں پر انکی تفسیروں میں سے صرف ایک تفسیر کا ذکر بطور نمونۂ کروں گا تا کہ ان کے طریقے واضح ہوجائیں اور ہمارے قاری حضرات اس اجمال سے تفصیل کا انداز لگائیں۔

قرآن نے جہاں پر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے جناب اسماعیل کا قصبہ بیان کیا ہے وہاں اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو چند بار اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم خواب میں دیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے تو تعجب کیا۔لیکن جب کئی بار خواب میں یہی حکم ہوا تو انہیں یقین ہوگیا اور وہ پروردگار کا حکم بجا لانے پر آمادہ ہوگئے اور جناب اسماعیلؑ سے بھی صورتحال بیان کی تو اسماعیلؑ بھی خلوص دل کے ساتھ قربان ہونے کے لئے تیار ہوگئے ۔ اور خدا کا مقصد بھی یہی تھا کہ حکم خدا پر یہ حضرات راضی ہوجائیں اور یہی وجہ ہے کہ جب باپ بیٹے خلوص دل سے صفائی قلب کے ساتھ خدا کا حکم بجالانے کے لئے آمادہ ہوگئے تو خدا نے اس حکم کو روک دیا اور اس کے بدلے

میں فدیہ قرار دے دیا اس واقعہ کو صوفی حضرات کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ سے مراد عقل ہے اور اسماعیلؑ سے مراد نفس، یعنی عقل کا ارادہ تھا کہ نفس کو ذبح کردے۔

ظاہر سی بات ہے کہ یہ قرآن کے ساتھ کھلواڑ اور ایک واضح قسم کا انحراف ہے اور اسی قسم کی بازی گری، حسب منشاء حسب مصلحت قرآن کا ترجمہ کردینے سے آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر روکا تھا۔ من فسر القرآن براية فليتبوء مقعده فى النار جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر بیان کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ آیات قرآنی کے ساتھ اس قسم کی بازی گری قرآن کے ساتھ بہت بڑی خیانت ہے۔

قرآن مجید نے اخباریوں کے جمود وخشک فکری وغیرہ اور اسماعیلیوں وغیرہ کے انحرافات اور من مانی کرنے پر پابندی لگاتے ہوئے ایک بیچ کا راستہ پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ منصفانہ اور بے غرضانہ فکر وتامل کو اختیار کرنا چاہئے۔ قرآن نے صرف مؤمنین ہی کو نہیں بلکہ مخالفین تک کو آیات قرآنی میں غوروفکر وتامل کی دعوت دی ہے کہ قرآن پر اعتراض کرنے کے بجائے اس کی آیتوں میں غوروفکر کرو۔ چنانچہ مخالفین کو خطاب کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: آخر یہ لوگ قرآن میں غوروفکر کیوں نہیں کرتے یہ کیسے دل ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مہر لگادی گئی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

كتاب انزلنا ه اليك مبارك ليدبروا آياته وليتذكر اولوا الالباب: ۹

(اے رسولؐ) یہ کتاب (قرآن) جو ہم نے تمہارے پاس نازل کی ہے (بڑی) برکت والی ہے (کیوں؟) تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں۔ یعنی اس کتاب کو اس لئے نہیں نازل کیا گیا ہے کہ اس کو چوم کر طاق پر رکھ دیں بلکہ اس لئے تارا گیا ہے کہ اس کی آیتوں میں غور کریں اور صاحبان عقل وخرد اس سے آگاہی حاصل کریں۔

یہ آیتیں اور ان کے علاوہ دسیوں وہ آیتیں جو قرآن میں غور کرنے کی تاکید کرتی ہیں سب کی سب تفسیر قرآن کے مجاز ہونے کی تائید کرتی ہیں لیکن وہ تفسیر جو میلان وخواہش نفس کی بنا پر نہ ہو بلکہ انصاف وصداقت پر مبنی اور کسی خود غرضی ونفسانیت پر مبنی نہ ہو۔ جس وقت ہم خود غرضی ونفسانیت کے بغیر قرآن میں غور کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم قرآن کے تمام مسائل کا حل ڈھونڈ لیں، بلکہ اس اعتبار سے قرآن فطرت کے مشابہ ہے جس طرح فطرت کے بہت سے راز ابھی تک حل نہیں ہوسکے اور موجودہ زمانے میں بھی ان کے حل کا امکان نہیں ہے (اسی طرح قرآن کو بھی سمجھنا چاہئے) ہاں ممکن ہے یہ مسائل مستقبل میں حل ہوجائیں، اس کے علاوہ

انسانی طبیعت کی شناخت میں اپنے افکار کو فطری تقاضوں کے مطابق کرنا چاہئے نہ کہ طبیعت وفطرت کی توجیہ وتفسیر اپنی رائے کے مطابق کرے اسی طرح قرآن بھی طبیعت کی طرح ایک کتاب ہے جو کسی ایک زمانے کے لئے نازل نہیں ہوئی اور اگر قرآن کسی ایک زمانے کے لئے ہوتا تو اب تک اس کے تمام رازوں سے پردہ اٹھ چکا ہوتا۔ اور اس آسمانی کتاب کی جاذبیت، تازگی اور اثر اندازی ختم ہوچکی ہوتی۔ لیکن صورتحال اس کے برخلاف ہے۔ تدبر وتفکر سے ہمیشہ قرآن کے لئے کشف جدید ہے اور اسی نکتہ کی رسولؐ وآل رسول نے توضیح فرمائی ہے۔ ایک حدیث نبوی میں ہے: قرآن چاند وسورج کی طرح ہے جس طرح وہ دونوں ہمیشہ حرکت میں ہیں یعنی ایک جگہ ثابت وگڑے ہوئے نہیں ہیں (اسی طرح قرآن کے تدبر سے نئے نئے معانی ظاہر ہوتے ہیں: مترجم)اسی طرح رسولؐ کا ارشاد ہے: قرآن کا ظاہر بہت خوبصورت اور باطن گہرا ہے، کتاب عیون اخبار رضا میں امام رضاؑ سے نقل کیا گیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن پر جتنا زمانہ گرزرتا جاتا ہے اور جتنی زیادہ اس کی تلاوت ہوتی ہے اس کی تازگی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: قرآن کسی ایک زمانے اور کچھ لوگوں کے لئے نازل نہیں کیا گیا بلکہ تمام زمانوں اور تمام لوگوں کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ قرآن کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ ہر زمانے میں تمام ان اختلافات کے باوجود جو طرز تفکر، معلومات، وسعت افکار میں دکھائی دیتے ہیں، پھر قرآن تمام زمانوں اور تمام افکار پر فوقیت رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ تلاوت کرنے والوں کے لئے بہت سے مجہولات رکھنے کے باوجود اتنے زیادہ معانی ومفاہیم قابل ادراک پیش کرتا ہے کہ جس سے ظرف زمان مملو ہوجاتا ہے۔

تجزیاتی شناخت قرآن

اس حصے میں میں قرآن کے مضامین کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ اگر قرآن کے ایک ایک موضوع کو بیان کرنا چاہوں تو اس کے لئے ستر من کاغذ کی ضرورت ہوگی، اس لئے پہلے میں کلیات کو پیش کروں گا، اس کے بعد بعض جزئیات کا بھی ذکر کروں گا۔ قرآن نے بہت سے مطالب سے بحث کی ہے اور اس سلسلے میں بعض مطالب پر زیادہ تکیہ کیا ہے اور بعض پر کم، جو مسائل قرآن میں بیان کئے گئے ہیں ان میں خداوندعالم اور کائنات کے مسائل زیادہ ہیں۔ اب آیئے یہ دیکھیں کہ

قرآن خدا کی معرفت کس طرح کرتا ہے کیا یہ معرفت بعنوان فلسفیانہ ہے یا بطور عرفان؟ اسی طرح کیا یہ دیگر مذہبی کتابوں، توریت وانجیل کی طرح ہے یا مکاتب ہندی کی شکل وصورت میں ہے؟ یا یہ خدا کی معرفت میں بالکل مستقل طریقہ کو اختیار کرتا ہے اس میں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔

ایک مسئلہ قرآن میں دنیا کا ہے۔ اس میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کائنات کے بارے میں قرآن کا کیا نظریہ ہے؟ آیا خلقت وکائنات کو عبث وبازیچۂ اطفال جانتا ہے یا اسے برحق سمجھتا ہے؟ آیا کائنات کو ایک سلسلۂ کائنات کو ایک سنن ونوامیس وعلل ومعلول جانتا ہے؟ یا اسے بے قاعدہ وبیہودہ شمار کرتا ہے یعنی کوئی چیز کسی چیز کے لئے شرط نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن میں بطورکلی ایک مسئلہ انسان کا پیش کیا گیا ہے ۔ انسان کے سلسلے میں قرآنی نظریہ کیا ہے۔ یہ بات بھی تحلیل کے قابل ہے کہ آیا قرآن انسان کے بارے میں مثبت نظریہ رکھتا ہے یا منفی؟ اور انسان کو حقیر سمجھتا ہے یا اس کی عظمت وکرامت کا قائل ہے؟

ایک دوسرا مسئلہ انسانی معاشرے کا بھی ہے کہ آیا قرآن انسانی معاشرہ کی اصالت و شخصیت کا قائل ہے یا اس کی نظر میں معاشرہ کچھ بھی نہیں اصالت صرف افراد کو حاصل ہے؟ اور آیا قرآنی نظریہ زندگی، موت، ترقی تنزلی کے بارے میں یہ ہے کہ یہ چیزیں درحقیقت معاشرے کی صفات ہیں یا صرف افراد کی صفات ہیں؟ اسی جگہ سے تاریخ کا بھی مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور یہ کہ تاریخ کے بارے میں قرآنی نظریہ کیا ہے؟ تاریخ کی محرک طاقتیں قرآن کی نظر میں کون ہیں؟ اور فرد تاریخ میں کس قدر مؤثر واقع ہوا ہے۔ان کے علاوہ بہت سے دوسرے مسائل بھی قرآن میں پیش کئے گئے ہیں، سردست بطور فہرست چند مسائل کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے منجملہ ان مسائل کے ایک یہ ہے کہ خود اپنے بارے میں قرآن کا کیا نظریہ ہے؟ اس کے بعد قرآن میں پیغمبرؐ کا مسئلہ ہے اور یہ کہ قرآن پیغمبرؐ کا تعارف کس طرح کراتا ہے ۔ پیغمبرؐ کے ساتھ کیسی گفتگو کرتا ہے۔اس کے علاوہ دوسرا مسئلہ قرآن میں مومن کی کیا تعریف ہے اور مومنین کے کیا صفات ہیں وغیرہ وغیرہ ۔

ان مباحث میں ہر بحث کے بہت سے شعبے ہیں، مثلاً جب ہم انسان کے بارے میں بحث کریں گے تو فطری طور پر اخلاق کے بارے میں بھی بحث کرنی ہوگی یا جس وقت معاشرے کے بارے میں بحث ہوگی تو قہری طور سے روابط افراد، مسئلہ امر بہ معروف ونہی از منکر اجتماعی طبقات وغیرہ کے بارے میں بحث کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

قرآن اپنے لئے کیا کہتا ہے؟

قرآن کے مضامین کی تحلیل کے سلسلے میں سب سے بہتر طریقہ کار یہ ہے کہ ہم پہلے قرآن ہی کو دیکھیں کہ اپنے بارے میں اس کا کیا نظریہ ہے ؟اور وہ خود کو کس طرح پہچنواتا ہے؟ سب سے پہلی بات جو قرآن اپنے بارے میں کہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے تمام کلمات اور اس کی تمام عبارتیں خدا کا کلام ہیں۔قرآن صریحی طور سے کہتا ہے کہ یہ پیغمبرؐ اسلام کا کلام نہیں ہے بلکہ پیغمبرؐ تو صرف ان ہی چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو ان پر روح القدس یا جبرائیل کے ذریعے نازل ہوتی ہیں۔ دوسری وضاحت جو قرآن اپنے بارے میں کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن لوگوں کی ہدایت کرنے والا اور ان کو تاریکی سے نور کی طرف لانے والا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے : کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور [۱۰]

اے رسول ! یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کو ہم نے تمہارے پاس اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو (کفر کی) تاریکی سے (ایمان کی) روشنی میں نکال لاؤ۔

یقیناً ان تاریکیوں کے مصادیق میں سے ایک مصداق جہالت ونادانی بھی ہے ۔قرآن بشر کو اس تاریکی سے علم کی طرف لاتا ہے لیکن اگر تاریکیاں صرف نادانی کا نام ہوتا تو فلسفی حضرات بھی یہ کام کر سکتے تھے ،لیکن دنیا میں ظلمت نادانی سے زیادہ خطرناک ظلمتیں موجود ہیں جن کا مقابلہ علم کی طاقت سے باہر ہے مثلاً منفعت پرستی ،خود پرستی ،خواہشات کی پیروی وغلامی وغیرہ ایسی تاریکیاں ہیں جوافرادی واخلاقی تاریکیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ اجتماعی تاریکی کی مثال ظلم وستم وغیرہ سے دی جاسکتی ہے اورعربی زبان میں لفظ ظلم مادۂ ظلمت ہی سے ماخوذ ہے جو اجتماعی اور معنوی تاریکی کی نشاندہی کرتا ہے ۔ ان تاریکیوں کا مقابلہ کرنا قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں کا کام ہے۔قرآن جناب موسیٰؑ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے۔ :....ان اخرج قومک من الظلمات الی النور [۱۱] اور ہم نے موسیٰ کوحکم دیا کہ اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے (ایمان کی)روشنی میں نکال لائیں ۔

اس تاریکی سے مراد وہی فرعون فرعونیوں کا ظلم وستم ہے اورنور سے مراد نور آزادی وعدالت ہے ۔اہل تفسیر نے ایک نکتہ یہاں پر بیان کیا ہے کہ قرآن نے ہمیشہ الظلمات کہا ہے یعنی جمع محلیٰ بالف ولام استعمال کیا ہے جو استغراق پر دلالت کرتا ہے اور تمام تاریکیوں پر محیط ہے اس کے برخلاف

لفظ نور کو ہمیشہ مفرد استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے صراط مستقیم صرف ایک ہے لیکن انحراف وگمراہی متعدد ہیں ۱۲؎ اس طرح قرآن اپنے مقصد کو معین کرتا ہے کہ اس کا ہدف یہ ہے : تمام جہالت وگمراہی اور اجتماعی واخلاقی ستم وتباہی کی زنجیروں کو توڑنا ! جس کو ایک کلمہ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے تاریکیوں کو ختم کرکے عدل وخیر، روشنی ونور کی طرف ہدایت کرنا۔

عربی زبان کا علم

ایک دوسرا مسئلہ قرآن کی زبان یعنی عربی کا علم اور اس کی تلاوت کا بھی ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے ہ تلاوت قرآن کا مطلب صرف ثواب کے لئے اس کے حروف کی تکرار وتلاوت کرنا ہے جس میں معنی کے سمجھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں لیکن اگر ایک مرتبہ بھی ان سے پوچھ لیا جائے کہ جو آپ تلاوت کرتے ہیں کیا اس کا مطلب بھی جانتے ہیں ؟ تو یہ جواب دینے سے عاجز رہ جاتے ہیں ۔قرآن کی تلاوت اس اعتبار سے کہ معانی قرآن سمجھنے کا مقدمہ ہے یہ بہت اچھی بات ہے لیکن صرف ثواب کی نیت سے پڑھنا کافی نہیں ہے۔

روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ صرف تلاوت کا بھی ثواب ہے چاہے معنی نہ سمجھے، ہاں اگر معنی بھی سمجھتا ہوتو نور علی نور ہے (مترجم)

قرآن کے معنی سمجھنا بھی خصوصیات کا حامل ہے اس کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہئے۔ بہت سی کتابوں کو یاد کرنے کے لئے پڑھنے والے کو جو بات حاصل ہوتی ہے وہ تازہ افکار کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو قاری کے ذہن میں پہلے سے موجود نہیں رہتا بلکہ پڑھنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔یہاں صرف پڑھنے والے کی عقل اور قوت فکر ہی ہے جو فعالیت میں مشغول ہوتی ہے ، لیکن قرآن کے سلسلے میں بغیر کسی شک وشبہ کے یہ بات طے ہے کہ اس کو سیکھنے اور سکھانے کے لئے پڑھنا چاہئے اور خود قرآن نے بھی یہی بات کہی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :کتاب انزلنا ہ الیک مبارک لیدبروا آیاته ولیتذکر اُولُو الاَلْباب ۱۳؎ اس کا ترجمہ گذشتہ صفحے پر گزر چکا ہے۔

قرآن کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ تعلیم دے اور اس سلسلے میں قرآن کا تخاطب عقل سے ہے اور قرآن عقل سے منطق واستدلال کے ذریعے گفتگو کرتا ہے ۔ البتہ ایک بات اور ہے قرآن کے پاس ایک دوسری زبان بھی ہے جس کا مخاطب دل ہے اس دوسری زبان کا نام احساس ہے۔ اگر کوئی

شخص قرآن سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس سے مانوس ہونا چاہتا ہے تو اس کو ان دونوں زبانوں سے واقف ہونا ضروری ہے اور دونوں سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ ان دونوں میں جدائی ڈالنے کا نتیجہ اشتباہ وخطا اور گھاٹے کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔

ہم جس چیز کو دل کہہ رہے ہیں اس سے ہماری مراد بہت ہی عظیم وعمیق احساس ہے جو انسان کے باطن میں موجود ہیں جس کی تعبیر کبھی احساس ہستی سے بھی کی جاتی ہے یعنی انسان کا وہ احساس جو ہستی مطلق سے ارتباط رکھتا ہے، جو شخص دل کی زبان کو جانتا ہے اور اس زبان سے انسان کو مخاطب کرتا ہے وہ اس کو ہستی کی گہرائی اور اس کے وجود کی حقیقت سے باہر لاتا ہے اور پھر اس وقت صرف انسان کا دماغ اور اس کی فکر ہی متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس کا پورا وجود متاثر ہوتا ہے بطور نمونہ احساس کی زبان کو موسیقی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ موسیقی کی تمام قسمیں اپنے پورے اختلاف کے باوجود ایک چیز میں سب ہی مشترک ہیں اور وہ انسانی احساسات وجذبات کو متاثر کرنا ہے۔ موسیقی انسان کی روح میں ہیجان پیدا کردیتی ہے اور اس کو احساس کی ایک مخصوص دنیا میں پہنچادیتی ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ موسیقی کے اختلاف سے جذبات واحساسات میں بھی فرق پڑجاتا ہے۔ آپ نے میدان جنگ میں دیکھا ہوگا کہ جب فوجی باجہ بجنے لگتا ہے تو کبھی کبھی اس کا اثر اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ جو فوجی دشمن کے ڈر سے اپنے ٹھکانے سے باہر آتے ہوئے ڈرتا ہے وہ فوجی ترانے کو سن کر دشمن کے مسلسل حملوں کے باوجود اپنے مورچے سے باہر آکر بڑی دلیری سے پیش قدمی کرنے لگتا ہے۔

اسی موسیقی کی ایک دوسری قسم ہوتی ہے جو انسان کے شہوت کر بھڑکادیتی ہے اور انسان کو اتنا سست وبیخود بنادیتی ہے کہ وہ شہوت کے ہاتھوں بدکاری پر آمادہ ہوجاتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس سلسلے میں موسیقی جتنا انسانی جذبات کو ابھارتی ہے دنیا کی کوئی شئے نہیں ابھارتی تو شاید غلط نہ ہو جب محفل رقص وسرور جوش پر آجاتی ہے تو انسان اپنی عفت وعصمت کی دیوار کو توڑ دیتا ہے۔ تمام احساسات کو اسی کی زبان سے ابھارا جاسکتا ہے خواہ وہ موسیقی ہو یا کوئی اور چیز اس سے احساسات پر کنٹرول بھی کیا جاسکتا ہے۔ مشرق ومغرب میں اس حس دینی کے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں ہم دنیا کے مفکرین میں سے صرف ایک دو کی رائے کو یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اس سلسلے میں آنسٹائن کا نام لیا جاسکتا ہے، اس نے اپنے ایک مقالے میں مذہب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ میرے نظریہ کے مطابق دنیا میں بطور کلی تین قسم کے مذاہب کا وجود ہے۔

۱۔ ترس وخوف کا مذہب یعنی ! ان لوگوں کا مذہب جنہیں مذہب کی طرف ابھارنے والی چیز فطرت کا ایک ڈراؤنا سلسلہ ہے جو اس کائنات میں ہے۔

۲۔ مذہب اخلاق : اس سے مراد وہ مذہب ہے جس کی بنیادیں اخلاقی مصالح پر استوار کی گئی ہوں۔اس کے بعد آنسٹائن نے ایک مذہب کا ذکر کیا ہے اور اس کا نام ''مذہب ہستی'' رکھا ہے موصوف کی اس تعبیر کا مطلب وہی ہے جس کو ہم نے ''دل'' کہا ہے۔آنسٹائن کا نظریہ اس مذہب کے بارے میں یہ ہے : انسان پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں انسان کی معنوی وروحانی حالت اجاگر ہوجائے گی اور اس حالت میں اپنی حقیر وبے معنی آرزؤں اور امیدوں میں گھرا ہوا اور محدود ومقید کیا ہوا ، دوسروں سے الگ تھلگ رہنے والا، اسی طرح اپنے اس عالم ہستی طبیعی میں محصور انسان دفعۃً اپنی اس قید وبند کے زنجیروں سے باہر آجائے گا۔اور اس زندان سے چھوٹ جائے گا اور اس وقت کل ہستی کے نظارے میں مشغول ہوجائے گا اور وجود کو مثل ایک حقیقت واحدہ کے پائے گا۔ اور مابعد الطبیعات کے شکوہ وعظمت وجلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور اس وقت اپنی حقارت وناچیزی کو یاد کرے گا اور چاہے گا کہ کل ہستی سے متصل ہوجائے ۔

آنسٹائن کی یہ تعبیر ہمام کی داستان کو یاددلاتی ہے کہ ہمام حضرت امیر المومنین علیؑ ابن طالبؑ سے مومن کی صفات پوچھ رہے تھے تو حضرت علیؑ نے ان کے جواب میں ایک ایسی بات کہی جو تھی تو بہت مختصر لیکن بہت ہی جامع اور مکمل ! فرماتے ہیں: یاھمام اتق اللہ واحسن ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ، (نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۳)''اے ہمام تم خود اپنے خدا سے ڈرو اور نیکوکار بن جاؤ کیونکہ خدا نیک اور پرہیزگار بندوں کے ساتھ ہے'' لیکن ہمام صرف اتنے مختصر سے جوابط پر راضی نہیں ہوتے اور چاہتے ہیں کہ حضرتؑ سے ان کے شب وروز ، معاشرت وطرز عبادت وطریقہ زندگی کو بھی معلوم کریں اس لئے سوال کرتے ہیں تو پھر حضرت علیؑ صفات مومن بیان فرماتے ہیں اور تقریباً ۱۳۰ صفتیں بیان فرماتے ہیں منجملہ ان کے یہ ہے : لولا الا جال التی کتب اللہ لھم لم تستقر ارواحھم فی ابدانھم طرفہ عین ، اگر خدا کی طرف سے معین کردہ موت کی مدت نہ ہوتی تو چشم زدن کے برابر بھی ان کی روحیں ان کے بدنوں میں نہ ٹھہرتیں۔ یہ وہی حالت ہے جس کی طرف آنسٹائن اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے : مذہبی انسان اپنے وجود کو ایک قسم کا قید خانہ خیال کرتا ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ پنجرہ جسم سے پروانہ کرجائے اور تمام ہستی کو یکبارگی فوراً بہ آن واحد پالے۔

حضرت علیؑ نے اس حقیقت کو بہت زیادہ جامع بزرگ اور شدید ترصورت میں بیان کیا ہے۔ حضرت علیؑ کے نظریے کے مطابق مردمومن اپنی پوری ہستی کو اپنے مادی بدن کے اندر جمع کئے ہوئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ ناگہانی طور پر اپنے جسم کو چھوڑ کر اپنی روح کو آزاد کرلیتا ہے۔ ہمام کے قصہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ کی گفتگو ختم ہوئی تو ہمام کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

انسان کی حِس معنوی کے بارے میں اقبال نے بھی بڑی اچھی بات کہی ہے وہ کہتے ہیں یہ بات بہت واضح ہے کہ دعا وپرستش ایک اشراقی نفسانی کے عنوان سے ایک حیاتی اور متعارف عمل ہے کہ اس چھوٹے سے جزیرے کے طفیل ہماری شخصیت اپنی وضعیت کا ایک ایسے کل میں اکتشاف کرتی ہے جو حیات سے بزرگ تر ہے۔ ویلیم جیمز نے بھی اسی سلسلے میں ایک بات کہی ہے: پرستش کی تڑپ اس امر کا ضروری نتیجہ ہے کہ ہر شخص کے خود اختیاری عمل کا عمیق ترین حصہ ہونے کے باوجود ایک قسم کی اجتماع خودی بھی ہے جو ان تمام مصیبتوں کے باوجود اپنے کو دنیائے فکر کے اندر تلاش کرسکتی ہے زیادہ تر لوگ خواہ مسلسل یا اتفاقی طورسے دل ہی دل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ روئے زمین کی حقیر ترین فرد اس بلند وبرتر توجہ کے ساتھ اپنے کو ایک واقعی وقیمتی احساس کرتی ہے (یہ بھی)احتمال ہے کہ لوگ تاثیر پذیری کے درجے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ بعض لوگوں کے لئے دوسروں سے زیادہ یہی توجہ خود آگاہی کی بنیادی قسمت کی تشکیل کرتی ہے۔ اور ایسے لوگ متدین تر ہیں لیکن میں اطمینان رکھتاہوں کہ وہ لوگ جن میں اس احساس کا فقدان ہے وہ لوگ اپنے کوفریب دیتے ہیں اور واقعاً وہ بھی کسی نہ کسی حد تک ایمان رکھتے ہیں۔

ہر انسان کے جذبات واحساسات میں ایک حس مذہبی وخدا کی تلاش ہے اور قرآن عظیم و شریف حس سے بھرپور تعلق رکھتا ہے۔ قرآن نے خود تعلیم دی ہے کہ قرآن کو خوش الحانی سے پڑھا کرو۔ اور یہ وہی آسمانی صدا ہے کہ قرآن اپنی فطرت الٰہی کی بناء پر انسان سے گفتگو کرتا ہے اور اسے مسخر کرلیتا ہے۔ ۱۴ قرآن اپنی توصیف کے لئے دوزبان کا قائل ہے، کبھی تو اس نے اپنے کو کتاب تفکر منطق کہا ہے اور کبھی اپنا تعارف کتاب احساس وعشق کے ذریعے کرایا ہے۔ یعنی یوں سمجھئے کہ قرآن صرف عقل وفکر کے لئے غذا نہیں مہیا کرتا بلکہ روح کے لئے بھی غذا فراہم کرتا ہے قرآن اپنی مخصوص موسیقی کے لئے بہت تاکید کرتا ہے جس موسیقی کا اثر انسان کے عمیق وبلند احساسات کو تمام موسیقوں سے زیادہ ابھارتا ہے، خود قرآن اس موسیقی کی تعلیم مومنین کو دیتا ہے تاکہ رات کے کچھ حصے

تک مومنین تلاوت قرآن میں مشغول رہیں اور اپنی نمازوں میں خدا کی طرف توجہ رکھتے ہوئے قرآن کی تلاوت کریں۔

رسول اکرمؐ کو قرآن مخاطب کرکے کہتا ہے: یا ایھا المزمل☆ قم اللیل الا قلیلا ☆ نصفه وانقص منه قلیلا☆ اوزد علیه الخ: ۱۵

اے کملی اوڑھنے والے(رسولؐ) راتوں کو (عبادت کے لئے) کھڑے رہا کرو مگر کم سے کم آدھی رات یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھا کرو۔ ترتیل کا مطلب یہ ہے کہ اتنی جلدی جلدی نہ پڑھو کہ الفاظ ہی سمجھ میں نہ آئیں او رنہ اتنی سست رفتاری سے پڑھو کہ باہم الفاظ کا رابطہ ہی ٹوٹ جائے۔ یعنی آہستہ وسکون کے ساتھ آیتوں کے معانی پر غور کرتے ہوئے پڑھو۔ پھر اسی سورہ میں بعد کی آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔ اگر روزانہ کے کاموں کے لئے مثلاً تجارت جہاد وغیرہ کے لئے زیادہ آرام کی ضرورت ہوتو بھی خلوت میں یاد خدا اور عبادت خدا سے غافل نہ ہو۔

مسلمانوں کے درمیان جو چیز مایۂ نشاط اور قدرت روح اور خلوص وصفائے باطن پیدا کرنے کی تھی وہ صرف قرآن کی موسیقی تھی۔ قرآن کی آسمانی آواز نے بہت ہی مختصر سی مدت کے اندر جزیرۃ العرب کے وحشی لوگوں کو ایسا ثابت قدم مومن بنادیا جنہوں نے اپنے زمانہ کی بڑی بڑی طاقتوں کے چھکے چھڑادیے اور انکو شرمناک شکست دی۔ اس زمانہ کے مسلمان قرآن کو صرف ایک ایسی کتاب درس وتدریس ہی نہیں سمجھتے تھے جو غذائے روح اور اضافہ طاقت وزیادتی ایمان کا سبب ہو۔ بلکہ راتوں کو بڑے خلوص کے ساتھ تلاوت کیا کرتے تھے۔ ۱۶ راتوں کو اپنے خدا سے رازونیاز کرتے تھے۔ اور دن کو شیر نر کی مانند دشمنوں پر حملہ کرتے تھے قرآن بھی مومنین سے اسی چیز کی توقع رکھتا تھا چنانچہ خدا رسولؐ خدا سے خطاب کرکے کہتا ہے :فلاتطع الکفرین وجاھد ھم به جھاداً کبیراً ۱۷ کافروں کی باتوں کو نہ سینے ان سے زبردست طریقہ سے جنگ کیجئے۔ اور پیغمبرؐ کی پوری زندگی اس قول کی سچائی کی تصدیق کرتی ہے۔ پیغمبرؐ کا جب کوئی مددگار نہ تھا اس وقت بھی آپ تن تنہا قرآن کو ہاتھ میں لے کر قیام کرتے تھے اور یہی قرآن آپؐ کے لئے سب کچھ تھا۔ یہی قرآن رسولؐ کے لئے فدائی پیدا کرتا تھا۔ اسلحہ جنگ مہیا کرتا تھا اکٹھا کرتا تھا۔ دشمن کو آپؐ کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کرتا تھا۔ دشمنوں کو آپ کی طرف کھینچ کرلاتا تھا اور ان کو رسولؐ کے سامنے سرتسلیم خم کرنے پر مجبور کرتا تھا اور اس طرح کے وعدہ کی صداقت کا اثبات کرتا تھا۔ ۱۸

جب قرآن اپنی زبان کو دل کی زبان کہتا ہے تو اس سے مراد وہ دل ہوتے ہیں جو آیات خدا سے اپنے اوپر صیقل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی صفائی کرنا چاہتے ہیں، اور یہ زبان موسیقی کی زبان کے علاوہ ہے کیونکہ موسیقی کی زبان کبھی کبھی انسان کے شہوانی جذبات کو بھی ابھار دیتی ہے اور فوجی زبان وجنگی زبان کے بھی علاوہ ہے کیونکہ جنگی زبان سے صرف حس شجاعت ابھارتے ہیں یہ وہ زبان ہے جو بدّو عرب میں سے ایسے مجاہد پیدا کردیتی ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے: حملوا بصائرهم على اسيافهم۔ایسے لوگ جنہوں نے اپنی پہچان، اپنی بینائی اپنے روشن افکار، الٰہی معلومات اور اپنی معنویت کو اپنی تلواروں پر رکھ دیا تھا اور جن کی تلواریں اسی آئیڈیا وافکار پر کام کرتی تھیں۔

ان لوگوں کی نظر میں فردی مسائل اور شخصی منافع کبھی نہیں تھے حالانکہ یہ لوگ معصوم نہیں تھے بلکہ خطا کار تھے لیکن قائم اللیل اور صائم النہار رات بھر عبادت کرنے والے اور دنوں کو روزہ رکھنے والے کے سچے مصدق تھے۔ ہر وقت ہستی کی گہرائیوں کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ راتوں کو عبادت کرتے تھے۔دنوں کی جہاد میں مشغول رہتے تھے۔

قرآن اپنی اسی خاصیت کی وجہ سے دل وروح کی کتاب ہے، ایسی کتاب ہے جس سے روح میں تڑپ پیدا ہوتی ہے، آنکھوں سے اشک جاری ہونے لگتے ہیں، دلوں میں کپکپی پیدا ہوجاتی ہے۔قرآن ایک اور گروہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب ان کے سامنے آیات قرآنی کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان پر خضوع وخشوع کا عالم طاری ہوجاتا ہے اور وہ کہتے ہیں جو کچھ اس کتاب میں ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں کیونکہ یہ سب کا سب حق ہے یہ کہتے ہیں اور ان کے خضوع میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں سے عیسائی مسلمانوں سے بہت قریب ہیں اور یہودی ومشرکین بہت دور ہیں چنانچہ ارشاد ہے: لتجدن اشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين اشركوا ولتجدن اقربهم مودة للذين آمنوا الذين قالوا انا نصارىٰ ۱۹

اے میرے رسولؐ لوگوں میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن یہودی اور مشرکین ہیں اور مومنین سے ازروئے محبت سب سے زیادہ نزدیک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

اس کے بعد عیسائیوں کے ایک گروہ کی توصیف بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ یہ قرآن کو سنتے ہیں ایمان لاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:واذا سمعوا ماانزل الى الرسول ترىٰ

اعینهم تفیض من الدمع مماعرفوا من الحق یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشاهدین۲۰؎
جب یہ لوگ رسولؐ پر نازل شدہ آیتوں کو سنتے ہیں تو تم دیکھو گے کہ حق کے پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے اشک جاری ہوجاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ پروردگارا ہم ایمان لائے ہمیں بھی اپنے پیغمبرؐ کے سچے گواہوں میں قرار دے۔

دوسری جگہ پر جہاں براہ راست مومنین سے خطاب کیاجارہا ہے ان لوگوں کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے : الله نزل احسن الحدیث کتابا متشابها مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم وقلوبهم الی ذکر الله۔۲۱؎

یعنی خدانے بہترین کلام کو نازل فرمایا ، ایسا کلام جو سراسر ایک ہے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ صرف بشارت نہیں ہے بلکہ نصیحت بھی ہے ۔ خدا پرست وخداترس لوگ جب کلمات خدا کو سنتے ہیں تو ان کے جسموں میں کپکپی پیداہوجاتی ہے اور ان پر خوف طاری ہوجاتا ہے اور اس وقت ان کی حالت پر یاد خدا سکون اور محبت کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔

ان آیات میں اور ان کے علاوہ دوسری آیتوں ۲۲؎ میں قرآن اس بات کی بھی وضاحت کرتاہے کہ یہ محض علمی وتحلیلی کتاب نہیں ہے بلکہ جس طرح یہ منطقی استدلال سے پر ہے، اسی طرح انسان کے احساس وذوق اور لطائف روح سے بھی پر ہے اور انسان کی روح کو متاثر کرتی ہے۔

حوالے:

۱۔سورہ الحاقہ آیت ۴۴ تا ۴۶

۲۔سورہ نحل،آیت ۴۴

۳۔سورہ جمعہ،آیت ۲

۴۔ان القرآن یفسر بعضه بعضا

۵۔سورہ قیامہ، آیت ۲۲، ۲۳

۶۔سورہ انعام، آیت ۱۰۳

۷۔سورہ آل عمران،آیت ۷

۸۔ایک کانفرنس ''اسلامی مذاہب میں نزدیکی کیسے کی جائے؟'' کے عنوان پر ۳۵ سال قبل تشکیل دی گئی تھی اور اس میں تمام مذاہب کے افراد غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے کچھ حضرات فرقہ اسماعیلیہ کی نمائندگی کرنے کے لئے آئے تھے لیکن وہاں سنیوں اور شیعوں نے بالاتفاق یہ کہہ کر کہ ''ہم لوگ آپ حضرات

کو اسلامی فرقوں میں شمار نہیں کرتے'' انہیں کانفرنس میں شریک ہونے کی جازت نہیں دی۔

۹۔سورہ ص،آیت ۲۹

۱۰۔سورہ ابراہیم،آیت ۱

۱۱۔سورہ ابراہیم،آیت ۵

۱۲۔مثلاً آیت الکرسی میں ہے۔ الله ولی الذین آمنوا یخرجهم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیاء هم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمات۔

۱۳۔سورہ ص آیت ۲۹

۱۴۔حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کے لئے اتفاق واجماعی طور سے ثابت ہے کہ جب آپ حضرات قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو اس خوش الحانی سے تلاوت ہوتی تھی کہ راستہ چلتے ہوئے لوگ اس کی آواز کو سن کر بے اختیار ٹھہر جایا کرتے تھے، ان کی حالت دگرگوں ہوجاتی تھی اور وہ بے تحاشا رونے لگتے تھے۔

۱۵۔سورہ مزمل آیت ۴-۱

۱۶۔امام زین العابدینؑ نے ختم قرآن کی جو دعا تعلیم کی ہے اس میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ خدا یارات کی تاریکیوں میں قرآن کو ہمارا مونس قرار دے ہمیں ایسا عشق اور ایسی سمجھ عطا کردے جس سے رات کی تاریکیوں میں اس کتاب سے انس والفت پیدا ہوجائے۔

۱۷۔سورہ فرقان آیت ۵۲

۱۸۔ہمارے زمانے میں بھی خدا کا یہ سچا وعدہ پورا ہوا اور نسل رسولؐ سے ایک شخص امام خمینیؒ جو مثل اپنے جد کے صرف قرآن وایمان پر بھروسہ کرتا تھا۔لشکر کفار کو شرمناک شکست دی۔

۱۹۔سورہ مائدہ آیت ۸۲

۲۰۔سورہ مائدہ آیت ۸۳

۲۱۔سورہ زمر،آیت ۲۳

۲۲۔جیسے سورہ مریم کی ۸۵ ویں آیت اور سورۂ صف کی ابتدائی آیات وغیرہ

☆☆☆

سائنسی نظریات اور قرآن

ڈاکٹر مظفر سلطان حسن ترابی
گورنمنٹ رضا انٹر کالج، رامپور

خالق رحیم وکریم اور مالک علیم وخبیر کی کتاب عظیم ''قرآن حکیم'' چونکہ رہتی دنیا تک کے لئے تمام بنی نوع انسان کے دینی ودنیوی سود وبہبود اور فلاح ونجاح کی بشارت وضمانت لے کر ایک مکمل دستور حیات وآئین زندگی اور نہایت جامع ضابطۂ کارولائحۂ عمل کی حیثیت سے مبدءِ فیاض کی بارگاہ سے نازل ہوا ہے اس لئے انسانی ذات وصفات اور بشری حیات وکائنات کے ایک باقاعدہ انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت و اہمیت رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے نہ تو اس کتاب کا یہ دعویٰ بے بنیاد معلوم ہوتا ہے کہ لارطب ولایابس الا فی کتاب مبین[۱] یعنی'' کائنات کی کوئی خشک وترشیٔ ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ اس روشن کتاب قرآن میں موجود ہے۔'' اور نہ ہی اس کتاب کا یہ اعلان مبالغہ آمیز نظر آتا ہے کہ ولا اصغر من ذالک ولا اکبر الا فی کتاب مبین[۲] ولا اصغرُ من ذالک ولااکبر الا فی کتاب مبین[۳] یعنی'' اور دنیا میں ایک ذرہ سے بھی چھوٹی اور اس سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کتاب مبین قرآن حکیم میں موجود ہے۔'' کیونکہ جب ہم قرآن کریم کے ہمہ جہت وہمہ گیر موضوعات ومضامین کی جامعیت ومعنویت کا مطالعہ کرکے ان سے استفادہ کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسی جامع کتاب اور اتنا مکمل صحیفہ ہے جو تمام انسانی اور سائنسی علوم وفنون پر محیط ومشتمل ہے۔

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ خواہ ارتقاء پذیر انسانی سماج کے جذبۂ تلاش وجستجو اور ذوق تحقیق وتدقیق کے ارتقائی دور کے مختلف عبوری مراحل ہوں یا سماجی وسائنسی طور پر ترقی یافتہ بشری معاشرے کے گوناگوں انکشافات وایجادات کے تکمیلی منازل قرآن حکیم نے جگہ جگہ موقع بہ موقع نہ صرف یہ کہ انسانی وسائنسی علوم وفنون کی کہیں واضح اور کہیں خفیف نشاندہی کی ہے بلکہ کہیں کہیں تو انسانی ذات وکائنات کے مختلف شعبہ ہائے حیات اور معاملات زندگی سے متعلق متعدد امور وحقائق اور مسائل ووسائل کو بھی مجمل اور مفصل دونوں ہی طرح سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس مقدس ومتبرک کتاب میں اساطیر وقصص تواریخ وسیر، تہذیب وتمدن، روایت وثقافت، معیشت ومعاشرت، تجارت

و زراعت ، صنعت وحرفت ، سیاحت ومسافرت ، عبادات ومعاملات فقہیات ومذہبیات ، دینیات وعرفانیات، مادیات وروحانیات، معقولات ومنقولات ، ادبیات ولسانیات ، سماجیات وعمرانیات، معاشیات واقتصادیات، سیاسیات واخلاقیات ، ارضیا ت وفلکیات ، بحریات ومعدنیات، موسمیات وفضائیات ، نباتات وجمادات ،نفسیات وجسمانیات ،طبیعات وذہنیات،علم الابدان وعلم الادیان،علم الحیات وعلم الحیوانات ،علم نجوم وعلم الافلاک ، باغبانی وجہازرانی اور سپہ گری واسلحہ سازی وغیرہ کے ساتھ ہی ہر طرح کے حقوق وفرائض جیسے تمام موضوعات کا کہیں تفصیلی اور کہیں اجمالی طور پر احاطہ کیا گیا ہے۔

جہاں تک سائنسی علوم کی بات ہے تو اس عظیم کتاب میں اشرف المخلوقات انسان کی عقل سلیم کے اعتبار واعتماد کو اجاگر کرنے کے لئے سائنسی نظریات کے مبانی ومبادیات اور مراکز منابع کے اشاروں اور اشاریوں کو بیان کرکے کائنات کے اسرار ورموز اور نکات ومضمرات کی نشاندہی کی گئی ہے اور افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا ۴؎ یعنی'' کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں ؟'' کی سخت تاکیدی ترغیب وتشویق کے ذریعے اہل فکر ونظر، صاحبان عقل وخرد، ارباب شعور وادراک اور اصحاب تدبیر وتدبر کو بحروبر، دشت ودر، کوہ و صحرا، وادی وبیابان ، زمین وآسمان اور فضا وہوا کی سیروسیاحت کرکے اور ان کے سینوں میں چھپے ہوئے قدرت کے خزانوں کو تلاش کرکے اپنے تجربات ومشاہدات کے سہارے ان کی مناسب ترتیب وترکیب سے نئی نئی ایجادات اور اپنے جذبۂ تحقیق وتجسس کی بدولت نئے نئے انکشافات کے لئے حوصلہ افزا دعوت دی گئی ہے ۔ اور ان کے ذوق تلاش اور شوق ارتقاء کو تیز اور مہمیز کرکے مسلسل پیشرفت کی تحریک پیدا کی گئی ہے۔ اور اس بنیاد پر خالق کائنات ومالک موجودات کی قدرت وحکمت اور اقتدار واختیار کو واضح کرکے اس کی خلاقیت ورزاقیت، ملکیت ومالکیت اور ربوبیت ومعبودیت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

یوں تو قرآن کریم کی جن آیات بابرکات میں سائنسی علوم کے نکات ونظریات اور مبادیات ومضمرات کی نشاندہی کی گئی ہے ان کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ انہیں مکمل طور پر شرح وبسط کے ساتھ ضبط تحریر میں لانے کے لئے کئی ضخیم مجلدات درکار ہوں گی۔ اس لئے اختصار کے پیش نظر اجمالی طور پر صرف چند ایسے مقامات ومواقع کے بیان پر اکتفا کی جارہی ہے جن میں خالق حکیم وقدیر اور مالک

علیم وخبیر کی قدرت وکمالات کے آثار وعلامات کے طور پر سائنسی علوم کے مبانی ومنابع کے اشارے اور اشاریئے بہت واضح اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

چنانچہ ارضیات وفلکیات ، بحریات وموسمیات اور جمادات ونباتات جیسے سائنسی موضوعات ونظریات کے سلسلے میں تخلیق ارض وسما گردش لیل ونہار، بے کراں سمندروں او ربے پایاں دریاؤں کے سینوں پرروا ں و دواں کشتیوں اور جہازوں کی سمت ورفتار اور ان سے لوگوں کو پہنچنے والے منافع وفوائد آسمان سے نازل ہوکر مردہ وافتادہ بیکار ومردہ زمینوں اور پژمردہ کھیتوں کو دوبارہ زندہ اور سرسبز وشاداب کردینے والی باران رحمت ، سبزہ زاروں اور مرغزاروں میں چلنے پھرنے والے قسم قسم کے چوپایوں ، خوشگوار وفرحت بخش ہواؤں کے جھونکوں اور زمین وآسمان کے درمیان آویزاں وجنباں منڈلاتے ہوئے ابر گہر بار کے فیوض وبرکات کو صاحبان عقل وخرد کے لئے اپنی قدرت کا ملہ کی نشانیاں قرار دیتے ہوئے سورۂ مبارکہ بقرہ میں رب کریم کا ارشاد ہے :

''بے شک زمین وآسمان کی تخلیق اور رات دن کے ردو بدل میں، اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے لئے فائدہ مند اور نفع بخش اسباب واشیاء یعنی تجارتی سازوسامان دریاؤں اور سمندروں میں لے کر چلتی ہیں اور اس فیض بخش پانی میں جو خدا نے آسمان سے برسایا اور پھر اس سے زمین کو مردہ وبیکار ہوجانے کے بعد دوبارہ جلا کر سرسبز وشاداب کردیا اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کو چلانے میں اور بادل میں جو خدا کے حکم سے زمین وآسمان کے درمیان گھرا ہوا معلق رہتا ہے۔ غرض کہ ان سب باتوں میں عقل والوں کے لئے خدا کی قدرت وحکمت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔'' ۵

اسی طرح تخلیق کائنات کے سلسلے میں ارضیات وفلکیات ، بحریات ومعدنیات ، موسمیات وفضائیات نیز مشروبات وغذائیات اور معاشیات واقتصادیات کے ساتھ ہی مادۂ تخلیق اور علم الحیات وعلم الحیوانات کے حوالے سے کئی سائنسی نظریات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ان کے ذریعے اہل ذکر وشکر اور صاحبان عقل وفکر کو خدا کی قدرت وکمالات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے سورۂ نحل میں ارشاہوتا ہے :

''اسی نے زمین وآسمان کو برحق وباحکمت پیدا کیا تو لوگ جن کو اس کا شریک بناتے ہیں وہ ان سے برتر ہے ۔ اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ انسان ہی اپنے خالق کا دشمن ہوگیا۔

اسی نے چوپایوں کو پیدا کیا۔ جن کی کھال اور اون میں تمہارے لئے جڑ اول اور دوسرے کھانے پہننے کے نفع بخش اور فائدہ مند سازو سامان بھی ہیں۔ اور جب تم انہیں صبح چرانے کے لئے جاتے ہو اور شام کو واپس لاتے ہو تو ان سے تمہاری رونق ہوتی ہے اور جن شہروں میں تم بغیر سخت زحمت ومشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے وہاں چوپائے تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار بڑا رحم کرنے والا شفیق ومہربان ہے۔ اور اسی نے گھوڑوں ، خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سواری کرو اور ان میں تمہارے لئے زیب وزینت اور شان وشوکت بھی ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بھی چیزیں پیدا کی ہیں جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو۔ اور سیدھے راستے کی ہدایت تو خدا ہی کے ذمہ ہے۔ اور بعض راستے ٹیڑھے بھی ہوتے ہیں اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا۔ وہ خدا وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے تم پیتے ہو اور جس سے درخت سرسبز وشاداب ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشیوں کو چراتے ہو۔ اور خدا اسی پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے ۔ بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے خدا کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے اور اپنے پروردگار کے حکم کے تابع رات اور دن اور چاند اور سورج اور ستاروں کو بھی تمہارا تابع بنادیا ہے ۔ بے شک اس میں صاحبان عقل وخرد کے لئے قدرت خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور اس نے تمہارے لئے زمین میں جو مختلف رنگوں کی چیزیں پیدا کیں۔ بے شک ان میں بھی اہل ذکر وفکر کے لئے خدا کی قدرت وحکمت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ وہ خدا وہی ہے جس نے دریا کو تمہارے قبضہ میں کردیا ہے تا کہ تم اس میں سے مچھلیوں کا تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (کے لئے بھی موتی وغیرہ) نکالو جن کو تم پہنتے ہو۔اور تم کشتی کو دیکھتے ہو کہ دریا کے سینے پر اس کے پانی کو چیرتی ہوئی رواں دواں رہتی ہیں، تا کہ تم ان کے ذریعے تجارت کے لئے سیر وسیاحت کرکے اللہ کے فضل وکرم سے اپنا نفع اور فائدہ تلاش کرو اور اس کی نعمتوں اور عنایتوں کا شکر ادا کرو، اور اسی نے زمین کے سینے پر بھاری بھرکم پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے تا کہ زمین تمہیں لے کر جھک نہ جائے۔ اور نہریں ، ندیاں اور راستے بنائے تا کہ تم آرام اور آسانی سے منزل مقصود تک پہنچو۔اور تمہاری رہنمائی کے لئے اور بھی بہت سی علامتیں اور نشانیاں اور ستارے بھی پیدا کئے ہیں جن سے لوگ راستہ اور منزل کا پتہ معلوم کرتے ہیں۔تو کیا وہ خدا جو اتنی ساری چیزوں کو پیدا کرتا ہے وہ ان بتوں کے برابر ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے ۔ کیا تم اتنا بھی

نہیں سمجھتے۔''۶

اسی سورۂ مبارکہ میں باران رحمت کے نزول اور اس سے مردہ وافتادہ زمینوں کی نئی زندگی اور پژمردہ کھیتوں کی شادابی، دودھ دینے والے جانوروں کے جسم میں چارہ اور غذا کے کیمیاوی عمل کے بعد دودھ کی شکل میں مقوی اور شیریں وخوشگوار مشروب اور انگور جیسے غذائیت اور دوائیت سے بھر پور خوش مزہ پھلوں کے کیمیاوی عمل کے نتیجے میں شراب وسرکہ کی پیداوار اور شہد کی مکھی کے ذریعے چوسے گئے پھلوں اور پھولوں کے رس کے کیمیاوی عمل سے شیریں وخوشگوار اور نفع بخش وشفابخش، غذائیت ودوائیت سے بھرپور مشروب شہد جیسی مفید ومقوی چیز کے حوالے سے ارضیات وفلکیات نباتات وجمادات کیمیا وادویات اور معاشیات واقتصادیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اور اہل فکر ونظر اور صاحبان عقل وخرد کو خدا کی قدرت وکمال کی نشانیوں کی طرف دعوت فکر ونظر دیتے ہوئے ارشاد کیا گیا ہے:

''اور خدا ہی نے آسمان سے پانی برسایا پس اس کے ذریعے مردہ وبنجر زمینوں کے بے کار وبے جان ہوجانے کے بعد پھر سے زندہ وجاندار اور سرسبز وشاداب کیا۔ بے شک اس میں سننے اور سمجھنے والی قوم کے لئے خدا کی قدرت وحکمت کی بڑی روشن نشانی ہے۔ اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت ونصیحت کی باتیں ہیں کہ ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اسی میں سے ہم تم کو خالص اور خوشگوار دودھ پلاتے ہیں اور کھجور اور انگور جیسے پھلوں سے شیریں وبہترین رزق عطا کرتے ہیں جس سے تم شراب اور سرکہ جیسی بری اور اچھی دونوں طرح کی غذا تیار کرتے ہو۔ بے شک اس میں صاحبان عقل وخرد کے لئے خدا کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانی ہے۔ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کے ذریعے ہدایت کی کہ تو پہاڑوں، درختوں پر اور ٹٹیوں کے اونچے اونچے مکانوں میں اپنے چھتے بنالے پھر ہر طرح کے پھلوں اور ان کے پھولوں سے رس چوس لے پھر اپنے پروردگار کے راستے پر تابعداری وفرمانبرداری اور اطاعت گزاری کے ساتھ روانہ ہوجا۔شہد کی مکھی کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب یعنی شہد نکلتا ہے۔ اس میں لوگوں کے لئے بیماریوں سے شفا ہے۔ بے شک اس میں غوروفکر کرنے والوں کے لئے قدرت خدا کی بہت بڑی نشانی ہے۔ ۷

آگے چل کر اسی سورۂ مبارکہ میں انسان کی خلقت، ان کے اعضاء وجوارح اور پرندو چرند اور ان سے حاصل ہونے والے مختلف فیوض وفوائد کے حوالے سے عمرانیات ومعاشیات اور فضائیات

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علم الحیات وعلم الحیوانات کی طرف توجہ دلاکر صاحبان ایمان وامتنان کو اللہ کی قدرت وکمال کی طرف دعوت فکرونظر دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

'' اور خداہی نے تم کوتمہاری ماؤں کے پیٹ سے ایسی حالت میں پیدا کیا کہ تم بالکل بے علم اور ناسمجھ تھے، اور اس نے تم کو کان دئے اور آنکھیں عطا کیں اور دل عنایت فرمائے تاکہ تم شکر بجالاؤ۔ کیا لوگ پرندوں کوغور سے نہیں دیکھتے جو آسمان کے نیچے ہوا میں گھرے ہوئے محو پرواز رہتے ہیں، ان کوصرف خدا ہی گرنے سے بچائے رکھتا ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے قدرت وحکمت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خدا ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کوتمہاری سکونت گاہ قرار دی ہے۔اور اسی نے تمہاری لئے چوپایوں کی کھالوں سے خیموں کی شکل میں ایسے ہلکے پھلکے گھر بنائے جنہیں تم سبک پاکر اپنے سفر وحضر میں استعمال کرتے ہو، اور اس نے ان کے روئیں اور بالوں سے تمہارے لئے قیامت تک کے لئے وسائل زندگی سے متعلق بہت سی کار آمد چیزیں بنائیں اور سازوسامان مہیا کئے۔ اور خدا ہی نے تمہارے آرام وسکون کے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں کے غاروں کی شکل میں گوشہ گاہ وپناہ گاہ اور اقامت گاہ بنائیں اور تمہارے لئے پوشاک بنائیں جوتمہیں سردی گرمی سے محفوظ رکھتی ہیں اور ایسے آہنیں لباس بنائے جوتمہیں ہتھیاروں کی ضرب سے بچالیں۔ اسی طرح خدا تم پر اپنی نعمتیں تمام کرتا ہے تاکہ تم اس کی اطاعت گزاری وفرمانبرداری کرو۔ ۸

سورۂ مبارکہ حج میں انسان کی تخلیق کے سلسلے میں رحم مادر میں زیرتخلیق بچے کے تدریجی ارتقا کو واضح کرتے ہوئے اس کی خلقت کے تشکیلی مراحل اور تکمیلی منازل کی پوری طرح وضاحت کرکے علم الاجسام وعلم الحیات کی بڑی تفصیل کے ساتھ اس انداز سے ترتیب وارتشریح کی گئی ہے جس کی مکمل تصدیق وتائید آج کی جدید ترین سائنسی تحقیقات اور طبی انکشافات سے بخوبی ہوتی ہے چنانچہ ارشاد کیا گیا ہے:

'' اے لوگو! اگرتم کو مرنے کے بعد پھر سے زندہ کئے جانے میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ ہے تو ہم نے یقیناً پہلے تم کومٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر منجمد خون کے تھکّے سے پھر اس لوتھڑے سے جو پورا سڈول ہو یا ادھورا بے ڈول، تاکہ ہم تم پر اپنی قدرت وحکمت کو روشن وواضح کردیں۔ اور ہم عورتوں کے رحموں میں جس نطفے (جنین) کو چاہتے ہیں ایک معین مدت اور مقررہ

وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر پیدا کرتے ہیں ۔ پھر تمہیں پالتے پوستے اور پروان چڑھاتے ہیں تا کہ تم اپنے بلوغ اور شباب کو پہنچو۔ اور تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو بڑھاپے سے پہلے ہی فوت ہوجاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو معذور ومجبور زندگی بڑھاپے تک کھینچ لاتے ہیں تا کہ جاننے اور سمجھنے کے بعد پھر سٹھیا کے کچھ بھی نہ سمجھ سکیں۔ اور تم مردہ وافتادہ بیکار زمین دیکھ رہے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ زندہ اور سرسبز وشاداب ہوکر لہلہانے اور ابھرنے بڑھنے لگتی ہے اور ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے۔ ہماری قدرت وحکمت کے یہ کرشمے اس لئے ہیں تا کہ تم جان اور سمجھ لو کہ بے شک خدا برحق ہے اور یقیناً وہی مردوں کو جلاتا ہے اور بے شک ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور بے شک جولوگ قبروں میں ہیں ان کو خدا دوبارہ زندہ کرے گا۔'' ۹

موجودہ تازہ ترین مسلّمہ سائنسی تحقیقات اور طبی انکشافات کے مطابق رحم مادر میں دنوں ہفتوں اور مہینوں کے حساب سے بچے کے تخلیقی ارتقاء کے اعتبار سے اس کی ہیئت وحیثیت میں جو مرحلہ وار تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اس سلسلے میں سورۂ مبارکہ مومنون میں مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے :

''اور ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسکو ایک محفوظ جگہ یعنی رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں رکھا، پھر ہم نے لطفے کو منجمد خون بنایا، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، ہم نے اس میں روح ڈال کر ایک دوسری شکل وصورت میں انسان بنا کر پیدا کیا ۔ پس خدا کی ذات بابرکات کا کیا کہنا جو تمام بنانے والوں سے بہتر وبرتر ہے۔ پھر اس کے بعد یقیناً تم سب کو ایک دن مرنا ہے، پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ ۱۰

اس سلسلے میں سورۂ مبارکہ مومن میں رحم مادر میں نطفے سے لے کر بچے کی تکمیل تک انسان کی خلقت کی مختلف کیفیتوں اور حیثیتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :

''وہ خدا وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے ، پھر منجمد خون سے ، پھر تم کو بچہ کی شکل میں پیدا کیا، پھر پروان چڑھایا تا کہ تم اپنے شباب اور جوانی تک پہنچو، پھر زندہ رکھا تا کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو، اور تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس سے پہلے ہی وفات پاجاتا ہے ۔ غرض یہ کہ تم اپنی زندگی کے آخری مقام اور موت کے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور تا کہ تم اس کی قدرت

وحکمت کے سلسلے میں عقل وخرد سے کام لو۔[۱۱]

سورۂ مبارکہ مومنون ہی میں ایک جگہ فلکیات وموسمیات ، جمادات ونباتات ، زراعت وباغبانی ، سیاحت وتجارت اورعلم الحیوانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد کیا گیا ہے :

''اور یقیناً ہم نے تمہارے اوپر تہ بہ تہ سات آسمان بنائے اور ہم مخلوقات سے بے خبر نہیں ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے ایک مقررہ مقدار میں پانی برسایا، پھر اس کو زمین میں حسب ضرورت ومصلحت ٹھہرائے رکھا اور یقیناً ہم اس کو غائب کردینے پر بھی قادر ہیں۔ پھر ہم نے تمہارے لئے اس پانی سے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے۔ اور تمہارے لئے ان میں بہت سے میوے پیدا کئے اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔ اور ہم نے زیتون کا درخت پیدا کیا جو طور سینا (پہاڑ) پر اگتا ہے، اس سے تیل نکلتا ہے اور وہ کھانے والوں کے لئے سالن بھی ہے۔ اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت ونصیحت کا سامان موجود ہے۔ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس سے ہم دودھ بنا کر تم کو پلاتے ہیں اور ان میں تمہارے لئے اور بھی بہت سے فوائد ومنافع ہیں۔ اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور انہیں جانوروں اور کشتیوں پر چڑھے چڑھے گھومتے پھرتے ہو۔[۱۲]

سورۂ مبارکہ واقعۂ میں انسان کی خلقت ، باران رحمت اور آب وآتش وغیرہ کے حوالے سے اپنے الطاف وعنایات کی یاددہانی کراتے ہوئے علم الحیات وعلم نباتات ، فلکیات وموسمیات اور زراعت وغیرہ کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

''کیا تم نے اس نطفے کو دیکھا ہے کہ جو عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو؟ کیا اس سے تم انسان خلق کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں ؟ ہم نے تم لوگوں میں موت کو مقرر ومقدر کردیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہارے جیسے اور لوگ بدل ڈالیں اور تم لوگوں کو اس شکل وصورت میں پیدا کریں جسے تم بالکل نہیں جانتے۔ اور تم نے پہلی پیدائش کو تو سمجھ ہی لیا ہے، پھر غوروفکر کیوں نہیں کرتے ؟ تم جو کچھ بوتے ہو۔ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ کیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہتے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے اور چور چور کردیتے اور تم باتیں ہی بناتے رہ جاتے کہ ہم تو مفت میں تاوان اور جرمانے میں پھنس گئے بلکہ ہم تو محروم اور بدنصیب ہی ہیں ۔ کیا تم نے اس پانی کو بھی دیکھا ہے جسے تم پیتے ہو؟ کیا اسے بادل سے تم نے برسایا ہے یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنادیں، پس تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم نے آگ کو دیکھا ہے؟ جسے تم لکڑی سے

نکالتے ہو؟ کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ ہم نے آگ کو جہنم کی یاددہانی اور مسافروں کے متاع ومنافع کے لئے قرار دیا ہے ۱۳؎

سورۂ مبارکہ یوسف میں فصلوں اور زراعتوں کی پیداوار کو ذخیرہ کرکے گوداموں میں طویل مدت تک محفوظ رکھنے کی تدبیر وترکیب حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی بالیوں اور گچھوں میں ہی پیداوار کو برقرار رکھ کر بتائی گئی ہے اس کا عملی ثبوت اہرام مصر میں ہزاروں سال قبل مدفون افراد کے مقبروں سے صحیح وسالم برآمد ہونے والی بالیوں سمیت اجناس سے مل چکا ہے۔ اور وہ تدبیر عزیز مصر کے ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

''یوسف نے کہا (اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ) تم لوگ متواتر سات برس تک جو کاشتکاری کرتے رہوگے تو اس سے جو فصل کاٹو اس کی پیدوار کو بالیوں ہی میں لگی رہنے دینا (جھاڑنا چھڑانا نہیں) مگر بس اتنا تھوڑا بہت (حسب ضرورت) جو تم کھاؤ۔ پھر اس کے بعد بڑے سخت خشک سالی کے سات برس آئیں گے۔ ان میں تم لوگوں نے جو کچھ ان ساتوں سالوں کے لئے پہلے جمع کررکھا ہے سب کھاجائیں گے مگر صرف اتنا تھوڑا بہت جو تم بیج کے لئے بچا رکھو گے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب مینھ برسے گا (اور انگور بھی اتنا پھلے گا) کہ اس کو شراب کے لئے نچوڑیں گے۔ ۱۴؎

ان آیات بابرکات کے علاوہ بھی ایسی آیتیں بہت کثیر تعداد میں ہیں جن میں زمین و آسمان، کوہ وبیابان، دشت ودر، بحر وبر، شمس وقمر، آب وآتش، اشجار واثمار، وغیرہ کے حوالے سے حیات وکائنات کی تخلیق کا ذکر کرکے انسانی وسائنسی علوم وفنون کے مبانی ومبادی اور مراکز ومنابع کی نشاندہی کی گئی ہے۔ خاص طور سے سورۂ مبارکہ رحمٰن، سورہ مبارکہ دہر وسورہ مرسلات اور بیسویں پارے کی متعدد سورتوں مثلاً سورۂ نبا، سورۂ نازعات، سورۂ عبس، سورہ تکویر، سورۂ انفطار، سورہ انشقاق، سورہ شمس اور سورۂ زلزال میں حیات وکائنات کے نکات ومضمرات اور اسرار ورموز کے پس منظر وپیش منظر میں خدا کی قدرت وحکمت اور کرامات وکمالات کے بڑے موثر اور محرک اشارے موجود ہیں۔ اور ایسی تمام آیات بابرکت رہتی دنیا تک ذی علم ودانش، تمام اہل فکر ونظر، صاحبان عقل وخرد، ارباب شعور وادراک، اصحاب ذکروشکر اور جماعت تدبیر وتدبر نیز شائقین تحقیق وتدقیق کے ذوق انکشاف وشوق ایجاد کے جوش وجذبہ کو تیز اور مہمیز کرتی رہیں گی۔

حوالے:

۱۔قرآن کریم، سورہ انعام، آیت ۵۹

۲۔ قرآن کریم، سورہ یونس، آیت ۶۱

۳۔قرآن کریم، سورہ سبا، آیت ۳

۴۔قرآن کریم، سورہ محمدؐ، آیت ۲۴

۵۔قرآن کریم، سورہ بقرہ، آیت ۱۶۴

۶۔قرآن کریم، سورہ نحل، آیت ۳ تا ۱۷

۷۔قرآن کریم، سورہ نحل، آیت ۶۵ تا ۶۹

۸۔قرآن کریم، سورہ نحل آیت ۷۸ تا ۸۱

۹۔قرآن کریم، سورہ حج، آیت ۵ تا ۷

۱۰۔قرآن کریم، سورہ مومنون، آیت ۱۲ تا ۱۶

۱۱۔قرآن کریم، سورہ مومن، آیت ۶۷

۱۲۔قرآن کریم، سورہ مومنون، آیت ۱۷ تا ۲۲

۱۳۔قرآن کریم، سورہ واقعہ، آیت ۵۸ تا ۷۳

۱۴۔قرآن کریم، سورہ یوسف، آیت ۴۷ تا ۴۹

قرآن کے مخاطبین

شہید مرتضیٰ مطہری

عصر حاضر کو علمی ترقی اور آگہی وبیداری کا دور کہا جاتا ہے اور فنی وتکنیکی ایجاد وترقی کی آڑ میں دنیائے بشریت کو عریانیت وبرہنگی، حیوانیت وہوس پرستی، قتل وغارت گری اور سرکاری دہشت گردی وانسان کشی کو نت نئے انداز سے فروغ دیا جارہا ہے۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے تمام ہتھکنڈوں کا بھرپور استعمال کیا جارہا ہے جس سے عوام الناس کو مذہبی اور انسانی قدروں سے دور کیا جاسکے چنانچہ عراق، افغانستان، فلسطین اور دنیا کے دیگر ملکوں میں دنیائے انسانیت کو لرزہ براندام کردینے والی ظالمانہ حرکتوں پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس کتاب الٰہی کو نذر آتش کرنے کا کام بھی انجام پاچکا جو فقط مسلمانوں کی کتاب نہیں بلکہ انسانوں کی کتاب ہے اور خدا ترس انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے جی ہاں! قرآن کا مخاطب انسان ہے اور قرآن سوزی کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی نابودی کا خواب دیکھنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن سوزی موجودہ صدی کا ایسا حیرت انگیز واقعہ ہے جس کو معجزہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے جس کے دور رس نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ علم وآگہی کے متوالوں میں یہ لگن پیدا ہوسکتی ہے کہ آؤ اس کتاب کو پڑھ کر تو دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ یہ علمی کرید لوگوں کو اس حقیقت سے آشنا کرسکتی ہے کہ اس کتاب کا مخاطب انسان ہے اس کتاب کا انسان اور انسانیت سے گہرا رشتہ ہے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی قرآن کا بغور مطالعہ کرے اور اس کی افادیت سے محروم رہ جائے۔ آیت اللہ مطہری کا یہ مقالہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ادارہ

قرآن کی تجزیاتی شناخت کے سلسلے میں منجملہ دیگر نکات کے اس بات کا بھی استنباط کیا جانا چاہئے کہ اس کے مخاطب کون لوگ ہیں اس بات کی تحقیق وتشخیص کے بغیر قرآنی مفاہیم تک رسائی حاصل کرنا دشوار ہے، مثلاً هدًى لّلمتّقين[۱] (یہ قرآن) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے، هدًى وّبُشرىٰ للّمؤمنين[۲] مومنین کے لئے (یہ قرآن) ہدایت وبشارت ہے۔ لينذر من كان حياً[۳] (یہ قرآن) زندوں کے ڈرانے کیلئے ہے اور اسی طرح کی بہت سی تعبیرات قرآن نے کی ہیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت کوئی ضروری چیز نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ تو خود ہی پرہیزگار ہیں۔ دوسری طرف قرآن اپنا تعارف اس طرح کراتا ہے۔ ان

ھوالاّ ذکرٌ لّلعالمین ، ولتعلمنّ نباہٗ بعد حین ۴؎

یہ قرآن ساری دنیا کے لئے مایہ بیداری ہے اور اس کی خبر تم بعد کو سنو گے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب تمام دنیا کے لئے ہے یا صرف مومنین کے لئے ؟ ایک اور آیت میں قرآن رسولؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ومآارسلنٰک الاّرحمۃ لّلعالمین۵؎ اے رسولؐ ہم نے تمہیں سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس بات کی تفصیلی وضاحت قرآن میں مبحث تاریخ کے ذیل میں پیش کی جائے گی سردست وہاں بیان کی جائے گی جہاں قرآن میں مبحث تاریخ کا ذکر کیا جائے گا اجمالاً عرض ہے کہ جن آیتوں میں قرآن نے دنیا کے تمام لوگوں کو مخاطب کیا ہے، وہاں قرآن کا مقصد ہے کہ قرآن کسی قوم یا مخصوص جماعت کے لئے نہیں بلکہ پوری کائنات کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انجام کار وہ کون لوگ ہوں گے جو قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے اقور اس سے ہدایت حاصل کریں گے اور وہ کون لوگ ہوں گے جو قرآن سے دوری اختیار کریں گے قرآن کسی خاص یا معین قبیلہ کو اپنے عقیدت مند وارادت مند کے عنوان سے ذکر نہیں کرتا۔ قرآن نے یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ وہ اس قوم یا اس قوم کی ملکیت ہے دوسرے مکاتب فکر کی طرح قرآن کسی مخصوص طبقہ کے منافع کے لئے نہیں ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میں صرف فلاں طبقہ کی ضمانت کرتا ہوں مثلاً قرآن یہ نہیں کہتا ہم صرف مزدوری اور کاریگروں کی حمایت کرنے آئے ہیں یا ہم تو صرف کسانوں کی پشت پناہی کے لئے ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن اپنی جگہ بطور تاکید کہتا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا مقصد عدل وانصاف کی تبلیغ و انبیاء کے بارے میں اعلان کرتا ہے: وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم النّاس بالقسط ۶؎ ہم نے انبیاء کے ساتھ کتاب اور ترازوں انصاف اتاری تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں !

قرآن تمام انسانی معاشرے کے لئے عدل وانصاف چاہتا ہے نہ کہ صرف اس طبقہ یا کسی مخصوص طبقہ، قبیلہ اور قوم وجماعت کے لئے انصاف کا متقاضی ہے۔ نازی ازم کے برخلاف قرآن اپنی طرف تعصب کی بنیاد پر دعوت نہیں دیتا اور نہ ہی مارکسزم کی طرح منفعت طلبی اور نفع پرستی پر بھروسہ کرتا ہے اور نہ لوگوں کو دنیوی منفعت کی لالچ دے کر اپنی فطرت کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ۷؎

قرآن جس طرح انسان کے وجدان عقلی کی اصالت کا قائل ہے اسی طرح اس کے لئے

ایک فطری ووجدانی اصالت کا بھی قائل ہے اور اسی حق جوئی وعدالت طلبی کی بنیاد پر انسان کو ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے۔ اسی لئے اسلام کا پیغام نہ فقط مزدوروں کے لئے منحصر ہے اور نہ کسانوں کے لئے۔قرآن ظالم ومظلوم دونوں کومخاطب کرتا ہے کہ حق کا راستہ اپناؤ۔

قرآن نے جس طرح حضرت موسیٰ کا قصہ نقل کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل اورفرعون دونوں کو خدا کا پیغام دیتے تھے اور دونوں سے چاہتے تھے کہ خدا پر ایمان لائیں اور اس کی راہ پرگامزن رہیں۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰؐ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ آپؐ نے اپنی رسالت ودعوت کو جس طرح سرداران قریش کے لئے پیش کیا اسی طرح ابو ذر کے لئے بھی پیش فرمایا۔قرآن نے متعدد ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن میں انسان گمراہی کو چھوڑ کر راہ حق پر آ گیا ہے۔ ہاں قرآن نے اسے نکتے کی طرف بھی لوگوں کومتوجہ کیا ہے کہ عیش ونعمت کے گہواروں میں پلنے والوں کا حق کی طرف پلٹا نا بہ نسبت غریبوں او رمظلوموں کے بدر جہا مشکل ہے۔ مظلوموں اورغریبوں کا طبقہ اپنی فطرت کے تقاضہ کی بناپر عدالت وانصاف کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن ثروتمندوں اور مالداروں کے طبقے کو چونکہ شخصی منافع اورگروہی منافع کو چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے وہ بڑی مشکل سے حق عدالت کوقبول کرتا ہے۔

قرآن اعلان کرتا ہے کہ ہمارے ماننے والے وہی لوگ ہیں جن کی روح پاکیزہ ہے اور یہ لوگ صرف حقیقت جوئی اور عدالت طلبی کی بناء پر، جوہر انسان کا فطری حق ہے ،قرآن کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ دنیاوی جذبے ، مادی خواہشات ،طلب منفعت کی خاطر ایسا نہیں کرتے ۔

عقل کے بارے میں قرآنی نظریہ:

اس سے پہلے کہ ہم قرآن کی زبان کے بارے میں تحریر کرچکے ہیں اورمختصر عرض کر چکے ہیں کہ قرآن اپنا پیغام پہنچانے کے لئے دو زبانیں استعمال کرتا ہے ، ایک منطقی استدلال اور ایک احساس کی زبان اور دونوں زبانوں کے مخصوص مخاطب ہیں۔منطقی استدلال کی مخاطب عقل ہے اور احساس کا مخاطب دل ہے۔ اس بحث میں عقل کے بارے میں قرآنی نظریے کی تحقیق کریں گے۔

پہلے تو ہم یہ طے کرلیں کہ قرآن کی نظر میں عقل مند ہے بھی کہ نہیں ؟ یعنی علمائے فقہ و اصول کی زبان میں عقل حجت ہے کہ نہیں ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرعقل کی واقعاً کوئی صحیح دریافت کی زبان میں عقل حجت ہے کہ نہیں ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرعقل کی واقعاً کوئی صحیح

دریافت ہے تو کیا انسان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے یا نہیں ؟ اور اگر عمل کیا اور اتفاقاً کسی جگہ پر غلطی ہوگئی تو خدا اس کو معاف کردے گا اور معذور سمجھے گا یا اس پر عتاب (عذاب) کرے گا ؟ اور اگر اس کے مطابق عمل نہ کرے تو کیا خدا حکم عقل کی خلاف ورزی کی وجہ سے اس کو سزا دے گا یا نہیں؟

عقل کی حجیت:

اسلامی نظریے کے مطابق عقل کی حجیت کا مسئلہ اپنی جگہ پر ثابت ومسلم ہے اور علمائے اسلام میں سے کسی نے بھی....سوائے چند لوگوں کے.....عقل کی حجیت میں شک نہیں کیا اور فقہ کے چاروں ماخذوں ....قرآن ، حدیث ، عقل ، اجماع....میں سے عقل کو ایک ماخذ تسلیم کیا ہے۔

قرآن غوروفکر کی دعوت دیتا ہے:

چونکہ ہم قرآن کے بارے میں بحث کررہے ہیں اس لئے عقل کی حجیت بھی قرآن ہی سے ثابت کرنا ضروری ہے۔ درحقیقت قرآن نے مختلف طریقوں سے عقل کی حجیت کو تسلیم کیا ہے ساٹھ ، ستر مقامات پر جہاں پر عقل کی حجیت کا اشارہ ملتا ہے ان میں سے صرف ایک مورد سے ہی اثبات مطلب کیا جاسکتا ہے۔ بطور مثال اس آیت کو ہی دیکھئے ہے۔ ان شرالدّوآب عند اللّٰہ الصمّ البکم الّذین لایعقلون۸ زمین پر چلنے والوں ۹ میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو گونگے بہرے اور بے عقل ہیں !

ظاہر ہے کہ یہاں گونگے بہرے سے مراد زبان کے گونگے اور کان کے بہرے نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حقیقت کو سننا نہیں چاہتے یا سنتے ہیں تو زبان سے اعتراف نہیں کرتے ، جو کان حقائق کو سننے سے عاجز ہوں اور صرف خرافات ومہمل چیزوں کو سننے پر آمادہ ہوں وہ قرآن کی نظر میں بہرے ہیں اسی طرح جو زبان حقائق کا اعتراف نہ کرے صرف بکواس ہی بکواس کرتی ہو وہ قرآن کی نظر میں گونگی ہے، اسی طرح بے عقل وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل سے فائدہ نہیں اٹھاتے ایسے لوگ جن کا نام انسانوں میں شمار کرنے کے لائق نہیں ہے قرآن نے ان کو حیوانات اور چارپایوں سے تشبیہ دی ہے۔۱۰

اسی طرح توحید افعالی اور توحید فاعلی کی جگہ پر ایک مسئلہ توحید کے ضمن میں ارشاد ہے

وماکان لنفسٍ ان تؤمن الاّ باذن اللّٰہ ۱۱؎ کسی شخص کو اذن خدا کے بغیر ایمان لانے کا حق نہیں ہے ! ایسے مشکل مسئلہ کے بعد جس کا نہ ہر ذہن تحمل کرسکتا ہے اور نہ ادراک اور واقعاً انسان کو جھنجوڑ دینے والا مسئلہ ہے۔ قرآن اس آیت کے بعد کہتا ہے : ویجعل الرجس علی الّذین لایعقلون ۔ ۱۲؎

ان دونوں سورۂ انفال ویونس کی دونوں آیتوں کا میں نے بطور نمونہ ذکر کیا ہے منطقی اصطلاح میں قرآن لوگوں کو تطبیقی دلالت کے ساتھ تعقل کی دعوت دیتا ہے ۔ قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں بھی ہیں جو التزامی دلالت کے ساتھ عقل کی حجیت کو ثابت کرتی ہیں۔ ۱۳؎

دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھئے کہ قرآن ایسی بات کہتا ہے کہ حجیت عقل کو تسلیم کئے بغیر وہ بات مانی ہی نہیں جاسکتی ، مثلاً قرآن اپنے مخالف سے عقلی استدلال مانگتا ہے : قل ھاتوا برھانکم ۱۴؎ یہاں پر دلیل التزامی کے ذریعے قرآن عقل کی حجیت کو بیان کردہا ہے (کیونکہ اگر عقل کی حجیت نہ مانتا تو دلیل نہ طلب کرتا) یا ایک جگہ وحدت واجب الجوب کو ثابت کرنے کے لئے قیاس منطقی ترتیب دیتا ہے ، جیسے :لوکان فیھمآ الھۃ الا اللّٰہ لفسدتا ۱۵؎ اگر زمین وآسمان میں ایک خدا کے علاوہ کئی خدا ہوتے تو زمین وآسمان فاسد ہوجاتے۔

اس جگہ قرآن ایک قضیہ شرطیہ بیان کرتا ہے۔ مستثنیٰ کیا ہے اور تالی کو نادید ،طور سے مان لیا ہے۔ قرآن عقل کی ان تمام تاکید کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ بعض ان مذاہب کو باطل قرار دے جن کا نظریہ ہے کہ ایمان کا عقل سے کوئی لگاؤ نہیں ہے ، مومن ہونے کے لئے فکر کو معطل کرنا اور صرف دل پر بھروسہ کرنا چاہئے تاکہ نور خدا دل میں پیدا ہوجائے ۔

نظام علیت ومعلولیت:

دوسری وہ دلیل جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن عقل کی اصالت کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ مسائل کو علت ومعلول کے ارتباط کی بناپر بیان کرتا ہے در اصل علیت ہی عقلاء کے افکار کی بنیاد ہے اور خود قرآن اس کا احترام کرتا ہے اور اس کو استعمال بھی کرتا ہے ۔ حالانکہ قرآن خدا کی باتوں کا ناقل ہے جو نظام علت ومعلول کا خالق ہے اور ان تمام باتوں کے باوجود اس بات سے کبھی غفلت نہیں برتتا۔ نظام سبب ومسبب کا تذکرہ کرتا ہے اور تمام واقعات وحالات کو اسی نظام سبب ومسبب کا

نتیجہ قرار دیتا ہے، مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے ان اللّٰہ لایغیر مابقومٍ حتی یغیروا ما بانفسھم ۱۶؎ خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

اس آیت میں قرآن یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں خدا کے ارادہ واختیار کے تابع ہیں، لیکن خدا ان کے اعمال کے برخلاف اس پر کوئی چیز زبردستی نہیں تھوپنا چاہتا بلکہ تقدیر اور قسمت کا بھی ایک نظام ہے۔ خدا کسی بھی معاشرے کی قسمت خود بخود اور بے وجہ کبھی نہیں بدلتا۔ البتہ اگر وہ لوگ ایسی چیزوں میں جوان سے مربوط ہیں جیسے اخلاقیات، اجتماعیات وغیرہ اگر خود اس میں تغیر چاہتے ہیں تو خدا بھی تغیر کردیتا ہے۔

دوسری طرف قرآن مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ گذشتہ لوگوں کے حالات کو مطالعہ کریں اور ان سے درس عبرت حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر اقوام عالم کی سرگذشت محض اتفاق پر مبنی ہوئی اور ان کو اس پر مجبور کیا گیا ہوتا تو ان کے حالات کا مطالعہ اور ان سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب ہی بے کار بات تھی۔ قرآن اس تاکید سے یہ یاد دلانا چاہتا ہے کہ تمام اقوام کی سرنوشت پر ایک ہی نظام حاکم ہے باین عنوان کہ اگر ایک معاشرے کے حالات دوسرے معاشرے کے حالات کے مشابہ ہوں گے تو دونوں کے حالت ایک ہی جیسے ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: فکأین من قریة اھلکناھا وھی ظالمة فھی خاویة علی عروشھا وبئرمّعطّلة وقصرمّشید ۔ افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قُلوب یعقلون بھا او اذان یّسمعون بھا ۱۷؎ کتنے ایسے شہر ودیار ہیں کہ جن کے رہنے والے جب ظلم وستم میں مشغول تھے ہم نے ان کو ہلاک کردیا اور تمام شہر بالکل ویران ہوگئے ہیں، سارے کنوئیں، مضبوط قصر سب کے سب معطل و بے کار ہوگئے کیوں اس زمانے کے لوگ زمین میں گردش نہیں کرتے اور اقوام وملل کے حالات کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے اور کیوں ان سے درس عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ان تمام مطالب میں نظاموں کے قبول کرنے میں دلالت التزامی کی بناپر نظام علیت ومعلولیت کی تائید ہوتی ہے اور علیت ومعلولیت کے رابطہ کو قبول کرنے کا مطلب عقل کی حجیت کو تسلیم کرنا ہے۔

فلسفۂ حکام:

قرآن کی نظر میں عقل کی حجیت مسلم ہے اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن نے اپنے تمام

احکام وقوانین کا فلسفہ بھی بتادیا ہے، یعنی اگر خدا نے یہ حکم دیا ہے تو اس کی علت یہ ہے کہ علمائے اصول کہتے ہیں کہ احکام کی علت میں مصالح ومفاسد دخیل ہیں مثلاً قرآن ایک جگہ حکم دیتا ہے نماز پڑھو اور دوسری جگہ اس کا فلسفہ بیان کرتا ہے کہ: ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ۱۸؎ نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے۔ یہ نماز کا فلسفہ ہے، یہاں نماز کی روحانیت کا ذکر کتا ہے کہ انسان کو کتنا بلند کرتی ہے اور اس روحانی بلندی کی وجہ سے انسان فحشاء ومنکرات سے بچ جاتا ہے اسی طرح روزہ کا حکم دیکراس کی بھی علت وفلسفہ بیان کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا: کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۱۹؎ تم لوگوں پر روزہ اسی طرح واجب قرار دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والوں پر (اور یہ صرف اس لئے واجب کیا گیا ہے) تاکہ تم لوگ متقی وپرہیزگار بن جاؤ۔

یہی حالت تمام احکام کے لئے ہے جیسے زکوٰۃ، جہاد وغیرہ کہ سب کے بارے میں انفرادی واجتماعی اعتبار سے وضاحت کرتا ہے اس طرح قرآن تمام آسمانی احکام کو جن کے نتائج اس دنیا کے بعد ظاہر ہوں گے بیان کرتا ہے اور انسان کو آمادہ کرتا ہے کہ اس کے بارے میں غور کرے۔ تاکہ حقیقت اس پر واضح ہوجائے اور یہ نہ تصور کرے کہ یہ چیزیں صرف فکر بشر کے ماورائ کی چیزیں ہیں۔

عقل کی غلطیوں کا علاج

قرآن کے نزدیک عقل کی حجیت کی ایک دلیل ہے جو دیگر سابق دلیلوں سے واضح تر ہے۔ قرآن عقل کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے اگر عقل کی حجیت نہ مانتا تو اس کی غلطیوں کی اصلاح کی کوشش نہ کرتا۔ اس مطلب کی وضاحت کے لئے بطور مقدمہ چند امور کا بیان کرنا ضروری ہے۔انسانی ذہن وفکر بہت سی جگہوں پر غلطی کرجاتا ہے اور یہ بات تقریباً سبھی کے نزدیک مسلم ہے۔ اس قسم کی غلطیاں صرف عقل ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ حواس واحساسات بھی غلطیوں سے دوچار ہوتے ہیں مثلاً قوۃ باصرہ کے لئے دسیوں غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اسی طرح عقل کا مسئلہ ہے۔ اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک استدلال مرتب کرتا ہے اور اسی کی بنیاد پر نتیجہ حاصل کرتا ہے لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ میرا استدلال ابتداء سے غلط تھا۔ اس لئے یہاں پر فطری طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عقل سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں تو پھر قوت فکر کو معطل کردینا

چاہئے یا ایسے اسباب ووسائل تلاش کرنے چاہئیں جن سے پیداہونے والی غلطیوں کو تدارک کیا جاسکے۔؟ سوفسطائی حضرات کا خیال ہے کہ عقل پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ بنیادی طور پر عقل سے استدلال کرنا ہی لغو وبے کارسی بات ہے۔

لیکن اہل فلاسفہ نے ان لوگوں کو دندان شکن جوابات دئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عقل کی طرح دیگر حواس بھی اشتباہ کرتے ہیں لیکن کسی بھی حواس کو معطل وبیکار کردینے کا حکم نہیں دیا ہے، چونکہ عقل کو معطل کردینا ناممکن سی بات ہے اس لئے مفکرین نے یہ طے کیا کہ اس کا تدارک کیا جائے اور اس کی تحقیق کرتے کرتے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہراستدلال دوچیزوں سے مرکب ہوتا ہے ایک مادہ دوسرے صورت جیسے ایک مکان بنانے کے لئے اینٹ، گچ، لوہا وغیرہ کا ہونا ضروری ہے جس کو مادہ کہتے ہیں اسی طرح مکان کا ایک نقشہ بھی ہوتا ہے جس کو صورت کہتے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ مکان ہر اعتبار سے کامل ہوتو اس کے لئے کی تعمیر میں استعمال کئے جانے والے سامان مثلاً لوہا، اینٹ وغیرہ کا اچھا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح نقشہ کا بھی بے عیب وصحیح ہونا ضروری ہے۔

بالکل اسی طرح اگر آپ استدلال کو صحیح کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مادہ اورصورت دونوں کو درست ہونا چاہئے ۔ جہاں تک استدلال کی صورت کی صحت کا سوال ہے اس کے لئے ارسطو کی منطق موجود ہے۔ منطق کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ وہ استدلال کی صورت وعدم صحت کو بتادے اور ذہن انسانی کی اتنی مدد کردے کہ وہ استدلال کی صورت میں غلطی نہ کرے۔ ۲۰

اصل چیز یہ ہے کہ منطق صرف صورت استدلال کی صحت کی ذمہ دار ہے لیکن ہمارے لئے ضروری ہے مادۂ استدلا ل بھی صحیح ہویعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کے ذریعے مواد فکری کو بھی تولا جاسکے۔ بیکن اور ڈیکارٹ جیسے فلاسفہ نے بڑی تلاش وکوشش کے بعد مادۂ استدلال کے صحت کے لئے معیار قائم کیا ہے ۔ ارسطو کی منطق استدلال کی صورت میں صحیح کرتی ہے اور ان لوگوں نے جو معیار بنائے ہیں وہ اگرچہ منطق کی طرح قواعد کلیہ تو نہیں ہیں لیکن بڑی حدتک وہ انسان کی مدد کرتے ہیں اور مادۂ استدلال میں غلطی سے بچاتے ہیں۔ لیکن آپ کو یہ جان کر یقیناً تعجب ہوگا کہ استدلال کے مادہ میں غلطی سے بچانے کے لئے قرآن نے بہت سے قاعدے پیش کئے ہیں اور قرآن کو تمام محققین جیسے ڈیکارٹ وغیرہ پر تقدم فضل اور فضل تقدم حاصل ہے۔

قرآن کی نظر میں غلطیوں کے اسباب

قرآن کی نظر میں غلطیوں کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ انسان گمان کو یقین کا درجہ دے بیٹھتا ہے۲۱ اگر کوئی یہ طے کرلے کہ میں مسائل میں صرف یقین پر عمل کروں گا گمان کو ہر گز یقین کی جگہ نہ دوں گا تو کبھی غلطی میں نہیں پڑے گا۲۲ قرآن نے اس بات کی بہت ہی تاکید کی ہے یہاں تک کہ ایک جگہ پر بطور صراحت کہتا ہے کہ فکر بشر کی سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ وہ گمان کی پیروی کرتا ہے یا ایک دوسری جگہ پر رسول کو مخاطب کرکے کہتا ہے: ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله ان یتبعون الا الظن وان هم الایخرصون☆ ۲۳ زمین میں زیادہ تر لوگ گمان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اے رسولؐ اگر تم نے ان کی پیروی کی تو تم بھی گمراہ ہوجاؤ گے کیونکہ لوگ کی پیروی کرتے ہیں اور اندازے کی بات کرتے ہیں یہی وجہ ان کے غلطی کرنے کی ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ولا تقف مالیس لک به علم ۲۴ جس بات کا علم نہ ہو اے رسولؐ اس کی پیروی نہ کرو۔ یہ وہ یاددہانی ہے کہ انسان کی پوری تاریخ میں قرآن نے یاددلایا ہے اور انسان کو اس طرح غلطی سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

مادۂ استدلال میں دوسرا غلطی کا سبب خصوصاً اجتماعی مسائل میں اندھی تقلید ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ معاشرے میں جو چیز یقین کا درجہ حاصل کرلیتی ہے وہ بھی اس پر یقین کرلیتے ہیں یعنی جو چیز معاشرے میں مورد قبول ہو یا گذشتہ سے وہ بات چلی آرہی ہو تو لوگ صرف اس بنا پر اس کو قبول کرلیتے ہیں کہ یہ تو بزرگوں سے چلی آرہی ہے۔۲۵

قرآن اعلان کرتا ہے کہ ہر مسئلہ کو عقل کے ترازو پر تولو تمہارے بزرگوں نے جو کچھ بھی کیا اسی کو سند نہ مان لو بلکہ اس کا بالکل انکار کردو۔ بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جو پہلے بھی رائج تھے اور غلط تھے لیکن لوگوں نے اس کو قبول کرلیا تھا اور بہت سے ایسے صحیح مسائل بھی ہیں کہ جو دور قدیم میں پیش کئے گئے تھے، لیکن لوگوں نے اپنی نادانی کی بناء پر اس کو قبول نہیں کیا اسی لئے قرآنی نظریہ ہے کہ مسائل کو عقل وفکر کے ترازو پر قبول کرو، اندھی تقلید نہ کرو، قرآن نے ذکر کیا ہے کہ لوگ عقل وفکر پر پرکھنے کے بجائے اپنے آباء اجداد کی تقلید پر باقی رہتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: واذاقیل

لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه آبائنا اولو كان آباؤهم لايعقلون شيئا ولا يهتدون ۲۶ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے احکام کی پیروی کروتو یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کی روش کو چھوڑ دیں؟ بھلا بتاؤ اگر تمہارے بزرگ بےشعور تھے تو ان کی بے شعوری کا بھگتنا تم کیوں بھگتو؟!

قرآن اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ایک فکر کی قدامت نہ اس کے غلط ہونے یا کہنہ ہونے کی دلیل ہے اور نہ ہی صحیح ہونے کی ذمہ دار ہے جہاں تک کہنگی کا مسئلہ ہے وہ صرف مادی امور تک محدود ہے لیکن حقائق ہستی پر چاہے جتنا زمانہ گذرجائے وہ کہنہ وفرسودہ نہیں ہوا کرتے ۔مثلاً : ان الله لايغير مابقوم حتى يغيروا مابانفسهم ۲۷ یہ ایک حقیقت ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہنے والی ہے ۔قرآن کہتا ہے عقل وفکر کے اسلحہ سے مسائل کا مقابلہ کرو۔کسی صحیح عقیدہ کو اس لئے ترک نہ کرو کہ دوسرے لوگ اس کو مانتے ہیں ۔ اسی طرح کسی عقیدہ کو صرف اس لئے تسلیم نہ کرو کہ کسی بزرگ و معروف شخص نے اس عقیدہ کو قبول کیا ہے، بلکہ ہر مسئلہ کو خود تحقیق وجستجو کے بعد قبول کرو۔۲۸

تیسری چیز جس کی وجہ سے آدمی غلطی کرتا ہے وہ خواہشات نفس کی پیروی کسی غرض و مرض کی بناپر کوئی اقدام کرنا ہے اس سے بھی آدمی غلطی کا شکار ہوجاتا ہے قرآن نے اس بات کی بڑی شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ بقول مولوی

چون غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوی دیدہ شد

کوئی بھی مسئلہ ہو جب تک انسان اپنے کو شر اغراض سے الگ نہ کرلے گا اس وقت تک صحیح فکر نہیں کرسکے گا۔یعنی عقل اسی وقت صحیح کام کرسکتی ہے جب خواہشات نفس کی اسیر نہ ہو۔علامہ حلیؒ کا ایک واقعہ ہے جو اس کی صحیح ترجمانی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ علامہ حلیؒ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا کہ اگر کنویں میں کوئی جانور مرجائے اور ایسے اسباب پیدا ہوجائیں جس کی بناپر اس کا مردہ جسم کنویں ہی میں رہ جائے تو کنویں کے پانی کا کیا جائے؟ اتفاق سے اسی وقت علامہ حلیؒ کے گھر میں جو کنواں تھا اس میں ایک جانور گرگیا اب علامہ کے لئے مجبوری تھی کہ اپنے لئے بھی استنباط حکم کریں ۔ اب یہاں پر دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔یا تو کنویں کو بالکل پاٹ دیاجائے اور دوسرے کنویں سے پانی نکالا جائے اور یا اسی کنویں سے کچھ مقدار پانی کی نکال دی جائے اور باقی پانی کو استعمال کیا جائے۔علامہ حلیؒ نے سوچا اس مسئلہ میں بدون غرض حکم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ علامہؒ کے کنویں کا بھی مسئلہ تھا س لئے انہوں نے حکم

دیا کہ کنویں کو پاٹ دیا جائے اور پھر اس کے بعد خود بغیر خواہش نفسانی کے استنباط حکم کے لئے بیٹھے۔ قرآن نے خود بھی خواہشات نفس کی پیروی سے بہت زیادہ مقامات پر روکا ہے۔ ہم یہاں پر صرف ایک مقام کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے: ان یتبعون الا الظن وماتھوی الانفس ۲۹؎ وہ لوگ گمان باطل اور خواہشات نفس کے علاوہ کسی اور چیز کی پیروی نہیں کرتے۔

دل کے بارے میں قرآنی نظریہ:

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ عرفانی اور ادبی اصطلاح میں دل سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے جو بدن کے بائیں طرف ہوتا ہے اور جو ایک ہینڈ پائپ کی طرح خون کو رگوں میں پھینکتا رہتا ہے مثلاً قرآن نے ایک جگہ کہا ہے : انَّ فی ذلک لذکریٰ کان له قلب ۳۰؎ یا جیسا کہ حافظ نے کہا ہے:

ولم رمیدہ شد وغافلم من درویش
کہ این شکاری سرگشتہ راہ چہ آمد پیش

اس میں دل یا قلب سے ایک ممتاز وبلند حقیقت مراد ہے جو سینے میں بائیں طرف دھڑکنے والے گوشت کے لوتھڑے سے بالکل الگ ہے اسی طرح جہاں پر قرآن دل کی بیماریوں کا ذکر کرتا ہے :فِی قُلوبِهِم مَرَضٌ فَزادهُم اللّٰه مَرَضا ۳۱؎ان کے دل مریض ہیں خدا ان کے مرض کو اور زیادہ کرے۔ اس سے وہ دل مراد نہیں ہے کہ جس کا علاج ڈاکٹر کرتا ہے اور اگو کوئی ڈاکٹر اس قسم کی بیماریوں کا علاج کرسکتا ہے تو وہ روحانی امراض کا ماہر ہوگا۔

دل کی تعریف:

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل سے آخر کیا مراد ہے؟ اس سوال کے جواب کو وجود انسا ن کی حقیقت میں تلاش کرنا چاہئے ۔ انسان ایک ہونے کے باوجود سینکڑوں اور ہزاروں پہلوؤں کا حامل ہے لفظ ''میں'' ہزاروں امیدوں ،فکروں ،آرزوؤں ،عشقوں اور ہزاروں خوف، ڈر...کا مجموعہ ہے اور یہ سب ہزاروں اور نالیوں کی طرح ایک مرکز میں مل جاتے ہیں اور یہ مرکز اتنا گہرا اور عمیق سمندر ہے جس کی گہرائی تک پہنچنے کا ابھی تک کسی نے دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اہل فلسفہ عرفاء ، علماء ، روحانی حضرات نے اپنے اپنے امکان بھر اس کی گہرائی سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر ایک نے صرف محدود حد

تک اس کے راز ہائے سربستہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ ہاں عرفاء شاید دوسروں سے زیادہ اس میں کامیاب ہوئے ہیں ۔قرآن جس چیز کو''دل'' کہتا ہے وہ خود اس سمندر کی واقفیت سے جس کو بہ روح ظاہر کہتے ہیں وہ سب ایک ایسے نالے ہیں جو اس سمندر سے جاملتے ہیں انتہا یہ ہے کہ خود عقل بھی ایک ایسی نہر ہے جس کا سلسہ اسی سمندر سے جاملتا ہے۔

قرآن جب وحی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو عقل کا دور دور بھی کہیں ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا تمام تر دار ومدار قلب پیغمبرؐ پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نہ تو عقل کی طاقت اور نہ عقلاء کے استدلال سے پیغمبر کو حاصل ہوا ہے بلکہ یہ صرف قلب رسولؐ تھا جو ایک ایسی حالت میں (جو حالت ہمارے لئے قبال تصور نہیں ہے) پہنچ گیا جہاں پر ان بلند وبڑتر حقائق کے ادراک وشہود کی استعداد اس میں پیداہوگئی ۔ سورہ نجم اور سورہ تکویر کی آیتیں اس ارتباط کی کیفیت کو ایک حدتک بیان کرتی ہیں ۔۳۲

قرآن جہاں پر وحی کے بارے میں باتیں کرتا ہے اور جہاں پرقلب سے گفتگو کرتا ہے وہاں اس کا بیان طائرعقل وفکر کی پرواز سے بھی اونچا ہوتا ہے لیکن عقل وفکر کے مخالف بھی نہیں ہوتا اس جگہ پرقرآن ایک ایسی بینش کو بیان کرتا ہے جوعقل ہے جوعقل واحساس سے بالاتر ہے اورعقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہے،عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔

قلب کی خصوصیات :

قرآن کی نظر میں یہ'' قلب پہچان کا ایک آلہ بھی ہے۔ بنیادی طور سے قرآن کے پیغام کا بہترین مخاطب انسان کا دل ہے۔ ایسا پیغام جسے صرف دل کے کان ہی سن سکتے ہیں کوئی دوسرا کان اس کے سننے پر قادرنہیں ہے، اسی لئے قرآن اس آلہ کی حفاظت ونگہداری اور تکامل میں بہت تاکید کرتاہے قرآن کے اندر تزکیۂ نفس ، روشنی دل،صفائے قلب کے مسائل جابجا بکھرے پڑے ہیں ملاحظہ فرمایئے: قد افلح من زکھا۔۳۳ جس نے اپنے دل کو آلودگیوں سے محفوظ رکھا وہ نجات پا گیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:کلا بل ران علی قلوبھم ماکانو یکسبون ۳۴ نہیں نہیں بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو اعمال (بد) کرتے ہیں (اس کی وجہ سے) ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ روشنی قلب کے لئے ارشاد ہے:ان تتقوا الله یجعل لکم فرقاناً ۳۵ اگرتم نے تقویٰ وپاکیزگی کے

راستہ کو اختیار کیا تو خدا تمہارے دلوں کو روشن کردیگا ایک اور جگہ ہے: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا ۳۶ جو لوگ ہماری راہ میں خلوص سے کوشش کریں گے ہم اپنے راستہ کی طرف ان کی ہدایت کریں گے۔

چونکہ کارہائے ناشائستہ کی روح کو تاریک وگندا کردیتے ہیں اور کشش وپاکیزگی کو اس سے سلب کرلتے ہیں اس لئے قرآن نے متعدد جگہوں پر اس کا ذکر کیا ہے ۔ مومنین کی زبان سے کہلوایاجارہاہے:ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا ۳۷ خداوند ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد کج نہ ہونے دے۔ بدکاروں کی صفت بیان کرتا ہے:کلا بل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون ۳۸ نہیں نہیں بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو اعمال (بد) کرتے ہیں (اس کی وجہ) ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ دوسری جگہ اس طرح ہے:فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم ۳۹ جب ان لوگوں نے حق سے اپنا چہرہ موڑلیا تو خدا نے بھی ان کے دلوں کوحق کی طرف متوجہ ہونے سے موڑ دیا۔اور کہیں پر اس طرح تعبیر کی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگی ہے ، ان کے دلوں پر قفل لگاہوا ہے ، ان کے دل سخت ہوگئے ہیں: ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ۴۰ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے: وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ ۴۱ ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے تاکہ وہ نہ سمجھ سکیں، ایک اور جگہ پر ارشاد ہے:کذالک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین ۴۲ اسی طرح خدا کافروں کے دلوں پر مہر کردے گا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون ۴۳ ان کے دل سخت ہوگئے ہیں اور انہی میں سے اکثر فاسق وبدکار ہیں۔

ان تمام تاکیدوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن انسان کے لئے ایک بلند معنوی اور روحانی فضا چاہتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر ہر فرد اس فضا کو سالم رکھے اور چونکہ ایک اجتماعی ناسازگار اور بغیر صحیح فضائیں پاک وصاف رہنا عموماً ممکن نہیں ہوتا اس لئے قرآن اس بات پر بہت زور دیتا ہے کہ ہر شخص کو ایک ایسے اجتماعی ماحول کے لئے اپنی ساری کوششیں صرف کردینی چاہئیں جس میں تزکیہ نفس ہوسکے۔

قرآن صریحی طور پر اس بات کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمام عشق وایمان بلند قدریں نصائح وغیرہ سب کا مقصد یہی ہے کہ انسان اور انسانی معاشرہ رذالتوں ، پستیوں ، خواہشات نفس کی

پیروی ،شہوت رانی سے دور ہی دور رہے۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی حکام وقت پورے معاشرے کو اپنے کنٹرول میں کرنا چاہتے ہیں اور اس سے غلط استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی چیز تلاش کریں جس سے روح معاشرہ کثیف ہوسکے اور اس مقصد کے حصول کے لئے لوگوں میں بدکاریوں کو رواج دیتے ہیں اور لوگوں کو شہوت رانی کی طرف راغب کر دیتے ہیں اس کا سب سے زیادہ تکلیف دہ نمونہ اسپین کے مسلمانوں میں ملتا ہے کہ...اسپین اس زمانے میں مغربی دنیا کے اندر سب سے زیادہ متمدن شمار ہوتا تا تھا اور انقلاب صنعتی کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے اور بڑی اہمیت کا حامل تھا۔عیسائیوں نے اسپین کو مسلمانوں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے نوجوانوں کے اخلاق وروحانیت کو فاسد کرنے کی کوشش شروع کردی اور رفتہ رفتہ لہوولعب ،شہوت پرستی مسلمانوں میں رائج کرنے لگے اور وہ لوگ اپنے اس پلان میں اتنا کامیاب ہوئے کہ سرداران فوج ، سربراہان مملکت کو بھی اس جال میں پھنسا لیا اور اس طرح مسلمانوں کے ارادے عزائم شجاعت ، ایمان اور پاکیزگی کی روح کا جنازہ نکال دیا اور مسلمان بد سے بدتر ،کمزور عیاش ،شرابخور،عورت پرست ہوتے چلے گئے۔اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو مغلوب کرلینا بہت آسان ہے اور پھر عیسائیوں نے مسلمانوں کی تین سو سال سے لے کر چار سو سال تک کی حکومت سے ایسا انتقام لیا کہ تاریخ ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے شرماتی ہے۔جن عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ نے یہ تعلیم دی تھی کہ اگر تمہارے ایک رخسار پر کوئی ایک طمانچہ ماردے تو دوسرا رخسار خود پیش کردو، انہوں نے اندلس ----اسپین----کے بے گناہ مسلمانوں کے خون کا دریابہا دیا اور چنگیز کے چہرے کو سفید کردیا۔لیکن ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ذلت آمیز شکست خود ان کی پست ہمتی، فساد روحی اور قرآنی دستور پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ تھی۔

ہمارے زمانے میں بھی استعمار نے جہاں جہاں قدم جمائے ہیں اسی حربے کا استعمال کیا ہے جس سے قرآن نے مسلمانوں کو بہت پہلے ہوشیار کردیا تھا۔ استعمار کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دلوں کو فاسد کردے اور جب دل فاسد ہوجاتے ہیں تو عقل کسی کام کی نہیں رہتی بلکہ انسان کے ہاتھ پیر کے لئے زنجیر بن جاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ استعمار مدارس کے کھولنے ، یونیورسٹیوں کے قائم کرنے کی ممانعت نہیں کرتا بلکہ خود بھی مدارس کے لئے بھرپور کوشش کرتا ہے اور تعاون کرتا ہے لیکن دوسرے راستے سے اپنی پوری طاقت اس بات پر لگاتا ہے کہ اساتذہ وطلاب کے قلوب وارواح فاسد

ہوجائیں یہ لوگ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ بیماریوں کا دل اور اس کی روح کسی کام کے قابل نہیں رہ جاتے بلکہ ان کو ہر ذلت وپستی کی طرف کھینچا جاسکتا ہے۔

لیکن قرآن کا پورا زور معاشرے کی روح کو پاکیزہ بنانے پر ہے ارشاد ہوتا ہے :تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان [۴۴] نیک اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ وبرائی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو یعنی نیک کام فرداً فرداً نہیں بلکہ سب لوگ مل جل کر انجام دو۔

دل کے سلسلے میں دو تین نکتے پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کے واسطہ سے آپ حضرات کے لئے نقل کرتا ہوں تا کہ اس بحث کا خاتمہ بالخیر ہو، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے۔ ایک دن ایک شخص رسول خداؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا میں کچھ سوالات پوچھنا چاہتا ہوں اجازت ہوتو عرض کروں؟ آنحضرت نے فرمایا: تم اپنے سوالوں کے جوابات سننا پسند کروگے یا سوالات کو دہرانا بھی چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں جواب سننا چاہتا ہوں آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھ سے نیکی وبھلائی اور گناہ وبرائی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو! اس نے کہا جی ہاں میں یہی چاہتا تھا، آنحضرتؐ نے اپنی تین انگلیوں کو اکٹھا کرکے آہستہ سے اس کے سینے پر مارکر فرمایا: یہ بات تو تم اپنے دل سے پوچھ لو، اس کے بعد فرمایا: انسان کا دل اس طرح بنایا گیا ہے جس میں نیکی کا پیوند لگا ہوا ہے، نیکی سے اس کو سکون ملتا ہے لیکن برائی سے پریشان اور مضطرب ہوجاتا ہے۔ جیسے انسان کا بدن ہے اگر کوئی ایسی چیز جو اس سے موافقت نہ رکھتی ہو اس میں واقع ہوتو پورے نظام کو خراب کردیتی ہے یہی نہیں ناشائستہ افعال کے ذریعے روح انسان بھی اختلال سے دو چار ہوجاتی ہے، ہمارے یہاں جو بولا جاتا ہے کہ فلاں چیز عذاب روح کا سبب بن گئی ہے وہ یہی برائی وبداعمالی ہے۔

استفت قلبک وان افتاک المفتوک :یعنی حقیقت امر کو اپنے دل سے پوچھ لو اور وہ صحیح خبر دے گا۔ مفتی حضرات چاہے جو بھی کہتے رہیں، مولانا روم نے اس بات کو اپنی مثنوی میں کہا ہے:

پس پیمبر گفت استفت القلوب　　گرچہ مفتیان برون گوید خطوب

اسی طرح ایک اور شعر میں ہے:

گوش کن استفت قلبک از رسول　　گرچہ مفتی برون گوید فضول !!

رسولؐ اسلام اسی حساس نکتہ کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر انسان واقعی حقیقت کو تلاش کرنے

والا ہوتو انکشاف حقیقت کے لئے اپنے کو بیگانہ بنالے ایسی صورت میں اس کا دل ہرگز خیانت نہیں کرے گا بلکہ اس کی صحیح رہنمائی کرے گا۔ یہ بات صحیح ہے کہ جب تک انسان حق وحقیقت کا جوئیندہ ہوتا ہے اور راہ حق میں قدم اٹھاتا ہے تو جو بھی اس کو ملے وہ حق وحقیقت ہی ہوتا ہے۔

ہاں ایک بات ہے جس کی وجہ سے زیادہ تر لوگ دھوکے میں مبتلا ہوجاتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان اسی وقت گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے جب شروع ہی سے کسی خاص جہت کو نظر میں نہیں رکھتا اور ابتداہی سے خالص حقیقت کا متلاشی نہیں ہوتا۔ایک شخص نے رسول خداؐ سے ''برّ'' کے بارے میں پوچھا یہ کیا ہے؟ تو حضرتؐ نے فرمایا: اگرتم واقعی ''بر'' کو تلاش کررہے ہوتو جس کام سے تمہارے دل کو آرام ملے اور تمہارا وجدان آسودہ ہوجائے وہی بر ہے۔لیکن اگرتم کسی چیز کی طرف راغب تو ہولیکن تمہارے دل کو اس سے سکون وآرام نہیں ملتا تو سمجھ لوکہ وہ ''بر'' نہیں، اثم ہے۔

ایک اور جگہ پر لوگوں نے رسولؐ اسلام سے ایمان کے معنی پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اگرکوئی ایسا ہے کہ براکام کرکے نادم وپشیمان اور ناراحت ہوتا ہے اور اچھا کام کرکے خوش وخرم ہوتا ہے تو اس کے پاس ایمان ہے۔امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: مومن جب تعلقات دنیا کی گرفتاری سے آزاد ہوتا ہے تو اپنے دل میں دوستی خدا کی مٹھاس کومحسوس کرتا ہے اور اس وقت اس کو زمین تنگ معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے پور وجود کے ساتھ اس عالم مادہ سے چھٹکارا حاصل کرلے۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ اولیاء خدا اور مردان خدا نے اپنی زندگی میں اس کو صحیح پایا ہے۔

سیرت رسولؐ میں تحریر ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نماز صبح کے بعد اصحاب صفہ...یہ وہ حضرات تھے جوفقیر تھے، مال دنیا سے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ مدینے میں مسجد رسولؐ کے بغل میں زندگی بسرکرتے تھے....کی تلاش میں نکلے۔آپ کی نظر زید یا حارث بن زید پر پڑی دیکھا کہ بہت ہی کمزورو رنجیدہ ہے،آنکھیں اندرگھس گئی ہیں پوچھا کیسے ہو؟ عرض کیا میں نے ایسی حالت میں صبح کی ہے کہ اہل یقین سے ہوگیا ہوں! آنحضرتؐ نے فرمایا: تم نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے، ذرا بتاؤ تو اس کی علامت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرے یقین کی علامت یہ ہے کہ راتوں کی نیند اڑگئی ہے۔ دن کو روزہ رکھتاہوں، رات کوصبح تک عبادت کرتاہوں! آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ کافی نہیں اور بتاؤ؟ پھراس نے جب بیان کرنا شروع کیا تو کہتے کہتے کہنے لگا خدا کے رسولؐ! میں اس وقت ایسی حالت میں ہوں کہ اہل جنت واہل دوزخ کو گویا دیکھ رہاہوں، ان کی آوازیں سن رہاہوں اگرآپ اجازت

دیں تو آپؐ کے ہر صحابی کے باطن کی خبر بتانا شروع کردوں ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: بس بس اب زیادہ نہ کہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا آرزو رکھتے ہو؟ کہا راہ خدا میں جہاد !

قرآن کہتا ہے : دل کو جِلا دینے سے انسان اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جہاں حضرت علیؑ نے فرمایا تھا : اے میرے مالک وخالق ! اگر میرے سامنے پردہ ہٹا بھی دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ ممکن نہیں ہے۔ قرآن کا مطمع نظر ایسے انسانوں کی تربیت کرنا ہے ، جو علم وعقل کے اسلحہ سے لیس ہوں اور قلب ودل کے ہتھیاروں کو راہ خدا میں استعمال کرنے والے ہوں اور اگر ایسے افراد دیکھنا ہوں جو اس کی زندہ مثال ہوں تو ہمارے آئمہ اور ان کے سچے اصحاب کو دیکھو۔

حوالے:

۱۔ یہ آیت قرآن کی عجیب وغریب آیتوں میں سے ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ پیغمبرؐ جس زمانے میں مکے میں رہتے تھے درحقیقت آپؐ ایک آبادی کے لوگوں سے مخاطب تھے۔ لوگوں کے لئے یہ بات بہت ہی تعجب خیز تھی تنہا ایک آدمی بڑے اطمینان سے کہہ رہا ہے کہ اس آیت کی خبر بہت جلد بعد میں سنو گے کہ یہ کتاب تھوڑی سی مدت کے اندر دنیا والوں کے ساتھ کیا کرے گی؟

۲۔ سورہ بقرہ آیت ۹۷

۳۔ سورہ یاسین آیت ۷۰

۴۔ سورہ ص آیت ۸۷

۵۔ سورہ انبیاء آیت ۱۰۷

۶۔ سورہ حدید آیت ۲۵

۷۔ کیونکہ ایسی صورت میں اپنے ماننے والوں کے لئے عدالت وحق کا نظریہ نہیں پیش کرسکتا بلکہ پھر تو وہ لوگوں کی خواہشات منافع ان کو خوش رکھنے کا مقصد نظر پیش رکھے گا۔ ۱۲

۸۔ سورہ انفال آیت ۲۲

۹۔ دابۃ لغت میں جانوروں کے علاوہ حشرات الارض پر بھی بولا جاتا ہے لیکن عربوں کے استعمال میں یہ صرف چار پاؤں والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ، جیسے گدھا گھوڑا، خچر وغیرہ۔

۱۰۔ سعدی نے ایک شعر میں اس مطلب کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔

۱۱۔ سورہ یونس آیت ۱۰۰

۱۲۔ سورہ یونس آیت ۱۰۰

۱۳۔اگر ایک چیز سے کوئی دوسری چیز سمجھ میں آئے تو اس کو دلالت کہتے ہیں سمجھانے والی چیز دال اور سمجھی جانے والی مدلول کہلاتی ہے۔ دلالت کی کئی قسموں میں سے ایک دلالت لفظی بھی ہے اور دلالت لفظی کی تین قسمیں ہیں۔۱۔دلالت تطبیقی: یعنی لفظ اپنے پورے موضوع پر دلالت کرے جیسے موٹر بول کے اس کے تمام اجزاء مراد لینا ۲۔ دلالت تضمینی : یعنی لفظ اپنے معنی کے بعد اجزاء پر دلالت کرے مثلاً موٹر یہاں ہے اور اسے اس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا انجن اس کمرے میں ہے۔۳۔دلالت التزامی: لفظ اپنے موضوع کے خارج پر دلالت کرے جیسے حسینؑ سے مظلومیت ، حاتم سے سخاوت اور رستم سے شجاعت مراد لی جائے۔

۱۴۔سورہ بقرہ آیت ۱۱۱۔

۱۵۔سورہ انبیاء آیت ۲۲۔

۱۶۔سورہ رعد آیت ۱۱۔

۱۷۔سورہ حج آیت ۴۵۔۴۶

۱۸۔سورہ عنکبوت آیت ۴۵

۱۹۔سورہ بقرہ آیت ۱۸۳

۲۰۔دنیائے علم میں جہاں بہت سے اشتباہات ہوتے رہتے ہیں انہی میں سے ایک غلطی یہ ہے جو بہت سے لوگوں کے لئے غلط فہمی کا سبب بنی ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ارسطو کی منطق جہاں استدلال کی صورت کی صحت وعدم صحت کی ذمہ دار ہے وہیں مادۂ استدلال کے صحت وعدم صحت کی بھی ذمہ دار ہے لیکن چونکہ منطق کا کام مادۂ استدلال کی صحت وعدم صحت سے متعلق ہی نہیں ہے اور لوگوں نے اس نکتہ کو نہیں سمجھا لہذا حکم لگادیا کہ منطق بے کار ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی یہی غلطی بار بار دہرائی جاتی ہے اس کا صریحی مطلب ہے کہ یہ لوگ ارسطو کی منطق کو جانتے بھی نہیں ۔ اگر ہم مکان ہی والی مثال کو پیش نظر رکھیں تو ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ منطق کی حیثیت صحت استدلال میں ایسی ہے جیسی شاقول کی حیثیت دیوار کے سیدھی ہونے میں ہے جس طرح شاقول کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ بتائے اینٹ ٹھیک ہے کہ نہیں ، لوہا صحیح ہے یا نہیں ۔ کیونکہ شاقول صرف یہ بتاتا ہے کہ دیوار سیدھی ہے یا ٹیڑھی ، اسی طرح منطق صرف استدلال کی صورت کی صحت وعدم صحت کی ذمہ دار ہے مادہ کیسا ہے ؟ منطق کا اس سے کوئی ربط نہیں اور اب تو ارسطو کی منطق بعد کے علماء کی وجہ سے بہت ہی مکمل علم ہوگئی ہے۔

۲۱۔ڈیکارٹکا کا بھی پہلا قاعدہ یہی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اس کے بعد جب تک میں کافی تحقیق وتفتیش نہ کرلوں گا کسی بات کو قبول نہیں کروں گا اگر ایک فیصد احتمال بھی خلاف میں ہوتو میں اس سے استفادہ نہیں کروں گا بلکہ اس کو ایک کنارے ڈال دوں گا ، یقین کا صحیح مطلب بھی یہی ہے۔

۲۲۔ اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ظنی اور احتمالی مسائل میں اور جہاں پر یقین کا حاصل کرنا ناممکن ہووہاں پر اسی ظن واحتمال ہی پر عمل کرنا چاہئے لیکن اس میں بھی ظن کو ظن کی جگہ پر اور احتمال کو احتمال کی جگہ پر استعمال کرنا چاہیے نہ یہ کہ ظن واحتمال کو یقین کی جگہ پر استعمال کیا جائے یہی وہ دوسری بات ہے جس کی وجہ سے انسان غلطی کرتا ہے یعنی ظن کو یقین کا درجہ دے دیتا ہے، قرآن اس سے منع کرتا ہے۔

۲۳۔سورہ انعام آیت ۱۱۶

۲۴۔سورہ اسریٰ آیت ۳۶

۲۵۔ یہ بات بیکن کی تقریروں میں بھی ہے، جہاں پر اندھی تقلید کو اس نے بت اجتماعی یا بت عرفی کہا ہے۔ اس کا مطلب بھی اندھی تقلید ہی ہے۔

۲۶۔سورہ بقرہ آیت ۱۷۰

۲۷۔سورہ الرعد آیت ۱۱

۲۸۔اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید یامعاشرہ کے رنگ میں رنگ جانے کی قرآن نے شدت سے مخالفت کی ہے لیکن مسائل فقہ میں ایک مجتہد اعلم وعادل کی تقلید واجب ہے دونوں میں اشتباہ نہیں ہونا چاہئے۔

۲۹۔سورہ نجم آیت ۲۳

۳۰۔سورہ ق آیت ۳۷

۳۱۔سورہ بقرہ آیت ۹

۳۲۔سورہ نجم ومایتطق عن الھویٰ ، (رسولؐ) خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے ، ان ھو الا وحی یوحیٰ ، وہ صرف وہی کہتے ہیں جو وحی ہوتی ہے، علمه شدید القویٰ ، اس رسولؐ کو ایک طاقت ور ذات (خدا) نے تعلیم دی ،ذومرة فاستویٰ ، وھو بالافق الاعلیٰ ،وہی مقتدر ملک جو اپنی کامل صورت پر جلوہ گرہوا اور آنحالیکہ وہ رسولؐ کمال کے افق اعلیٰ پر فائز تھا۔ ثم دنیٰ فتدلیٰ پھر نزدیک آیا اس پر نازل ہوا فکان قاب قوسین اوادنیٰ،دوکمانوں یا اسے بھی زیادہ نزدیک ہوا فاوحیٰ الی عبدہ مااوحیٰ،اپنے بندہ کو جو وحی کرنی تھی کردی وما کذب الفواد مارایٰ،دل نے جو بھی دیکھا ٹھیک دیکھا ،قرآن ان تمام باتوں کو اس لئے کہہ رہا ہے تاکہ یہ بتادے کہ ان مسائل کی سطح حیطۂ عقل سے باہر ہے یہاں دیکھنے اور بلندی حاصل کرنے کی گفتگو ہے اور سورۂ تکویر میں ارشاد ہے: یہ قرآن رسولؐ کا کلام نہیں ہے بلکہ خدانے اپنے کلام کو ایسے فرشتے کے ذریعے رسولؐ پر القاء کیا ہے جو بہت طاقتور ہے اور خدا کا امین ہے ،تم لوگ چونکہ ان کے کلام کو اپنے عقل پر منطق نہیں پاتے ہو اس لئے ان کو دیوانہ خیال کرتے ہو، یہ غلطی ہے، وہ دیوانے نہیں ہیں انہوں نے اس طاقتور فرشتے کو افق میں آشکار دیکھا ، یہ رسولؐ جو کچھ بھی غیب کا مشاہدہ کرتا ہے اپنے

تک محدود نہیں رکھتا اور دوسروں سے بخل نہیں کرتا ، علامہ اقبال نے اس جگہ فرمایا ہے: پیغمبرؐ وہ شخص ہے جو حقائق سے لبریز وسرشار ہوتا ہے۔ پھر زمانے کو سامان دینے کے لئے اور مسیر تاریخ کو بدلنے کے لئے جو کچھ اس تک پہنچا ہے اسے بیان کرتا ہے۔ ۱۲

۳۳۔سورہ شمس آیت ۹

۳۴۔سورہ مطفّفین آیت ۱۴

۳۵۔سورہ انفال آیت ۲۹

۳۶۔سورہ عنکبوت آیت ۶۹

۳۷۔سورہ آل عمران آیت ۸

۳۸۔سورہ مطففین آیت ۱۴

۳۹۔سورہ صف آیت ۵

۴۰۔سورہ بقرہ آیت ۷

۴۱۔سورہ انعام آیت ۲۵

۴۲۔سورہ اعراف آیت ۱۰۱

۴۳۔سورہ حدید آیت ۱۶

ꕥ♦ꕥ

قرآن کی تحقیق پر
ماہرین شرقیات کا جائزہ اور خدشاتی نتائج

مجید معارف

حالیہ صدی ، بالخصوص دور حاضر میں جن لوگوں نے قرآن کا وسیع مطالعہ اور تحقیقات انجام دی ہیں اور مختلف پہلوں سے قرآنی علوم ومعارف کا جائزہ لیا ہے ان میں مستشرقین کا نام سرفہرست قرار پاتا ہے۔

مقاصد ومحرک اور اس کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی علمی طرز فکر وتصانیف جو مستشرقین کے ذریعہ انجام پائیں کسی معین معیار کی حامل نہ تھیں بلکہ منصف مزاج محقق کے بجائے ان لوگوں نے دشمنانہ اغراض ومقاصد کو اپنا لائحۂ عمل قرار دیا۔ ماہرین شرقیات کے ذریعہ قرآن کا مطالعہ ایسے اصول وقوانین کی بنیادوں پر قرار پایا ہے جن کے نتائج مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ہیں۔ اس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کے مطالعے اور واردہ نقصانات کے جائزے کے سلسلہ میں ماہرین شرقیات کے اغراض ومقاصد اور ان کی کارکردگی اور طریقۂ کار کا جائزہ پیش کیا جائے۔

استشراق اور مستشرق کا تعارف

استشراق کلمہ اورینٹلزم (Orientalism) کا مترادف ، مشرق اورینٹ سے نکلا ہوا لفظ ہے۔ جو مشرق زمین کی ثقافت اور مستشرقوں کے اعمال سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، استشراق کا مطلب ، مغربی دانشوروں کی جانب سے سرزمین مشرق کی ثقافتی میراث کے سلسلہ میں انجام پانے والی تحقیقات جائزہ ہے۔ سرزمین مشرق کی فکری میراث واثاثے کو جس میں سرزمین مشرق کے عوام سے وابستہ تاریخ وزبان ، قدیمی علوم وفنون اور راہ وروش بھی شامل ہے اس توصیف کے پیش نظر، مستشرق اس کو کہتے ہیں جو سرزمین مشرق کی ثقافتی میراث واثاثے پر تحقیق ومطالعہ میں مشغول رہا ہو اس تحقیق وتفحص کے لئے کچھ وسائل وذرائع کی ضرورت پڑتی ہے جن میں سے ایک ذریعہ مشرقی زبان کی جانکاری ہے جس میں سرفہرست عربی زبان قرار پاتی ہے لہٰذا پس مستشرق اس شخص کو کہتے ہیں جو مشرق زمین کی ثقافت کے مطالعہ وتحقیق میں ہمہ تن سرگرم ہو اور اس سلسلہ میں فہم وادراک رکھنے والا ہو۔ لیکن یہ شخص اس وقت تک صحیح نتیجہ حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ سرزمین مشرق

کی اقوام کی زبان بخوبی نہ جانتا ہو۔(نقل از مأخذ تک اتھوڑے اختصار کے ساتھ)

ماہرین شرقیات ، اپنی تحقیق ومطالعہ میں مختلف مقاصد، منجملہ ، سامراجیت ، تجارت ، دینی بشارتی اور اقتصادی وعلمی مقاصد کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں:(تفصیلات: آر، ر، کے حمدی زقزوک، ۸۸ تا ۸۹ ،علی الصغیر، ۱۵ تا ۲۱۔سباعی ، ۲۰ تا ۳۱)

محققین کے عقیدے کے مطابق ،مشرق شناسی کے مطالعات میں ماہرین شرقیات کا سب سے اہم محرک ومقصد خاص کر بارہویں صدی کے بعد بشارتی ودینی رہا ہے۔(سباعی ۲۰۔علی الصغیر۔ ۱۳۔قطب ۔۴۰) یہ امر اس قدر واضح ہے کہ جس کا اعتراف ماہرین شرقیات منجملہ ایڈورڈ سعید (نقل از احمدی زقزوق، ۸۶)وروڈہارٹ نقل از علی الصغیر ، ۱۳) وغیرہ نے بصورت مجبوری کیا ہے۔ اس مقصد کی بنیاد ، عیسائیت کی دعوت ودرخواست ہے، تاہم اس کے حصول کا طریقہ ،مسلمانوں کی زبان وثقافت سے فائدہ اٹھا کر اسلام کو باطل قرار دینے پر مبنی مسلمانوں کو قانع کرنے کی کوشش ہے اس موضوع پر مکمل دسترس نور محمد ڈانیل کی کتاب الاسلام والغرب اور محمد البہی کی کتاب والمبشر ون والمستشر قون کے مطالعہ کے بعد حاصل کی جاسکتی ہے (علی الصغیر ۱۵)

اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ ماہرین شرقیات ، بضد اور مصر ہیں کہ اسلام ، جاہلیت اور یہودیت ونصرانیت کی ثقافتوں کی اپج اور پیداوار کا نتیجہ ہے (الہی ،نقل از المذہب المحمد ی ،تصنیف جے بی) نیز ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جہاں تک کہ قرآن کے الٰہی اور انسانی اصول و مقاصد کا تعلق ہے، یہ کتاب یہودونصاریٰ کی تعلیمات کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش نہیں کرتی (فواد۔۱۲۰۔ اور۔ ۱۲۶)

نیز اس سلسلہ میں مزید تفصیلی معلومات کے لئے اور ماہرین شرقیات کے دینی وبشارتی مقاصد کو بہتر پہچاننے کے لئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

الاستشراق والتبشیر ووصلتها بالامبریالیة العالمیة ، تصنیف ، ابراهیم خلیل احمد، التبشیر والا ستعمار فی بلاد العربیه ، تالیف مصطفیٰ خالد و عرم فروخ السلام فی وجه الا التغریب مخططاب الاستشراق والتبشیر ، تصنیف، انورالجندی، اور، الشبهات والاخطا الشائعه فی الفکر الاسلامی ، تصنیف، انور الجندی۔

ماہرین شرقیات کے مقاصد کی مکمل وضاحت کے لئے ان کے درج ذیل بیانات بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

گولڈ زیھر: ''پیغمبر عربی کی دعوت کا موضوع ان دینی اصول ومعارف اور عربی ثقافت کے امتزاج وملاوٹ کے علاوہ کچھ اور نہ تھا جو یہودی اور عیسائی عناصر کے محمد کے ساتھ تعلقات تھے اور جن سے محمد پوری طرح متاثر رہے ہیں، انہوں نے انہی افکار سے سرچشمہ حاصل کیا لہٰذا محمد نے مناسب سمجھا کہ ان حقائق کو وسیلہ قرار دیکر جوانہوں نے دوسروں اور غیروں سے حاصل کیا تھا۔ اپنے دینی ہم وطن اور اہالیان وطن کے دینی جذبات کو بیدار کیا جائے۔

وہ ان افکار ومعارف سے جوان کی رگ وپے میں بخوبی سما گئے تھے، بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے، انہوں نے ان افکارجنہوں نے غیر ملکی تاثرات سے سرچشمہ حاصل کیا تھا، ایک ایسے عقیدت میں تبدیل کردیا، جو ان کے دل میں تشکیل پایاتھا، اس وقت انہوں نے ان تعلیمات کو وحی الٰہی کا نام دیا اور کچھ وقت گذر جانے کے بعد خود کو یہ باور کرادیا کہ وہ خود اس وحی الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ (فواد، ۱۲ تھوڑے اختصار کے ساتھ)

ٹورنیڈیہ:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کو اس وقت کے دو بڑے مذاہب، عیسائیت اور یہودیت سے اخذ کیا گیا ہے، یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کی بابت، جستجو کی زیادہ ضرورت نہیں ہے(نقل از۔عبد الحمد۔۲۰)

جورج سیل:

قرآن کے اصلی موجد وپیدا کردہ محمد ہیں، انہوں نے ہی اس کی تصنیف کی ہے۔ اور اس بات میں کسی بحث ونزاع کی ضرورت نہیں ہے۔ (حمدی زقوق۔۱۰۰از جورج کے انگریزی مقالہ کے پیش لفظ سے اقتباس)

اینڈرسن:

''اس میں شک نہیں کہ محمد کے افکار نے تلمود اور یہودیوں کی دیگر پرانی کتابوں نیز عیسائی منابع وذرائع سے سرچشمہ حاصل کیا تھا''۔ (نقل از عبد الحمید ۲۰۔۲۱) کچھ ماہرین شرقیات نے تو گستاخی میں دو قدم اور بھی آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی اضافہ کردیا کہ

'' بہرحال مقدس کتابوں کی بابت محمد کی شناخت، بہت ہی معمولی تھی اسی لئے ان کے

عقیدے میں نواقص ومعائب کی افراط ہے۔ (عبد الحمید ۲۰ ۔نقل از نیکلسن) اس ماہر شرقیات نے اسی طرح حضرت محمدؐ کی بھیڑ بکریاں چرانے کے موقع پر ان کے بچپن کے دوران عیسائی اساتذہ کے ذریعہ انجیل کی تعلیم دئے جانے اور اسکندر واصحاب کہف کی سرگذشت اور داستان بیان کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔''محمد مکہ میں قیام کے دوران دو وقت نماز پڑھا کرتے تھے ،مگر مدینہ میں یہودیوں کی طرح تین وقت نماز پڑھا کرتے تھے ۔ البتہ کچھ عیسائی دن میں پانچ مرتبہ عبادت کیا کرتے تھے محمد نے یہودیوں کی طرح جو کہ سنیچر کو چھٹی مناتے تھے ، جمعہ کو چھٹی کا اعلان کیا'' (نقل از عبد الحمید ۲۰ اور ۲۱)

ان الزامات پر مبنی دیگر مثالوں کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں۔ **من افترآت المستشرقین علی الاصول العقدیه فی الاسلام تصنیف ، عبد المنعم فواد،**

المستشر قون فی الاسلام ،تصنیف محمد قطب

المستشرقوں وللدراسات القرآنیه ، تصنیف ، محمد حسین علی الصغیر

والاسلام والمغر ب، تصنیف سمیر سلیمان ، قرآنی مفاہیم کے سلسلے میں اگر ماہرین شرقیات کے بیان کو درست مان لیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قرآن دو مطالب پر تشکیل پایا ہے جس کا کچھ حصہ عرب ثقافت اور دوسرا یہودیت ونصرانیت کے تاثرات سے مأخوذ ہے لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کو عرب ثقافت اور نظام کا نتیجہ سمجھا جاسکتا ہے جبکہ قرآن کی بہت سی آیات اور سورتوں میں عرب ثقافت وعقائد پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اور قرآن کی جانب سے بہت سے دور جاہلیت کے عربی عقائد اور رسم ورواج کو باطل وکالعدم قرار دیا گیا ہے۔

''دوم'' قرآن کے توریت اور انجیل سے اثر اور تاثیر حاصل کرنے کے بارے میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس بات کے پیش نظر کہ رسول خداؐ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مکہ میں گزارا اور تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اس شہر میں یہودیوں اور نصارا کا ٹھکانہ اور مرکز نہیں تھا تو پھر کیونکر اور کیسے رسول خداؐ نے ان سے رابطہ اور تعلق برقرار کیا۔ اور ان کی چیزوں کو سیکھا؟ نیز یہ کہ قرآن نے یہود ونصاریٰ کے سلسلہ میں کس طرح کا موقف اختیار کیا ہے؟اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ انہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کی کچھ چیزیں قبول کرلیں اورکیا سبب کچھ قبول کرلیا ہے اور انکی تصدیق وترویج بھی کی جبکہ بہت سی باتوں کی تردید کی ہے اور کبھی ان کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ان پر نکتہ چینی بھی کی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں توریت وانجیل کے مطالب اور دوسرے لفظوں میں یہود ونصاریٰ کے عقیدوں پر دوطرح کے موقف اختیار کئے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ماہرین شرقیات نے علمی محرک ومقصد کے ساتھ اسلامی اور قرآنی تحقیقات انجام دی ہے۔حالانکہ ایسے ماہرین شرقیات کی تعداد وبہت کم ہے جنہوں نے مسلمانوں کی فکری میراث کوصرف علمی محرک اور زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہوئے مطالعہ اور تحقیق انجام دی ہے۔ (سباعی ۔۲۴ اور ۳۲) تاہم اس کے مقابلہ میں ماہرین شرقیات کے اس گروہ نے صحیح وسالم اور خردمندانہ محرک کے ساتھ اسلام اور قرآن کا مطالعہ کیا ہے۔ (علی الصغیر ۱۸)

انہوں نے اس سلسلہ میں عرب زبان کو خاص ادب وثقافت کی زبان سمجھا اور قرآن کو اس زبان کا محور ومرکز قرار دیا۔ لہٰذا صرف علمی محرک کے ساتھ تحقیقات انجام دیں، اور انہوں نے اپنی ان کوششوں سے عظیم ثمرات وجود میں لانے میں کامیابی بھی حاصل کی جو قابل ستائش وتمجید ہے۔ (علی الصغیر ۔ ۱۸) یہ مطالعات جو حقیقت اور صحت مند روش کے ساتھ عملی طور پر قریب ہیں (سباعی ۔۲۵) اس بات کی بھی نشاندھی کرتے ہیں کہ اب وہ دن گذر گئے جب مغرب اسلام کو صرف کتاب خدا کی تردید کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔(رامیار۔ ۱)

درحقیقت قرآن ، اسلامی نصوص میں ایک اہم نص کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلام مشرقی سنت کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا ماہرین شرقیات نے ابتدائی دورہی سے اس سلسلہ میں مستشرقین کے امور پر خاص توجہ دی اور ان کے سلسلے میں تصدیقی موقف، اتخاذ کیا، اس بنیاد پر کہ توریت وانجیل در اصل دو الگ آسمانی کتابیں ہیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ قرآن کے ساتھ ساتھ یہ کتابیں بھی مشترکہ سرچشمہ کی حامل ہیں۔ (المائدہ: ۴۴، ۴۶ اور ۴۸ ۔آل عمران ، ۳ ۔البقرہ ، ۴)

قرآن کو انجیل اور توراۃ سے متاثر خیال کرنے والے مستشرقین کی تردید میں یہ کہا جاسکتا ہے پیغمبر کے زمانے کے توریت وانجیل کے بہت سے بیانات اور دوسرے لفظوں میں اس وقت یہود ونصاریٰ کے درمیان بہت سے افکار کا رائج ہونا منجملہ عیسیٰ کو قتل کرنے کے سلسلہ میں یہودیوں کے نظریات (النساء ۔۱۵۸)صلیب کے سلسلہ میں عیسائیوں کے افکار کی عزلت (المائدہ ۔۷۳)عیسیٰؑ کی نبوت کا عقیدہ (المائدہ ۔۷۳) اس طرح کے عقیدے کی خاطر قرآن نے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی ہے(آل عمران ۶۱) اور بنیادی طور پر قرآن مجید کی سورتوں البقرہ، آل عمران ، المائدہ ،

الاحزاب اور الحشر کی بہت سی آیتوں میں یہود ونصاریٰ خاص طور پر یہودیوں کے طرز عمل اور حتی کہ ان کے پیغمبروں کے ساتھ طرز عمل اور سلوک کے بارے میں اشارہ ہوا ہے اور ان واقعات کا تذکرہ عمل میں آیا ہے۔لہٰذا قرآن توریت وانجیل کے زیر اثر اور ان سے متاثر ہوکر کیسے تصنیف ہوسکتا ہے؟ ملاحظہ کریں۔تحقیقات قرآن کے سلسلہ میں بہت سی تصانیف انجام پائی ہیں جنہیں ''مستشرقین کی جانب سے قرآن کی تحقیق کانام دیا جاسکتا ہے'' (حاجی میرزائی ، ۲/ ۲۰۴۷) جن کے اہم موضوعات میں مندرجہ ذیل کتابوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔

۱۔قرآن مجید خاص طور پر تاریخ قرآن کے سلسلہ میں ، متعدد کتابوں کی تصنیف (رامیار۔ا)

۲۔مختلف قرآنی موضوعات پر خاص مقالوں کی تدوین وتصنیف۔

۳۔عربی زبان میں قلمی نسخوں کی فراہمی ۔ اسلامی اور قرآنی متون کی تصحیح، لاطینی زبانوں میں ان کا ترجمہ واشاعت نیز اصلاح شدہ کتابوں کی طباعت (حمدی زقزوق ۷۳ ۔تا۔۸۱)

۴۔مشرق اور اسلام شناسی پر مبنی مخصوص جریدوں کی تصنیف (السباعی۔ ۳۷۔۳۸)

۵۔ اسلام کے سلسلہ میں عظیم دائرۃ المعارف کی تصنیف نیز اس میں قرآن کے خصوصی ابواب کی تدوین وتصنیف

۱۔مستشرقین کے ذریعہ قرآنی موضوع پرتصنیف کی تعداد جاننے کے لئے لاطینی زبانوں میں ۱۹۹۵ سے ۲۰۰۱ عیسوی تک جن کو شائع کیا چکا ہے۔ ان کی فہرستیں ملاحظہ کرنے کے لئے دیکھیں۔ مطبوعہ کتاب مبین ۱۳۸۰۔ ھ۔ش۔ترتیب وتنظیم سکریٹری آفس،قرآن کی نویں بین الاقوامی نمائش کا ادارہ نیز سباعی ۳۴، نیز یہی کتاب صفحات ۳۳تا ۴۹، اس عنوان کے تحت بعض الکتب الخطریہ التی لها مکانه علمیه عند بعض الناس۔

۲۔ اس سلسلہ میں دیکھیں یورپی زبانوں میں ۲۰۰۰ سے ۲۰۰۴ عیسوی تک قرآنی مقالوں پر مبنی کتاب شناسی ،تصنیف مرتضیٰ کرعی نیا گلستان قرآن نامی خصوصی شمارہ نمبر ۱۹۰ ۔

۳۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ کریں۔ آرتھر جعفری کی اصلاح پر مبنی کاوش اور ابن ابی داؤد سجستانی کی طبع المصاحف نیز مقدمتان فی علوم القرآن نیز علی الصغیر ۷۳، التحقیق کے عنوان سے

۴۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کا ملاحظہ کریں جس میں دو ماہرین شرقیات کے مفصل مقالے درج ہیں جن کے نام ہیں : اے ٹی ویلش(A.T>WELSH)اور جے ڈی۔''پیرسون الکریم

من المنظور الاستشراقی'' تصنیف تصنیف محمد ،محمد ابولیلہ کے عنوان اور نام سے ۱۴۲۳/ ۲۰۰۲ میں مصر میں طبع ہوا ہے۔

۱۔قرآن کریم سے متعلق خاص دائرۃ المعارف کی تصنیف

۲۔قرآن کے موضوعی معجم کی تشکیل وتصنیف

۳۔اہم یورپی اور دیگر زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ

مستشرقوں کی قرآنی تحقیقات کے اہم موضوعات

جو کچھ بیان کیا گیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مستشرقین نے قرآن کے سلسلہ میں وسیع پیانے پر تحقیقات انجام دی ہیں۔ بہرحال ان کے محرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے ماہرین شرقیات کے ذریعہ انجام پانے والے موضوعات کا خلاصہ کچھ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔قرآن وحی کی پیداوار نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وحی ایک قسم کا ذہنی تجربہ ہے یا ایک طرح کی فکری ذہانت یا یہاں تک کہ ایک طرح کا پاگل پن یا مرگی کا دورہ ہوسکتا ہے۔(الجندی: ۳۳۸،مطبوعہ)

۲۔یہ دائرۃ المعارف پانچ جلدوں اور ایک ہزار ابواب پر مشتمل ہوگی۔ اب تک اس کی تین جلدیں شائع ہوچکی ہیں ، اس کی پہلی جلد ۲۰۰۱ عیسوی میں ہالینڈ کے لیڈن پبلی کیشنز ہاؤس کے ذریعہ شائع ہوچکی ہے۔ اور اس کی تیسری جلد بھی ۲۰۰۳ شائع ہوچکی ہے۔ ان تین جلدوں میں A سے لیکر O تک کے ابواب اور موضوعات کو شامل کیا گیا ہے اس دائرۃ المعارف کی چیف ایڈیٹر امریکہ کی جورج ٹاؤن یونیورسٹی کی پیروفیسر ، خاتون ڈیمن میک اولیف ہے اس سلسلہ میں مغرب کے چار اسلام شناس اور ماہر قرآن اس کے ساتھ تعاون کررہے ہیں۔(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں آر،ک۔کریمی نیا، ۳۰،زمانی)

نیز اس سلسلہ میں آپ ملاحظہ کرسکتے ہیں ، آیات القرآن الکریم ،منجانب فرانسیی مصنف ژول لابو کی تصنیف زیر اہتمام محمد فواد الباقی نیز ملاحظہ کریں (علی الصغیر ۷۶۔الفہر ستہ کے عنوان سے)

اسلام اور مشرق شناسی کے بہانے ماہرین شرقیات کے قدیمی اور آشکار اقدام کا بنیادی مقصد اسلام کے چہرے کو مسخ اور داغدار کرنا تھا جو گر جا گھروں کی شہ پر انجام پایا اور وہ قرآن مجید کا مجموعی اور جزوی طور پر انجام پانیوالا ترجمہ تھا جو بارہویں صدی ہجری میں انجام پایا۔ (علی الصغیر ۶۳

اور ۶۴ ، عبد الحمید ۱۱، عسکری ۲/ ۷۰۷۔) اور اس کے بعد کی صدیوں میں اس اقدام میں مزید وسعت اور تیزی آتی گئی اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں۔(الجندی ،۳۴۱، رادفر گوناگوں اور مختلف زبانوں میں ابواب ترجمہ ، ۱/ ۵۱۵،تا ۵۳۸،۱ / ۵۴۰ تا ۵۷۰۔گلدزیہر ۱۲۔علی الصغیر ۴۱، مظہروحی اور ماہرین شرقیات سلیمان، ۳۴)

قرآنی نص میں غیر خدائی یعنی انسانی ہاتھ کارفرما ہے۔محمد ،قرآن کے مصنف ہیں اور دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآن اور نبوی تجربہ کا ساتھ اور رابطہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے۔ (نقل از محمد ابولیلہ، ۹۳ ویش نظریہ پر جائزہ ،حمدی زقروق۔۱۰۰،منقول از جورج سیل الجندی، ۳۳۷،حاجی میرزائی ۲/ ۲۰۴۹۔)

۳۔ قرآن میں ایسے ذرائع اور مأخذ ہیں جن کے اہم حصوں کو یہودی ،عیسائی مجوسی ، صابئی ،زرتشتی وغیرہ کے ذرائع سے اخذ کیا گیا ہے (زیادہ تر ماہرین شرقیات منجملہ سلیمان ، ۳۵، تشار رنز فوستر۔ ابولیلہ ۱۰۳ دعوی الانتحال من الکتب الیہود والنصاریٰ کے عنوان سے بنقل از ویش ،حمدی زقزوق، مصدر القرآن کے عنوان سے ۹۹ تا ۱۰۸ ، الجندی ۳۳۷ اور حاجی میرزائی نے ۲/ ۲۰۴۹ میں ٹسڈل کے ذرائع اسلام سے نقل قول کیا ہے۔)

۴۔قرآن پیغمبر کے زمانے میں مکمل طور پر لکھا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے زیادہ حصے ذہنوں میں محفوظ رہے (بلاشرہ ۴۲ تا۴۵ ، نیز ۳۰ تا ۳۱ ،محمد ابولیلہ ۱۴۳ ،نظریۂ ویش کا جائزہ نولڈکہ۔ ۲۴۰)

۵۔قرآن کی ترتیب وتشکیل میں محمد کی نگرانی نہیں تھی اور اصولی طور پر انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس بھی نہیں کیا۔ (بلاشر، ۴۲ تا ۴۵)

۶۔قرآن کا موجودہ نسخہ عثمان کے دور میں کاتبان وحی کے خاص گروہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جو ان کے مفادات کی نشاندہی کرتا ہے۔ (بلاشر ۷۵ تا ۷۷)

۷۔سورتوں آیتوں ،پاروں اور جزو، میں قرآن کی تقسیم ، پڑھنے کے عمل میں آسانی کی خاطر بعد میں انجام پائی ہے۔ (الجندی،نقل از لوئس جارویہ۔ ۳۳۹)

۸۔پیغمبر کے زمانے میں سورتوں کی ترتیب ابھی جیسی نہیں تھی ،مستشرقین کی زیادہ تر تعداد نے قرآن کا ترجمہ،قرآنی سورتوں کی زمانوں کی ترتیب کی بنیاد پر کیا ہے اس طرح سورتوں کی ترتیب کے توفیقی ہونے کے نظریہ سے انکار کیا جاتا ہے۔ (حاجی میرزائی ، ۲ / ۲۰۴۹ ، نولڈکہ شوالی اور

بلاشر کے کاموں کی بنیاد پر)

۹۔ قرآن کو اکٹھا اور مدون کرنے کے سلسلہ میں مختلف روایتوں کے مدنظر ابتداء کے مصاحف اور ان میں پایا جانیوالا اختلاف نیز قرآن کی گوناگوں قرأت کے پیش نظر موجودہ قرآن تحریف سے عاری نظر نہیں آتا ہے۔(حمدی زقزوق، ۱۰۸ عنوان: صمۃ النس القرآنی علی الصغیر ۲۱ تا ۳۴، تاریخ القرآن حسینی طباطبائی ۶۳، ٹولڈ کہ اور تحریف قرآن نولڈ کہ ۳۱۱ عنوان انها مات وجهها علما و مسيحيون غريبون، نیز یہی کتاب ۳۲۲ تا ۳۳۶)

۱۰۔ قرآن کا موجودہ متن غیر منظم اور تناقص پر مشتمل کتاب ہے (گلڈزیہر العقیدہ والشریعہ: ۷۸، ابوخلیل، ۴۰، تناقص القرآن نقل از گلڈزیھر اور لوسیان کلیموفتش، عبد الحمید ۱۷، نقل از ٹورانڈریہ فواد، ۱۴۲ عنوان: دعویٰ التناقص فی القرآن الکریم التردعلیها) اور دینی کتابوں میں جیسا کہ مختلف گروہوں کا ماننا ہے۔ قرآن کی مانند نص اور متن کے لحاظ سے قرآن جتنی پریشانی اور عدم ثبات کا سامنا کسی دوسری کتاب کو نہیں کرنا پڑا ہے'' (گلڈز یہر، مسلمانوں کی تفسیری رغبت ورجحان۔۲۹ نیز آر آر۔ک کا تبصرہ :معرفت ،۲۴۳تا۲۱۰عنوان: موهم الاختلاف والتناقض)

۱۱۔ پیغمبر کے لئے ''امی'' لفظ کا استعمال آنحضرت کے پڑھنے، لکھنے سے عدم واقفیت کے مفہوم میں نہ تھا (۲/ ۶۴۳ پارٹ نیز نظریہ آر۔ر۔ک اسی نظریہ پر تبصرہ وہی باب ۲۰/ ۶۴۵ تا ۶۴۸ از قول: احمد محمد شاکر)

۱۲۔ قرآن کے موجودہ متن میں غیر عربی اور بیگانہ وانجان الفاظ کا استعمال زیادہ ہوا ہے۔ لہٰذا قرآن اصل عربی زبان کا ترجمان نہیں ہے۔ (نقل از الجندی ۳۴۴ نیز آر۔ر۔ک جیفری، قرآن میں غیر عربی الفاظ)

۱۳۔ قرآن میں پائے جانے والے حروف مقطعات بے فائدہ اور بے معنی ہیں یہ حروف قرآن کا حصہ نہیں ہیں یا بلکہ ابتدائی حروف یا ان مومنوں کے نام ہیں جنہوں نے پیغمبر کی زندگی کے دوران اپنے ذاتی استعمال کے لئے قرآن کو جمع کیا اور اس کے بعد زید بن ثابت نے قرآن اکٹھا کیا۔ اور ان اشارہ کو صاحبان قرآن کے نام کے عنوان سے ذکر کیا۔ (نولڈ کہ۔ ۳۰۳، الجندی ۳۳۹، حاجی میرانائی ۲۰۴۹۲ نقل از قرآن کے باب میں اسرار ورموز، نظریۂ سیل اور رک طباطبائی

کے لئے ۱۷۳ عنوان ماہرین شرقیات کی نظر میں حروف مقطعہ)

ماہرین شرقیات کے مطالعات قرآنی میں واردہ نقصانات:

ماہرین شرقیات کی جانب سے قرآن کا جائزہ اور تحقیق، علمی اور غرض ورزی کے محرک پر مبنی نہ ہو پھر بھی متعدد اعتراض سے بھرا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں جملہ اعتراضات :

ا۔خاص مفروضات

گذشتہ مطالب کو دیکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اسلامی مطالعات اور قرآنی مطالعات کے سلسلہ میں مستشرقین کے نظریات غیر دینی اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہ انہوں نے ایک مسلمان کی حیثیت اور زاویۂ نگاہ سے اسلام اور اسلامی مسائل کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ حضرت محمدؐ کی رسالت ونبوت پر ان کا عقیدہ نہ تھا۔ انہوں نے قرآن کو وحی کی پیداوار اور ذریعہ قرار نہیں دیا وہ اس کے معجز نما اور اعجاز آفرین ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ انہوں نے قرآن کی حفاظت کے سلسلہ میں ارادہ اور مشیت الٰہی نیز تحریف سے بچانے کے سلسلہ میں ارادۂ خداوندی کو سرے سے مسترد قرار دیا ہے۔ البتہ مسلمان محققین قرآن کی مانند ان غیر مسلم بے دین ماہرین شرقیات سے اس طرح کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی ہے اس بحث کے دوران جو چیز کہ اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ ماہرین شرقیات نے زیادہ تر مسلمانوں کے افکار وعقائد کے خلاف نظریات پیش کئے اور اسی کو شیوہ اور طرز عمل بنا رکھا تھا اس اور وہ اپنی تحقیقات کے دوران اس ثابت کرنے یا اذہان کو مسموم بنانے کی پیہم کوشش کیا کرتے تھے۔ یہ موضوعات در حقیقت ان تحقیقات میں جو تبشیری محرکات کے ساتھ انجام پائے زیادہ محسوس وملموس ہیں (عبدالحمید ۱۲۔ تا ۲۲ متعدد نمونوں کا ذکر) لہٰذا اس سلسلہ میں انہوں نے قرآن کے اور اسلام کے بارے میں غیر جانبدارانہ اور خالصاً محققانہ مقاصد کو عملی جامہ نہیں پہنایا اور بعض ماہرین شرقیات کے مفروضات کے سہارے حقیقت تک رسائی پانے کی کوشش نہیں کی بلکہ پیغمبر اسلام کی رسالت کے انکار نیز قرآن کے یہودی عیسائی اور نصرانی ذرائع سے فائدہ اٹھانے اور اسی طرح پیغمبر اسلام کے زمانہ میں قرآن مجید کی عدم ترتیب وتنظیم ابتدائے اسلام میں متعدد وصحف اور قرائت قرائت میں اختلاف اور سر انجام قرآن مجید میں تعارض وتناقص کے مسئلہ کی موجودگی اور کتاب

خداوندی میں پائے جانیوالے انحراف وتحریف جیسے مسائل وعقیدے کو اپنانے کی کوشش کی۔

۲۔مطلق اسلامی ذرائع کی طرف عدم رجوع اور اعتباری لحاظ سے ان کی عدم طبقہ بندی۔

ماہرین شرقیات نے مسلمانوں کے سبھی تفسیری وحدیث وتاریخ ،وادب، وکلام وغیرہ کے ذرائع کی طرف رجوع کیا مگر اعتبار اور بھروسہ کے لحاظ سے ان کی درجہ اور طبقہ بندی نہیں کی۔ (نولڈ کہ ، ۲۴۹: الروایات المختلفہ ، بلا شر ،۴۹ ۔۵۰، زمانہ ابوبکر میں قرآن اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں مختلف روایات)

ماہرین شرقیات کا ذرائع کی طرف مراجعہ کا رجحان:

پرانے اور قدیمی ذرائع کا مطالعہ علمی تحقیقات کے لحاظ سے مناسب اور صحیح قدم ہے لیکن صرف یہی کافی نہیں ہے مثال کے طور پر تفسیری متن ،تفسیر جامع البیان، طبری ، ابن کثیر دمشقی کی تفسیر کی برابری نہیں کرسکتی ، کیونکہ تفسیر طبری میں ضعیف اور اسرائیلیات والی روایتوں کی بہتات ہے (معرفت ۲۔ بحث طبری اور جامع البیان) جبکہ ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم سے کمزور اور اسرائیلی روایتوں کو زیادہ تر ہٹادیا گیا ہے اور اسکے مصنف نے حتی الامکان تفسیری روایتوں کی کمزوری اور اسرائیلیات کے جائزے اور تبصرے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔(مرعشی ۱/ ۲۳ ابن کثیر والا سرائیلیات) اسی طرح تاریخ طبری اور تاریخ ابن کثیر کے سلسلہ میں بھی یہی بات صادق آتی ہے ۔ کیونکہ حدیث کے دانشوروں کے خیال کے مطابق ، اعتبار اور بھروسہ کے لحاظ سے انہیں، صحیحین کی سطح کا قرار نہیں دیاجاسکتا ہے۔ (صبحی صالح،۲۹۶۔ مراتب ھذہ الکتب ۲۳۹: طبقات کتب الحدیث) یہ فرق اور اختلاف مسلمانوں کے مدنظر پایا جاتا ہے۔لیکن ماہرین شرقیات، اسلامی نصوص اور ان کے ذرائع سے یکساں طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ذرائع کے استعمال کے سلسلہ میں دوسری بات یہ کہ دیگر مذاہب کے مقابلہ، اہلسنت کے درمیان پائے جانے والے وافر وکافی ذرائع کے پیش نظر دنیا میں مستشرقین نے انہی کے ذرائع کو اپنے مطالعہ کا مرکز اور اسلامی مسائل کو انہی کے نقطہ نگاہ سے قرار دیا اور اپنے فیصلے بھی اسی بنیاد پر کئے حالانکہ یہ ایسے حالات میں ہے جبکہ اولا: ان کتابوں میں یہاں تک کہ بزرگ علمائے اہلسنت کے بقول اس میں بہت سی کمزور اور نا قابل قبول باتیں پائی جاتی ہیں ،ثانیاً یہ کہ ان کتابوں میں ایسی بہت سی باتیں موجود ہیں جوکہ بزرگان اہلسنت کے نزدیک قابل قبول ہیں

لیکن دیگر اسلامی مذاہب منجملہ شیعہ مذہب کے زاویۂ نگاہ سے یہ روایتیں خلاف اور نا قابل قبول ہیں۔

بی زک۱۶۹ تا ۱۹۳ ،عسکری ۲/ ۱۲۱ تا ۱۸۳ ، روایات نزول قرآن پر بحث اہلسنت کے سات حروف کی بنیاد پر اور روایات شیعہ کی بنیاد پر نزول قرآن کی بحث حرف واحد پر) اس مقالہ کے دوران دیگر مثالیں آپ کی نظروں سے گزریں گی۔

متون روایات کی سند پر مبنی روایات کے جائزے کو اولیت، مستشرقین کا خاصہ:

مستشرقین کی ایک تعداد ، منجملہ کائتانی اور شاخت کا یہ ماننا ہے کہ مسلمانوں نے متن کے جائزے کو اہمیت نہ دیکر صرف سندیت کے جائزے پر اکتفاء کیا ہے۔ (شاخت ، ۲/۲۷۹،مہریزی، ۱۸ نیک بی عجاج خطیب ۲۵۴ نقل از گیسٹون ویٹ اور گلڈز یھر)باوجود اس کے کہ سندیت کا آغاز پہلی صدی ہجری اوردوسری صدی ہجری کے شروعاتی دور میں ہو چکا تھا۔(الاعظمی،۲/۳۹۲: الاسناد والمستشر قین، نیز یہی کتاب ۳۹۷، نقد اقوال مستشرقین فی الاسناد وہدایۃ) مستشرقین اس وجہ سے احادیث کی کتابوں میں منقول روایتوں کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ (نیک :عجاج خطیب ،۲۵۴) اور اس شک کا نتیجہ یہ ہے کہ اولاً : یہ لوگ ان حدیثوں پر توجہ نہ دیں جن کے مطالب ان کے فرضیہ اور نظریات سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ نہ صرف اس کی سند کو نہیں مانتے بلکہ اس پر شک کرنا اپنا نصب العین سمجھتے ہیں ، ثانیا ان کمزور اور مشکوک روایات سے جو مسلمانوں کے اعتقاد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور وہ قرآن اور قطعی روایات کے خلاف ہونے کے علاوہ عقلی اصولوں کے خلاف ہوں، ان کے لئے قابل قبول اور سندیت کی حیثیت رکھتی ہیں اس بات کا واضح ثبوت ، اہلسنت کے ذرائع سے وحی کے نازل ہونے کے آغاز کے سلسلہ میں روایت سے ماہرین شرقیات کا فائدہ اٹھانا ہے۔

مذکورہ روایت افسانہ غرانیق اور رسول خدا کی فراموشی کے سلسلہ میں ہے۔ (عسکری ، تاریخ اسلام میں عائشہ کا کردار ۴/ ۴۰۷، بلاشر ۳۱، بوھل ۴/ ۴۴۹ نقل ازعسکری ، شاخت ۲۰/ ۲۶۶، اصول کا باب اور اسی باب کا جائزہ بذریعہ امین الخولی)

آیتوں اور روایتوں سے غلط فائدہ اٹھانا

ماہرین شرقیات کی تحقیقات پر ایک اور اعتراض، کچھ آیتوں اور روایتوں کے غلط استعمال پر ہوتا ہے ۔ اس کی ایک وجہ، ان ماہرین شرقیات کی ،عربی ادب ،آیات وروایات کی زبان ، تاریخ

اسلام کے مختلف پہلوں اور مسلمانوں کی دینی ثقافت سے عدم واقفیت وآگاہی سے وابستہ ہے۔ (علی الصغیر ۱۰۹ تا ۱۴۲۔حسینی طباطبائی ۱۸۹ تا ۲۱۱)

اور دوسری طرف ان کا کسی ایک موضوع کے سلسلہ میں نص اور قرائن پر مراجعہ وملاحظہ نہ کرنا۔

۱۔ بعثت کے سلسلہ میں اہلسنت کے جائزے کا وحی ورسالت نبوی کے معارف کے بارے میں مطالعہ کریں۔ ۵۵۔۵۶

۲۔ علامہ سید مرتضیٰ عسکری نے تاریخ اسلام میں عائشہ کے کردار نامی کتاب کی فصل بعنوان: ''کتاب کے دوسرے حصہ میں مستشرقین کے ذریعے جن روایتوں کو استعمال کیا گیا ہے اس کی طرف اشارہ کیا'' اس میں تفصیل کے ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں اور مؤلفین کے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں آغاز وحی کی روایتوں، افسانۂ غرانیق، اورحضرت عائشہ کی حدیث افک اور اس سلسلہ میں ان کے افکار پر عالمانہ بحث کی گئی ہے وہ کتابیں یہ ہیں

۱۔مونٹگمری واٹ : کتاب : (محمد مکہ میں) ر۔ ایف۔ بوڈ لی کی کتاب زندگانی محمدؐ'' کارل بروکلمن کی کتاب'' تاریخ الشعوب'' نیز اسی سلسلہ میں شاخت کائانی کے نظریات کا امین الخولی کے ذریعہ جائزہ ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ۲/ ۲۶۵ تا ۲۹۰،

۲۔محمد حسین علی الصغیر نے''**الابعاد الفنیه لترحمة القرآن ومشکلاتها البلاغیه عند المشترقین** '' کے عنوان سے ایک مقالہ میں کلام الٰہی کے ترجمہ میں ،مستشرقین کی جانب سے قرآن کی بعض ترکیبوں اور الفاظ کے سمجھنے میں ناتوانی اور کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے متعدد ثبوتوں کو پیش کیا ہے جس پر توجہ ضروری ہے۔ نیز حسینی طباطبائی نے ''دائرۃ المعارف الاسلام (مطبوعہ یورپ) کے جائزے اور تبصرہ کے عنوان سے ماہرین شرقیات کی دس غلطیوں کو اجاگر کیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے ان حدیثوں اور روایتوں کو اپنایا ہے جو ماہرین شرقیات کے مفروضوں سے مطابقت رکھتی ہیں اور جو ان کے مفروضوں سے مطابقت نہیں رکھتیں انہیں اپنانے سے گریز کیا ہے۔

اس سلسلے مین بعض روایات بعنوان نمونہ حاضر ہیں۔

کلمۂ''امّی'' کا استعمال

بہت سے ماہرین شرقیات منجملہ نولڈ کہ اور اسپرنگر کا یہ ماننا ہے کہ پیغمبر کولکھنا پڑھنا آتا تھا: (رامیار، ۵۰۶۔۵۰۷)

''پارٹ'' نامی جرمنی کا ماہرشرقیات ،کلمۂ امہ کو امت سے مشتق قرار دیتے ہوئے ، اسلام میں اس جملہ کے تغیر نیز'' فرانٹس بول جیسے بعض ماہرین شرقیات کے تبصرے کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے'' کچھ لوگوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ محمد پر امی لفظ کا اطلاق اس لئے ہوتا ہے کہ وہ نہ تو پڑھتے تھے اور نہ ہی لکھتے تھے لیکن حقیقت میں اس لفظ ''امی'' کا اطلاق اس مطلب پر نہیں ہوتا کیونکہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۷۸ ''وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لاَيَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلاَّ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَظُنُّونَ۔جس کو اس معنیٰ میں شاہد کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے حقیقت میں یہودی امیوں کو لکھنے اور پڑھنے سے عدم واقفیت کی بناء پر معاف نہیں کیا ہے بلکہ آسمانی کتاب کے مفاہیم سے عدم واقفیت کی بناء پر سرزنش وملامت کی ہے۔(۲ / ۶۴۵ حاشیہ احمد محمد شاکر جلد ۲ ص ۶۴۵)

لفظ امی کے اس مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پارٹ نے ماہرین لغت اور علمائے تفسیر وتاریخ نیز سورہ عنکبوت کی آیت ۴۷ سے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلاَتَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ '' سے لاتعلقی برتی اور اپنے نظریہ پر اصرار کرتے ہوئے رسول خدا کو پڑھنے اور لکھنے سے واقف قرار دیا ہے۔

حدیث اذان کا جائزہ :

اسلام میں شرعی جواز کے سلسلہ میں جواذان سے متعلق ہے، جو وینسل کا لکھنا ہے۔ اسلامی روایت گویا ہے کہ پیغمبرؐ نے پہلی یا دوسری ہجرت کے موقع پر مدینہ میں اپنے صحابیوں کو بلا کر مشورہ کیا کہ نماز کے وقت مومنوں کی توجہ مبذول کرانے کا سب سے اچھا کونسا طریقہ ہے؟ کچھ نے تجویز پیش کی کہ اس کام کے لئے آگ جلا کر لوگوں کی توجہ مبذول کرائی جائے یا ناقوس یعنی سنکھ یا گھنٹہ بجایا جائے ۔لیکن عبداللہ بن زید نام کے ایک مسلمان نے خبر دی کہ اس نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا کہ مسجد کی چھت پر چڑھ کر لوگوں کو نماز کے لئے بلا رہا ہے۔

خلیفہ دوم نے بھی نماز کی طرف بلانے کے اس طریقہ کو سراہا اور چونکہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس پر متفقہ فیصلہ کرلیا اور رائے بنالی پیغمبرؐ نے بھی حکم جاری کیا کہ اس طریقہ کو جاری رکھا جائے۔

جو وینسل کی باتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں اذان کا وجود خواب پر مبنی ہے کہ جسے ابن زید اور عمر نے دیکھا اور پیغمبر نے بھی اس خواب کی درستی پر مہر لگادی (حسینی طباطبائی ، ۱۹۴)

لیکن دو اہم باتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس نظریہ کا تجزیہ لازمی ہے:

۱۔اذان کے سلسلہ میں اہلسنت کی روایتیں

اذان کے سلسلہ میں اہلسنت کی جانب سے نقل ہونے والی روایات اس حقیقت پر قطعی دلالت نہیں کرتیں کہ اسلام میں اذان کے جواز کے لئے کچھ مسلمانوں کے خواب کا سہارا لیا گیا ہو اور پیغمبر اسلام نے اس کی تائید کی ہو بلکہ کچھ روایتیں تو اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلام کے اصحاب کے خواب پر وحی الٰہی نے سبقت حاصل کی تھی۔

اب ہشام نے اذان کے سلسلہ میں ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

''خلیفہ دوم نے اپنے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو خطاب کیا جارہا ہے'' **لاتجعلوا الناس الناقوس بل اذنوا للصلوٰۃ** '' پھر وہ پیغمبر اسلام کے پاس گئے تاکہ انہیں اپنے خواب کی بات بیان کریں لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی وحی نے رسول خدا کو اذان کے حکم سے باخبر کردیا۔ لہٰذا عمر جب پیغمبر کے پاس آئے تو دیکھا کہ بلال اذان کہہ رہے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے بھی عمر کی اذان سے متعلق خواب کی باتیں سن کر فرمایا'' قد سبقک بذالک الوحی '' (ھمو ۲/۱۵۶)

۲۔ اذان کے سلسلہ میں شیعہ روایات:

اذان اور اقامت کے سلسلہ میں شیعہ روایتیں الٰہی شریعت کی طرف واضح طور دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت میں زرارۃ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ''جب رسول خداؐ معراج پر گئے اور بیت المعمور تک پہونچے تو نماز کا وقت ہوگیا اس وقت جبرئیل نے اذان واقامت کہی۔ پھر رسول خداؐ آگے کھڑے ہوئے اور ملائکہ نیز انبیاء نے ان کے پیچھے نماز پڑھی'' (کلینی ۳/ ۳۰۲) اور دوسری حدیث میں منصور بن حازم نے امام جعفر صادق علیہ اسلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا'' جبرئیل نے اذان اور اقامت کی کیفیت سے رسول خداؐ کو آگاہ فرمایا، ایسی حالت میں جبکہ رسول کا سر حضرت علی علیہ السلام کے دامن پر تھا اور جب وحی ختم ہوگئی تو رسول خداؐ نے علیؑ سے پوچھا: اے علی کیا تم نے سنا؟ انہوں نے فرمایا! ہاں سنا: فرمایا: کیا محفوظ کرلیا۔ علی نے فرمایا: ہاں! پھر رسول خداؐ نے فرمایا: بلال کو بلاؤ اور انہیں اذان اور اقامت کی کیفیت اور شکل وصورت سے آگاہ کردو۔ علی علیہ السلام نے بھی بلال کو بلا کر اذان اور اقامت سکھائی، (صدوق ۱/ ۱۸۳، طوسی، تہذیب الاحکام، ۲/ ۶۴ اور ۶۵)

آیۂ نسخ سے یادداشت:

مستشرقوں نے پیغمبر اسلام پر نسیان (بھولنے) کا الزام لگایا اور سند کے طور پر قرآن اور روایتوں کو پیش کیا ہے۔ (رژی بلاشر نے لکھا ہے: (روایت سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر ایک جگہ سے گذر رہے تھے کہ دیکھا ایک اجتماع میں واعظ زبانی طور پر لوگوں کو قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنا رہا تھا، پیغمبر اسلام اس واقعہ سے بالکل حیرت زدہ رہ گئے اس وقت ان کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ آیتوں کے اس گوشے اور حصے کو بھول گئے تھے اور اس واقعہ کے بعد قرآن کا وہ حصہ ان کو یاد آ گیا۔ یہ موضوع کہ جس کی تاریخی اہمیت بحث کے قابل ہے سورۂ بقرہ کی اس آیت کے ذریعہ قابل تائید ہے: " مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا "(آیت ۱۰۶)

اگر'' بھلا بیٹھیں'' کی عبارت کو ممکن ہے کہ مبہم کے معنی میں لیا جائے یعنی'' متروک قرار دیں'' مگر کچھ مفسرین اس کا اصلی معنی لیتے ہیں یعنی ذہن سے مٹ جانا'' (همو ۳۱، ۳۲، نیز، نیک: شاخت، ۲/ ۲۶۷)

لیکن بلاشر اور شاخت کے نظریات کے جائزے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دولوگوں اور اس کے پہلے نولڈ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ (رامیار، قرآن کا جائزہ: ۳۲ حاشیہ) انہوں نے پیغمبر اسلام کی فراموشی کے سلسلہ میں صرف اہلسنت کی کتابوں کا مطالعہ اور ان پر بھروسہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی آج کی تاریخ میں صحیح بخاری کا مطالعہ کرے تو اس کو یہ حدیث دیکھنے کو ملے گی کہ'' عن عائشه قالت سمع النبیؐ رجلاً یقرأفی المسجد فقال رحمه الله لقد اذکرنی کذا وکذا آیة اسقطتها فی سورة کذا وکذا '' (همو ۸/ ۴۲۸) اس روایت کے اہلسنت کی کتابوں میں ہوتے ہوئے، بلاشر، نولڈ کہ اور شاخت جیسے لوگوں پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ بلاشر اور ان جیسے لوگوں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے آیۃ'' " مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا '' کو دلیل میں لانے کے بجائے جو کہ خود ان کی تعبیر کے مطابق مدنی آیت ہے مکہ میں نازل ہونے والی آیت'' سَنُقْرِئُكَ فَلاَتَنسَى ☆ إِلاَّ مَا شَاءَ اللهُ (الاعلیٰ ۶۔۷) پر توجہ کیوں نہیں دی؟ اور قرآن کے ساتھ روایت کے تناقص کو مدنظر قرار دیتے ہوئے نتیجہ اخذ کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ مذکورہ آیتیں رسول خدا کی عدم فراموشی پر مبنی وعدۂ خداوندی کی یاددلاتی ہیں جس کا وعدہ قطعی اور کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اس

کے علاوہ سورہ اعلیٰ میں إِلاَّ مَا شَاءَ اللهُ'' کا مطلب رسول خداؐ کی فراموشی کی دلیل نہیں بلکہ خدا کی مصلحت اور صلاح پر مبنی فراموشی کے امکان کو بیان کرنا ہے۔ اور دوسرے لفظوں میں پیغمبر اکرم پر فراموشی نازل کرنے پر مبنی خدا کی طاقت اور اقتدار کو بیان کرتا ہے۔'' (طباطبائی ۲۰/ ۲۶۶) اختصار کے ساتھ'' اس لئے اس آیت کے معنیٰ کے بیان میں ''وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِی أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ ثُمَّ لاَتَجِدُ لَکَ بِهِ عَلَیْنَا وَکِیلًا ☆ إِلاَّ رَحْمَةً مِنْ رَبِّکَ إِنَّ فَضْلَهُ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیرًا (اسرائیل ۸۷) ہے اور جیسا کہ واضح ہے یہ آیت بھی رسول خدا کو فراموشی کے سپرد کرنے پر مبنی خدا کی طاقت کی نشاندہی کرتی ہے نہ یہ کہ آنحضرت کی فراموشی کے وقوع پذیر ہونے کی ضرورت کو (ننسها) اور ''الاّ ماشاء اللّٰه '' کے استثنیٰ پر دیگر تبصروں کو ملاحظہ کریں امین الخولی ۲/ ۲۷۱، ۲۷۳۔

کتابیات:

۱۔ قرآن

۲۔ اعظمی محمد مصطفیٰ دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینیہ، بیروت المکتب الاعلمی، ۱۴۱۳۔ ھ۔ق

۳۔ ایازی، سید محمد علی، قرآن وفرہنگ زمانہ مبین پبلی کیشنز ہاؤس ۱۳۸۰ ھ۔ق

۴۔ ابن ہشام، محمد، السیرہ النبویہ۔ بیروت، دار القلم، (بی ٹا)

۵۔ ابوخلیل، شوقی، الاسلام فی قصص الاتہام، دمشق، دار الفکر المعاصر، ۱۴۲۳، ط،۵

۶۔ بلاشر، رژی، درآستانہ قرآن، مترجم محمود رامیار، دفتر نشر ثقافت اسلامی ۱۳۶۵

۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل الصحیح، بیروت دار القلم، ۱۴۰۷ھ۔ق

۸۔ الجندی، انور، اسلام فی وجہ التفریب، قاہرہ دار الاعتصام، (بی ٹا)

۹۔ ہمو الشبہات والاخطاء الشائعہ فی الفکر الاسلامی، قاہرہ دار الاعتصام (بی ٹا)

۱۰۔ حمدی زقزوق، محمود الاستشراق والخلیفہ الفکریہ، قاہرہ، دار المنار ۱۴۰۹ ھ۔ق

۱۱۔ حسینی طباطبائی، مصطفیٰ نقد آثار خاورشناسان، انتشارات چاپخش ۱۳۷۵ ھ۔ش

۱۲۔ خوئی ابو القاسم، البیان فی تفسیر القرآن۔ بیروت دار الزہر ۱۴۰۸۱ھ۔ق

۱۳۔ راغب اصفہانی، حسین، معجم مفردات الفاظ القرآن، بیروت دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۸ ھ،ق

۱۴۔ رامیار، محمود، تاریخ قرآن، انتشارات امیر کبیر، ۱۳۶۲ھ،ش

۱۵۔ ہمو تعلیمات درآستانہ قرآن دفتر نشر فرہنگ اسلامی ۱۳۶۵ھ، ق

۱۶۔ سباعی، مصطفیٰ الاستشراق والمستشرقون مالہم وماعلیہم، بیروت دار الوراق ۱۴۲۲ھ ق۔

۱۷۔سلیمان ،سمیر، الاسلام والغرب ، بیروت ، ار الحق ۱۴۱۸ھ۔ق
۱۸۔صدوق ،محمد بن علی ،من لایحضرہ الفقیہ ،بیروت دار الاضواء ۱۴۰۵۔ھ ق
۱۹۔صالح ،صبحی علوم الحدیث ومصطلحہ ،آفسیٹ مکتبہ الحید ریہ ۱۴۱۷ھ۔ق
۲۰۔طبرسی ،فضل بن حسن ،مجمع البیان لعلوم القرآن ،بیروت دار المعرفہ ۱۴۰۸ھ۔ق
۲۱۔طوسی محمد بن تہذیب الاحکام ،تعلیق علی اکبر غفاری،نشر صدوق ۱۴۱۷ھ۔ق
۲۲۔طباطبائی ۔محمد حسین المیز ان فی تفسیر المیز ان ،بیروت مؤسسہ الاعلمی ۱۳۹۳ھ۔ق
۲۳۔عسکری سید مرتضیٰ القرآن الکریم 'روایات المدرستین ،شرکۃ التوحید ۱۴۱۷ھ،ق
۲۴۔ہمو: نقش عایشہ درتاریخ اسلام، ترجمہ محمد کرمی ، انتشارات منیر ۱۳۷۸۔ھ۔ش
۲۵۔عبد الحمید،عرفان المستشر قون والاسلام بغداد مطبع الارشاد ۱۹۶۹ء
۲۶۔عرفان۔المستشر قون والاسلام۔ بغداد ۔مطبع ۔ الارشاد۔۱۹۶۹ء
۲۷۔علی الصغیر محمد حسین المستشر قون والدراسات القرآنیہ، بیروت دار المورخ العربی ۱۴۲۰ھ۔ق
۲۸۔عجاج خطیب ،محمد السنہ قبل التدوین ، بیروت دارالفکر، ۱۴۰۱ھ۔ق
۲۹۔فواد عبدالمنعم من افترأت استشرقین علی الاصول العقدیہ فی الاسلام ریاض مکتبہ العبید کان ۱۴۲۲ھ۔ق
۳۰۔قطب ۔محمد المستشر قون والاسلام، قاہرہ مکتبہ وہبہ ۱۴۲۰ھ۔ق
۳۱۔قاسمی جمال الدین، قواعد التحدیث بیروت دا رالکتب العلمیہ، (بی ٹا)
۳۲۔کلینی ،محمد بن یعقوب، الکافی ، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۲۷ھ ۔ش ط۔ ۳
۳۳۔گلڈز یہر انگناس العقیدہ والشریعۃ فی الاسلام، ترجمہ ہیئت مصری، مصر دار الکتب الحدیثہ ۱۳۷۸ھ۔ق
۳۴۔ ہمو: ترجمہ مذاہب التفسیر الاسلامی مترجم سید ناصر طباطبائی تہران۔ققنوس ۱۳۸۳ھ ۔ش
۳۵۔مرعشی یوسف ،مقدمہ تفسیر ابن کثیر بیروت، دار المعرفہ ۱۴۰۹ھ۔ق
۳۶۔محمد ابولیلہ، محمد القرآ الکریم من المنظور الاستشراقی ،مصر دا رالنشر للجامعات، ۱۴۲۳ھ۔ق
۳۷۔معرفت ، محمد ہادی، التفسیر والمفسر ون فی ثوبہ القشیب ، مشہد دانشگاہ علوم رضوی ۱۴۱۸ھ ،ق
۳۸۔ ہمو: شبہات وردو دخول القرآ ن الکریم مؤسسہ الشہید، ۱۴۲۳ھ۔ق
۳۹۔نولڈکہ ٹیوڈور ،تاریخ القرآن ، تعدیل فریدش شوالی ، دار نشر مکتبہ درتریش ۲۰۰۰ء

قرآن اور بین الاقوامی تعلقات

عبداللہ امیری

بین الاقوامی تعلقات کا علم:

بین الاقوامی تعلقات کا علم، دوسرے علوم کی طرح، مشاہداتی، تجرباتی تحقیقات و تجزیاتی، درجہ بندی (Classification) اور تعمیم وعمومیت (Generalization) کے قابل ہوتا ہے، نیز اس کا اپنا مخصوص نظام ہوتا ہے۔

قوموں کے درمیان ظاہری تعلقات، مشاہدے (Observation) کے قابل ہوتے ہیں، حالانکہ اس مشاہدے کی کیفیت اوردرجے، مختلف واقعات کے لئے، الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن بہر حال ہم ان تعلقات کے آثار کا مشاہدہ کرنے پر قادر ہیں۔ ان تعلقات کا تجزیہ وتحلیل مختلف طریقوں سے ممکن ہے جیسے دستاویزوں کا مطالعہ، تاریخ، خاطرات اور سیاسی، اقتصادی واقعات و دستاویزات۔ علمی نظریات کے حصول کیلئے، واقعات کی ترتیب اور درجہ بندی (Classification) کرنا ہوگا اور اسی طریقے سے ہم، مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کے لئے، اصول اور دریافت شدہ نتائج (Findings)، ایک خاص نظام اور قوانین تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہت سے محققین مانتے ہیں کہ 'بین الاقوامی تعلقات' کا علم، ابھی اپنے ابتدائی مرحلے میں ہے، اور ابھی تک باقاعدہ علمی شکل وصورت اختیار نہیں کرسکا ہے، بلکہ فلسفہ، تاریخ اور ہنر کا امتزاج ہے، اس کے علمی اصول محدود اور جانچ کے قابل نہیں ہیں اور جو کچھ اس موضوع پر لکھا گیا ہے، زیادہ تر توصیفی صورت رکھتا ہے۔

شاید اس نظریہ کی وجہ یہ بات ہو کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد، بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین، مختلف علمی میدانوں سے، اس میدان میں کھنچ کر آئے ہیں اور یہ کوشش کی ہے کہ قوموں یا حکومتوں کے درمیان تعلقات کو علمی نظریات کے سایہ میں پیش کریں، لیکن ان کو اپنے کام میں کوئی کامیابی نہیں ملی۔ حقیقت میں، وہ لوگ رونما ہوچکے واقعات سے، ظاہری نتائج تک نہیں پہنچ سکے۔ مثال

کے طور پر کیا جنگ کے رونما ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟[۱]

بین الاقوامی تعلقات — عملی رنگ وروپ

بہت سے مفکرین بین الاقوامی تعلقات کے علم کو عملی مرحلہ میں صفر مانتے ہیں، یعنی مستقبل کے حالات کی پیشین گوئی نہ کی جاسکنے کی وجہ سے، اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود دیگر محققین بین الاقوامی تعلقات کے بعض مقولات اور مباحث، علم کیمیا (Chemistry) اور طبیعیات (Physics) جیسے دقیق علوم کی طرح خالص علمی پہلو رکھنے اور سائنسی، ریاضی طریقوں کے ذریعے، مستقبل کے واقعات نیز ان کے پھیلاؤ کی حتمی پیشین گوئی کے امکان کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر، بین براعظمی اسٹریٹجک اسلحوں (Intercontinental Strategic Weapons) کے بارودخانوں کے نقصانات یا نیوکلیائی میزائیل (Nuclear Warhead Missile) کے دھماکوں کی طاقت کی حد اور شہروں نیز دشمن کے جمع ہونے کے مراکز کو مسمار کرنے کی ان کی طاقت اور پھیلاؤ کا حتمی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور سیاسی، دفاعی فیصلوں میں ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ فیصلوں کے صدور اور ان کے نفاذ اور قضاوت و انتخاب میں، انسان کی فطری اور طبعی محدودیت سامنے آتی ہے، لہٰذا استفادہ کی مطلوبہ حد مطلوب تک پہنچنا ایک نسبتی امر ہے، اور سیاست کے نقطہ نظر سے اعتباری ہے۔[۲]

بین الاقوامی تعلقات اور دیگر علوم

بین الاقوامی تعلقات کا علم، دوسرے علمی، فلسفی اور تاریخی نظام سے مانوس ہونے کے ساتھ ساتھ، عالمی تعلقات کے منظرنامے پر، سیاسی اکائیوں کے طرز عمل کی تفتیش بھی کرتا ہے، اسی لئے سیاسی علوم کے میدان میں، زیادہ تر اپنے عام مفہوم میں پیش ہوتا ہے۔

لیکن مستقل یا یا برسر اقتدار کھلاڑیوں کے درمیان تعلقات صرف سیاسی تعلقات میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ عالمی منظرنامے پر، بین الاقوامی تعلقات کے جہات، حکومتوں کی طاقت اور کردار کے سلسلے میں، سامنے آتے ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات کا علم، تقریباً تمام سماجی علوم جیسے علم نفسیات (Psychology)، عمرانیات (Anthropolgy)، اقتصادیات، Economics جغرافیہ (Geography)، علم قانون (Law)، سیاسیات وسفارت کاری (Politics & Diplomacy)، ریاضی (Math)، علم طبیعیات

(Physics) ، تاریخ(History)، ہنر(Art)،ادب(Literature) وغیرہ سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی لئے مغربی سیاسی زبان میں، اس کو ،بین شعبہ جاتیInterdisciplinary یاکثیر شعبہ جاتی Multidisciplinary علم کہتے ہیں۔ یعنی وہ علم جو انسانی علوم کے مختلف شعبوں سے استفادہ کرتاہے۔مثال کے طور پر جغرافیہ جوحکومتوں اورانسانوں کے برتاؤ پرطبعی ماحول کے اثرات کا مطالعہ کر ناہے ،ارضی سیاسیات(Geopolitics) میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اوربعض ماہرین کی نظر میں، مختلف سیاسی اکائیوں(Units)کے در میان تعلقات پرتحقیق میں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔علم قانون عام طور سے ، اور بین الاقوامی قانون خاص طور سے، بین الاقوامی تعلقات کی چھان بین میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، کیونکہ محدود کرنے والے معاہداتی دائرے ،قومی حکومت کے اقتدار کو معین کرتے ہیں۔ (جیسے سرحدوں کا تعین)اسٹراٹجک علوم بھی جوخود سیاسی علوم کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں ، بین الاقوامی تعلقات میں اہم مقام رکھتے ہیں،جس میں نیوکلیائی اسلحوں کے دور میں روک تھام،عالمی اور علاقائی سطح پر طاقت کے توازن پرٹکنالوجی کے اثرات اور اس کا استعمال، عملی تحقیق، جنگ بازی وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں، زیادہ ترفکری خاکے (Models)یاڈھانچے (framework) سے سروکاررہتاہے۔ ان نمونوں یا ڈھانچوں کے اعتبارکی عمومیت (Generalization) کی صلاحیت ، علمی نظریات کی بہ نسبت کمزور ہوتی ہے اورصرف واقعات اور ان کے درمیان اسباب ونتائج کے ممکنہ تعلقات کے بہتر ادراک کے لئے ہیں۔یعنی حقیقت میں وہ شبہ نظریاتی ہیں نہ کہ عام اورکلی اصول۔ اسی وجہ سے ،بین الاقوامی تعلقات کے مطالعے میں ،مختلف نظریات اورفکری مکاتبہمارے سامنے آتے ہیں۔مثلاً قدامت پسند (Traditionalist)، معاملاتی(Behaviourist)،حقیقت پسند (Realist)،اورمثالیت پسند(Idealist) افراد اور ہرایک، بین الاقوامی تعلقات کے مباحث کو، اپنے اپنے نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔[۳]

بین الاقوامی تعلقات— اصطلاح میں

بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح اپنی تمام صورتوں اور حالات میں ،عالمی منظرنامے یا قومی معاشرے کے افراد یا کھلاڑیوں کے درمیان تعامل وتبادل سے مرتبط ہوتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات

کے مطالعے میں ،خارجہ سفارت کاری (Foreign Diplomacy) یا اپنے عام مفہوم میں قوموں کے درمیان سیاسی طریقہ کار کا تجزیہ وتحلیل شامل ہے۔۴

بین الاقوامی تعلقات ، سرحد پار کرنے والے یا سرحد پار کرنے کا رجحان (Tendency) رکھنے والے تعلقات اور مسئلوں کا ایک مجموعہ ہے ۔دوسرے لفظوں میں 'سرحدوں کے پار جانے کو' بین الاقوامی تعلقات کا معیار اور مظہر ماننا چاہئے۔۵

یہ تعلقات ، سرحدوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا ہونے والے تمام حکومتوں، اشخاص، خصوصی اور عمومی گروپوں اور اداروں کے درمیان تعلقات پر مشتمل ہے۔اس طرح ریمون آرون(Ramon Arwin) کے نظریہ کے مطابق،حکومتوں کی خارجہ پالیسیForeign Policy خود ان کے داخلی عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہونے کے علاوہ،عالمی سطح پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تعلقات کا ایک جال بناتی ہے،جو کہ ایک جہتی یا حکومتوں کے درمیان موجودہ حالات کے علاوہ نئے تعلقات پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے۔۶

بین الاقوامی تعلقات کے علم کا فائدہ

بین الاقوامی تعلقات کے علم کے ذریعے (طاقت و اقتدار کے دائرہ اور اس کے اساسی اصول کے سلسلے میں کچھ معاملاتی قوانین(Behavioural Laws) کا علم حاصل کرنے کے بعد) رونما ہونے والے واقعات اور بین الاقوامی مسائل کے بارے میں زیادہ علمی طریقے اور حقیقت پسندانہ انداز سے قضاوت اور ان کا باقاعدہ منظّم (Systematic) طریقے سے تجزیہ وتحلیل کرسکتے ہیں، اور سیاست داں اس کے اور لازمی سفارتی(Diplomatic)مہارت کے ذریعے نہ صرف اپنے قومی مفادات کو حاصل کرسکتے ہیں، بلکہ بین الاقوامی منظرنامے پر اپنے ملک کی ساکھ کو بھی بڑھاسکتے ہیں۔ فیصلوں (Decisions) اور اقدامات (Measures)میں اصلاح ،ایک ملک کی ساکھ کو قلیل مدت(Short Term)میں بالکل چھوٹی طاقت سے چھوٹی طاقت،وسطی مدت میں متوسط طاقت اور لمبے عرصے(Long Term) میں ایک بڑی طاقت یا سوپر پاور(Super Power) میں بدل سکتے ہیں۔اس کے برخلاف اگر نظری وعملی سیاست غلط ہوگی ،تو حکومت کی قدر ومنزلت کی تنزلی کا راستہ ہموار ہوجائے گا۔مثال کے طور پر قاچار کے زمانے میں ایران ،آہستہ آہستہ اپنا اثر ونفوذ کھو بیٹھا۔۷

بین الاقوامی تعلقات کے تشکیلی عناصر ۸

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں کون لوگ بنیادی وعمومی یا بعبارت دیگر اصلی ومجازی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کے کارپرداز دوقسم کے ہوتے ہیں: اصلی وحقیقی یعنی حکومتیں ،اورذیلی ومجازی یعنی علاقائی (Regional) اور بین الاقوامی ادارے۔

حکومت(State)حقیقت میں سیاسی اداروں کی سب سے اعلیٰ شکل ہے ، جو قانونی ضابطوں اور خاص اصول کے ذریعے ان کے حوالہ کی گئی کسی ملک کی جائز طاقت کو،ملک کے دائرے میں نافذ کرتے ہیں۔حکومت ، طاقت اور اقتدار کے نفاذ کے وسائل کو اپنی اجارہ داری (Monopoly) میں رکھتی ہے اور اس کے قوانین ،اس کی ماتحتی میں رہنے والے تمام افراد کے لئے لازم الاجرا ہے۔حکومتیں زیادہ تر جاری اورمستمر ہوتی ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے دوسری قوموں سے تعلقات قائم کرتی ہیں۔بین الاقوامی تعلقات میں ۔اس کے کلی مفہوم میں۔بھی زیادہ تر،حکومتیں، جو قوموں کی نمائندہ ہیں،کردار ادا کرتی ہیں۔

دوسری عالمی جنگ(Second World War) کے بعد سے اب تک ،ان کھلاڑیوں کی تعداد تقریباً تین گنا ہوچکی ہے ۔جیسا کہ اقوام متحدہ کا منشور،اس زمانے کے بین الاقوامی نظام میں دوسری عالمی جنگ کے فاتح ،۵۸ مستقل ملکوں کے ذریعے لکھا اور دستخط کیا گیا،لیکن آج یہ تعداد ۱۹۰۲ تک پہنچ چکی ہے۔یہ ممالک ،چھوٹے بڑے رکن (Member)ہیں جو اپنے جغرافیائی— ارضی سیاسیات(Geopolitics) کے اعتبار سے ،بین الاقوامی منظرنامے پر ایک کردار ادا کرتے ہیں۔لیکن اصلی کھلاڑیوں کی اس باڑھ کے باوجود ،بین الاقوامی نظام میں کوئی محسوس تبدیلی نہیں کی گئی۔جس طرح ایک زمانے میں،دوبڑی طاقتیں(Super Powers)،روس اور امریکہ بین الاقوامی منظرنامے پر دو بڑی بااثر اور غاصب طاقت شمار ہوتی تھیں،اسی طرح آج بھی،حقیقت میں،بین الاقوامی تعلقات کے اصلی معمار اور منتظم وہی قابض طاقتیں ہیں،جو ہر ممکن طریقہ سے،چاہے بین الاقوامی اجلاس(Conference)اور تنظیمیں ہوں یا دوفریقی یا چندفریقی اقرار نامے (Agreements)ہوں،بین الاقوامی نظام کی نبض کو اپنے قبضے میں رکھے ہیں۔

حکومتیں اپنے آپ میں احساس وارادہ سے عاری ہوتی ہیں۔جو کچھ ان کی طرف منسوب

کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی کارکردگی ہے جنہوں نے سیاست دانوں(Politicians) اور فیصلہ کرنے والوں (Decision Maker) کا لباس پہن رکھا ہے۔البتہ وہ لوگ اپنے سیاسی کارناموں کے جواز کو ،حکومت اور گورنمنٹ (Government)کے قانونی اقتدار کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔بہ ہر حال یہ ان کے رجحانات(Tendencies) اور معنوی و مادی محرکات(Motives) ہیں جو ان کے کردار کو بناتے ہیں،وہ کردار جو فیصلہ لینے(Decision making) اور پالیسی سازیPolicy making کا باعث ہوتا ہے اور حکومت وقوم کے مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اصلی کھلاڑیوں کے ساتھ ساتھ،کچھ اور عناصر بھی ہیں جو بین الاقوامی تعلقات میں ذیلی و مجازی کردار ادا کرتے ہیں اور قومی حکومتوں کی درخواست پر،کچھ خاص اختیارات ،ادارتی صورت میں اور حقوقی ڈھانچے میں ،ان کے ذمہ کئے جاتے ہیں۔جیسے بین الاقوامی ادارے اور کثیر المالکی (Multinational) اور ملک پار(Transnational) کمپنیاں۔یہ کمپنیاں اورادارے اپنے آپ میں کوئی طاقت نہیں رکھتی ہیں، بلکہ وہ کام انجام دیتی ہیں جو ان کے رکن افراد چاہتے ہیں۔یہ سامنے کی بات ہے کہ حکومتوں کے درمیان موجود اختلافات ،دوستی اور رقابت ،ان گروپوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔جیسا کہ اقوام متحدہ میں بھی ہوتا ہے اورہم ہمیشہ اس اہم ادارے کے تنازعات، تعطل (DeadLock)،ٹال مٹول اور انحراف(Deviation)کے شاہد ہیں۔حال حاضر میں بین الاقوامی تعلقات کے ایک عنصر کی حیثیت سے ،حقیقی افراد بھی،آہستہ آہستہ عالمی منظر نامے پر آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر،شہریت کے مسئلے پر ایک شخص آزاد ہے تا کہ خاص شرائط کے تحت،کسی ملک کی شہریت کو قبول کرے یا کسی ملک کی شہریت سے دستبردار ہوجائے۔

بین الاقوامی تعلقات کی مختصر تاریخ

ایران ،ہندوستان،چین اور قدیم یونان سے ملی تحریریں اور اس زمانے کی سلطنتوں کے درمیان روابط ،اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ پیدایش سے صدیوں سال پہلے،مفکرین اور بڑے فلسفی حضرات نے ،اقوام ،ملل،بادشاہوں اور حکمرانوں کے درمیان روابط کے سلسلے میں بعض نظریات پیش کئے تھے ،جن میں کچھ نظریے آج بھی اہم اور معتبر ہیں۔

جیسے افلاطون اور ارسطو کی تحریریں،مشہور یونانی مورخ ''توسیدیدز'' کی پانسیس (The Peloponnesian War) کی جنگوں کی تاریخ،چینی فلسفی کنفوشیس(Confucious) کا وصیت

نامہ، لاؤتسو (Laotse) کی تعلیمات، ہندوستانی مفکر کوٹلیہ کی تحریریں (۴۴۰ ق۔م)، کتاب 'شہریار' یا 'شہزادہ' مصنفہ اطالوی سیاستداں میکیاولی (Machiavelle) (۱۴۶۹ء)، نظام الملک کا سیاست نامہ (۱۱ صدی عیسوی)، ابن خلدون کی تحریریں اور نظریات (۱۳۳۲ ہ.ق.۔۱۴۰۶ء) اور بہت سے دوسرے مفکرین کی تحریریں، اس وقت بھی اہمیت کی حامل ہیں۔۹

حضرت عیسیٰ کی پیدایش کے برسوں بعد، سنہ ۶۱۰ء میں اسلام کے طلوع ہونے سے عالم انسانیت بدل گیا۔ جس زمانے میں یورپ اپنے تعصب آمیز تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ، چالیس سال کے سن میں مبعوث ہوئے۔

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّینَ رَسُولًا مِنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَإِنْ کَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُبِینٍ (سورہ جمعہ:۲)

وہی تو ہے جس نے جاہلوں میں ان ہی میں کا ایک رسول (محمد) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب وعقل کی باتیں سکھاتے ہیں، اگرچہ اس کے پہلے تو یہ لوگ صریحی گمراہی میں تھے۔

حضرت محمدؐ ایسے دور اور ایسی جگہ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جو انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ زوال پذیر دور تھا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً صَلی اللّٰهُ عَلیهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّم نَذیراً لِلعالَمینَ ،و اَمیناً عَلی التَّنزیلِ،وَ اَنتُم مَعْشَرَ العَرَبِ عَلی شَرِّدِینٍ،وَ فِی شَرِّ دَارٍ،مُنِیخُونَ بَینَ حِجارَةٍ خُشنٍ،وَ حَیاتٍ صُمٍّ،تَشْرَبونَ الْکَدِرَوَ تاکُلُونَ الجَشَبَ ،وَ تَسونَ دِماءَ کُم،وَ تَقْطَعُونَ اَرحَامَکُم،الاصْنامُ فِیکُم مَنصوبةٌ،و الآثامُ بکم مَعصوبَةٌ۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلامؐ کو لوگوں کو ڈرانے والا والا بنایا، تا کہ وحی الٰہی کے امین ہوں۔ جب تم قوم عرب بدترین دین کے حامل تھے اور بدترین مکان میں زندگی گزارتے تھے۔ غاروں، بڑے پتھروں اور خطرناک

زہریلے سانپوں کے درمیان ،شنوائی سے عاری زندگی گزارتے تھے،گندا
پانی پیتے تھے،اور خراب غذا کھاتے تھے۔ایک دوسرے کا خون ناحق بہاتے
تھے اور رشتے داریوں کو قطع کرتے تھے۔تمھارے درمیان بتوں کی پوجا
ہوتی تھی اور فتنہ و گناہ تمھارے وجود کو گھیرے ہوئے تھا۔۱۰

پیغمبر اسلامؐ اپنے جوانی کے دور میں ،بعثت سے قبل'' محمد امین'' کے نام سے مشہور اور '' حلف الفضول'' کے معاہدے میں شریک تھے۔مکے میں قیام پذیر قبیلوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کچھ معاہدے کئے ہوئے تھے ،جن کے رو سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے تعرض سے محفوظ رہتا تھا۔لیکن اگر کوئی اجنبی شہر میں آتا تھا اور کوئی ظلم اس پر ہوتا تھا تو کوئی قبیلہ یا معاہدہ ایسا نہ تھا جو اس کی حمایت کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ بنی اسد بن حزیمہ کے قبیلے کا ایک فرد تجارت کی غرض سے مکہ آیا اور بنی سہم کے کسی شخص نے اس کے مال کو خریدا ،لیکن اس کی قیمت ادا نہیں کی۔

اسدی شخص نے قریش سے فریاد کی ،لیکن قریش والوں نے کہا کہ چونکہ تم ہمارے حلیف نہیں ہو ،اس لئے ہم تمہاری حمایت نہیں کر سکتے ہیں۔ اسدی شخص جب ہر طرف سے ناامید ہوگیا تو ابوقبیس کی پہاڑی پر گیا اور اپنی مظلومیت میں کچھ اشعار پڑھے اور قریش سے مدد مانگی۔ قریش والے پشیمان ہوئے اور عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک معاہدہ کیا کہ آج کے بعد سے کسی اجنبی پر ظلم نہیں ہونے دیں گے ۔ چونکہ یہ معاہدہ ،پچھلے معاہدوں اور وعدوں سے الگ تھا ، اس لئے اسے'' حلف الفضول'' کہا گیا۔۱۱

بعثت کے بعد تین سال تک لوگوں کو مخفی طریقے سے ،توحید کی اور شرک و بت پرستی سے دور رہنے کی دعوت دیتے رہے اوراس کے بعد (۶۱۳ء میں) اللہ کے حکم سے اپنی دعوت کو آشکار کردیا۔اس دعوت کو،اس زمانے کے عرب کی دو بڑی سیاسی اور اقتصادی طاقتیں ،یعنی قبیلوں کے سردار اور دولت مندوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔دعوت کا علنی ہونا،قریش کے شدید رد العمل اورنا قابل برداشت دباؤ(Pressure)کے ہمراہ تھا،جیسے ساتھیوں کو اذیت و آزار اوران کا قتل،شہر بدری ، اقتصادی ناکہ بندی(بعثت کے ساتویں سال کی ابتدا سے نیمۂ رجب ۱۰ بعثت ۔۶۱۷ سے ۶۱۹ تک)اور پیغمبرؐ کے ساتھیوں کا سیاسی بائیکاٹ۔ یہاں تک کہ رسول خداؐ نے مکہ سے ''ہجرت'' اور ''پناہ'' (Asylum) کی بات پیش کی تاکہ مسلمانوں کی جان و ایمان محفوظ رہے۔لہٰذا ۵ بعثت (۶۱۵ م)میں

دس یا پندرہ لوگوں پر مشتمل پہلے گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔کچھ عرصے بعد،جعفر بن ابیطالب کی سربراہی میں ،دوسرا گروہ بھی حبشہ کی جانب رواں ہوا جس میں ۸۲ سے زائدافراد تھے۔

لیکن حبشہ کیوں؟عرب اور دوسرے علاقوں کے حالات کا جائزہ لینے سے ،حبشہ کے انتخاب کی دلیل واضح ہوجائے گی:(۱) عرب آبادی والے علاقوں کی طرف ہجرت ،جہاں عموماً مشرک لوگ رہتے تھے ،خطرناک تھا،کیونکہ وہ لوگ قریش کی خوشامد یا اپنے آبا و اجداد کے دین سے لگاؤ کی وجہ سے،مسلمانوں کو قبول کرنے سے انکار کرسکتے تھے۔(۲)عرب کے عیسائی اور یہودی آبادی علاقے بھی،ہجرت کے قابل نہ تھے،کیونکہ وہ لوگ روحانی اقتدار کے لئے ایک دوسرے سے لڑرہے تھے اور تیسرے رقیب کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔(۳) یمن،ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا اورایرانی حکام ،یمن میں مسلمانوں کے قیام کرنے پر راضی نہیں ہوسکتے تھے۔(۴) حیرہ بھی ،یمن کی طرح ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا۔(۵)شام مکے سے دورتھا،اس کے علاوہ شام اور یمن،قریش کے بازارشمار ہوتے تھے۔۱۲

حبشہ کا انتخاب پیغمبرؐ کی رای تھی۔چنانچہ آن حضرتؐ بادشاہ حبشہ نجاشی کے وصف میں فرماتے ہیں:''وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے سامنے ،کسی پر ظلم نہیں ہوتا ہے اور وہاں ،سچائی کی سرزمین ہے۔''اس طریقے سے پیغمبرؐ نے اپنی طاقت کا اظہار کیا اور مشرکین کے بڑھتے ہوئے دباؤ اورسخت ردعمل کے بحران کومسلمانوں کے حق میں حل کردیا اور یہ بیان کردیا کہ مسلمانوں کو ایک خاص علاقے کی آب و خاک کا پابند نہیں ہونا چاہئے ،اگر کوئی علاقہ مسلمانوں کو برداشت نہیں کررہا ہے اوروہاں مسلمانوں کی زندگی اور ترقی میں رکاوٹ ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس جگہ کو ترک اور مناسب علاقے کو اقامت کے لئے انتخاب کیا جائے:

إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (سورہ عنکبوت:۵۶)

میری زمین تو یقیناً کشادہ ہے تو تم میری ہی عبادت کرو۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (سورہ نحل:۴۱)

اور جن لوگوں نے (کفار کے) ظلم پر ظلم سہنے کے بعد خدا کی خوشی کے لئے (گھر بار چھوڑا) اورہجرت کی ،ہم ان کوضرور دنیا میں بھی

اچھی جگہ نچلا بٹھائیں گے اور آخرت کی جزا تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

۱۲ بعثت (۶۲۱ء) میں ''عقبۂ اولیٰ'' کے معاہدے میں، پیغمبر اسلامؐ نے یثرب کے بارہ افراد سے ایک دینی، اخلاقی معاہدہ کیا۔ سنہ ۱۳ بعثت (۶۲۲ء) کے زمانۂ حج میں، ''عقبۂ ثانی'' کے معاہدے کے ذریعے پیغمبرؐ نے یثرب کے پچھتر افراد سے سیاسی، سماجی معاہدہ کیا، جس کو ''بیعۃ الحرب'' ۱۳ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس معاہدے میں، اہل یثرب نے یہ عہد کیا تھا کہ پیغمبرؐ کے دوستوں کے دوست اور پیغمبرؐ کے دشمنوں کے دشمن رہیں گے، پیغمبرؐ کی حمایت کریں گے اور ان کی اطاعت سے روگردانی نہیں کریں گے۔ پیغمبرؐ نے بھی خود کو ان میں سے قرار دیا اور فرمایا: ''میرا خون تمہارا خون اور میری حرمت تمہاری حرمت ہے، میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جو تم سے جنگ کرے گا، اس سے میں جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح سے رہے گا، اس سے میں صلح سے رہوں گا۔'' اس معاہدے کے بعد ربیع الاوّل سنہ ۱۳ بعثت (۶۲۲ء) میں پیغمبرؐ نے مکے سے یثرب (جس کا نام ہجرت کے بعد مدینۃ النبی پڑا) ہجرت فرمائی۔ ۱۴ اور اس کو ''اسلامی حکومت کا مرکز'' قرار دیا۔ آنحضرتؐ نے اسلامی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے کچھ اقدامات انجام دئے، جیسے:

(۱) عوامی حمایت اور مقبولیت کو اپنی طرف کرنا (عقبہ کے دونوں معاہدوں کے ذریعے)

خطہ مدینے میں سماجی اتحاد کا قیام:

(الف) مہاجر و انصار کے مؤمنین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کرنا: تا کہ حق کی راہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور موت کے بعد ایک دوسرے کی میراث پائیں۔ رسول خداؐ نے ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ'' (حجرات: ۱۰) کے حکم خداوندی سے، اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''تَآخُوا فِي اللهِ اَخَوَينَ اَخَوَينَ''۔ اللہ کی راہ میں دو دو ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرو۔ پس خود، حضرت علیؑ کے ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا: ''هذا اخي''، البتہ رشتۂ اخوت سے قائم ہوا حکم میراث، جنگ بدر کے بعد سورۂ انفال کی آیت نمبر ۷۵ کے ذریعے منسوخ ہوگیا۔

(ب) پہلا عمومی معاہدہ یا پہلا اسلامی دستور (First Islamic Constitution): غیر مستقیم طریقے سے ایک ایسے معاہدے کے ذریعے قبائلی ڈھانچے میں تبدیلی، جس میں قبیلوں کے سامنے زیادہ وسیع میدان تھے اور اس میں معین کئے گئے سماجی حقوق، قبیلوں کے ذریعے مانے جا چکے

حقوق سے متعارض تھے،قبائلی زندگی کی تانے بانے(Texture)میں بنیادی تبدیلی کی راہ ہموار ہوئی۔ تنازعات کے تصفیہ کا نظام ،قبائلی نظام سے مختلف اور اس سے متعارض تھا۔اس معاہدے میں یہودیوں سے روابط کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔وہ لوگ جو دین الٰہی کے پیرو ، خاص اقتصادی مقام کے حامل تھے اور قریش سے بہت ہی قریبی تجارتی تعلقات رکھتے تھے،لہٰذا یہودیوں سے معاہدے میں ان کو''امت واحدہ'' کا ایک جزء کہا گیا ہے۔اس معاہدے کی کچھ دفعات یہ ہیں:

(۱) مدینے میں مسلمان اور یہودی ایک قوم کی طرح زندگی گزاریں گے۔(۲)مسلمان اور یہودی اپنے مذہبی مراسم میں آزاد رہیں گے۔(۳)جنگ کے موقع پر، ہر ایک دوسرے کی،اس صورت میں کہ وہ حملہ آور نہ ہو،دشمن کے خلاف مدد کریں گے۔(۴)مدینے پر دشمن کے حملہ کی صورت میں ، دونوں گروہ ایک دوسری کی مدد سے ،شہر کا اور اس میں رہنے والوں کا دفاع کریں گے۔ (۵)اختلافات اور تنازعات کے پیدا ہونے کی صورت میں ،اختلاف کے رفع و دفع کے لئے آخری قاضی رسول خداؐ ہوں گے۔۱۵

مسجد— مسلمانوں کی سماجی بنیاد(Social Base):

پیغمبر اسلامؐ کا مدینے میں پہلا اقدام،مسجد کی تعمیر تھا۔شروع شروع میں،مسجد نماز اورعبادت گاہ ہونے کے علاوہ، اموال غنیمت اور ٹیکس رکھنے کی جگہ بھی تھی۔نئی حکومت کا پہلا قید خانہ بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھا۔مسجد،ایک سماجی،سیاسی،تہذیبی،تعلیمی،عبادی،اعتقادی،اخلاقی اور قضائی جگہ تھی۔

تفریق(Discrimination) کا خاتمہ:

اس عمل کو پیغمبر اسلامؐ نے رشتۂ اخوت کے قیام اور''اِنَّ اَکْرَمَکُم عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ'' (سورہ حجرات:۱۳)''اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو'' کے مدنظر،دولت ،قبیلہ،چمڑے کا رنگ،نسل وغیرہ کو نظر انداز کرکے ، نئے انسانی روابط و تعلقات کو منظّم کرکے انجام دیا۔

دینی حاکم سے متعلق امور کی رعایت:

لَقَد کانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ(سورۂ احزاب:۲۱)

بے شک رسول تمہاری زندگی کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں۔

دینی حاکم کی حیثیت سے ،پیغمبر اسلامؐ کا کردار ،رہبری اور اسلامی سماج کی قیادت کا نمونہ (Pattern) ہے۔آن حضرتؐ نے اسلامی رہبری کے لئے مطلوبہ معیاروں کو پیش کیا ہے: عدالت، عوامی مقبولیت،اخلاقی کشش،عمل میں پیش قدمی،استقامت اور بردباری۔

(۶)دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کو پھیلانے کی کوشش:

دعوت: مسلّم اور منصوص اصولوں میں ایک اصل ،اللہ کی عبادت و پرستش کی دعوت بھی ہے۔

اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّکَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (سورہ نحل:۱۲۵)

(اے رسول)تم(لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو ایسے طریقے سے جو (لوگوں کے) نزدیک سب سے اچھا ہو ۔اس میں شک نہیں کہ کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ان کو تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ زبردستی ان عقاید کو جو وہ حق جانتا ہے دوسروں پر تھوپے۔

لاَإِکْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الغَيِّ (سورہ بقرہ:۲۵۶)

دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ،کیونکہ ہدایت،گمراہی سے (الگ) ظاہر ہوچکی ہے۔

بلکہ حق کے بیان اور حق و باطل میں تمیز کے بعد، بشر کو عالمانہ انتخاب کی دعوت دیتا ہے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (سورہ یوسف:۱۰۸)

ان سے کہہ دو کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں (لوگوں کو) خدا کی طرف بلاتا ہوں ۔میں اور میرا پیرو (دونوں) مضبوط دلیل پر ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ اپنے اقربا کو اور مکہ، یثرب، طائف اور قرب و جوار کے قریوں میں رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دینے کے علاوہ، سنہ ۷ ھ.(۶۲۹ ء) میں کچھ سفیروں کے ذریعے اپنے پیغام کو، دوسرے چھوٹے بڑے قبیلوں اور ملکوں کے سربراہوں تک پہنچایا، ان میں سے کچھ اہم نام یہ ہیں:

(۱) **ساسانی بادشاہ خسرو پرویز**— عبداللہ بن حذافۂ سہمی کے ذریعے: پیغمبرؐ نے اس کو فارس کے کسریٰ کے نام سے یاد کیا اور اس درخواست کی کہ اللہ کی وحدانیت اور آن حضرت کی نبوت کی گواہی دے، ورنہ مجوسیوں کے گناہ اس کے ذمے ہوں گے۔ کسریٰ نے خط کو پھاڑ ڈالا اور یمن میں اپنے عامل، باذان کو حکم دیا کہ پیغمبرؐ کو توبہ پر مجبور کرے، ورنہ حضرت کے سر کو اس کے پاس بھیج دے۔

(۲) **مصر کا بادشاہ مقوقس**، حاطب بن ابی بلتعہ کے ذریعے: پیغمبرؐ نے اس کو 'عظیم القبط' کے لقب سے یاد کیا۔ اس نے ادب و احترام سے خط کو پڑھا اور حاطب کا استقبال کیا۔ رسول خداؐ کو ایک خط لکھا اور دو کنیز کے ساتھ، جن میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں، حضرت کے لئے بھیجا۔

(۳) **قیصر روم ہرقل(Hercules)**، دحیۃ بن خلیفۃ کلبی کے ذریعے: قیصر روم جو ایسے پیغمبر کے ظہور کا منتظر تھا، آن حضرت کے خط کا جواب احترام اور کچھ تحفوں کے ساتھ دیا، لیکن بادشاہی کے چھن جانے کی ڈر سے اسلام قبول نہیں کیا۔

(۴) **حبشہ کا بادشاہ نجاشی**، عمر بن امیہ ضمری کے ذریعے: نجاشی مسلمان ہوگیا اور رسول خداؐ سے اپنے لگاؤ کا اظہار کرتے ہوئے، آن حضرتؐ کے لئے کچھ تحفے بھیجے اور مسلمان مہاجروں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا۔

(۵) **غسانی شام کا حاکم حارث بن ابی شمر**، شجاع بن وہب کے ذریعے: وہ قیصر روم کی جانب سے دمشق اور اس کے نواح پر حکومت کرتا تھا اور اس کا دار السلطنت جولان تھا۔ خط میں استعمال کی گئی تعبیروں سے بہت غضبناک ہوا اور کہا کہ ایک سپاہ کے ساتھ ان کی طرف آئے گا، اگر چہ وہ یمن میں ہوں۔

(۶) **حاکم یمامہ ہوزۃ بن علی حنفی**، سلیط بن عمرو کے ذریعے: اس نے پیغمبرؐ کے جواب میں جو اس سے اسلام قبول کرکے اپنی حکومت محفوظ رکھنے کی بات فرمائی تھی، لکھا: عرب میرے لئے بہت احترام کے قایل ہیں، بہتر یہ ہے مجھے اپنے کام میں شریک کرلو تا کہ میں تمہاری اطاعت کروں۔

(۷) حاکم بحرین **منذر بن ساوی**: (یہ خط سنہ ۸ ھ. میں بھیجا گیا)۔[۱۶] رسول خداؐ کے

جواب میں لکھا: میں نے آپ کے خط کو بحرین کے لوگوں کے سامنے پڑھا ،کچھ لوگوں نے اسلام کو پسند کر کے قبول کرلیا اور کچھ نے قبول نہیں کیا۔میری حکومت میں یہودی اور مجوسی بھی رہتے ہیں ،اگر ان کے بارے میں کوئی حکم ہوتو فرمایئے۔۱۷

(۸) یمن کے بادشاہ حارث حمیری کو بھی خط لکھا۔۱۸

''جہاد'':اسلام میں جنگ بذات خود امر مطلوب (Desirable Matter)نہیں ہے، بلکہ پہلا اصول،اسلام کی دعوت دینا ہے۔رسول خداؐ کی سیرت پاک سے بھی یہ بات ظاہر ہوتیہے کہ آن حضرت نے کبھی اسلام کی تبلیغ کے لئے جنگ نہیں کی ، بلکہ اپنے اوپر کفار کی تھوپی ہوئی جنگوں میں بھی آن حضرت خون خرابہ سے پرہیز کے لئے،تمام ممکنہ طریقے اور وسائل کا استعمال کرتے تھے۔ اسلام کے ارشادی حکمت عملی (Strategy)کے دائرے میں،جہاد آخری حربہ ہے۔شیعہ وسنی دونوں فریق،جہاد کو اسلام کا ایک مسلّم اصول مانتے ہیں،کیونکہ قرآن میں اس کی تصریح و تاکید ہوئی ہے۔جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ (سورہ توبہ:۷۳)

اے نبی کفار ومنافقین سے جہاد کرو۔

اسلام کی جنگیں دوقسم کی ہیں :

۱۔دفاعی جنگ جس میں مسلمان ،دشمن کے حملوں کے سامنے ،اپنا دفاع کرتے تھے اور پیغمبرؐ کے دور کی اکثر جنگیں اسی نوعیت کی تھیں۔جیسے غزوۂ خندق (۵ھ/۶۲۷ م)۔

۲۔آزادی دلانے والی جنگیں جوکسی معاشرے کے افراد کوظلم وستم سے نجات دلانے اور ان لوگوں کو کچلنے کے لئے انجام پائی ،جو اسلامی پیغام کوعوام کی سماعتوں تک پہنچنے میں حائل تھے۔جیسے فتح مکہ(۸ھ/۶۳۰ء)۱۹

پیغمبر اسلامؐ قرآنی ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ، اسیروں سے اچھا برتاؤ فرماتے تھے اور اسلام کے پھیلاؤ اور مسلمانوں کے علمی سطح کو بڑھانے کی غرض سے ،اگر کوئی اسیر ایمان لے آتا تھا یا دس مسلمانوں کولکھنا پڑھنا سکھادیتا تھا تو آزاد کردیا جاتا تھا۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللهُ فِي قُلُوبِكُمْ

خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
(سورہ انفال:۷۰)

اے رسول جو قیدی تمھارے قبضے میں ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر خدا تمہارے دلوں میں نیکی دیکھے گا ،تو جو (مال) تم سے چھین لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر تمہیں عطا فرمائے گا۔اور تمہیں بخش بھی دے گا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

پیغمبر کے گہر بار دور حیات میں بہت سی غزوات اور سرایات ہوئیں ، ان کی مجموعی تعداد ۸۱ر ہے۔۲۰ جیسے غزوہ بدر(۲ ھ/ ۶۲۴ء)،غزوۂ احد(۳ ھ/ ۶۲۵ ء)،غزوۂ بنی نضیر(۴ ھ/۶۲۶ء)،صلح حدیبیہ(۶ ھ/ ۶۲۸ ء)،سریۂ ذات سلاسل(۸ ھ/ ۶۳۰ ء)،غزوۂ تبوک(۹ ھ/ ۶۳۱ ء)۔

دیگر رہبروں کی طرح،(حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین اور وزیر منتخب کیا) پیغمبر اسلامؐ نے بھی حضرت علیؑ کو اپنے جانشین اور وصی کی حیثیت سے منتخب فرمایا اور مکرراً مختلف مجلسوں میں اس کو بیان فرمایا اور اس پر تاکید کی۔ بعثت کے ابتدائی دور میں ،اپنے اقرباء کی دعوت اور حجۃ الوداع کے واقعۂ غدیرخم (۱۰ ھ. ۶۳۲ء) میں آن حضرت کا بیان اور اس بات کی تائید ،اس کے کھلے ہوئے مثال ہیں۔۲۱

اس زمانے کی دو بڑی طاقتیں یعنی ایران و روم سے پیغمبر اسلامؐ کے تعلقات ،خط و کتابت سے آگے نہ بڑھ سکے، ہر چند ایران کی بعض نوآبادیوں جیسے یمن ،اسلام کے حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ جنگ تبوک میں مسلمانوں نے، روم کے لشکر کا سامنا کیا۔اسی طرح حیات رسولؐ کے آخری ایام میں (۱۰ ھ.کے اواخر ۶۳۲/ ء)،جیش اسامہ رومیوں سے جنگ کے لئے تیار ہوا تھا۔لیکن پیغمبرؐ کے بعد ،مسلمانوں نے ایرانیوں سے جنگ کی،بہت سے فتوحات حاصل کئے اور ساسانیوں کی حکومت کو ختم کرکے ،ان کو اسلامی حکومت کے ماتحتی میں کردیا۔رومیوں سے بھی کئی بار جنگ کی اور کئی بار ایک دوسرے کے قیدیوں کا تبادلہ کیا،اورقسطنطنیہ تک پیش قدمی کی۔سنہ ۹۲ ھ. (۷۱۲ ء)میں اندلس(آج کا اسپین) کی سرزمین میں داخل ہوئے۔سنہ ۱۱۲ ھ. (۷۳۱ ء)میں جزیرۂ سیسلی (Sicily) کو فتح کیا ۔۲۲ دوسری طرف اسلام کا جھنڈا ، ہسپانیا سے لیکر دیوار چین تک لہرانے لگا۔

دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کی ابتدا میں (نویں صدی عیسوی)،اسلام کی وسیع وعریض خطہ پر تین حکومتیں تھیں لیکن افسوس وہ ایک دوسرے سے متحد نہ تھیں، ہر ایک خلافت کی مدعی اور ایک دوسرے سے نزاع و جنگ میں مصروف تھی۔ایک عباسی سلطنت،دوسری فاطمی حکومت اور تیسری اندلس کے امویوں کا راج۔

زمانے کے حالات(Circumstances)کو ذہن میں رکھتے ہوئے ،آیات قرآنی اور احکام الٰہی پر ایک نئی اور قید مکان و زمان سے آزاد اورسیع نظراور عالمی تحولات کو مدنظر رکھتے ہوئے،صدیوں کے عرصے میں،آج اسلام پھیل چکا ہے اور دنیا کے دیگر ملکوں کے توازن میں ،ہر اسلامی ملک ،ایک طرح کی مستقل حکومت کا مالک ہے۔

اوپر بیان کی گئی باتوں سے معلوم ہوتاہے کہ صدیوں پہلے بعثت سے قبل یا بعثت کے بعد،پیغمبر اسلامؐ نے ایسے قوانین وحقوق کو جاری کیا ،جو حالیہ دو صدیوں میں، بین الاقوامی تعلقات میں سامنے آرہے ہیں اور ان پرعمل کیا جارہا ہے۔جیسا کہ ژاک ریزلر کہتے ہیں:

''پانچ صدی کے عرصے میں ،اسلام اپنے برتر علم وتہذیب کی طاقت کے بدولت،اس زمانے کی دنیا پر حاوی رہا اور اسلامی نظریات کو یونان کے علوم وفلسفہ کے گنجینوں سے مکمل کرنے کے بعد، ان کو یورپ میں منتقل کیا۔اسلامی تمدن کا پھیلاؤ ،یورپیوں کے افق فکر پر چھا گیا تھا اور ان کی فکر اور علمی حیات کے چشم انداز پر چمک رہا تھا۔''۲۳

بین الاقوامی تعلقات کا علمی صورت میں آغاز ،سنہ ۱۶۶۸ ء بتایا گیاہے ۔۲۴ پہلی عالمی جنگ سے پہلے ،تاریخ ،حقوق اور فلسفے کے کالجوں میں ،بین الاقوامی تعلقات کی تدریس ہوتی تھی اور فلسفی حضرات ،انسانی فطرت،جنگ ،صلح اور عدالت پر گفتگو کرتے تھے۔۲۵ اسی طرح سنہ ۱۹۱۹ء میں،ویلز(Wales) یونیورسٹی میں ،پہلی بار بین الاقوامی تعلقات کا شعبہ بنایا گیا۔۲۶ سنہ ۱۶۴۸ء وسٹفالی کے معاہدے کے ذریعے ،سیاسی ڈھانچہ ،پہلے سلطنت سے ملک اور حکومت ،اور بعد میں بین الاقوامی نظام میں تبدیل ہوگیا۔

چنانچہ یورپ کی تاریخ میں ،سنہ ۱۶۴۸ ء سے ۱۹۱۴ ء کا عرصہ، ڈپلومیسی (Diplomacy) طاقت کے توازن (Balance of Power)،اتحاد اور بین الاقوامی حقوق کے سنہرے دور کے نام سے جانا جاتا ہے۔۲۷ لہٰذا طاقت کے توازن کو بنانے کے لئے ،پہلا بین الاقوامی نظام،ایک

دوسرے سے رقابت کرنے والی پانچ بڑی طاقتوں کے ذریعے ایجا د ہوا۔پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۸ء۔۱۹۱۴ء) اور اس کے بعد دوسری عالمی جنگ(۱۹۴۵ء۔۱۹۴۰ء)نے بہت تاخیر سے، سیاسی مفکرین کو اس میدان سے واقف کرایا۔

جنگ سے نفرت اور جنگ کی ممنوعیت کے لئے بین الاقوامی اجلاس کی تشکیل،تخفیف اسلحہ (Disarmament) اوربعض جنگی اوزاروں اور اسلحوں کے استعمال کی محدودیت کی وجہ سے، سنہ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۵۳ء کے بیچ کے عرصے کو'' طولانی نا جنگی وقفہ'' کہتے ہیں۔اس عرصے میں دنیا میں دوقطبی نظام وجود میں آیا جس میں شرق وغرب میں دو بلاک(Block)(امریکہ اور روس) تھے اور ہر بلاک میں ایک ایک سوپر پاور کی سرپرستی میں چند بڑی طاقتیں تھیں۔

سنہ ۱۹۹۱ء میں روس (U.S.S.R)کے بکھرنے سے ، نیا عالمی نظام یعنی تہذیبوں کے درمیان تعلقات ،اور غیر دستوری صف بندی کا بین الاقوامی نظام وجود میں آیا،جس میں طاقتوں کے مراتب پانچ درجوں اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظام کی صورت میں وجود میں آئے: سپر پاور(Super Power)،بڑی طاقت ،وسطی طاقت،چھوٹی طاقت اور بالکل چھوٹی طاقت۔۲۸

حوالے:

۱۔علی اصغر کاظمی،روابط بین الملل در تئوری و درعمل،ج ۲ ،(تہران:انتشارات قومس، ۱۳۷۳)،ص ۲۳ اور ۲۴۔

۲۔ایضاً،ص ۲۴۔

۳۔ایضاً،ص ۱۲۵،۲۶

۴۔ایضاً،ص ۴۱

۵۔ماہرین کے نظریہ کے مطابق ، بین الاقوامی تعلقات کی یہ بہترین تعریف ہے جوفرامیلون کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔

۶۔احمد نقیب زادہ،نظریہ ہای کلان روابط بین الملل ،(تہران:انتشارات قومس، ۱۳۷۳)،ص ۲۴.

۷۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین الملل (الف و ب)،(تہران:انتشارات دادگستر، ۱۳۷۳)،ص ۲۰۔۲۱

۸۔علی اصغر کاظمی ،روابط بین الملل در تئوری و درعمل،ایضاً،ص ۸۵ ۔۹۸۔/۱۰۴ازنجیرۂ تنازعی در سیاست و روابط بین الملل ،(تہران:انتشارات قومس ،۱۳۷۰)،ص ۳۲الی ۴۷.

۹۔علی اصغر کاظمی،روابط بین الملل در تئوری وعمل،ایضاً،ص ۲۸ و۲۹

۱۰۔نہج البلاغہ،ج ہفتم،محمد دشتی،(قم:انتشارات مشرقین،۱۳۷۹)،خطبہ ۲۶،ص ۷۲ ۔۷۳.

۱۱۔جعفر شہیدی،تاریخ تحلیلی اسلام،ج ۱۷،(تہران:نشر دانشگاہی، ۱۳۷۳)،ص ۳۹.

۱۲۔جعفر سبحانی،فراز ہایی از تاریخ پیامبر اسلام،ج چہارم،(تہران،انتشارات مشعر،۱۳۷۴)،ص ۱۲۸ ۔۱۲۹
۱۳۔جعفر شہیدی،ایضاً،ص۵۶.
۱۴۔یہ ہجرت خود پیغمبرؐ کے ذریعے تاریخ اسلام کا مبداء قرار پایا۔
۱۵۔علی اصغر نصرتی،نظام سیاسی اسلام،(قم:انتشارات امام عصرعج،۱۳۸۲)،ص ۱۸۱۔۱۸۲.
۱۶۔مجموعہ مقالات محمد ختم پیامبران،(علی شریعتی،مقالہ از ہجرت تا وفات)،ایضاً،ص ۳۱۱/
۱۷۔علی نصرتی،ایضاً،صص ۱۸۹/تا ۱۹۱/
۱۸۔مجموعہ مقالات محمد ختم پیامبران،ایضاً،ص ۳۰۷/
۱۹۔یعقوب جعفری،مسلمانان در بستر تاریخ،ج دوم،(تہران،دفتر نشر فرہنگ اسلامی،۱۳۸۰)،ص ۳۶.
۲۰۔پیغمبرؐ کے غزوات کی تعداد سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔صاحب امتاع الاسماع، ان کی تعداد کو ۳۴ جانتے ہیں،طبقات ابن سعد میں ۲۷،مروج الذہب میں ۲۶ یا ۲۷ کی تعداد بیان ہوئی ہے ایک قول کے مطابق ۲۹ غزوہ ہے۔البتہ بعض لوگوں نے خیبر اور وادی القریٰ کو ایک ہی مانا ہے۔
۲۱۔علی نصرتی،ایضاً،ص ۱۹۳.
۲۲۔یعقوب جعفری،ایضاً،ص ۵۶۔۵۷.
۲۳۔فخر الدین حجازی،نقش پیامبران در تمدن انسان،ج دوم،(تہران:انتشارات بعثت،۱۳۵۸)،ص ۱۴۰.
۲۴۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین الملل (الف و ب)،ایضاً،ص ۱۹.
۲۵۔کارل دوئچ،رابرت کیوہین و غیرہ،نظریہ ہای روابط بین الملل،ج ۱،وحید بزرگی،(تہران:انتشارات ماجد،۱۳۷۵)،ص ۱۰۱.
۲۶۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین الملل (الف و ب)،ایضاً، ایضاً
۲۷۔حسین سیف زادہ،نظریہ ہای مختلف در روابط بین الملل،ج ۳،(انتشارات سفیر،۱۳۷۲)،ص ۱۸.
۲۸۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین المللی (الف و ب)،ایضاً،ص ۷۹۔۸۰

تفسیر ینابیع الانوار۔ ایک مطالعہ

ڈاکٹر سید شہوار حسین امروہوی، امام جمعہ، مراد آباد

ممتاز العلماء سید محمد تقی کا شمار تیرہویں صدی کے اہم مفسرین قرآن میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد سید العلماء سید حسین اور دادا آیت اللہ سید دلدار علی غفران مآب تھے۔ آپ کی ولادت ۱۶ر جمادی الاوّل ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۹ء لکھنؤ میں ہوئی۔ اس وقت حضرت غفران مآب کا آخری دور حیات تھا۔ والد ماجد اور عم محترم سلطان العلماء سید محمد کے علاوہ مولانا احمد علی محمد آبادی اور مفتی محمد عباس شوشتری سے کسب فیض کیا۔ ۱۲۶۲ھ میں سلطان العلماء سید محمد اور صاحب جواہر الکلام آقای محمد حسن نے آپ کو اجازۂ اجتہاد سے سرفراز کیا۔

امجد علی شاہ، بادشاہ اودھ نے مدرسہ سلطانیہ قائم کیا اور آپ کو صدر مدرس منتخب کیا اور خلعت ولقب ''ممتاز العلماء'' سے نوازا۔ دو سو روپے تنخواہ مقرر ہوئی۔ اس مدرسہ میں تقریباً دو سو طلباء زیر تعلیم تھے، جن کے جملہ اخراجات حکومت برداشت کرتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں یہ مدرسہ بند ہوگیا۔[۱] آپ کو تدریس میں مہارت حاصل تھی۔آپ کا لقب فخرا لمدرسین تھا۔ آپ نے ایک عالیشان مسجد اور عزاخانہ تعمیر کرایا تھا، جو آج بھی ''حسینیہ جنت مآب'' کے نام سے مشہور ہے۔ طلباء کے قیام کے لئے وسیع اور کشادہ دار الاقامہ قائم کیا، جس میں بڑی تعداد میں طلاب علوم دینیہ مقیم رہتے تھے۔

آپ نے ایک اعلیٰ درجہ کے کتب خانہ کی بنیاد رکھی تھی، جہاں نفیس اور نادر مخطوطات کا عظیم سرمایہ جو آج بھی محفوظ ہے۔ اس کتب خانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بیشتر نسخے خود مؤلف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سیکڑوں کی تعداد میں نایاب کتب موجود ہیں۔ سلطان العلماء سید محمد طاب ثراہ نے آپ کو لکھنؤ کا امام جمعہ منتخب فرمایا۔ مسجد محمد علی شاہ میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے اور بڑے تحسین علی خان کی مسجد میں پنجگانہ نماز کی امامت فرماتے تھے۔ عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ تھے۔ ''اخبار الاخیار'' میں آپ کے فتاویٰ شائع ہوتے تھے[۲] آپ کا موعظہ دلپذیر ہوتا تھا۔ بڑی تعداد میں لوگ آپ کا موعظہ سننے آتے تھے آپ نے اپنی تقریروں کے ذریعہ لکھنؤ میں مذہبی ماحول قائم کیا، لوگ پابند شریعت ہوئے اور علی الاعلان معاصی کے ارتکاب سے پرہیز کرنے

لگے۔شہر کے اکابرین بھی آپ کا بیحد احترام کرتے تھے اور ان میں بھی شریعت کی مخالفت کی ہمت نہیں تھی ۔ آپ کے علمی رعب سے بڑے بڑے شاہزادے بھی کانپتے تھے۔آپ بڑے ذہین ، ذکی اور متصف جمیع صفحات حمیدہ بے مثل فقیہ اورعدیم النظیر اصولی تھے۔قرآن مجید سے گہرا شغف تھا۔ تفسیرقرآن پر گہری نظرتھی۔ زندگی کے آخری دن یعنی ۲۳ رمضان ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء دس بجے دن تک تفسیر لکھنے میں مصروف رہے، رات میں تین بجے شب قدر میں رحلت فرمائی اور اپنے تعمیر کردہ عزاخانہ میں آسودہ لحد ہوئے۔ ۳

آپ کے بارے میں صاحب تذکرۃ العلماء لکھتے ہیں:

''جناب فضائل مآب علامی فہامی فقیہ المعی ممتاز العلماء فخر المدرسین جناب سید محمد تقی اوسط اولاد جناب علّیین مکان اور سب سے ارشد واعلم واتقی وافقہ واورع واکمل ہیں۔ اور مراتب فضل وکمال ومدارج فقہ واجتہاد بحر علوم معقول ومنقول وفنون فروع واصول میں باوصف حدائث سن کے امسال واقران میں سب سے زیادہ ہیں۔ اور ہمیشہ اکتساب علوم میں مصروف رہے، طفولیت لہوولعب سے رغبت نہ تھی''۴

صاحب اوراق الذھب لکھتے ہیں:

"اکبرھم فی الھدیٰ والسد ادوابرعھم بالفقه والاجتھاد ذوی الفکر المتین والرای الرزین فخر الفضلاء والمدرسین التقی المتقی السید محمد تقی اعلیٰ اللّٰه قدره ونور بدره ھو احدث منی ثنا واقدم فضلا منا" ۵

ینابیع الانوار فی تفسیر کلام اللہ الجبارآپ کی یہ عربی تفسیر ہے۔ اس کا نسخہ کتب خانہ سلطان المدارس،لکھنؤ اور خود مؤلف کے کتب خانہ میں راقم نے دیکھا ہے۔ چارحصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں ۳۴۱ صفحات ہیں، جس میں سورہ الحمد اور پارہ الم کی تفسیر مندرج ہے۔دوسری جلد میں پارہ سیقول'' کی مفصل کی تفسیر ہے۔تیسری جلد میں'' تلک الرسل'' کی تفسیر ہے۔چوتھی جلد میں''لَنْ تَنَالُو ا'' کی مفصل اور مدلل تفسیر رقم کی گئی ہے۔

یہ تفسیر علمی وتحقیقی تفسیر ہے۔ جس میں ہر ہر مسئلہ کی مکمل طور سے تشریح کی گئی ہے۔ لغوی مطالب کوبھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ کلامی مباحث کے ذریعہ علمی نکات پیش کئے گئے ہیں۔محققین کے اقوال اور ان کی آراء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ہر مسئلہ کے اثبات میں روایات کا

سہارا لیا ہے۔ دقیق مطالب کی اس طرح تشریح کی ہے کہ آسانی سے قاری کے ذہن نشین ہوجائے۔ اپنی رائے روایات ائمہ علیہم السلام کے تناظر میں پیش کی ہے۔ اپنے مدعا کے اثبات کے لئے عقلی ونقلی ادلہ کا سہارا لیا ہے۔

پہلی جلد کا آغاز: مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ کیا ہے:

"اَلْحَمْدُ للّٰہ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰالَمِیْنَ نَذِیْراً.

اما بعد فیقول العبد المذنب محمد التقی بن الحسین بن علی وقهم الله شریوم کان شره مستطیراً وعفاعنهم انه کان عفواً قدیراً ، **یا معاشر اخواننا المومنین من شیعة آل طه ویس جزاکم الله جنة و حریرا وحاسبکم حساباً یسیراً لماکان القرآن المجید والفرقان الحمید ابلغ موعظته واعتباراً وتذکیراً رایت ان املی علیکم مایتفح به معانیه ویفسره تفسیراً وبه یفوز المرء بمعانیه فوزاً کبیراً ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً وقدوشمعت مارسمته بینا بیع الانوار فی تفسیر کلام الله الجبار ..الخ"**

بِسْم اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کی تفسیر محققانہ انداز میں لکھی اور اس کے فضائل اور برکتوں کے سلسلے میں احادیث سے استشہاد کیا۔ رحمٰن ورحیم کی توضیح اور فرق کو واضح کیا ہے۔سورہ الحمد کی تفسیر میں اس کی اہمیت اور اس کے متعدد ناموں کی تشریح بہت دلپذیر انداز میں پیش کی ہے۔

پہلی جلد کے خاتمے کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"ثم تفسیر الجزء الاول من الکتاب العزیز وبتمامه تم المجلد الاول من هذا التفسیر الموسوم بینا بیع الانوار ویتلوه المجلد الثانی فی تفسیر الجزء الثانی انشاء الله تعالیٰ

جلددوم خط نستعلیق ۵۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

آغاز اس طرح ہے:

"الحمد لله وسلام علی عباده الذین الصطفیٰ اما بعد! فهذا الجزء الثانی من تفسیر ینابیع الا نوارفی تفسیر الجزء الثانی من کتاب الله العزیز الجبار..الخ"

اورآخر کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"وقد فرغ من تاليفه وتمنقيه بتائيد الله سبحانه وحسن توفيقه احوج المربوبين الى رحمة ربه الكريم محمد التقى بن الحسين بن على جعلهم اللّٰه من ورثة جنة النعيم يوم الثلثا تثلث يقين من شعبان عام اربع وثمانين بعد الف ومأتين من الهجرة المباركه ويتلوه انشاء اللّٰه الجزء الثالث من هذ التفسير المسمىٰ ينا بيع الانوار فى تفسير الجز والثالث من كلام العزيز الغفار"

تیسری جلد میں ۲۳۷ اوراق ہیں اور یہ تیسرے پارے کی تفسیر ہے۔مندرجہ ذیل ہے:

ابتدائی عبارت:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰه رَبّ العٰالمين الرحمن الرحيم مالک يوم الدين اياک نعبد واياک نستعين وصلى الله على محمد خاتم النبين وعلى اوصيائيه المرضيين

اور اختتامی عبارت یہ ہے:" قد فرغ مولفه الفقير الى رحمة ربه الكريم محمد التقى بن الحسين بن دلدار على جعلهم اللّٰه من ورثة جنة النعيم ضحوه يوم الثلثاء الرابع والعشرين من شهر اللّٰه الا صب رجب المرجب عام الف وماتين وثمان وثمانين من الهجرة المقدسه حامد اللّٰه سبحانه مصليا على رسوله واهل بيته"

چوتھی جلد میں ۱۶۳ اوراق ہیں۔ ابتداء ان الفاظ کے ساتھ کی ہے:

"الحمد للّٰه استتماماً لنعمته ولا اله الا اللّٰه اخلاصاً لوحدانتيه وصلى اللّٰه على محمد سيد بريته وعلى الا صفياء من عترته"

اس جلد کا اختتام تفسیر سورہ آل عمران پر ہوا ہے۔۶

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی رقمطراز ہیں:'' اپنے انداز اور علمی مباحث کے انداز سے یہ ایک خاصی اہم تفسیر ہے۔ ہر ہر مسئلہ کی پوری توضیح وتشریح کی ہے۔فنی باتوں اور لغوی باریکیوں پر بھی بحث کی ہے۔ دوسروں کے اقوال روایات سے بھی مدد لی ہے۔ مسائل کی بحثوں میں تفصیلات کو پوری طرح مدنظر رکھا ہے'' ۷صاحب طبقات مفسران شیعہ لکھتے ہیں:

'' عالم جلیل وفقیہ نبیل سید محمد تقی بن سید العلماء سید حسین بن سید دلدار علی نقوی لکھنوی یکی از اعیان تفسیری شیعہ در اواخر سیزدھم ہجری می باشد''۸

اس تفسیر میں جابجا علامہ فخر الدین رازی ، قاضی عیاض ، ابن جریر طبری، ابن حجر مکی ،

جاراللہ زمخشری اور نیشاپوری کے حوالے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

سید العلماء سید علی نقی نقوی تحریر کرتے ہیں:

'سب سے بڑا کارنامہ جو تمام علوم وفنون میں آپ کے کمال کا آئینہ بردار ہے وہ آپ کی تفسیر ''ینابیع الانوار'' ہے، جس کے تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات کی دو جلدیں معرض تصنیف میں آسکیں، جن میں مسائل علم کلام پر دوسرے متکلمین اور بالخصوص علامہ فخرالدین رازی سے ردو قدح میں مضبوط و مستحکم دلائل سے فکری گہرائی کے ساتھ زور بیان کی بھی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ یہ دونوں جلدیں خود آپ کے کتب خانہ کے علاوہ جناب آغا ابو صاحب کے کتب خانہ میں بھی موجود ہیں، جو اب جامعہ سلطانیہ سلطان المدارس سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں سے میں نے زمانہ طالب علمی میں ایک جلد مستعار لیکر تقریباً ایک مہینہ کی قلیل مدت میں اپنے تین شاگردوں کی شرکت کے ساتھ، جن میں ایک مرحوم ہوگئے ہیں، حکیم سید محمد عسکری عرف پتن صاحب مرحوم (مدیر مجلّہ الرضوان) اور دو بحمد اللہ موجود ہیں: ایک جناب مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد گجرانوالہ اور دوسرے حکیم سید محمد اطہر صاحب ''ممتاز الافاضل'' مدرس مدرسہ ناظمیہ، لکھنؤ، اپنے قلم سے نقل کیا، جو تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہے اور وہ ہم لوگوں کی مشترکہ کوشش کی یادگار کے طور پر بحمد اللہ میرے پاس موجود ہے۔''[۹]

دیگر آثار علمی:

۱۔ مرشد المومنین
۲۔ عباب فی علم الاعراب
۳۔ شرح مقدمات حدائق
۴۔ رسالہ امامت
۵۔ نخبۃ الدعوات
۶۔ حدیقۃ الواعظین
۷۔ نزھۃ الواعظین
۸۔ لمعۃ الواعظین
۹۔ رسالہ فی جواز امامۃ الفاسق فی نفسہ
۱۰۔ آداب وفضیلت دعا

۱۱۔ شرح تبصرۃ المتعلمین علاّمہ حلی

۱۲۔ غنیۃ السائلین (فقہ استدلالی)

۱۳۔ جواب مسئلہ لدنیہ درنجاست طعام اہل کتاب

۱۴۔ ارشاد المومنین، مطبوعہ سلطان المطابع ۱۲۶۸ھ لکھنؤ[۱۰]

مفتی محمد عباس شوشتری (۱۳۰۶ھ) نے قطعہ تاریخ کہی:

مولی بوفاته التقی کالمیت — والعلم سراجه بغیر الزیت

با آل محمد تقی صبرا — قد ایتکم فقیه اهل البیت

۱۲۸۹ھ

حوالے:

۱۔ مطلع انوار، ص ۵۰۴

۲۔ تکملہ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۹۹۔

۳۔ تذکرہ بے بہا، ص ۹۸۔

۴۔ سید محمد مہدی عظیم آبادی۔ تذکرۃ العلماء المحققین

۵۔ مفتی محمد عباس اوراق الذہب۔ بحوالہ تذکرہ بے بہا، ص ۹۸

۶۔ ہندوستانی مفسرین، ص ۱۱۴۔

۷۔ ایضاً ص ۱۱۱۔

۸۔ طبقات مفسران شیعہ، ص ۷۵۸۔

۹۔ مجلّہ شعاع عمل، خاندان اجتہاد نمبر، شمارہ ۹، ص ۴۶۔

۱۰۔ تالیفات شیعہ، ص ۶۶۔

مسلمانوں کا جمالیاتی ذوق اور قرآن حکیم

ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف

پیغمبر آخر الزمان آقائے مسلمین رحمت اللعالمین حضرت احمد محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس وقت اس جہان رنگ وبوکو اپنے وجود مسعود سے منور وتابناک فرمایا تو عرب میں جو خطوط رائج تھے وہ خط حیری (عربی کا قدیم نام) کی مختلف شکلیں تھیں۔ جن میں سے مشرقی حصہ میں رواج پانے والے کو ''خط کوفی'' اور مغربی حصے میں اثر ورسوخ حاصل کرنے والے کو ''خط نسخ'' کہا گیا۔ اول الذکر خط تقریباً دوسری صدی ہجری کے اوائل تک جاری رہا مگر کتابتی دشواریوں کے باعث عام رواج نہ پاسکا۔ اس کے برعکس خط نسخ اپنی سہولت کے بموجب بتدریج ترقی کرتا رہا۔ ۵۰ھ ۶۷۰ء کو خط کوفی میں نقطہ واعراب نہیں لگائے جاتے تھے۔ لیکن جب قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا۔ اور قرآن شریف کے متن میں ترمیم ہوکر معنی بدل جانے کا خدشہ ہوا تو ابوالاسود نے جو حضرت علی علیہ السلام کے شاگرد رشید تھے، اعراب ونقوط ایجاد کئے۔ اس ضمن میں جو روایات ''تحقیقات ماہر'' میں درج ہے وہ یقیناً قارئین کرام کی دلچسپی کے منافی نہیں ہوگی۔ ابوالاسود نے بصرہ میں ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا قاری جب اس آیت پر پہنچا انّ اللّٰہ بَرِئ مّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرُسُولہ تو اس نے لام پر بجائے پیش کے زبر پڑھا جبکہ تبدیل حرکت سے معنی پر بھی اثر پڑا ''ابوالاسود'' کی غیرت ایمانی نے اس بات کو برداشت نہ کیا۔ اور اس نے حاکم بصرہ کے پاس پہنچ کر ایک کاتب کا انتخاب کیا اس کاتب کو اپنے پاس بٹھا کر'' ابوالاسود نے ہدایت کی کہ میں قرآن مجید تلاوت کرتا ہوں جس حرف کو ادا کرنے میں میرا منھ کھل جائے اس کے اوپر ایک نقطہ ''زبر لگادینا۔ اور جس حرف کو ادا کرتے وقت دونوں ہونٹ مل جائیں اور منھ گول کرکے ادا کروں اس کے آگے ایک نقطہ ''پیش'' لگادو۔ نیز جس حرف کو ادا کرنے میں حرف آواز کا رخ پیچھے کی جاب ہو اس کے نیچے ایک نقطہ ''زیر'' لگادو۔ کاتب نے اس پر عمل کیا۔ اور عرصہ دراز تک تقریباً سو برس یہ نقطے اسی طرح رائج رہے۔

مندرجہ بالا بحث کے ذریعہ ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارکہ تک فن خطاطی میں کوئی قابل ذکر ترقی نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ اعراب وتشخیص خطوط بھی اسلامی دور کی ایجاد ہیں جو تصحیح متن اور تشخیص حروف میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ سطور بالا سے یہ بھی منکشف ہوا کہ ایجاد

نقوط کا سبب صرف اور صرف قرآن حکیم کی صحیح تلاوت تھی۔ اس بحث سے ہمارا مقصد یہ بات واضح کردینا ہے کہ عہد اسلام کی فنی ترقی کی رفتار اپنے سے پہلے کے دور کی ترقی کی مثال کچھوے اور خرگوش کی چال کی مشابہ ہے۔

عہد بنی امیہ

تاریخی اعتبار سے کچھ اور آگے بڑھنے کے بعد جب ہم اموی دور حکومت میں پہنچتے ہیں تو خلیفہ عبد الملک بن مروان کا کارنامہ ہمارے سامنے آتا ہے یعنی گورنر عراق حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کی ایماء پر علماء وفضلاء کے مشورہ سے پہلے ابو الاسود کی مجوزہ علامت میں مزید اصلاحی ترامیم کیں۔ اور نصر بن عاصم نے تشخیص نقوط بھی رائج کئے اور ابو الاسود کے ایجاد شدہ ''اعرابی نقوط'' اس وقت تک رائج رہے جب تک کہ خلیل بن احمد بصری المتوفی ۱۷۰ھ ۷۸۷ء نے موجودہ علامات، زبر زیراور پیش، ایجاد کئے۔ واضح ہو کہ یہ خلیل بن احمد ہی ہیں، جو علم عروض وعلم نحو میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ جن کے ذریعہ اعرابی نقوط کو مذکورہ الفاظ سے منسوب کرنے کے بارے میں میری تحقیق یہ ہے کہ چونکہ زبر کے معنی اوپر کے آتے ہیں، اس لئے انہوں نے ابو الاسود کے لگائے ہوئے اوپر کے نقوط کو ''زبر'' کا نام دیا۔ اس طرح حرف کے نیچے لگے ہوئے نقطے کو ''زیر'' کا نام دیا کیوں کہ ''زیر'' کے معنی نیچے کے آتے ہیں۔ لفظ ''پیش'' اپنے معنی آگے کے رکھتا ہے۔ پس ابن احمد نے حرف سے آگے لگے ہوئے نقطہ کو ''پیش'' کا نام دیا۔ لیکن ابن احمد کی اس ایجاد کے بارے میں محققین میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ اس کارنامے کو حجاج بن یوسف کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَاللّٰہ اَعْلَم باالصّواب۔

عہد عباسیہ

عہد عباسیہ کے علمی وفنی دور میں، جب دنیا کے تمام علوم عالم اسلام میں سمٹے چلے آرہے تھے، اسحاق بن حماد المتوفی ۲۱۰ھ ۸۲۵ء نے خط کوفی سے بارہ طرزیں ایجاد کیں۔ طومار، سجلات، عہود، موامرات، امانات، دیباچ مدیح، مرصع، ریاش، غبار، حسن، بیاض یہ طرزیں کافی مفید اور مقبول خاص وعام ہوئیں۔ موصوف کے بعد اسی دور حکومت میں ''ابن مقلہ'' کا نام بھی کافی اہمیت کا حامل ہے جو اپنے وقت کا امام فن اور پیغمبر قلم تسلیم کیا۔ اگرچہ اسحاق بن حماد نے مندرجہ بالا بارہ طرزیں

ایجا دکیں مگر خط ایک ہی تھا۔ جبکہ اس کے برعکس ''ابن مقلہ'' نے خطوط کوفی سے ہی مزید چھ خط اختراع کئے۔ جوفن خطاطی میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔''ابن مقلہ'' کے ایجاد کردہ خطوط مندرجہ ذیل ہیں۔

خط ثلث ، خط نسخ، خط توقیع ، خط رقاع، خط محقق ، ریحان خط یہ خطوط موصوف نے ۳۱۰ھ ۹۳۲ء میں ایجاد کئے۔ اس کے بعد ۳۲۲ھ ۹۳۴ء میں حسن فارسی نے خطوط رقاع وتوقیع سے ایک نیا خط ''تعلیق'' مستنبط کیا جس کو''خط دیوان'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خط نسخ اور تعلیق سے امیر تیمور گورگان کے زمانے میں، تقریباً ۱۳۶۸ء تا ۱۴۰۵ء کے درمیان، میر علی تبریزی نے ''نستعلیق'' کے نام کا نیا خط ایجاد کیا۔ مذکورہ بالا خطوط کے علاوہ بھی اور خط ہیں جن میں سے کچھ تو اب پوشیدگی میں ضم ہو چکے ہیں۔ جیسے خط بابری اور خط بہاری وغیرہ۔ اور کچھ آج تک اپنی پوری شان کے ساتھ موجود ہیں۔ جن میں خطوط مصنوعہ قابل ذکر ہیں۔ یہ خطوط زیادہ تر مرصع ومزین کتابت کے واسطے استعمال ہوتے ہیں۔

خطوط اور صاحب خطوط کا اجمالی تعارف کرانے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ قارئین کہ سامنے فن خطاطی کی تاریخی حیثیت بھی آجائے۔ نیز یہ بات بھی ان پر واضح کردی جائے کہ نہ صرف فن خطاطی کا عروج اسلامی دور میں ہوا بلکہ مسلمان علماء کی کاوشوں نے اس فن کو غیر معمولی فروغ عطا کیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو اس کو فن کتابت کا نام دینا بھی زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مندرجہ بالا سطور میں ہم یہ بات بھی ثابت کرآئے ہیں کہ مسلمان خطاط نے اتنی تحقیق اور کاوشیں صرف اور صرف کلام اللہ کو جمالیاتی رو سے مرصع ومزین کرنے کے واسطے انجام دیں اگر چہ مسلمان علماء کے ایجاد شدہ کچھ خطوط ایسے بھی تھے جو مسجد ومحلات وغیرہ میں کتبے لگانے کے واسطے مخصوص تھے۔ جن میں اسحاق بن حماد کے ایجاد کئے ہوئے خطوط سرفہرست ہیں۔ لیکن ہم کو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ مسجد ومحلات میں جو کتبے نقش کئے جاتے تھے۔ تو ان میں زیادہ تر قرآن حکیم کی آیات ہی تحریر کی جاتی تھیں۔

بہرحال تاریخی شواہد کی روشنی میں فن خطاطی کو پروان چڑھانے والے مسلمان ماہرین فن کتابت کو اس عمل پر مجبور کردینے والا ان کا جذبۂ عشق قرآن تھا۔ قرآن حکیم سے اہل اسلام کی اسلامی محبت کو ثابت کرنے کے لئے ہم مندرجہ ذیل سطور میں ان خطاط کے بارے میں تحریر کررہے

ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی قرآن حکیم کی خدمت سمجھا۔ واضح ہو کہ اس حقیقت سے ہم نے صرف ان کاتبان قرآن کا ذیل میں ذکر کیا ہے جنہوں نے مکمل قرآن یا تعداد میں زیادہ قرآن تحریر فرمائے ۔البتہ خوف طوالت کے مدنظر سے ان حضرات کو نظر انداز کیا جارہا ہے، جنہوں نے چند آیات یا سوروں کی کتابت کی ہے۔

۱۔ مولانا ابراہیم استر آبادی: عہد اکبری کے خط نسخ ونستعلیق کے استاد ہیں ان کا قلمی قرآن مجید'' خط غبار'' جن میں اور بھی متعدد خوبیاں ہیں ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء کا تحریر شدہ یہ نسخہ متبرکہ دہلی میوزیم میں موجود ہے۔[۱]

۲۔ ابن بواب: ان کا پورا نام ابوالحسن علاء الدین علی بن ہلال ہے۔مگر یہ اپنے نام کی بہ نسبت عرف سے زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔ ابوعبداللہ بن اسد کے اس ہونہار شاگرد نے اپنی عمر میں چوسٹھ ۶۴ قرآن مکمل طور پر لکھے۔ آخر میں ۴۲۳ھ ء ۳۲۔۱۰۳۳ء میں بمقام بغداد انتقال کیا اور امام احمد بن حنبلؒ کے جوار میں دفن ہوئے۔[۲]

۳۔ ابوحنیفہ : اصل نام عبدالرحمٰن بن حسن زوزنی تھا۔ موصوف بلند پایہ محدث اور خط نسخ کے بہترین خوشنویس تھے۔ چارسو ۴۰۰ قرآن مجید اپنی حیات میں رقم کرنے کا شرف حاصل کیا۔ ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء میں مکہ معظّمہ کے دوران سفر انتقال فرمایا۔[۳]

۴۔ مولانا میر احمد تبریزی ۔ ایران کے بے مثل خوشنویس نسخ گزرے ہیں۔ ان کا قلمی قرآن مجید نور الدین بن مصطفیٰ ترکی کے عجائب خانہ کی زینت بناہوا ہے۔ خوس خطی کی وجہ سے اس قرآن کا نمونہ'' پیدائش خط خطاطان'' نام کی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۵ پر طبع ہوچکا ہے۔[۴]

۵۔ اسداللہ کرمانی : شیخ محمد کرمانی سے علمی استفادہ کیا۔ ان کا قلمی قرآن مجید کتب خانہ ایاصوفیہ میں محفوظ ہے۔ ۸۹۲ھ ۱۴۸۸ء میں انتقال ہوا۔[۵]

۶۔ سلطان بایستغر مرزا ۔ امیر شاہ رخ مرزا خلف امیر تیمور صاحب قرآن کے بیٹے تھے۔ چھ قسم کے خطوط میں مہارت رکھتے تھے۔فن خطاطی کے ساتھ ساتھ فن شاعری سے بھی رغبت تھی۔ ان کے ایک قلمی قرآن کومولانا آزاد لائبریری ،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ نمائش نے محفوظ کر رکھا ہے۔ ۸۳۰ھ ۱۴۴۷ء ان کا سال وصال ہے۔[۶]

۷۔ مولوی سید بہادر علی مولوی سید جمال علی کے فرزند تھے۔ جو رام پور کے رہنے والے

تھے۔ نواب سید محمد سعید خاں کے ندیم خاص تھے۔ خط نسخ میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ ان کے قلمی قرآن متعدد مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ پچاس سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ۷

۸۔ شاہزادہ پرویز: یہ شہنشاہ جہانگیر کے فرزند دوم تھے۔ ایسا قابل فخر شہزادہ ہے۔ جس نے کتابت قرآن میں اپنی عمر صرف کردی۔ خط نسخ میں عمدہ خوشنویسی کرتے تھے۔ ۱۰۳۰ھ م ۱۶۲۶ء میں بمقام برہان پور وفات پائی۔ ۸

۹۔ سید حسن رضا: سید حسن شاہ کے ہونہار فرزند تھے،جن کے اسلاف بعہد ہمایوں مدینہ منورہ سے ہجرت فرما کر قصبہ کاکوری میں مقیم ہوئے۔ ان کے قلمی قرآن مجید آج بھی ان کی یاددلانے کے واسطے کافی ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں بمقام رامپور دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ ۹

۱۰۔ دوست محمد ہراتی: گیارہویں صدی ہجری مطابق سترہویں صدی عیسوی میں انتقال کرنے والا یہ شخص صاحب علم وفضل اور نسخ ونستعلیق کا باکمال استاد تھا۔ شاہ طہماسپ کی درخواست پر ایک قرآن مجید لکھا اور انعام سے سرفراز ہوئے۔ ۱۰

۱۱۔ شیخ احمد: سہروردی نامی ایک چھوٹے سے قصبہ کے باشندے اور نامور خطاط یاقوت مستعفی کے قابل ذکر شاگرد تھے۔ اپنی عمر عزیز میں ۲۳ قرآن مجید کتابت فرمائے۔ ۱۱۳۳ھ ۱۷۲۱ء میں انتقال فرمایا ایک قرآن مجید آج بھی کتب خانہ ابا صوفیہ میں موجود ہے۔ ۱۱

۱۲۔ صغیر الدین : انہوں نے ایک قرآن شریف بہت بڑے سائز پر خط طغرا میں لکھنا شروع کیا۔ اس قرآن کی خوبی یہ تھی کہ ہر صفحہ پر ایک آیت کا طغرا بنایا گیا تھا اور کوئی بھی طغرا کسی دوسرے طغرے کے مشابہ نہ تھا۔ اس طرح حاشیہ کی بیلیں بھی متفرق تھیں۔ کافی محنت ومشقت کے باوجود صرف دو پارے ہی مکمل کر پائے تھے کہ زندگی نے وفا نہ کی۔ موصوف کے بعد ان کے فرزند نے اس کے مکمل کرنا چاہا،مگر وہ ناکام رہے۔ ۱۲

۱۳۔ عباد اللہ خاں: یہ فانی فیض اللہ کے صاحبزادے تھے۔ خط نسخ کو اپنے چچا قاضی عصمت اللہ کے خط سے اس طرح ملادیا کرتے تھے کہ مبصرین شناخت کرنے سے قاصر رہتے۔ اکثر قاضی صاحب کے شروع کئے ہوئے قرآن مجید ہی پورا کیا کرتے تھے۔ بارہویں صدی ہجری مطابق اٹھارہویں صدی عیسوی کے باکمال خوشنویس تھے۔ ۱۳

۱۴۔ عبد اللہ حداد ''یاقوت رقم'': عہد شاہجہانی کے اس بے مثال خطاط کا نام عبد اللہ تھا جو

اپنے معاصرین سے خوشنویسی میں سبقت لے گیا تھا۔ انہوں نے اورنگ زیب کی خدمت میں ایک ایسا قرآن شریف پیش کیا جو صرف تیس ۳۰ اوراق پر مشتمل تھا۔ جس سے خوش ہوکر اورنگ زیب نے ان کو ''یاقوت رقم'' کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اپنی ایک حمائل شریف بطور یادگار چھوڑ کر ایران چلے گئے۔ مذکورہ حمائل شریف دہلی میوزیم میں محفوظ ہے۔ ۱۴

۱۵۔ عبد القادر خراسانی: نویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی کے اس باکمال خطاط کے والد کا نام سید عبد الوہاب تھا۔ مختلف خطوط بہت خوب لکھتے تھے۔ ان کی شہرت سے متاثر ہوکر امیر تیمور نے ان کو اپنے پاس بلاکر منشی خاص بنالیا۔ استنبول کے تاریخی کتب خانے آج بھی ان کے قلمی قرآن کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ عربی خط میں یاقوت مستعصمی سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ ۱۵

۱۶۔ عبد اللہ آش پز: یعقوب مستعصمی کے شاگرد تھا۔ ہرات میں پیدا ہوئے اور بغداد میں آکر یعقوب کی شاگردی اختیار کی۔ کثرت محنت ومشق کی بناء پر یاقوت کے خط میں اپنا خط ملادیا۔ تباہی بغداد کے بعد ہندوستان آکر کافی اثر ورسوخ حاصل کیا۔ فن شاعری میں بھی طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ پینتالیس قرآن اپنی یادگار چھوڑ کر چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۸۸۰ھ م ۱۲۷۵ء میں انتقال فرمایا۔ ۱۶

۱۷۔ قاضی عصمت اللہ: قرآن شریف اور حمائل لکھ کر روزی کمانے والا یہ خوشنویس خط نسخ میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے بہت سے قلمی قرآن مجید حمائل شریف بطور یادگار چھوڑے۔ بالآخر ۷۳۔۱۷۷۲ء میں دارفانی سے کوچ کر گئے۔ ۱۷

۱۸۔ غلام محی الدین: وطناً رامپوری تھے علم وفضل کے ساتھ ساتھ پروردگار نے انہیں زہد واتقا بھی بخشا تھا۔ اسی کی بناء پر قرآن شریف لکھ لکھ کر مساکین کو مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ اپنے وطن رامپور میں ہی انتقال کیا۔ ۱۸

۱۹۔ فیض اللہ: مشہور خوشنویس قاضی عصمت اللہ کے بڑے بھائی تھے۔ انہی کی طرح خط نسخ میں کمال حاصل کیا۔ ان کے متعدد قلمی قرآن مجید یو۔پی وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۹

۲۰۔ قاسم علی شاد: فن شاعری سے شغف ہونے کی وجہ سے ''شاد'' تخلص کرتے تھے۔ ریاست انبالہ کے رہنے والے تھے اور خط نسخ ونستعلیق اور خطوط مصنوعہ میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ قلمی قرآن شریف اور چند کتب بطور یادگار آج بھی محفوظ ہیں۔ ایک کتبہ درخط گلزار، جو ایک مسجد میں

منقوش ہے اپنی باریکی اور پختگی مداد کی وجہ سے زبان زدخاص وعام رہا۔ ۲۰

۲۱۔ میر کرم علی۔ کوچہ چیلان دہلی میں رہتے تھے ۔موصوف تیرہویں صدی ہجری کے ان خوشنویسوں میں سے ہیں، جنہوں نے قاضی عصمت اللہ خاں سے اصلاح لی۔ میر کرم علی نے متعدد کلام اللہ یادگار چھوڑے ہیں۔ ۲۱۔

۲۲۔ مبارک شاہ قطب: خط نسخ کے اعلیٰ استاد تھے۔ اپنی زندگی میں چوالیس قرآن شریف لکھے۔ ان کا سنہ وفات ۷۱۰ھ ۱۱۔ ۱۳۱۰ء ہے۔ ۲۲

۲۳۔ محراب تبریزی : فن خوشنویسی کے ساتھ ساتھ ادب میں بھی فضل وکمال حاصل تھا۔ ۹۰۹ھ م ۱۵۰۴ء کا تحریر شدہ ایک قرآن شریف مسجد ابراہیم ،استنبول ، میں بطور شاہکار علمی موجود ہے۔ سنہ مذکورہ میں ہی انتقال فرمایا۔ ۲۳

۲۴۔ محمد عارف ''یا قوت خان'': شاہ عالم کے دربار سے'' یاقوت خان'' خطاب حاصل کیا۔ ثلث ونسخ میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ اور یہ عربی خط کی ایک خاص طرز کے موجد بھی ہیں۔ ان کے قلمی شاہکاروں میں سے ایک قرآن ابھی بھوپال سے شائع ہوا ہے۔ اور دوسرا قرآن جو ۱۰۸۰ھ ۱۶۶۹ء کا تحریر شدہ ہے۔ دہلی میوزیم میں موجودہ ہے بارہویں صدی ہجری مطابق اٹھارویں صدی عیسوی میں ان کا انتقال ہوا۔ ۲۴

۲۵۔ شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب۔ ہندوستان کے خاندان مغلیہ کے تمام سلاطین میں صرف محی الدین اورنگ زیب کوفن کتابت سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ان کا دور حکومت ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۶ء ہے۔ موصوف خط نسخ ونستعلیق کے کامل خوشنویس تھے۔ شاہی ذمہ داریوں کے باوجود کتابت قرآن کرکے اپنے ذاتی اخراجات خود پورے کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک قلمی نسخہ کلام مجید سلطان ٹیپو کے عالی شان علمی خزانہ میں گوہرِ نایاب تھا۔ جواب کتاب خانۂ انڈیا آفس، لندن، میں موجود ہے۔ ۲۵

۲۶۔ نواب ملکہ جہاں: نواب محمد علی شاہ کی ملکہ، لکھنؤ کی رہنے والی تھیں، آپ نے ایک قرآن مجید اور دیگر شاہکار بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ حضرت سیدۃ النساء کی سوانح عمری بھی ان کا قلمی شاہکار ہے۔ ۲۶

۲۷۔ میر کی شیرازی : سلطان سلیمان خاں کے دربار سے خلعت وانعام پانے والے میر سید احمد مشہدی کے سامنے پہلوئے تلمذ طے کیا۔ ایک قرآن مجید قلمی شاہکار کے طور پر سلطان بایزید

کے مقبرے پر محفوظ ہے، جو ناظرین کو اپنی پاکیزگی ولطافت کی وجہ سے محو حیرت کر دیتا ہے۔ ۲۷

۲۸۔ یاقوت مستعصمی: ان کا اصلی نام جمال الدین ہے، مگر عرف سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ خلیفہ مستعصم باللہ کے غلام تھے۔ جو خاندان عباسیہ کا آخری خلیفہ تھا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زیست میں ایک ہزار قرآن مجید لکھے، لیکن محققین اس قول کو مبالغہ آمیز تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے قلمی شاہکاروں میں سے ایک قرآن شریف استنبول، ترکی، کے تاریخی کتب خانہ میں موجود ہے، جو ۵۵۱ھ، ۱۱۵۶ء کا تحریر شدہ ہے۔ اور دوسرا جو ۶۵۴ھ کا رقم شدہ ہے، سلطان سلیم شاہ ترکی کے مقبرہ پر موجود ہے۔ ۶۶۲ھ ۱۲۸۱ء کا مکتوبہ مصر کے کتب خانہ میں نیز ۵۵۱ھ ۱۱۵۶ء پہلے کے بھی متعدد قرآن موجود ہیں۔ ان کا تحریر کردہ ایک رحل دہلی میوزیم میں موجود ہے۔ ۲۸ جس کی سنہ تحریر ۶۸۰ھ ۱۲۸۱ء درج ہے۔ ان کا سنہ وفات ۶۶۷ھ ۱۲۶۸ء ہے۔ ۲۹

ان نامور کاتب حضرات کے اس مختصر تذکرہ کے ذریعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ دین مبین اسلام اور خداوند عالم کی مقدس کتاب قرآن مجید سے غیر معمولی عشق مختلف علوم وفنون کی تخلیق کا باعث رہا ہے۔ یہ ماہرین فن کتابت اپنی کاوشوں سے قرآن حکیم کو جمالیاتی طور پر مرصع اور مزین کرنا چاہتے تھے اور اُن کا یہ عشق ہی ان کی ابدی زندگی ضامن بن گیا۔ فن پاروں کی موجودگی اس کے خالق کے ذکر کی بقا کی ضمانت ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ پیدائش خط وخطاطان، ص ۱۱۴۔

۲۔ تذکرہ خوشنویساں۔ اور پیدائش خط وخطاطان، ص ۱۲۰

۳۔ پیدائش خط وخطاطان، ص ۱۲۲

۴۔ پیدائش خط وخطاطان، ص ۱۳۴

۵۔ پیدائش خط وخطاطان، ص ۱۱۹

۶۔ تذکرہ خوشنویساں، ص ۴۵

۷۔ تذکرہ کاملان رامپور، ص ۸۶

۸۔ تحقیقات ماہر، ص ۴۲

۹۔ تذکرہ کاملان رامپور، ص ۱۰۳

۱۰۔ پیدائش خط وخطاطان، ص ۱۵۷

۱۱۔ پیدائش خط وخطاطان ،ص ۱۳۰
۱۲۔تاریخ عالم آرائے عباسی،ص ۱۷۱
۱۳۔تذکرہ خوشنویسان ،ص ۱۱۰
۱۴۔تذکرہ خوشنویسان،ص ۱۲۵
۱۵۔ پیدائش خط وخطاطان ،ص ۲۰۳
۱۶۔ پیدائش خط وخطاطان ،ص۱۹۶
۱۷۔تذکرہ خوشنویسان ،ص ۱۲۶
۱۸۔تذکرہ کاملان رامپور،ص ۳۰۵
۱۹۔تذکرہ خوشنویسان ،ص ۱۲۷
۲۰۔ پیدائش خط وخطاطان ،ص ۲۱۲
۲۱۔تذکرہ خوشنویسان ،ص ۱۲۸
۲۲۔ پیدائش خط وخطاطان،ص ۱۲۴
۲۳۔ پیدائش خط وخطاطان،ص ۲۲۴
۲۴۔تذکرہ خوشنویسان ،ص ۲۶
۲۵۔رسالہ درس ،مضمون چند لمحے سلطان ٹیپو کے کتب خانے میں ،ص ۸۹
۲۶۔ ہنر وہنرمندان اودھ،ص ۲۶
۲۷۔ پیدائش خط وخطاطان،ص ۲۳۷
۲۸۔فہرست مخطوطات دہلی میوزیم،ص ۴۰
۲۹۔ پیدائش خط وخطاطان ،ص۲۴۱
(املا اور خطاطی کے لئے ملاحظہ ہو'تاریخ املا وخطاطی ، از شیخ ممتاز حسین جونپوری۔ مدیر)

ꕥ♦ꕥ

قرآن فہمی کے بنیادی اصول ومراتب

علی اسعدی

کلام خداوندی کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور قرآن کی تفسیر بیان کرنے میں مہلک گرداب وانحراف سے بچنے کے لئے قرآن فہمی کے بنیادی اصولوں کی پیروی کرنا لازمی ہے ۔ جو تفسیر ان بنیادی اصولوں سے مطابقت رکھتی ہو اسے قبول کرلیا جانا چاہئے اور کلی یا جزوی طور پر اصولوں سے مطابقت نہ رکھنے والی تفسیروں کو ترک کردینا چاہے۔ اس اصول کی پیروی کے نتیجے میں ہمیں قرآنی ہدایت ورہنمائی کا عظیم بیش وقیمت سرمایہ حاصل ہوجائے گا اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ ہم قرآنی ہدایت ورہنمائی سے محروم ہوجائیں گے بلکہ گمراہی کے بھنور میں پھنس جانا بھی بعید از امکان نہیں ہے۔ پس زیرنظر مقالہ کا مقصد قرآن فہمی کے سلسلے میں بنیادی اصول وعقائد کی تحقیق کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے تاکہ قرآن پڑھنے والوں کو کلام اللہ کے سمجھنے میں لازمی مدد فراہم ہوسکے ۔ ادارہ

قرآن فہمی کے بنیادی اصولوں کے سلسلے میں گفتگو کے دوران ان اہم نکات اور مباحث کو موضوع بحث قرار دینے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قرآن ایک قابل فہم کتاب ہے لیکن اس کا دارومدار قاری کی استعداد صلاحیت اور متدبرین کی عقلی طاقت وتوانائی پر ہے۔ البتہ اس بحث کی اہمیت میں اس وقت غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اسلامی فرقے اور جماعتیں اس عقیدہ کی حامل نظر آتی ہیں کہ قرآن مجید کی بعض متشابہ آیات بالخصوص صفات خداوندی کے بیان سے وابستہ آیات کو نہیں سمجھا جاسکتا ہے ۔ پس یا تو قرآنی معارف کے اس حصے کی تفہیم میں عقل کے کردار کو پوری طرح معطل اور نظر انداز کردیا گیا ہے یا ان آیات کے ظواہر کو سمجھنے میں جمود ساطاری ہوگیا ہے جس کے نتیجے میں خداوند عالم کی تجسیم یعنی حامل جسم وجسمانیات (Personification) ہونے کا عقیدہ ، انبیاء علیہم السلام کے غیر معصوم ہونے کا عقیدہ اور خداوند عالم کے سلسلے میں عقیدۂ جبر وغیرہ کی ترویج عمل میں آگئی[۱] دوسری فکر کے طرفداروں کے ذریعہ یہ کہا جانے لگا کہ قرآنی آیات کو فقط معصومین کی روایات کی روشنی میں سمجھنا چاہے کیونکہ غیر معصومین سے مروی

روایات بالکل باطل اور نا قابل اعتماد ہوں گی ۲

پہلا بنیادی اصول:

درحقیقت نزول قرآن کا بنیادی مقصد نسل انسانی کی ہدایت ورہنمائی اور اسے ہر ممکن تاریکی وگمراہی سے نجات فراہم کرنا ہے اور موجودہ تحقیق کا مفاد بھی ظلمات سے نور کی طرف لیجانا ہے۔ (سورہ مائدہ۔ ۱۶)اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنی اس کتاب کو کتاب ''ہدایت'' کتاب نور''اور'' کتاب رحمت'' اور کتاب'' شفا'' کے نام سے یادکیا ہے ۔ پس مکمل اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جو کتاب بذات خود نور ہے اور روشنی پھیلانے والی ہے نیز جس کتاب کو خداوند عالم نے پوری دنیائے بشریت کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے وہ لوگوں کے لئے نا قابل فہم کیسے ہوسکتی ہے دوسری عبارت میں اگر کوئی عبارت انسانی عقل وسمجھ سے بالاتر ہوتو وہ قیامت تک لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ کیسے انجام دے سکتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ قرآنی آیات وارشادات انسانی عقل وفہم سے بالاتر ہوں۔

دوسرا بنیادی اصول:

ہر دور اور ہر صدی میں دنیا کے تمام انسان قرآن کے مخاطب ہیں یہ کسی مخصوص گروہ یا جماعت سے تعلق رکھنے والی کتاب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے''یا ایّھاالنّاس "یاعباد' یااھل الکتاب"،"یا بنی اسرائیل " ، "یا ایّھاالذین آمنوا" اوریاایّھاالنّبی "کہہ کر مخاطب کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مخاطب قرآن سمجھنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے لیکن لازمی اصول وشرائط کی پیروی ضروری ہے ۔ پس یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہے کہ قرآن کے مخاطب سبھی انسان ہیں لیکن اس کو صرف ایک مخصوص گروہ یا جماعت سے وابستہ افراد ہی سمجھ سکتے ہیں لہٰذا عام انسانوں کو چاہیے کہ وہ ان مخصوص لوگوں کے ذریعہ درک کریں۔ اس فکر کی تردید میں مندرجہ ذیل باتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

الف: قرآن کی زبان کی عمومیت کو ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ اس کتاب کو''نور'' اور''تبیادن'' کے نام سے یادکیا گیا ہے اور قرآن مجید نے اس کتاب کے سلسلے میں ''تدبر'' اور''تحدی'' کی دعوت بھی دی ہے۔

ب: حدیث ثقلین میں مکمل وواضح لہجے میں سیرت نبوی کے ساتھ ساتھ ہی قرآن مجید کے ساتھ متمسک ہونے کی بات کہی گئی ہے اور اس بات پر کافی زور دیا گیا ہے کہ قرآن اور سنت میں سے کسی ایک سے ناوابستگی کا انجام گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے'' ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی'' ۳ یعنی میرے بعد جب تک تم لوگ دامن قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ کہتے ہیں کہ اختلافی ہی نہیں بلکہ مطلق اطلاعات والی روایات کو بھی قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے کیونکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ ''کل شئی خائف کتاب اللّٰه باطل'' ۴ یعنی جس چیز سے کتاب خدا کی خلاف ورزی ہوتی ہو وہ باطل ہے ۔ ائمہ معصومین علیہم السلام اپنے مخاطبین کو ہمیشہ قرآن سے رجوع کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ لوگ مختلف شعبوں میں مثلاً عقائد ومعارف ، قانونی اور فقہی مسائل اور دیگر امور ومسائل زندگی میں قرآن سے رجوع کیا کرتے تھے ۔ مثلاً امام صادق علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں کہ یہ بات کہاں کہی گئی ہے کہ سر اور پیر کے ایک حصہ کا مسح جائز ہے۔ آپ نے فرمایا'' اے زرارہ ! سر کے ایک حصہ کا مسح آیہ مبارک ''وَامْسَحُوا بِرُئُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ (سورہ مائدہ۔ ۶) '' میں کلمہ ''باء'' کے استعمال کی وجہ سے جائز ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اپنے سر اور پیروں کا مسح کریں۔ بالکل اسی طرح قانونی مسائل میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہ نے ایسی بہت سی آیات بطور شہادت پیش کی ہیں۔ باغ فدک ۵ کی بحالی وواپسی کے لئے انہوں نے اپنے خطاب میں اس طرح کے نمونے پیش کئے ہیں۔ اسکے علاوہ ایسی بیشمار مثالیں موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عوام الناس قرآنی ارشادات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ۶

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ذہنی استعداد وصلاحیت کے بموجب قرآنی آیات کے درک وفہم کے سلسلے میں فرق ضرور پایا جاتا ہے اور یہ فرق مختلف افراد کی علمی روحانی سطح کے درمیان موجود فرق کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم کوئی ایسی عام اور معمولی کتاب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے سرسری اور سطحی مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کرنے لگے کہ وہ اس کتاب میں مندرج تمام موضوعات سے واقف ہوگیا ہے بلکہ حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو قرآن ایک ایسی گہری کتاب ہے جس سے ہر شخص اپنی روحانی ومعنوی استعداد کے مطابق فائدہ حاصل کرتا

ہے کیونکہ قرآن مکمل اور گہری سمجھ کے لئے بیچ میں حائل پردوں کو دور ہٹانے اور نفسانی اوصاف وملکات پر مکمل تسلط اور ٹھہراؤ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن فہمی کی راہ میں درج ذیل حجابات کا ہٹانا لازمی ہے۔

۱۔ظلم : ارشاد خداوندی ہے'' وَمَا يَجْحَدُ بَايَاتِنَا اِلَّالظَّالِمُوْن'' یعنی ہماری آیتوں کا انکار ظالموں کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا''وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتهَا اَنْفُسَهُمْ ظُلْماً وَّعُلُواً'' (النمل۔۱۴)

یعنی اگرچہ ان لوگوں کو قرآنی آیات پر دلی یقین واطمینان تھا تاہم ظلم وتکبر کی وجہ سے انہوں نے ان آیات کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

۲۔غرور وتکبر:

درحقیقت گناہوں کے پھل اور نتیجہ کا دوسرا نام استکبار یعنی غرور وتکبر ہے'' سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (اعراف۔۱۴۶)'' یعنی جلد ہی زمین پر ناحق تکبر کرنے والے لوگوں کے چہروں کو پلٹادوں گا۔

گناہوں سے بے توجہی: "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا (سورہ کھف۔۵۷)

یعنی اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جس کو خدا کی آیتیں یاددلائی جائیں اور وہ ان سے روگردانی کرے۔ اور اپنے پہلے کرتوتوں کو جو اس کے ہاتھوں نے کیے ہیں بھول بیٹھے۔گویا ہم نے خود ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں کہ وہ (حق بات کو) نہ سمجھ سکیں اور (گویا) ان کے کانوں میں گرانی پیدا کردی ہے۔

فسق : '' وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلاَّ الْفَاسِقُونَ (سورہ بقرہ ۹۹) یعنی اور بیشک ہم نے تم پر کھلی ہوئی آیتیں نازل کیں اور ان سے فاسقون کے علاوہ کوئی انکار نہ کرے گا۔

کفروشرک: "وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمْ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلاَّ الْكَافِرُونَ (سورہ عنکبوت آیت ۴۷)

اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے، پس وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا کی تھی، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرتا سوائے ظالموں کے۔

نفس پرستی وتضحیک آیات الٰہی: وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (سورہ لقمان ۔ ٦)

یعنی لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو خریدار ہے بری باتوں کا، تاکہ بھٹکائے اللہ کی راہ سے بغیر علم کے اور ان کی ہنسی اڑائے۔ اسی سورہ لقمان میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے'' وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (سورہ لقمان آیت ۷)

یعنی اور جب اس پر ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ روگرداں ہوجاتا ہے تکبر کرتا ہوا اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں گرانی ہے۔ پس اسے درد ناک عذاب کی بشارت دیدیجئے۔ اس کے علاوہ سورہ محمد میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُوْلَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَائَهُمْ ۔''(سورہ محمد آیت ١٦) یعنی اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو آپ کی طرف کان لگاتا ہے یہاں تک جب لوگ آپ کے پاس سے نکل جاتے ہیں تو یہ ان سے کہتا ہے جنہیں علم عطا کیا گیا ہے: ابھی اس (محمدؐ) نے کیا کہا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب پر اللہ نے چھاپا لگادیا ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

پس مذکورہ آیات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر قرآنی تعلیمات اور الٰہی ارشادات سے لگاؤ ہے تو ظلم وجور، فسق وفجور، کفر وشرک، نفس پرستی وگناہوں سے بے توجہی اور غرور وتکبر سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ ان اخلاقی مفاسد اور بدعنوانیوں کی موجودگی میں آیات قرآنی سے استفادہ ناممکن ہے۔

قرآن فہمی کی شرطیں:

ایک جہت سے قرآن کو سمجھنے اور اس سے بہرہ مہند ہونے کے لئے درج ذیل ملکوتی صفات اور شرائط لازم ہیں:

الف: خوف خدا: (۱) طٰہٰ ☆ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ☆ إِلاَّ تَذْكِرَةً لِمَنْ يَخْشَى☆ (سورہ طہ آیات ۱ تا ۳) طٰہٰ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ سختی اٹھاویں، مگر اس لئے کہ نصیحت ہو اس کے لئے، جو خدا سے ڈرتا ہے۔

ب: تقویٰ: وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَة لّلمُتّقِين ۔ (سورہ الحاقہ، آیت ۴۸)

اور یقیناً یہ ضرور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے ۔اسی طرح ارشاد ہورہا ہے ... وَاتّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰه، وَاللّٰهُ بِكُلّ شَئيٍ عَلِيم اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تم کو تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

ج: زندہ دل ہونا۔ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورہ انعام، آیت ۱۲۲) کیا وہ ہے جو مردہ تھا ہم نے اس کو حیات دے دی اور ایسا نور دیا جسکے ذریعہ سے وہ لوگوں میں مثل اس کے چلتا ہے جو تاریکیوں ہو کر نکل نہ سکے۔

د: علم ویقین: فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (سورہ توبہ، آیت ۱۱) پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور ادا کریں زکوٰۃ تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں ۔ اور ہم مفصل بیان کرتے ہیں اپنی آیتیں جاننے والی قوم کیلئے۔

ہ: طلب رضائے الٰہی: يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنْ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (سورہ المائدہ، آیت ۱۶)

کتاب روشن سے اللہ اس کی جو پیروی کرے اس کی رضامندی کی، سلامتی کی راہوں میں اور (وہ) انہیں تاریکی سے نور کی طرف لے آتا ہے، اپنے حکم سے اور ان کی ہدایت کرتا ہے صراط مستقیم کی طرف۔

اور اسی طرح بواسطۂ میزان تفاوت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک انسان میں روحانی سطح پر اعلیٰ ملکوتی صفات ہونے اور اس کے اوصاف رذیلہ سے اجتناب کرنے کی وجہ سے درک وفہم قرآن میں دوسروں کے مقابلہ میں اعلیٰ سطح کا فرق ہوتا ہے۔معصومینؑ جو کمال انسانیت پر فائز ہیں اور انسان کامل ہیں۔ بالاترین سطح درک وفہم قرآن پر فائز ہیں اور اس لئے اس امر میں اعلیٰ ترین

درجہ پر ہیں۔اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ قرآن کا باطن بھی ہے، یعنی الفاظ کے معنی ومطالب اپنی گہرائی اور گیرائی آپ رکھتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کا ظاہر خوشنما ہے اور باطن عمیق ہر ایک اس تک نہیں پہونچ سکتا۔ اس امر میں بے شمار احادیث نبوی اور اہل بیتؑ دلالت کرتی ہیں۔ منجملہ ان کے رسول خداؐ سے مروی ہے کہ هو القرآن ! كتاب فيه تفضيل وبيان وتحصيل وهو الفصل ليس بالهزل وله وبطن مظاهره حكم وباطنه علم ، ظاهره انيق وباطنه عميق ۔ ۷

یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ اس میں تفصیل وبیان اور تحصل امور موجود ہے، فیصلہ کرنے والا ہے اور بے کار کلام نہیں ہے۔ اس کا ظاہر ہے اور باطن (بھی) اس کا ظاہر حکم ہے اور باطن علم، اس کا ظاہر دلپزیر ہے اور باطن عمیق ۔ اسی طرح امام جعفر الصادقؑ سے نقل ہوا ہے۔: كتاب الله عزوجل على اربعة اشياء على العباره ولا شاره والطائف والحقائق ، فالعباره للعوام والاشاره للخوا ص والطائف اولياء والحقائق انبياء ۸

کتاب خدا چار چیزوں پر ہے۔ عبارت، اشارہ لطائف اور حقائق پس عبارت عوام کے لئے اور اشارہ خواص کے لئے اور لطائف اولیاء کے لئے اور اس کے حقائق انبیاء کے لئے ہیں۔

ابن مسعود سے منقول ہے کہ پورا قرآن سات اہداف پر نازل ہوا ہے اور اس کے سوا کوئی اور ھدف نہیں ہے مگر یہ کہ (قرآن) کا ظاہرا اور باطن ہے اور یہ سچ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ حامل علم ظاہر وباطن ہیں۹

حالانکہ قرآن کا ظاہر وباطن ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان دونوں میں رابطہ نہیں ہے! بلکہ قرآن کی ہر تفسیر بہ عنوان تفسیر باطن بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اس لئے اسے آیات ظاہر کے مطابق بھی ہونا چاہئے ۔ چنانچہ ظواہر آیات ایک طرف تو (اصل) قواعد عربی زبان کا اور دوسری طرف شریعت کی روح کلی اور اس طرح (معنی ومطالب) آیات قرآن کے ہم آہنگ و سازگار ہوں۔ اس لئے اگر ہم واضح طور پر سمجھنا چاہیں تو ہمیں موضوعات ظاہری وباطنی صاف صاف نظر آئیں گے۔ بعنوان ظاہر وباطن معنی ومطالب قرآن تک پہونچنے کے لئے قواعد وضوابط اور شرائط (قرآن فہمی) ہماری رہنمائی کرتے ہیں لیکن قرآن کے ظاہر

وباطن سے اسے صحیح طور پر اور اس سے معنی ومطالب اخذ کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ اولاً تو وہ عربی زبان کے مطابق ہو اور دوسرے یہ کہ وہ حاکم شریعت اور قرآن فہمی کے اصول وقواعد کے ہرگز مخالف نہ ہو۔ اس طرح کلی طور پر قرآن سے نسبت معانی کے دو رخ ہیں: ایک موافق قرآن اور دوسرا مخالف۔ اور ایک دوسرے قول کے پیش نظر مضامین میں سے بعض جن کی نسبت قرآن سے دی جاتی ہے۔ ان کی نہ تو قرآن مخالفت کرتا ہے اور نہ ہی ان سے ارتباط۔ مثلاً سورہ اسراء کی آیت ۲۳ میں یہ جو بیان ہوا ہے کہ'' فلَا تَقُل لَّهُمَا اُفّ... (پس ان دونوں سے اف بھی مت کہو۔مراد یہ ہے کہ ماں باپ کو تنبہ نہ کرو، ان کو دشمنام نہ دو اور انہیں گرامی مرتبت جانو، موافق آیت ہیں، جبکہ اس کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں سے ''اف'' بھی مت کہو۱۰ اسی طرح سورہ النساء کی ۱۰ ویں آیت میں بیان ہوا ہے کہ اِنّ الْذِیْنَ یا کُلُون اَمْوَالَ الْیَتٰمیٰ ظلماً ...(یقیناً وہ لوگ جو کھا جاتے ہیں یتیموں کے مالوں کوظلم سے...) اس آیت کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ جو کوئی بھی اموال یتیم کوظلم کی رو سے کھاجاتا ہے، اس کے دل میں آگ بھڑکتی ہے۔ اس طرح اس آیت کی رو سے یہ کہنا ممکن ہے کہ مال یتیم کو جلانے والوں کی تحریم نہیں کی ہے، بلکہ انہیں آگ کے حوالے کیا ہے۔۱۱

اس طرح آیت نے ظلم کا بیان کرکے، اس سے روکا ہے۔ اور بعض مندرجہ بالا آیت کی بنیاد ہے پر کہتے ہیں کہ اگر کوئی مال یتیم میں سے دو پیسے بھی کھا جائے تو اس کی جگہ آتش جہنم ہے۔اور اگر اس سے کنارہ کشی کی تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اس پر اس طرح سے کوئی نص دلالت نہیں کرتی ۱۲ یا یہ کہ آیت وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلاَتُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِى الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لاَيُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (سورہ النساء آیت ۔ ۳۶)

اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اوروالدین کے ساتھ احسان کرو اور قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور ہم نشین اور مسافر اور اپنی لونڈی غلاموں کے ساتھ۔ یقیناً اللہ متکبر اوراپنی بڑائی آپ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت کی روشنی میں مختلف مراتب ہمارے سامنے آتے ہیں جو موافق آیت ہیں علامہ طباطبائی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس آیت کا ظاہر رائج بت پرستی کی نفی ہے۔ خدا ارشاد فرماتا ہے۔ ... فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الاَوْثان ۔(سورہ الحج۔آیت ۳۰)

پس اجتناب کرو بتوں کی گندگی سے) تعقل اور تجزیہ سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ بت پرستی کو اس لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے خشوع وفروتنی غیر خدا کے لئے ہوتی ہے اور اس کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں کیونکہ بت خدا نہیں ہیں، اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ پتھر ہیں۔ چنانچہ خدائے متعال شیطان کی اطاعت کو اس کی عبادت میں شمار کرتا ہے۔ اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَابَنِي آدَمَ أَنْ لاَتَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۔(سورہ یسٰین ، آیت ۶۰) اے نبی آدم ! کیا ہم نے تم سے یہ عہد نہ لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا ، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) ایک اور تجزیہ کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کا اپنے مابین اور دوسروں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اطاعت گزاری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ غیر خدا کی اطاعت ہرگز نہ کرنا چاہئے اور نہ حکم خدا کے خلاف خود اپنے نفس کی ہوا وہوس کی۔ قرآن اشارہ کرتا ہے۔ اَفَرَأيتَ مَنِ اتّخَذَ الٰهَهٗ هَوَاه ۱۲؎ (سورہ الجاثیہ، آیت)

کیا تم نے اسے دیکھا ہے جس نے قرار دے لیا۔ اپنا معبود اپنی خواہش کو..) غور وفکر اور تجزیہ کے بعد یہ اشکار ہوتا ہے کہ در اصل خدائے متعال کے علاوہ کسی اور کی طرف کوئی توجہ نہ کرنا چاہئے ، بلکہ اس بات سے ہمیشہ اور حتماً بچنا چاہئے ۔ ۱۳؎

مندرجہ بالا الفاظ کے ظاہری معنی اور حدود سے بالاتر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پیش رو افراد میں سے جو لوگ اس حقیقت کو نہ سمجھے وہ آیت کے معنی وتفسیر کے مصداق قرار پائے ۱۴؎ چنانچہ ان کے اخذ کیے ہوئے بعض عنوان ومطالب ، خود قرآن اور اصول لغت کے مخالف تھے۔ مثال کے طور پر قواعد (زبان) عربی سے نابلد جاہلوں نے کہا کہ قرآن نے عورت کا عقد مرد سے صرف تجویز نہیں کیا ہے، بلکہ جیسا کہ انہوں نے سورہ النساء کی آیت ۳ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ (تو نکاح کرلو جو تم کو مرغوب ہوں (ان) عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار) سے استدلال کیا اور کہا کہ آیت کی رو سے ان کی تعداد (۲+۳+۴) ۹ آتی ہے یا

یہ کہ سورہ مائدہ کی آیت ۳ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ. (اورتم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام ہے...) کے حوالہ سے انہوں نے گمان کیا کہ سورہ کی چربی حالال ہے جو سراسر غلط ہے یا یہ کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۸۔ هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ (یہ ایک تذکرہ ہے سب لوگوں کے لئے ہدایت ونصیحت ہے متقیوں کے واسطے)، کی بنیاد پر بیان ابن سمعان، قائد فرقۂ بیانیہ، نے دعویٰ نبوت کیا ۱۵؎ یہاں ایک فطری بات یہ ہے کہ نہ تو یہ باتیں آیت کے سیاق وسباق سے اور نہ قواعد لغت کے ذریعہ (معنی ومفہوم میں اور نہ علم منطق) سے اور نہ تاریخ نزول آیت سے مطابقت رکھتی ہیں۔ بیان ابن سمعان تو نزول قرآن ۱۶؎ اور اس آیت کے نزول کے بعد عالم وجود میں آیا تھا۔ پس اس لفظ ''ھذا'' سے اس نے کس بنیاد پر اس طرح کے اعلان کا ارادہ کیا۔

قرآن فہمی دراصل ایک'' تکامل سفر'' ہے اور یہ خصوصیت تکامل پزیر خود قرآن اور اس کے جاوداں ہونے کی دلیل ہے۔ سورہ مبارکہ توحید اور سورہ حدید کی شروع کی آیتوں ۳ تا ۶ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنْ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ☆ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ☆ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (وہی اول ہے اور وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ، وہی ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں، پھر آمادہ ہوا عرش (کے بنانے) پر وہ اسے بھی جانتا ہے۔ وہ اسے بھی جانتا ہے، جو داخل ہوتا ہے زمین میں اور اسے بھی جو نکلتا ہے اس میں سے، اور اسے بھی جو کچھ نازل ہوتا ہے آسمان سے اور اسے بھی جو کچھ چڑھتا ہے اس میں۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اور اللہ اس کا، جو کچھ تم کرتے ہو، دیکھنے والا ہے۔ اسی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور اللہ کی طرف جملہ امور کی رجوع ہوتی ہے۔ وہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور وہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور وہی جاننے والا ہے۔ دلوں کی پوشیدہ باتوں کا۔ اس کے بارے میں امام سجادہ سے نقل ہوا ہے کہ خداوند عزوجل جانتا ہے کہ

دور مستقبل میں (ہمیشہ)تفکر وفکر عمیق کا خواہاں ہوگا۔ پس اس نے سورہ توحید اور سورہ جدید کی آیات کو نازل فرمایا۔ اور ہر ایک وہ کہ جس نے اس کی معرفت وتعلیمات سے تجاوز کر کے، قصد فکر کیا، ہلاک ہوا ۱۷؎ چنانچہ یہ اولیت مسالہ تکامل پذیری فہم قرآن کے باب میں عمل آوری کی تاکید کرتی ہے۔

قرآن کریم کا محافظ خدا ہے۔

قرآن میں تحریف ہرگز نہیں ہوئی۔ البتہ اس تحریف سے میری مراد تحریف معنوی نہیں بلکہ تحریف لفظی ہے۔ اس لئے کہ تاریخ کے دامن میں ایسے بے شمار افراد موجود ہیں جو خود اپنے ذاتی مقاصد کی خاطر معنی قرآن میں تحریف کے مرتکب ہوئے اور آیہ کریمہ ''مِنْ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَكِنْ لَعَنَهُمْ اللّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلاَيُؤْمِنُونَ إِلاَّ قَلِيلًا ''سورہ نساء آیت ۴۶ (ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوگئے، بعض بدل دیتے ہیں کلموں کو ان کے ٹھکانوں سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا اور سن جو سننے کے لائق نہیں اور ہمارا لحاظ کر اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین میں طعنی کرنے کے لئے اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور سن اور ہم پر نظر فرما تو یہ ان کے حق میں بہتر اور درست تھا، ولیکن لعنت کی ان پر اللہ نے ، ان کے کفر کے سبب سے پس وہ ایمان نہیں لائے مگر تھوڑے سے) اور حدیث اقاموا حروفه و حرفوا حدوده (الفاظ تو وہ قائم رکھتے ہیں (ادا کرتے ہیں) اور (ان کے) حدود ۱۸؎ (مطالب معنوی) میں تحریف کرتے ہیں۔ مندرجہ حدیث تحریف معنوی پر دلالت کرتی ہیں ،۱۹؎ بیشک قرآن میں تحریف لفظی نہیں ہوئی ہے۔ حالانکہ حشویہ اور اخباریوں میں سے کچھ نے اس قول کو بیان کیا ہے، مگر علمائے شیعہ وسنی دونوں نے قطعی طور پر اسے رد کردیا ۲۰؎ اس پر آیت قرآن یہ کہہ کر تاکید کرتی ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن (سورہ حجر آیت ۹)(یقیناً (ہم نے نازل کیا ہے قرآن کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں)اور یہ کہ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَائَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ☆ لاَيَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلاَمِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (سورہ فصلت آیت ۴۱-۴۲) (یقیناً وہی لوگ ہیں

جنہوں نے اس نصیحت کو نہ مانا ، جو ان کے پاس آتی، حالانکہ یقیناً وہ ایک معزز کتاب ہے نہ جھوٹ اس کے آگے آسکتا ہے اور انہ اس کے پیچھے وہ نازل ہوئی ہے حکمت والے لائق تعریف (اللہ) کی طرف سے)

قرآن کے معنی ومطالب میں ذرا سابھی تضاد موجود نہیں ہے، حالانکہ قرآن بتدریج کئی سال کی مدت میں نازل ہوا ہے، لیکن پھر بھی آیات کے مندرجات اور مضامین میں ایک دوسرے سے ذرا بھی فرق نہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آیات قرآن ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور ایک دوسرے کے صحیح ہونے کی گواہی دیتی ہیں ۔تفسیر قرآن کی اساس خود قرآن پر ہے۔ متقابل آیات ہیں اور خود پیغمبر اکرمؐ اور مولاعلیؑ نے اس بات پر تاکید کی ہے۔ ۲۱ قرآن میں سورہ النساء کی ۸۲ ویں آیت ''اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرآن، وَلَوْکَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہ لَوَ جَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْرا ً(اور اگر وہ (قرآن) سوائے اللہ کے کسی اور کے پاس سے آیاہوتا تو ضرور وہ اس میں اختلاف کثیر پاتے) قرآن میں وجود اختلاف کے نہ ہونے کو واضح کرتی ہے۔

قرآن کی سنت وعترت سے جدائی ناپذیر ہے۔ سورہ نحل کی ۴۴ ویں آیت ''بِالْبَیِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنزَلْنَا إِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُونَ (ساتھ معجزوں اور کتابوں کے اور نازل کیا ہم نے پر قرآن تاکہ آپ کھول کر بیان کردیں لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے ان کی طرف اور تاکہ وہ غوروفکرکریں) کی بناپر پیغمبرؐ کی قولی اور فعلی سنت تفسیر قرآن اور اس کو سمجھنے پر حجت ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عترت اور خود پیغمبرؐ کی سنت اس پر دلیل ہیں۔ آیہ تطہیر ''اِنّمَا یُرِیْدُ اللّٰہ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً (بیشک ! اللہ یہ چاہتا ہے کہ ہرقسم کی گندگی کوتم سے دور کردے اے اہل بیتؑ اورتم کو ایسا پاک کردے، جیسا پاک کرنے کا حق ہے نیز حدیث ثقلین کی بنیاد پربھی پر اس میں کوئی شک نہیں کہ عترت وقرآن ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کا لازمہ ہیں ۲۲

قرآن اپنے مخاطب سے یہ امید کرتا ہے کہ وہ اس کی آیات میں تعقل ،تدبر اور غوروفکر سے کام لے، اور اس کا مقصد نسل انسانی کی ہدایت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔قرآن اپنے مخاطب

کومختلف النوع طریقوں سے الٰہی ارشادات سے آشنا کرتا ہے نیز قرآن میں ایسی بے شمار آیات موجود ہیں جن میں انسان سے غور وفکر کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (سورہ ص، آیت ۲۹)

جو کتاب ہم نے آپ پر اتاری ہے، بڑی برکت والی ہے، تاکہ لوگ غوروفکر کریں اس کی آیتوں میں، تاکہ نصیحت حاصل کریں عقل والے) بعض آیات انسان کو دعوت تفکر دیتی ہیں، جیسے کہ سورہ نحل کی ۴۴ویں آیت، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ آیات قرآن میں اہمیت تعقل کا ذکر ہوا ہے مثلاً بقرہ کی ۱۷۱ ویں آیت کے اس ٹکڑے میں : صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَايَعْقِلُوْن (وہ بہرے گونگے اندھے ہیں، پس وہ غوروفکر نہیں کرتے) اسکے معنی یہ ہوئے کہ بہرے، گونگے، اور اندھے عقلی صلاحیت سے عاری ہیں اور حق کو نہیں سمجھتے دوسری طرف روشن فکرافراد کی توصیف ومدح سورہ رعد کی ۱۹ ویں آیت یہ کہہ کر کرتی ہے : أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (پھر کیا وہ شخص، جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے وہ برحق ہے، اس کی مانند ہے جو اندھا ہو، سوائے اس کے نہیں کہ نصیحت حاصل ہی صاحبان عقل کرتے ہیں)۔آیات قرآن سے بہرہ مند ہونے کے لئے شرائط کے ساتھ موانع کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ آیات قرآن ہدف قرآن بیان کرتی ہیں، اور بیان کرتی ہیں کہ بہرہ مندی اور سازگاری کے لئے تعقل اورخردمندی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اندھی تقلید سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔دیگر باتوں کے علاوہ غفلت سے رہائی (سورہ یسٰین آیت ۴)، باطل کے مقابلہ حق کا بیان (سورہ نحل آیت ۶۴،) تقویٰ اور پرہیزگاری (سورہ زمر، آیت ۲۸) ورود رحمت خداوند متعال اور اسی کی ذات سے ہدایت گیری (سورہ نساء، آیات ۱۷۴۔ ۱۷۵، اور اس طرح کی بہت سی مختلف باتیں اقدامات قرآن میں سے ہیں۔

حوالے:

۱۔تاریخ کی روشنی میں مختلف فرقے جیسے مشبھہ، مجسمہ، اشاعرہ اور وہابیہ وغیرہ۔

۲۔ اس طرح نمونہ کے طور پر فکر اخبار یہ

۳۔محمد باقر مجلسی، بحار الانوار جلد ۲ دار احیاء التراث العربی، صفحہ ۴۰۱، ۱۴۱۲ھ

۴۔محمد بن الحسنی وسائل الشیعہ ، دار التراث العربی،
۵۔احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی، الاحتجاج ، انتشارات اسوہ، چاپ اول،ص ۲۵۳، ۱۴۱۳ھ
۶۔عبد اللہ جواد آملی ،تفسیر نسنیم ، انتشارات اسراء، چاپ اول، ج ۱،ص ۹۷۔ ۹۰، ۱۳۸۷ھ
۷۔محمد یعقوب کلینی ، اصول کافی ، دارالتعارف للمطبوعات ، ج ۲،ص ۵۶۴، ۱۴۱۱ھ
۸۔ بحار الانوار ، ج ۸۹،ص ۱۷
۹۔عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی ، الاتقان فی علوم القرآن ، ترجمہ سید مہدی حائری قزوینی ، ج ۲ ، ص ۵۸۹۔

۱۰۔ ذکر منطوق اور مفہوم میں تفاوت ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ لفظ منطوق محل نطق وگفتگو پر دلالت کرتا ہے۔لیکن اگر اس کے ایک معنی ہوں ، اور اس کے علاوہ کوئی اور معنی ومنطق نہ ہو سکے تو اسے ' نص' کا نام دیتے ہیں، جیسا کہ سورہ بقرہ کی ۱۹۶ویں آیت میں بیان ہوا ہے۔ فَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (تو روزے ہیں تین دن کے حج کے زمانے میں اور سات دن کے جب تم مراجعت کرو، یہ پورے دس دن ہوئے۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے عزیز موجود نہ ہوں مسجد الحرام میں اور اللہ سے ڈر اور جانو کہ اللہ شدید عذاب دینے والا ہے) اور اگر کسی لفظ کے معنی کسی بات کی طرف رجوع کریں اور اس پر منطبق تو اسے ظاہر کہے ہیں ، جس طرح سورہ بقرہ کی ۱۷۳ ویں آیت میں کہا گیا ہے: إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَعَادٍ فَلاَإِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (اس نے حرام کیا ہے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر نام لیا جاوے سوائے اللہ کے کسی اور کا پس جو شخص بے بس ہو، ظالم نہ ہو اور حد سے گزر جانے والا نہ ہو، تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ بیشک ! اللہ بخشنے والا رحیم ہے کہ باغی پر جاہل اور ظالم ہونے کا اطلاق ہوتا ہے،لیکن دور معنی میں غالب اور آشکار ہے، اور دلیل کی رو سے بامعنی مرجوع قرار پاتا ہے۔ کہ اسے تاویل کہتے ہیں ، جس طرح سورہ حدید کی چوتھی آیت ایک اچھی مثال ہے کہ.. وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (اور وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے،تم جہاں کہیں بھی ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا دیکھنے والا ہے ، کہ نظر ظاہر سے دیکھنا تو محال ہے ،مگر ذات بندہ کے قریب ہے یہ منطق ہے کہ لفظ خود نطق پر

دلالت نہ کرے، اور دو رخی ہے: مفہوم موافق کااور مفہوم مخالف کہ اس کی ایک اچھی مثال سورہ اسراء کی ۲۳ ویں آیت اس نوع کے موافق ہے۔ اس آیت میں والدین کے ساتھ احسان کرنے ان کی ناراضگی کے جواب میں اف تک نہ کہتے ، انہیں نہ جھڑکنے اور عاجزی اور مہربانی کے ساتھ ان کے سامنے آنے کی بات کہی گئی ہے۔

رک۔ : الاتقان ، جلد ۲ ،ص ۱۰۷۔ ۱۱۰)

۱۱۔سیوطی ، جلال الدین عبد اللہ، الاتقان جلد ۲،صفحہ ۱۰۹، ترجمہ مہدی حائری قزوینی ، انتشارات امیر کبیر، ۱۳۶۳۔

۱۲۔التفسیر، والمفسر ون، دار القلم ، چھاپ اول، جدل ۲،صفحہ ۳۳۷۔

۱۳۔قرآن در اسلام ، دفتر انتشارات اسلامی تہران، ایران ، ۱۳۶۱،ص ۳۳۔ ۳۴

۱۴۔دلائل ثبوت وجود باطن آیات اور اس ضمن میں عقیدہ مفسرین شیعہ وسنی کے لئے ملاحظہ ہوعلی اکبر بابائی کا مقالہ بعنوان، باطن قرآن کریم ،فصلنا مہ معرفت ،ش۲۶،ص ۷ ۔۱۶

۱۵۔ یہ نظریات یہاں شریعت سنگلاخی (کلید فہم قرآن) سے نقل ہوئے ہیں۔

۱۶۔بیان ابن سمعان کا جو دور امام صادقؑ میں ان سات افراد میں سے تھا، جن پر امام نے (اس کے غلط دعویٰ نبوت کی وجہ سے) لعنت کی۔

فرقہ بیانیہ کے لئے ملاحظہ ہو سعد بن عبد اللہ ابی خلف الاشعری القمی کی المقالات والفرق،مرکز انتشارات علمی وفرہنگی ، دوسرا ایڈیشن ، ۱۳۴۰،ص ۳۷۔ ۳۸۔

۱۷۔ اصول کافی ، جلد ۱ ،ص ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ و ۳ ح

۱۸۔ روضۃ کافی، دار التعارف للمطبوعات، ۱۴۱۱،ص ۵۰، مولاعلیؑ کے خطبہ ۱۷، نہج البلاغہ میں اس نوعیت کی تحریف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۹۔محمد ہادی معرفت، صیانۃ القرآن عن التحریف

۲۰۔محمد ہادی معرفت، صیانۃ القرآن عن التحریف

۲۱۔حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے: ان القرآن لیصدق بعضہٗ بعضا فلاتکزبو بعضہ ببعض (بیشک قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے۔اور نہیں کرتا ہرگز اس کا ایک حصہ کی تکذیب)، حدیث نمبر، ۲۸۶۱، کنزل العمال ، جلد۱ ،ص ۶۱۹ ،علی متقی الہندی، موسسہ الرسالہ، ۱۴۱۳۔

۲۲۔الحاکم الحسکانی ، جلد ۲، عبید اللہ بن عبد اللہ، شواہد التنزیل ، مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیہ، ۱۴۱۱، ص ۷۴ تا ۱۴۰۔

☆☆☆

فوق بلگرامی کا مقدمۂ تفسیر قرآن

ایک اجمالی تعارف

پروفیسر سید جعفر رضا بلگرامی

سید اولاد حیدر فوقؔ بلگرامی کی حیات اور ان کے کارنامے آپ گزشتہ راہ اسلام کے شمارے میں ملاحظہ کر چکے ہیں جس میں یہ اطلاع موجود ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی تھی۔ بیس پارے مکمل ہو چکے تھے کہ ان کا انتقال ۱۹۴۲ میں ہوگیا۔ یہ قرآن نظامی پریس لکھنؤ سے چھپنا شروع ہوگیا تھا۔ اس تفسیر قرآن کی خوبی یہ تھی کہ وہ تمام آیات معہ ترجمہ وتفسیر لکھی گئی تھیں جو مطابق روایات اہل سنت وشیعہ حقوق اہل بیت طاہرین میں نازل ہوئی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بحران میں طباعت کی تمام کوششیں زائل ہوگئیں۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ کتنے پارے چھپے۔ صرف ''مقدمہ'' تفسیر قرآن، نہ معلوم کیسے چھپ کر آیا جو بڑی شیٹ پر چار چار صفحات میں چھپا ہوا ہے ان کو صفحات کے اعتبار سے کاٹا بھی نہیں گیا ہے۔ غالباً یہ تصحیح کے لئے کاپی بھیجی گئی ہوگی جو میرے گھر پڑی رہ گئی۔

یہ مقدمہ، تفسیر قرآن طویل بھی ہے اور دقیق بھی۔ میں نے اس کی تلخیص تیار کی ہے اور زبان کو اس طرح عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے کہ فوق صاحب کے نفس مطلب پر کوئی اثر نہ پڑنے پائے۔

تفسیر کا تعلق بیان سے ہے، جس کا اصل مقصد واضح کرنا ہوتا ہے۔ جو لوگ عربی زبان ومحاورات پر عبور رکھتے ہیں، وہ ظاہری قرآن کے معنی سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں۔ اگر الفاظ کے حقیقی معنی لئے جاسکتے ہیں تو خوامخواہ مجازی معنی یا کنایہ پر محمول کرنا اصول کلام کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔ اگر صرف اظہار خیال کر دیا جائے تو اس کو تفسیر بالرائے کہا جائے گا۔

اگر حقیقی معنی کا مراد لینا ممکن نہ ہو تو پھر ایسے کنایہ یا مجازی معنیٰ کا لینا درست ہوگا جو مستعمل عربی محاورے کے مطابق ہو۔ ان مروجہ محاورے سے دور، کوئی بعیدی معنی پیدا کرنا اصول کلام کے خلاف ہے۔ اس کو مراد خداوند عالم سمجھنا، تفسیر بالرائے ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں حضرت

عیسیٰ کے معجزات کا ذکر ہے۔[۱] حضرت عیسیٰ مٹی سے ایک مجسمہ بطور طائر بناتے تھے اور اس میں پھونکتے تھے تو وہ بحکم خدا سچ مچ کا پرندہ ہوجاتا تھا۔ کوڑھیوں کو شفا بخشتے تھے اور مردوں کو بحکم خدا زندہ کرتے تھے۔ نیاز فتح پوری نے، جو انبیاء کے معجزات کے قائل نہیں ہیں، اپنے پرچے نگار میں اس کے عجیب وغریب معنی بتلائے ہیں:

''مٹی سے مراد انسان ہے جو کہ مٹی سے بنایا گیا ہے۔ پرندہ کے معنی فضائے روحانیت میں اڑنے کی صلاحیت، پھونکنے سے مراد ہے ہدایت کی روح کا پہونچانا اور بحکم خدا اڑنے کے معنی معارف وہدایت کو حاصل کرکے معرفت میں پرواز کرنا، اندھے، کوڑھی کو شفا بخشنے کے معنی، ان لوگوں کو ہدایت کرنا جو بالکل علوم ومعارف سے بے بہرہ ہیں۔ مردوں کو زندہ کرنے کے معنی کافروں کو مومن بنانا اور گمراہوں کی ہدایت کرنا'' الفاظ کی دنیا کی اس کایا پلٹ کا اصول وقوانین کلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تفسیر کے نام پر اگر اس طرح کی اختراع کا دروازہ کھول دیا جائے تو کلام الٰہی ایک پہیلی بن کر رہ جائے گا۔

قرآن مجید کی بہت مشہور آیت ہے[۲] مہر لگادی خدا نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔'' بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اس آیت میں کفار ومشرکین کی مذمت کی گئی ہے۔ لیکن بعض ارباب عرفان نے اس کو اہل معرفت اور ارباب عشق صادق قرار دیا ہے کہ یہ خاص بندے میرے لئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہیں یعنی ماسوائے اللہ کوئی چیز ان کی آنکھوں میں سماتی ہی نہیں۔ اور ان کے لئے عذاب درد ناک ہے یعنی وہ محبت کی سختیوں کو جھیل رہے ہیں۔ عذاب عذوبت سے مشتق ہے جس کے معنیٰ خوشگواری وشیرینی کے ہیں۔ اس طرح کی تاویلات کا کلام الٰہی اور اس کے معنی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔

اسی سے ملحق تفسیر کی ایک شق اور بھی ہے۔ ایک عام مفہوم کے لفظ کو کسی فرد خاص میں متعین کرنا اور اس کے لئے کسی دلیل خاص کی طرف اشارہ کرنا۔ مثلاً[۳] قسم ہے وقت عصر کی یقیناً انسان نقصان اور گھاٹے میں ہے'' بعض واعظین سے سنا جاتا ہے کہ جس عصر کی قسم کھائی گئی ہے وہ عصر عاشورہ ہے ورنہ کوئی عصر اس کی مستحق نہیں کہ خدا اس کی قسم کھائے یہ بالکل کھلی ہوئی تفسیر بالرائے ہے۔ اگر اس تجزیہ پر یقین کے ساتھ اصرار ہے تو جائز نہیں، اگر بطور احتمال ذکر کیا جائے کہ

شاید یہ مراد ہو اور بعید نہیں کہ ایسا مقصود ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ تو قرآن کی ظاہری تفسیر کے مضمرات ہیں۔ لیکن قرآن ظاہر کے علاوہ قرآن باطن بھی ہے جس کا خود قرآن تعارف کرا رہا ہے۔'' ان للقرآن سبعین بطناً۔ قرآن کے ستر باطن ہیں۔ قرآن ظاہر کی بنیاد الفاظ پر ہے اور ایک لفظ کے معنیٰ ایک وقت میں ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتے لیکن باطن کی بنیاد رموز و اشارات پر ہے اور اشارہ ایک چیز سے متعدد امور کی طرف ممکن ہے۔

ظاہر قرآن وہ ہے جس کے سمجھنے کا حق سب کو دیا گیا ہے، جو بھی عربی زبان کی خصوصیات سمجھ سکے۔ لیکن باطن قرآن وہ ہے جس کو سمجھنے کے لئے علم وعرفان کی خصوصی منزلوں تک رسائی حاصل کرنا بلندی ہے۔اس میں ہر شخص کو طبع آزمائی کا حق نہیں ہے۔ اس قسم کے اشارات لفظ ومعنی کے تعین سے تو تعلق رکھتے نہیں جس کو عام اصول ومحاورے کے مطابق سمجھا جا سکے ۔ اگر افتادِ طبع اور ذہنیت کے سہارے، سوئے ظن یا سابق وحال کے واقعات کے جوڑ توڑ سے اشارے کو سمجھنے کی کوشش بھی کریں تو بھی امکان ہے کہ ہم یہ اشارہ اس کے سر منڈھ دیں جس کے لئے یہ اشارہ ہے ہی نہیں۔

جب معمولی اشخاص کے کلام میں اس طرح کی غلطی سرزد ہوتی ہے اور عقل انسانی مکمل رہنمائی نہیں کر پاتی تو خداوند عالم کے کلام میں یہ ناقص وغیر مکمل عقل کہاں صحیح الفاظ تک رہبری کرسکتی ہے؟ اس لئے غلطی کا ہونا ناگزیر ہے۔ یہ کلام الٰہی کی افہام وتفہیم کا معاملہ ہے جہاں تفسیر بالرائے کی بھی ممانعت ہے کیونکہ اس میں رموز واشارات کے تعین کی کوشش میں ظاہری الفاظ کے آگے معنی نکالنے کا خطرناک امکان پوشیدہ ہے اور اشارتی الفاظ کے ظاہری معنی بیان کردینا تفسیر نہیں کہلائے گا کیونکہ تفسیر کے معنیٰ غیر ظاہر کو ظاہر واضح بنانا ہے۔

یہ تو قرآن کے رموز واشارات کی بات ہے جس میں احتیاط ضروری ہے ۔لیکن قرآن کے مضامین پر غور وخوض کرنے سے جو رموز واسرار پیدا ہوں، علمی نکات بر آمد ہوں، فلسفیانہ انکشافات کا پتہ چلے اور ادبی محاسن کا اندازہ ہو، انہیں سمجھنے کی کوشش کرنا، سمجھنا اور پھر دنیا کے سامنے پیش کرنا ، قرآن کی مستحسن خدمت ہے جس کے مقبول ہونے کے لئے معانی ومطالب کے معیار کے سمجھنے کے ساتھ ذوق سلیم ، دقت نظر، فراست اور جذباتی ورجحان ذہنیت کی ضرورت ہے۔ اس قسم کی موشگافی ونکتہ پروری اس وقت قابل قبول ہوگی جبکہ رموز ونکات کی تشریح وتصریح کے لئے اصل مضمون قرآن میں بذریعہ تفسیر کوئی تبدیلی نہ کرنا پڑے۔ قرآن مجید کے اصلی معانی ومطالب محفوظ رکھتے ہوئے ان

کے صحیح مصداق کا پتہ لگانے میں تاریخی وفلسفیانہ معلومات اور جدید انکشافات سے مدد لینا درست ہوگا۔ مثلاً

قرآن میں آیا ہے ربّ المشرقین وربّ المغربین۔ خداوند عالم دو مشرقوں اور دو مغربوں کا مالک ہے۔ ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ مشرق سے مراد مشرق آفتاب اور مغرب سے مراد مغرب آفتاب۔ اب اگر کوئی کہے کہ مشرق سے مراد مشرق آفتاب نبوت اور مشرق خورشید امامت ہے تو یہ یقیناً معنیٰ میں تصرف ہے۔ لیکن مشرق ومغرب کے ظاہری معنی فقط طلوع وغروب آفتاب قرار دیتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کرنا کہ یہ دو مشرق اور دو مغرب کون ہیں۔ تفسیر نہیں کہلائے گی ۔ یہ تو فقط علمی کوتاہی دور کرنے کی کوشش ہوگی''

سابق زمانہ کے مفسرین نے مشرقین ومغربین کا مصداق گرمی وجاڑے کا مشرق ومغرب قرار دیا اس لئے کہ ان کے ذرائع معلومات محدود تھے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ مشرقین ومغربین کا مصداق حقیقی امریکہ کے انکشاف سے پایۂ ثبوت کو پہونچا ہے تو یہ حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ ایک مشرق ومغرب اس قطعہ زمین کا جس سے ہم واقف ہیں اور دوسرا مشرق ومغرب اس قطعہ زمین کا جہاں امریکہ واقع ہے جس سے ہم اب تک ناوقف تھے جبکہ قرآن اس کے وجود کا ضمنی طور پر پتہ بھی دے رہا تھا۔ یہ تشریح تفسیر بالرائے نہیں ہوگی۔ کیونکہ حقیقت کا انکشاف ہے۔ خود قرآن میں دو مشرق اور دو مغرب کا پتہ موجود ہے لیکن اپنی معلومات کی کوتاہی کی وجہ سے اس کے صحیح مصداق کا پتہ نہیں چلا سکے اب جبکہ ہمارے ذرائع معلومات میں وسعت پیدا ہوئی ہے تو ہم کو اس کا پتہ لگا ہے۔ اس میں کوئی غلطی نہیں اور نہ اس بات کو کہنے میں کوئی گناہ ہے۔

دوسری مثال: قرآن میں ربّ المشارق والمغارب کا ذکر ہے یعنی اس میں دو سے زیادہ مشرق اور مغربوں کا ذکر ہے جس کا خدا مالک ہے۔ امریکہ کی دریافت کے نتیجہ میں تو مشرقین اور دو مغربین کا جواز نکل آیا۔ لیکن اب بہت سے مشارق اور مغارب کا کیا جواز ہے؟ سابق مفسرین نے اس سے مراد ہر دن کا مشرق ومغرب سے لیا ہے اس لئے کہ آفتاب اپنی ذاتی حرکت کے اعتبار سے ہر روز ایک نئی مشرقی جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور نئی مغربی جگہ میں غروب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے روزانہ کا مشرق ومغرب نیا ہے۔ حالیہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب ایک نہیں،

جتنے ثوابت ستارے سمجھے جاتے ہیں وہ ہر ایک آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے جس کے مستقل نظام ہیں اور اسی نظام کے تحت سیارے ہیں۔ ان تمام آفتابوں کے لئے اپنے سیاروں کے اعتبار سے اسی طرح طلوع وغروب ہے اور اس طرح مشارق ومغارب کا بہترین مصداق ان تمام آفتابوں کے مشرق ومغرب ہیں۔ چونکہ ایک حقیقت کا انکشاف ہوا ہے۔ اور یہ انکشاف اگر محض ذاتی عقل صرف کرنے سے بھی ہوتا تو بھی اس کو تفسیر بالرائے نہیں کہا جاسکتا۔

تیسری مثال : الحمد للّٰہ ربّ العلمین۔ خدا تمام عالموں کا رب ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم متعدد ہیں اور خدا ان تمام عالموں کی پرورش کرتا ہے۔ لیکن یہ بہت سے عالم آئے کہاں سے۔ عالم تو یہ ایک ہی ہے۔ اس محدود علم والے مفسرین نے اس سے مراد انواع کائنات لئے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے یہ تمام انواع ایک ہی عالم کے اجزاء ہیں متعدد عالم نہیں۔ اب جبکہ ثابت ہے کہ کائنات صرف اسی نظام شمسی میں محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے نظام بھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک دنیا موجود ہے تو عالموں کے بہت سے تعداد میں ہونے کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ قرآن اس دنیا کے علاوہ دوسری کائناتوں کے وجود کی خبر دے رہا ہے تو اسے تفسیر بالرائے کے تحت لانا صحیح نہ ہوگا۔ اس قسم کی جتنی بھی آیتیں ہیں۔ جہاں کسی قسم کے معنی ومطالب میں تبدیلی نہ کی گئی ہو، بلکہ مصداق تلاش کرکے دیکھا گیا ہو، تحقیق سے حقیقت کا انکشاف ہوا ہو، حدیث وتفسیر میں تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ عقل سے ثابت ہو، وہ کبھی بھی تفسیر بالرائے کے تحت مندرج نہ ہوں گی۔

قرآن میں کچھ ایسے مضامین کی آیتیں ہیں جن کے اشاراتی معنی ہیں لیکن ظاہری معنی کچھ متعین نہیں ہیں۔ ان میں صرف عقل کے تصرف سے کوئی انکشاف کرنا درست نہیں ہے۔ اس میں راسخین فی العلم سے تمسک کی ضرورت ہے۔ لیکن عقل کے تصرف کو اگر امکانی حدود تک رکھا جائے اور یقین کے ساتھ کہنے کی جرائت نہ کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر کسی حدیث میں کسی ایسی آیت کے رمز واشارات کے معنی کی کوئی جہت بتلا بھی دی گئی ہے تو احتمالی کوششوں کا دروازہ پھر بھی بند نہ ہوگا کیونکہ قرآنی آیات کے اشارات کسی ایک جہت پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اور جہتیں بھی ممکن ہیں جن پر بطور احتمال غور وفکر کی ممانعت نہیں ہے۔

ایسی آیتیں متشابہات کہلاتی ہیں اور یہ باطنی قرآن کا اہم حصہ ہیں۔ اگر کسی آیت کے اصلی

معنی مراد لیا جانا ممکن نہ ہو لیکن کوئی اور معنیٰ عام روز مرہ کے مطابق ہوں تو ان کو متشابہات نہیں سمجھا جائے گا ۔ مثلاً کسی آیت میں ''ید'' کے معنی ہاتھ نہ ہوں تو اس صورت میں ''ید'' کے معنی قدرت وطاقت کے بالکل اصول ومحاورے کے مطابق ہیں۔ لیکن اگر دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں ، یعنی نہ تو اصلی معنی مراد لے جاسکتے ہوں اور نہ ہی کوئی معنیٰ عام روز مرہ کے مطابق ہوں، تو پھر ایسی آیتیں متشابہات قرآن قرار پائیں گی اور ان کے لئے قطعی طور پر راسخین فی العلم کے بتلائے بغیر کچھ بن نہیں سکتا۔ احادیث آئمہ میں اس قسم کے معانی باطنیہ بہت مذکور ہیں۔ انہیں کا نام تاویل ہے اور یہ انہیں حضرات کا مخصوص حصہ ہے۔

قرآن میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں خطاب کسی سے ہے اور مقصود کسی اور کو سنانا ہے۔ مثلاً ؎ ''(اے رسول) اگر تم شرک اختیار کروتو تمہارا عمل رائگاں ہوجائے اور تمہیں نقصان اٹھانا پڑے۔'' یہ تنبیہ در اصل رسول کے لئے نہیں ہے بلکہ رسول کو آواز دیکر دوسرے لوگوں سے کہی جارہی ہے کہ شرک کرنے کے بعد کوئی عمل قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ''لئن اشرکت'' پتہ دیتا ہے کہ آپ سے شرک کے وقوع کا امکان ہے اور یہ آپ کی عصمت کے خلاف ہے تو یہ استدلال واعتراض اس لئے صحیح نہ ہوگا کہ حقیقتاً یہ خطاب دوسروں کی تنبیہ کے لئے ہے تو نتیجہ کا تعلق آپ کے ساتھ باقی نہ رہا۔ دوسروں کی جانب ہوگیا۔

قرآن مجید میں بہت جگہ یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں جن کے اصلی وظاہری معنیٰ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ اگر بعض روایت میں نظر سے یہ گزرے کہ اقامت صلوٰۃ اشارہ ولایت کے عقیدے کی طرف ہے جو سبب درستی عبادت ہے تو بیشک یہ اشارہ اپنی جگہ پر درست ہوگا لیکن اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ یہ آیت وجوب نماز وزکوٰۃ کی دلیل ہی نہ رہے اور کہا جاوے کہ اس سے تو ولایت ائمہ معصومین مراد ہیں اب اسکو نماز وزکوٰۃ سے کیا تعلق ؟ اس آیت میں نماز کا حکم ہے اور اشارہ وجوب ولایت کی طرف ہے۔ یہ نہیں ہے کہ پہلے معنیٰ بالکل نظر انداز ہوگئے ہوں اور دوسرے معنیٰ بطور استعمال لفظی مراد ہوں۔

بعض آیات کی نوعیت شان نزول سے متعین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی۔ لیکن شان نزول سے عمومی وخصوصی آیتوں کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ آیت کے الفاظ اگر عمومی حیثیت رکھتے ہیں تو شان نزول کے مخصوص ہونے کی وجہ سے اس میں خصوصیت پیدا ہو نہیں

ہوگی۔ بیشک اگر آیت کے الفاظ ہی کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کررہے ہیں تو خود اس میں عموم نہیں پایا جاتا۔ ایسی صورت میں حدیث ایک تاریخی حقیقت کے انکشافات کا فائدہ دے گی کہ آیت میں شخص خاص سے مراد کون ہے ۵ مثلاً کیا جو شخص مومن ہے وہ برابر ہے اس شخص کے جو فاسق ہو۔ نہیں کبھی نہیں۔ اس سے یہ کلیہ ثابت ہے کہ مومن اور فاسق عزت واحترام اور احکام وحقوق میں مساوی نہیں سمجھتے جاسکتے۔ اگرچہ احادیث سے ثابت ہے کہ اس آیت میں مومن سے مراد حضرت علی اور فاسق سے مراد ولید ابن عقبہ ہے جس نے آپ سے مفاخرت کرنا چاہی تھی۔

دوسری مثال: ۶ اے جماعت مومنین اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق ضروری ہے۔ اس سے یہ کلیہ قائم ہوگیا کہ فاسق کی خبر بغیر تحقیقات کے قبول نہ کی جائے، یعنی معتبر نہ سمجھی جائے حالانکہ روایت سے ثابت ہے کہ اس آیت کا مورد نزول ولید ابن عقبہ ہے۔

یہ دونوں آیتیں احادیث سے خصوصی شان نزول رکھتے ہوئے بھی کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی حکم عمومی کی حیثیت رکھتی ہیں جو بطور اصول ہمیشہ قائم ہے اس کے برخلاف قرآن کی یہ جزوی آیت ہے ۷۔ ''خدا کو معلوم ہے کہ تم خیانت کیا کرتے تھے۔ اب خدا نے تم کو معاف کردیا'' یہ بیان واقعہ کی صورت رکھتا ہے جو ماضی سے متعلق ہے۔ اس سے خود ظاہر ہے کہ کچھ مخصوص افراد ہوں گے جو ایسا کرتے ہوں گے کہ ان کو معاف کردیا گیا۔ روایت نے ان کے نام بھی بتلائے ہیں۔ اس سے عمومی کلیۃ قائم نہیں ہوسکتا اور نہ نزول آیت کے بعد آنے والے لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ مثلاً اس آیت کو مجرمین اپنے لئے ایک عمومی پروانہ عفو ومغفرت گزشتہ حرکات کا خیال کرلیں یعنی جو کچھ کریں سب معاف کیونکہ خدا نے گزشتہ خیانتوں سے درگزر کی ہے۔ اس قسم کی آیتوں کو عمومی کلیہ کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

بعض آیتیں لفظی حیثیت سے عمومی لیکن سیاق وسباق کے اعتبار سے خصوصی ہوتی ہیں۔ مثلاً ۸ تمہارا مالک بس خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں ایسی حالت میں کہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں۔'' ظاہری الفاظ کے اعتبار سے اس آیت کا شمار عموم میں ہوسکتا ہے۔ لیکن روایت وحدیث سے اس کی تخصیص ثابت ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اب اگر کوئی با ایمان اور نماز اگر اس عمل کی پیروی بی کرے پھر بھی اصلی مصداق وہی رہے گا جس کے حوالہ سے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے آیت کی تخصیص

باقی رہتی ہے۔

بعض آیتوں میں مخاطب مخصوص افراد ہیں لیکن آیت کا مفہوم عمومی ہے۔ یہ بات تمام احادیث سے تو اتر کے ساتھ واضح ہے جہاں جہاں قرآن میں ''یاایھا الذین آمنوا کے الفاظ آئے ہیں ان سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ اب اگر یہ آیت آئی ۹'' اے ایمان لانے والو! خدا کی اطاعت کرو اور خدا کے رسول کی اطاعت کرو اور صاحب امر کی'' اس آیت میں یا ایھا الذین آمنوا کے تحت افرادمعصومینؑ ممتاز ہیں لیکن آیت کے حکم کے اعتبار سے ان افراد سے تخصیص نہیں کی جاسکتی ۔ ایسی تمام آیتوں میں صفت ومدح کے ممتاز افرادمعصومینؑ ہی ہیں لیکن احکام کسی خاص ذات سے مخصوص نہیں ہے۔ ان احکام وواجبات ومحترمات کی اطاعت عوام کے لئے ہے۔ یہ دیکھ لینا چاہئے کہ احکام کی نوعیت ائمہ کے خصوصی مرتبہ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً اسی آیت میں یہ نتیجہ نکالنا کہ ان احکامات کی پابندی انہیں ائمہ معصومینؑ کے لئے مخصوص ہے صحیح نہ ہوگا۔

تنزیل وتاویل کے اصول کی وضاحت میں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ خصوصی معنی کے ساتھ عمومی معنی یک قلم ممنوع وموقوف نہیں ہوتے اور عمومی معنی کے ساتھ خصوصی مطالب ومقاصد زائل نہیں ہوسکتے۔ ترجموں اور تفسیروں میں اکثر وبیشتر یہ توازن نہیں ملتا۔ یا تو عمومیت کے نام پر خصوصیت پامال ہوجاتی ہے یا خصوصیت کے نام پر عوام کو احکامات سے بری الزمہ ہونے کا جواز مل جاتا ہے ۔ بالخصوص پہلے قسم کی تفسیر میں شعوری کوشش کا احساس ہوتا ہے ۔ اسی کا ازالہ کرنا تفسیر قرآن کا اصل نصب العین ہے۔ ایسی تمام تفسیریں جہاں عمومیت کی بناپر خصوصیت کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ہے وہاں فوق بلگرامی نے تنزیلی خصوصیات کا خاص طور پر تفصیلی ذکر کرکے آئمہ سے وابستہ خصوصیت کو بحال کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل یہی تنزیل وتاویل کے اصول تفسیر ومعانی کا مقصد بھی ہے جس کی کوشش انہوں نے اپنے تفسیر قرآن میں کی ہے۔'' میرا مقصد ہی یہی ہے کہ نفس اسلام کے ساتھ ان نفوش اسلام کے حقوق ، ان کے مراتب ومناقب اور ان کی خالص خدمات اسلام محفوظ کردی جائیں جن کے ذکرو اوصاف احادیث وقرآن کے متواترات ہیں۔

حوالے:

۱۔أَنِّی أَخْلُقُ لَکُمْ مِنْ الطِّینِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ فَأَنفُخُ فِیهِ فَیَکُونُ طَیْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِءُ الْأَکْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْیِ الْمَوْتَی بِإِذْنِ اللّٰهِ

۲۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

۳۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الاْنْسَانَ لَفِیْ خُسْر....

۴۔ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنْ الْخَاسِرِينَ

۵۔ افمن كان مؤمناً كمن كان فاسقاً ط لا يستوٗن..

۶۔ ياايُّهَا الّذِيْنَ آمَنُوا اِنْ جَائكُمْ...

۷۔ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ

۸۔ إِنَّمَا وَلِيُّكُمْ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

۹۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اوصاف قرآن

سید محمد ابراہیم حسنی

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ اس کی امید بخش شعائیں کل عالم کے رگ وپے میں جاری وساری ہیں۔ یہ وہ کلام ہے جسے ہر کلام پر فتح وپیروزی حاصل ہے اور اس کی صدا ملکوت سماوات کے حلق سے نکلی ہے۔ اور یہی وہ کلام ہے جو حقائق وکمالات کی علامت ونشانی ہے۔ یہ کلام، آفرینش کے جاری وساری چشمے سے جوش مارتا ہوا نکلا ہے۔ اور اس بحرِ حقیقت سے متصل ہے جس سے فیضیاب ہونے کے لئے ہم اس دنیا کے شورہ ذار میں کوشاں وسرگرداں ہیں۔

قرآن مجید کی فضیلت وبرتری کے اصول میں سے ایک یہ ہے کہ براہ راست خداوند تعالیٰ کی طرف سے فرشتۂ وحی الٰہی کے ذریعے رسول خداؐ کے قلب پاک پر نازل ہوا چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے، اسی لئے اس میں کوئی تراش، خراش اور تحریف کا گذر نہیں ہوسکا ہے۔

چنانچہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنّا لَهٗ لَحَافِظُوْن۔

رہا یہ ذکر، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (سورہ الحجرات آیت ۱)

اس کتاب مقدس میں انسان کی سعادتمندی کے تمام اوصاف موجود ہیں اور انسانوں کی راہ ہدایت اسی میں مضمر ہے اور کئی اعتبار سے دیگر آسمانی کتابوں پر اسے فضیلت وبرتری حاصل ہے اسی لئے دیگر تمام مذاہب کے پیروکار اسے خاص احترام اور قدرومنزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن ظاہری طور پر دلکش تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں جو معانی پنہاں ہیں وہ بہت ہی گہرے اور عمیق ہیں۔ امر واقعی یہ ہے کہ کلام اللہ کے الفاظ میں جو روح ہے اور معانی میں جو وسعت پائی جاتی ہے وہ کسی کتاب کے الفاظ میں نہیں سماسکتی۔ یہی نہیں بلکہ اس میں جو معارف ومعانی پنہاں ہیں وہ الفاظ کے قالب سے کہیں بالاتر ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت علیؑ کا قول ہے۔

اِنّ القرآن ظاهره انبق وباطنه عميق

یعنی قرآن ظاہراً زیبا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں گہرے معانی ہیں۔

حرف قرآن رامدان چون ظاہراست
زیر ظاہر باطنی ہم قاہر است

یعنی قرآن کے حروف کو فقط ظاہری چیز مت سمجھو۔ اس ظاہر کے بطن میں جو معانی پنہاں ہیں وہ الفاظ پر غالب ہیں۔

قرآن ہر زمانے اور ہر نسل انسانی کے لئے چراغ ہدایت ہے۔ چنانچہ اس بنا پر ہمیں زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس چراغ ہدایت کے نور سے بہرہ مند ہوں اور دیگر تمام اقوام کے مقابل کہیں زیادہ ہم اس کا قرب حاصل کریں، اور اس نورانی چراغ سے جو ہدایت کا سرچشمہ ہے ذرا بھی غافل نہ ہوں۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ علمی ومعنوی اعتبار سے قرآن مجید گوناگوں اور بلند وبالا پہلوؤں کا حامل ہے اور دنیا میں موجود تمام اقوال وارشادات کے درمیان فرمان قرآن سب کتابوں پر حاوی اور زیادہ موثر ہے۔ اس میں ایسے نکات موجود ہیں جو علوم وحقائق کا سرچشمہ ہیں اور یہ ابھی عیاں وبیاں نہیں ہوئے ہیں۔

قرآن بلیغ ترین وفصیح ترین کلام ہے۔ اس کی قرائت کا اثر اور اس کی فصاحت کا اعجاز ہے کہ قاری اور سامع دونوں ہی کے دلوں پر عجیب اثر وکیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ فرماتے ہیں'' اصدق القول وابلغ الموعظه واحسن القصص كتاب الله'' یعنی کتاب اللہ اپنے قول میں سب سے زیادہ راسخ، وعظ وپند میں بلیغ ترین اور داستانوں میں بہترین کتاب ہے۔ (ملاحظہ ہو امالی شیخ صدوق صفحہ ۳۹۴)

آیات قرآن کریم کی ذرا زیادہ دقت نظر اور غور سے دیکھیں اور اس کی برتری وبالائی کے بارے میں سوچیں تو ہم اس کے نورانی حقائق کا درک کرنے میں یقیناً کامیاب ہوں گے اور کلام الٰہی کی جوشان وعظمت ہے اسے ہم کتاب کے ذریعے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

کتاب ہدایت وراہنمائی:

قرآن مجید اس اعتبار سے کہ یہ کلام اللہ ہے اس میں تعمیری تخلیقی اور ہدایت بخشی کی اعلیٰ نشانیاں موجود ہیں، جن کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید انسانوں کی ہدایت کے لئے

نازل فرمایا ہے۔ اس میں ہدایت کے طریقے شیروشکر کی طرح سموئے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں حضرت محمد مصطفیؐ کا ارشاد ہے۔

" ولقد تحلی الله فی کلامه ولکنهم لایبصرون"

بالتحقیق خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام میں خود کو سمو دیا ہے لیکن انسان اس کو اچھی طرح نہیں سمجھتے۔(عوالی الاوالی جلد چہارم صفحہ ۱۱۹)

قرآن انسانوں کے لئے اور انسانی نسلوں کے لئے ہمیشہ چراغ ہدایت ہے ۔ اس بنا پر ہمیں زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس چراغ کے نور سے بہرہ مند ہوں۔ اس کام میں ان تمام امتوں سے جواب سے پہلے گذر چکی ہیں سبقت لے جائیں اور ایک لمحے کے لئے بھی اس راہنما اور ہدایت بخش چراغ کی روشنی سے غافل نہ رہیں ۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیؐ فرماتے ہیں۔

اذا لست علیکم الفتن کفطع اللیل النطلة علیکم بالقرآن

قرآن پندونصیحت اور وعظ کے عمدہ طرز بلاغت کے اصول پر نازل کیا گیا ہے۔(اصول کافی۔ جلد دوم صفحہ ۵۹۹)

چنانچہ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں :

ان هذ القرآن فیه منادی الهدی ومصابیح الدجیٰ ۔

قرآن میں ہدایت بخشی کی صحیح راہیں اور روشیں موجود ہیں جن میں انسانی ہدایت کی روشنیاں درخشاں ہیں۔(اصول کافی جلد دوم خطبہ صفحہ ۱۴۷)

جس شخص نے بھی کلام اللہ کو اپنا ہادی وراہنما بنالیا اس نے نہایت ہی ہموار راستہ اختیار کرلیا ۔ قرآن مجید کا یہ پہلو اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ نہ صرف ہمیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ قرآن کی طرف رجوع کریں اور اسے اپنا وسیلہ بنائیں بلکہ اس بات کی بھی ممانعت کی گئی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ الرضا فرماتے ہیں۔

لاتطلبو الهدیٰ فی غیر القرآن فتضلوا

قرآن کے علاوہ کسی سے ہدایت طلب نہ کرو وگرنہ گمراہ ہوجاؤ گے۔ (امالی شیخ صدوق صفحہ ۴۴۸)

قرآن مجید سے فیضیاب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسے سہل اور سبک کتاب نہ سمجھیں اور

اس بات کی کوشش کریں کہ ہدایت وراہنمائی کی جتنی بھی اس کی ابعاد ہیں انہیں سمجھیں جیسا کہ حضرت علیؑ نے قرآن مجید کے ہدایت وراہنمائی کے پہلو پر زور دیتے ہوئے اور زیادہ مضبوطی سے قائم رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

من اختارفوق الله ذليلا فهدى الى هى اقوم

جوشخص بھی خداوند تعالیٰ کے قول کو اپنی راہ کا ہادی بنائے گا ہدایت کے راستے پر زیادہ مضبوطی سے قائم رہے گا۔(نہج البلاغہ صفحہ ۲۰۵ ۔خطبہ ۱۴۷)

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لاَرَیْبَ فِیْه هُدًی لِّلْمُتَّقِیْن۔

یہ اللہ کی کتاب ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ۔ ہدایت ہے ان پر ہیزگارلوگوں کے لئے جوغیب پر ایمان لاتے ہیں۔(سورہ بقرہ آیات ۱۰۲)

اور اِنّ هٰذَاالْقرآنَ یَهْدِیْ لِلّتی هِیَ اَقْوَم

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے ۔(سورہ بنی اسرائیل آیت ۹)

اور بھی اس جیسی آیات قرآن ہیں جو اس اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

۳۔ جامعیت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَئْی

ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کردی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے (سورہ نحل آیہ ۸۹)

قرآن مجید میں ہر وہ اولین وآخرین چیز جس کا انسان کو اپنی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے اور اس کی اسے ضرورت پیش آتی ہے، پوشیدہ ہے۔ یعنی عہد ماضی اور آئندہ کے علوم قرآنی میں جمع کردئے گئے ہیں اور چونکہ اس کی نشانیاں آسمانی علوم سے ماخوذ ہیں اسی لئے ہرشخص نے ہر دور میں ان کی خاص تفسیر بیان کی ہے۔مختصر یہ کہ ان نشانیوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ۔ چنانچہ رسول خدا حضرت محمدؐ کا ارشاد ہے۔

من اراد الاوّلين ولاٰخرين فليثور القرآن

جوشخص بھی علم اولین وآخرین حاصل کرنا چاہے وہ قرآن کی طرف رجوع کرے۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۵۸۴)

قرآن کی برتری کے جو اصول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کلام براہ راست خداتعالیٰ کی طرف سے بذریعۂ فرشتہ وحی الٰہی رسول خداؐ کے قلب پاک پر نازل ہوا ہے۔ اور چونکہ یہ کلام الٰہی ہے اسی لئے اس میں اب تک کسی شک وشبہ اور تحریف کا شائبہ داخل نہیں ہوسکا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن۔(ہم نے یہ کلام اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔)

ہر کسی از ظن خود شد یار من　　از درون من نجست اسرار من

ہر شخص اپنے خیال کے مطابق میرا انیس تو بن گیا۔لیکن اس نے مجھ میں پنہاں اسرار وانور کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔

ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔(سورہ الانعام۔آیت ۳۸)

اور وَلَارَطْبٍ وَلَايَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

خشک وتر سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔(سورہ الانعام ۔آیت ۵۹)

اسی طرح قرآن کی آیات مشابہ میں بھی جامعیت کے اسی پہلو اور اس میں موجود علمی ومعنوی کمالات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ''لایعلمون " اور "یفھمون'' جیسے الفاظ میں اسی بات کی طرف اشاہ کیا گیا ہے کہ انسان قرآن کی ماہیت اور معانی تک نہیں پہنچ سکا۔چنانچہ اس ضمن میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

مامن شئی الا وعلمه فی القرآن ولٰکن عقول الرجال بمعجزعنه

کوئی چیز دنیا میں موجود نہیں جس کا علم قرآن میں نہ ہو،لیکن انسانی عقول ان کو سمجھے سے قاصر ہیں۔(ینابع المودہ صفحہ ۴۱۲)

قرآن مجید کا یاد کرنا:

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے۔ تعلموا القرآن فانه احسن الحدیث وتفقهوا فیه فانه ربیع القلوب ۔(اصول کافی ۔جلد ۱۲ صفحہ ۶۰۳ نہج البلاغہ، خطبہ۔ ۱۱۔صفحہ ۴۰۲)

یعنی قرآن مجید کو پڑھنا سیکھو کیونکہ یہ برترین کلام ہے۔ اس کے بارے میں سوچ جو کیونکہ یہ قلوب کی بہار ہے۔

قرآن مجید کی شناخت کے بعد اس کتاب مقدس کے فضائل کا سمجھنا ضروری ہے۔تا کہ ہم اس کے علوم کو صحیح طور پر سمجھیں کیونکہ قرآن دین کا بنیادی محور ہے اور یہ کتاب قانون الٰہی ہے۔ اسی لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کو یاد کرنے کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں حضرت امام جعفرصادقؑ فرماتے ہیں۔

ینبغی للمومن ان لایموت حتی یتعلم القرآن اویکون فی تعلمه"

مناسب یہ ہے کہ ایک مومن مسلمان دنیا سے اس وقت تک نہ جائے جب تک وہ قرآن کو یاد نہ کرے اور اسے وہ یاد کررہا ہو۔(اصول کافی جلد ۲ ۔صفحہ ۶۰۷)

صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ ہم قرآن کا پڑھنا سیکھ لیں بلکہ ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ اسے دوسروں کوسکھائیں ۔جیسا کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَمَ الْقرآن وَعَلَّمهٗ

تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے ۔'' یہ کام ایک خیر مطلق اور حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے جو انسانوں پر متعین کیا گیا ہے تا کہ وہ دوسروں تک اس علم کو پہنچائیں'' (جامع الاحادیث صفحہ ۷۴)

تلاوت قرآن

رسول خداؐ نے فرمایا ہے: "افضل العباده قراة القرآن

بہترین عبادت قرآن کا پڑھنا ہے۔(مجمع البیان جلد اول صفحہ ۱۵)

قرآن مجید کا پڑھنا سیکھ لینے کے بعد قرآن خوانی کی باری آتی ہے ۔ کیونکہ قرآن مجید کا پڑھ لینا اس امر کا آغاز ہے کہ نیک کام انجام دینے کے لئے اس کی قرائت کی جائے ، جو ہر حال میں ہونی چاہئے۔لیکن اتناہی کافی نہیں کہ مجالس ختم میں اسے پڑھ لیا جائے یا استخارہ دیکھنے کے لئے یا قرآن کی تلاوت اس لئے ترک کردی جائے کہ یہ ایک معمولی کام ہے۔ اگر اس طرح کا احترام کیا گیا تو اس شخص پر خدا کا سخت عذاب نازل ہوگا جو یہ قدم اٹھائے گا۔

جیسا کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

علیک بتلاوة القرآن علی کل حال

ہر حال میں تم پر قرآن کی تلاوت فرض ہے۔(اصول کافی جلد ہشتم۔صفحہ ۸۹)

قرآن مجید کا سننا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۔

جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ شاید کہ تم پر بھی رحمت ہوجائے ۔ (سورہ اعراف ۔آیت ۲۰۴)

قرآن مجید کا سننا ، اس وقت جب کہ وہ پڑھا جارہا ہو بہت زیادہ قابل قدر ہے اور جو لوگ علم قرآن کی نعمت سے بہرہ مند ہیں ان کے لئے لازمی ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن سننے کی جانب متوجہ کریں تا کہ وہ بھی اس کا رثواب میں شریک ہوسکیں۔

فن لغت کی کتابوں میں ''استماع'' کے معنی غوروتدبر کے ساتھ سننا ہیں تا کہ قاری (پڑھنے والا) اور مستمع (سننے والا) دونوں ہی اس تدبر سے بہر مند ہوسکیں جو قرآن میں موجود ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حقیقت کو درک کرنے میں زیادہ نزدیک ہوسکیں۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

قاری القرآن واستمع له فی الاجر سواء

قرآن پڑھنے والے اور سننے والے کیلئے بہت زیادہ اجر ہے ۔ (مستدرک الوسائل جلد چہارم صفحہ ۲۶۱)

چو قرآن بخوانند ، دیگر خموش بہ آیات قرآن فرداد گوشش

جب قرآن پڑھا جائے تو دوسرے لوگ خاموش رہیں۔ اور قرآن مجید کی آیات کو غور سے سنیں

قرآن مجید میں تدبر

قرآن مجید کے سلسلے میں جو ہمارے دیگر فرائض ہیں، ان میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کے معانی کے بارے میں غوروفکر کریں۔ نزول قرآن میں جو حکمت پنہاں ہے اس کے اصل محور کے بارے میں خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبی) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تا کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔ (سورہ ص آیت ۲۹)

قرآن کے بارے میں غوروفکر کرنا لازمی امور میں شامل ہے۔ قرآن مجید کے معنی کے بارے میں غوروفکر کرنے سے اس پر عمل کرنے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں ہمیں بات جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید میں جو اعلیٰ مفاہیم ومعانی موجود ہیں ان تک غوروفکر کئے بغیر نہیں پہنچا جاسکتا۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت علیؑ کا ارشاد ہے۔

الا لا خیر فی قرآنه لیس فیها تدبر

غوروفکر کے بغیر قرآن لکنت زبان سے زیادہ نہیں۔ (اصول کافی جلد ہشتم صفحہ ۸۹)

اگر چہ اس کا بھی ثواب ہے اور خاص فائدہ اس میں مضمر ہے لیکن یہ اقدام مکمل نہیں۔ اور یہ اقدام مقصد تک نہیں پہنچتا کیونکہ تلاوت قرآن، قرآن کو سمجھنے کا ابتدائی اقدام ہے اور جب تک اس کے اطراف وجوانب کے بارے میں غوروفکر نہ کیا جائے تو اس کے معانی درک نہیں کئے جاسکتے۔ جو لوگ قرآن مجید کے بارے میں غوروفکر نہیں کرتے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآن اَمْ عَلیٰ قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔

کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا یا ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں۔ (سورہ محمد آیہ ۲۴)

قرآن پر عمل

نزول قرآن کا انتہائی مقصد، اس کی تلاوت وتعلیم اور اس کے بارے میں غوروفکر سب کچھ اس لئے ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ☆

اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے جوایک برکت والی کتاب پس تم اس کی پیروی کرو۔ (سورہ الانعام۔ آیت ۱۵۵)

چنانچہ جو لوگ قرآن پر عمل نہیں کرتے اور صرف اس کی تلاوت پر ہی اکتفا کرتے ہیں در حقیقت اس عالمی مرتبہ کتاب مقدس کی شان اور اس کے صحیفے کی بے احترامی کرتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؑ ان لوگوں کے بارے میں جو ایسا اقدام کرتے ہیں انہیں کیا حاصل ہوتا ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

رب قالی القرآن والقرآن یلعنه

اس طرح تلاوت قرآن کرنے والے پر قرآن لعنت بھیجتا ہے۔

جس وقت آنجنابؐ سے سوال کیا گیا کہ ایسے کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایسے وہ لوگ ہیں جو قرآن تو پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ قرآن پر عمل نہ کرنے کے دیگر نشانات وعواقب یہ ہیں کہ ایسا شخص قیامت کے دن نابینا محشور ہوگا اور جہنم میں جائے گا۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: من قراء القرآن ولم یعمل به حشره الیه یوم القیامه اعمیٰ

وہ شخص جو قرآن کو پڑھے اور اس پر عمل نہ کرے وہ قیامت کے دن نابینا محشور ہوگا۔ (الاعمال۔صفحہ ۴۳)

حضرت امام صادقؑ نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی ہے کہ: قرآن کا پڑھنا اور اس پر عمل نہ کرنا گویا اس کی آیات کے ساتھ تمسخر کے مشابہ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

من قرأ القرآن من هذه الامه ثم دخل منهم النار فهو ممن کان یتحد بایات الله هزوا

اس کے علاوہ ایسا شخص روز قیامت قرآن کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ (جامع الانوار صفحہ ۵۲)

قرآنی حقائق کی جستجو:

حقیقت قرآن کے بارے میں جب گفتگو کرنے کی نوبت آتی ہے تو اس کا مقصد اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا تعلق نزول قرآن سے ہے۔ کیونکہ قرائت وتلاوت قرآن اس کے معنی ومفہوم اور اس کی حقیقت کو سمجھے بغیر لاحاصل ہے۔ چنانچہ اس بنا پر ان لوگوں کو جو قرآن کے پیروکار ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس کی حقیقت کا انکشاف کریں اور کوشش کریں کہ اس کے مفہوم کو دوسروں تک پہنچائیں اور قرآن کی حقیقت کو لوگوں پر عیاں کریں۔ لیکن یہ بھی جان لینا چاہئے کہ قرآن کا علم راسخ اور اس کی تفسیر وتاویل اہل بیتؑ کے پاس ہے۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ اہلبیتؑ کے پاس علم کا جوش مارتا ہوا چشمہ ہے اور وہ حامل علوم آسمانی ہیں۔ اسی لئے ان کے علم سے فیضیاب ہوئے بغیر حقیقت قرآن تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔

ان ما اوتینا تفسیر القرآن واحکامه

وہ تمام علوم جو ہمیں عطا کئے گئے ہیں وہ مثل علم تفسیر قرآن اور اس کے احکام ہیں۔ (اصول کافی، جلد اول صفحہ ۲۲۹)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے بھی فرمایا ہے کہ:

نحن الراسخون فی العلم واحکامه

علم تفسیر قرآن میں ہم راسخ بحق ہیں اور اس کی تاویل کے بارے میں بخوبی جانتے ہیں۔ (اصول کافی، جلد اول، صفحہ ۱۲۳)

حفظ آیات قرآن

حفظ قرآن کے دو مفہوم لئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کی حرمت کا تحفظ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ اس کی آیات کو از بر کیا جائے۔ یہاں ہماری مراد دوسرے مفہوم سے ہے۔

قال رسول اللهؐ لایعذب الله قلب ارعی القرآن

رسول خداؐ نے فرمایا۔ خداوند تعالیٰ اس دل پر جس نے قرآن کو اپنے سینے میں جگہ دی عذاب نازل نہیں کرے گا۔ (امالی شیخ صدوق۔، جلد اول صفحہ ۶)

قرآن اور اس کی آیات نورانی حفظ کرنے سے انسان کی فکر ونظر وچشم اور بینش قلب کو روشنی حاصل ہوتی ہے ذکر ویاد خدا کو اس کے ذریعے دلوں میں دوام حاصل ہوتا ہے۔ حفظ قرآن ہی سے انسانوں کو یہ توفیق حاصل ہوتی ہے کہ وہ فکر ونظر میں بالیدگی پیدا کریں اور حقائق معارف آسمانی سے بخوبی واقف ہوں۔ کیونکہ آیات قرآن اپنی وسیع روحانیت کے ساتھ انسانوں کے ذہن میں جاری رہتی ہے اور بقول حضرت امام جعفر صادقؑ اور انسانوں کے لئے عمل کی توفیق بیشتر فراہم کرتی ہے۔ قرآن کا حفظ کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا ان سفیروں کے ہمراہ ہوگا جو طریق کرامت الٰہی ہیں۔ (اصول کافی جلد دوم صفحہ ۶۰۳)

اس روایت کے مطابق قرآن کا حفظ کرنا اور اس پر کاربند رہنا مترادف قرار دئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کو حفظ کرنے میں کافی قدر ومنزلت ہے اور اسکا اجر بھی بہت معقول ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں،

ای الذی یعابع القرآن یحفظه بمشقه منه وقله حفظ له اجران

جس نے قرآن کو مشقت اور تحمل سختی کے ساتھ یاد کیا اس کے لئے دو اجر ہیں۔ ان میں سے ایک نفس کا اور دوسرا توفیق عمل (اصول کافی، جلد دوم صفحہ ۶۰۶)

قرآن کے حقیقی حافظ وہی ہیں جو اس پر عمل بھی کرتے ہیں جنہیں پیغمبر اکرمؐ نے اپنی امت کے برترین گروہ میں شمار کیا ہے چنانچہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ اشراف امتی حمله القرآن

میری امت میں انتہائی شریف وہ لوگ ہیں جو حامل قرآن ہیں ۔(معالی الاخبار صفحہ ۱۷۸)

یہ وارست گروہ اگر قرآن حفظ کرنے کے ساتھ اس کے مفہوم اور اس کی روح عالی کو سمجھے اور اس کے ساتھ ہی وہ اس پر عمل پیرا بھی ہوتو اس کا شمار اہل بہشت میں ہوگا۔ چنانچہ رسول مقبولؐ فرماتے ہیں۔

حمله القرآن عرفاء اهل الجنه

قرآن کے حامل وہ عارف لوگ ہیں جن کا شمار اہل جنت میں ہوتا ہے۔

آداب وآثار تلاوت کریم

اس بحث وگفتگو کا آغاز کرنے سے قبل ضروری ہے کہ قرائت قرآن کی اہمیت کے بارے مین آنحضرتؐ کی جو روایات ہیں انہیں بیان کریں ۔آپ فرماتے ہیں۔

اذا احب احدکم ان یحدث ربه فلیقرء القرآن

تم میں سے جو شخص بھی یہ چاہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے بارے میں گفتگو کرے وہ قرآن پڑھے ۔(کنز العمال ۔جلد اول ۔صفحہ ۵۱۰)

قرآن کلام خدا ہے اور انسان کی روح وجان سے مانوس ہے۔ اس کی قرائت درحقیقت خداوند تعالیٰ سے گفتگو کرنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ جب انسان تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہوتا ہے تو گویا وہ وحی کی اس آواز کو سنتا ہے جو اس سے ہمکلام ہوتی ہے۔ اور انسان خود بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے خداوندتعالیٰ کا قرب اور اس کا انس خاص اسے حاصل ہورہا ہے ۔ تلاوت قرآن کے وقت آدمی خود میں یہ محسوس کرتا ہے کہ گویاوہ اپنے رب کے ساتھ زمزمہ پردازی میں مشغول ہے۔ اسی وجہ سے انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ خداوندتعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کی جانب خاص توجہ کرے اور اس موقعے کوغنیمت جانے۔

تلاوت کے باطنی آداب

تلاوت قرآن کے جو باطنی آداب ہیں اس میں حضور قلب اور مکمل طور پر اس میں داخل ہونے کے لئے آمادگی ہے۔ افکار کی طمانیت روح کی ہر تشویش اور دنیوی تخیلات سے آسودگی ، قرآن کو سمجھنے اور اس سے انس پیدا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ خلوص نیت جو ہر عمل کے لئے نیکی کی میزان ہے قرآن کی عالی قرائت کے لئے ضروری امر ہے کیونکہ کوئی بھی عمل جو ریاکاری کے ساتھ کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور اچھا کیوں نہ ہو وہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہ کیا جائے گا اور اس کس اجر نہیں ملے گا ۔ اس بنا پر اگر کوئی شخص خودنمائی ، یا ہنرنمائی یا کسی اور نیت سے قرآن کی قرائت خوش اسلوبی کے ساتھ کرے گا یو بھی اس کا ثواب اسے نہیں ملے گا اور وہ شخص قرآن کی روح واستہ اور اس کی معنویت کو نہیں پہنچ سکے گا۔'' فصل الاعمال اخفا ہا'' میں اس کی جانب تاکید کی گئی ہے کہ قرآن کو مخفی طور پر پڑھو تاکہ ہر اس شائبے سے دور رہو جس سے ریاکاری کی بو آتی ہو کیونکہ تلاوت قرآن میں اصل سعی وکوشش کا تعلق تلاوت کی نوعیت سے ہے۔ اس کی قرائت آشکار طور پر بھی کی جاسکتی ہے۔ اس میں بھی بقول پیغمبر اکرمؐ خلوص نیت کی ضرورت ہے اسی لئے کسی ریا کارانہ خدشے کی دلدل میں آنے سے محفوظ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کو مخفی طور پر سکون اور بشاشت، قلب کے ساتھ پڑھا جائے۔ چنانچہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے۔

فصل قراته السر علی قرائة العلانیه کفسل الصدقة السر علی الصدقه العلانیه

مخفی طور پر قرآن پڑھنے میں برتری ہے اسے آشکارا پڑھنے میں ہے۔ جس طرح مخفی طور پر صدقہ دینے میں برتری علانیہ دینے کے مقابل زیادہ ہے۔

قرآن کی آیات میں غوروفکر

حضرت علیؑ کا قول ہے: تدبروا ایات القرآن واعشروا بد خانه ابلغ العرابه

قرآنی آیات کے بارے میں غور وفکر کرو، اس سے عبرت لو کیونکہ برترین اور زیبا ترین کلام عرب ۔(شرح غرر۔ جلد سوم ،صفحہ ۲۸۴)

قرآن کے بارے میں غوروفکر کرنا، اپنے مطلق معنی میں ایک مفصل اور جداگانہ بحث وگفتگو

کا موضوع ہے۔ ہم یہاں مختصر طور پر تلاوت قرآن کے ساتھ اس کے معنی سمجھنے کی جانب توجہ دیں گے ۔ کیونکہ اصل سہولت اور کلام اللہ کی زیبائی اس امر کے تحقیق اور اس کے معانی سمجھنے میں مضمر ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدّكِر۔

''ہم نے قرآن کو خدا سے گفتگو کرنے کے لئے آسان کردیا ہے۔ کیا تم اس پر غوروفکر کرنے والے لوگوں میں سے ہو'' جب قرآن معنی کو سمجھ کر اور اس پر غوروفکر کے ساتھ پڑھا جائے گا تو اس سے دل کو نور حاصل ہوگا۔ اور آخر میں اس کے ذریعے عام ہدایت حاصل ہوگی۔

قرآنی آیات کے حق کی پاسداری

تلاوت قرآن میں جو آداب شامل ہیں ان میں حق آیات کی پاسداری اور آیات کے معنیٰ کے ساتھ تلاوت کے تناسب کو ملحوظ رکھنا ہے۔ یہ امر تلاوت کو بہتر بنانے ،صحت تلاوت اور ارتقاء کیفیت کے لئے ضروری ہے تلاوت کے وقت پاکیزگی ۔ یاد خدا اور عفو وبخشایش کا خیال رکھنا ، دلکش لحن سے تلاوت کرنا اور ایسی آیات جن میں عتاب وعذاب اور دوزخ کا ذکر ہوا ہے انہیں حزن انگیز صدا کے ساتھ پڑھنا نیز گریہ وزاری کی کیفیت پیدا کرنا اور خدا سے پناہ مانگنا وہ حقوق ہیں جنہیں ادا کیا جانا چاہئے۔

قاری کا وقت قرائت حالت حزن پیدا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن کے معنی سمجھتا ہے اسی لئے وہ اس حزن کے ساتھ جو نزول قرآن کی تابانی ہے اس کا وہ تلاوت کے وقت پاس رکھتا ہے۔ رسول خداؐ کا ارشاد ہے۔

ان القرآن نزل بالحزن ، فاذا قراء تموه فابككو فان لم تبكو فتباكو

قرآن حزن کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اسی لئے جس وقت قرائت کروگریہ وزاری پیدا کرو۔ (امالی شیخ صدوق ۔صفحات ۳اور ۴)

تلاوت قرآن کے ظاہری آداب:

قرآنی آیات کے ظاہری آداب کو نگاہ میں رکھنا لازمی ہے اور ان آداب میں طہارت وپاکیزگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ☆ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ☆ لاَيَمَسُّهُ إِلاَّ الْمُطَهَّرُونَ ☆

یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے، ایک محفوظ کتاب جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ (سورہ واقعہ۔ آیہ ۷۹)

پاکیزگی: ہر عبادت کا آغاز کرنے کے لئے یہ پہلا قدم ہے اور یہ شرط ہے کہ اسے عملی جامہ پہنائے۔ باوضو ہونا، نجاست اور پلیدگی سے اجتناب وہ دو اصلی ابتدائی قدم ہیں جو عبادت کے لئے ضروری ہیں اور قرائت قرآن سے قبل ان کی پاسداری ضروری ہے۔ پاکیزگی کے بغیر قرآن کو ہاتھ لگانا قرآنی آیات میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ وضو کرنا اپنی جگہ نور ہے۔ قرآن کی موجودگی میں چونکہ یہ خانہ وحی الٰہی ہے اس لئے اس کا التزام عملی طور پر ضروری ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اول بروتو خانۂ دل را فروروب وآنکہ بیا باعاشقان ہمخانہ شو

پہلے تو جا اور دل کے گھر کو صاف کر۔ اس کے بعد آ، اور عاشقوں کے ساتھ ان کے گھر میں مل کر بیٹھ۔

اس کے علاوہ قبلہ رو ہونا، قرآن کے سامنے آداب کے ساتھ دوزانو بیٹھنا، ظاہری و باطنی طور پر آراستہ ہونے نیز قرآن کے سامنے حفظ مراتب اور ادب کا پاس رکھنا قرائت قرآن کے لئے دیگر ضروری ابتدائی اقدامات ہیں۔

خداوند تعالیٰ سے پناہ مانگنا اور نام خدا کا ورد کرنا۔

قرائت قرآن کے جو جملہ ظاہری آداب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ سے یہ پناہ مانگے کہ وہ شیاطین کے شر سے دور رکھے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے تاکید سے فرمایا ہے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّهِ مِنْ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ ☆

پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگو۔ (سورہ نحل۔ آیہ ۹۸)

تلاوت قرآن سے قبل مقرر اذکار کا بیان اور پسندیدہ دعاؤں کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اس کے ذریعے انسان میں قرأت قرآن کے لئے آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

اللّٰھم بالحق انزلناہ اللھم عظم رغبتی،واجعلنہ نورا لبصری وشفاء لصدری

اس کے بعد تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا جو سورہ برائت کے علاوہ ہر صورت کا جزء ہے۔اس سلسلے میں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

اغلقوا ابواب المعصية عند التلاوة بالاستعاذة، وافتحوا ابواب الطاعة بالتسمية:

تلاوت کے وقت شیطان کے شر سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ چاہنا گناہوں کے دروازے بند کردیتا ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے سے اطاعت کے دروازے کھل جاتے ہیں:(بحار الانوار، جلد دوم،صفحہ ۳۱۴)

قرآن مجید کی ناظرہ تلاوت

قرآن خوانی کے جو ظاہری اصول ہیں اور جن کے بارے میں تاکید کی گئی ہے ان میں قرآن کا ناظرہ پڑھنا ہے تاکہ ان لغزشوں سے جن کے سرزد ہونے کا احتمال رہتا ہے اور جو وسواس دل میں پیداہوتے ہیں ان سے ہم دور رہیں اور صحیح معنون میں اس کتاب مقدس سے بہرہ مند ہوں۔ روایات میں بھی ناظرہ قرآنی کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے تاکہ انسانی آنکھوں کو قرآن پاک کی عبارت دیکھنے کی جلا اور دل کو نورانیت حاصل ہو۔جس وقت رسول خداؐ سے یہ سوال کیا گیا کہ ہماری آنکھوں کو کس چیز سے دنیوی مفاد حاصل ہوسکتا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید کو دیکھنا اور دیکھ کر اسے پڑھنا۔

قرآن مجید کی صوت ولحن سے تلاوت:

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

زينو القرآن اصواتكم ثم قال ما اذن الله لشئى اذنه لحن الصوت بالقرآن۔

یعنی قرآن کو اپنی دلکش آواز سے زیب وزینت بخشو۔ کیونکہ خداوند تعالی نے اس کے برابر کسی دوسری چیز کے بارے میں تاکید نہیں کی ہے۔(سنن الدارمی جلد دو۔صفحہ ۴۷۴)

خداوند تعالیٰ نے ہر نعمت کسی خاص فایدے کے لئے انسان کو عطا کی ہے اور دلکش آواز اس لئے عطا کی گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کو لحن سے پڑھے۔ دلکش آواز اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ انسان سازوموسیقی کے ذریعے اس میں ہیجان پیدا کردے۔ اصولی طور پر دلکش آواز دہ نعمت ہے جو قرآن کی

تلاوت کرنے کے لئے انسان کو عطا کی گئی ہے کیونکہ خود قرآن صدا کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ اسی لئے اس کو دلکش آواز میں ہی پڑھنا چاہئے کیونکہ دلکش آواز ہی تلاوت قرآن کو خاص رونق وزیبائی عطا کرتی ہے۔ اور اس کی لحن سامعین کی روح میں جگہ پاتی ہے اس بارے میں پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:

لکل شئی حلیة وحلیه القرآن صوت لحن

ہر چیز کے لئے زیب وزیبائی ہے اور قرآن کی زینت دلکش آواز ہے۔

دوسری طرف دلکش آواز سے قرائت قرآن اور مناسب صوت ولحن کے ساتھ اس کی تلاوت دانشمند لوگوں کے افکار وخیالات کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ یہ سوئے ہوئے لوگوں کو خواب غفلت سے بیدارکرتی ہے۔ اور اس کی لحن مشتاقان خدا کی جانوں اور ان کے دلوں کو نوازتی ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے کسی شخص سے سوال کیا کہ تم قرآن کی قرائت لحن کے ساتھ کیوں کرتے ہو۔ اس شخص نے جواب دیا تاکہ سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کروں اور شیطانوں کو خود سے دور رکھوں۔ اس پر آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ یہ بہت اچھی بات ہے لیکن اس کے لئے نیت خالص کی ضرورت ہے۔

وقت کے تقاضے کے مطابق آہستہ قرائت کرنا:

قرآن کو سمجھنے اور اس سے انس پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی قرائت آہستہ اور اطمینان کے ساتھ کی جائے۔ اور تلاوت مناسب حد کے اندر ہونی چاہئے ۔ اسی لئے روایات میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ قرائت کمیت کے ساتھ کی جائے۔ اور کہیں بھی زیادہ پڑھنے کے بارے میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ کمیت کے بارے میں زوردیا گیا ہے۔اسی لئے حضرت علیؑ نے قرآن کے جو اجزا مقرر کئے ہیں وہ اس اصول کے تحت ہیں اور اس امر کو تحقیق بخشتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق نے بھی تلاوت کی حد مقرر کی ہے اور ہر مرتبہ کے لئے پچاس آیات معین فرمائی ہیں۔ رسول مقبولؐ کا ارشاد ہے۔

من قراء القرآن فی اقل من تلاوة لم یفقهه

جو شخص بھی تین سے کم مدت میں قرآن ختم کرلیتا ہے اس نے یقیناً قرآن کو نہیں سمجھا۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں آرام ونرمی (ترتیل) کے ساتھ قرائت کرنے کا ذکر کیا گیا ہے

"وَرَتِّلِ الْقُرْآن تَرْتِيْلًا"

قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔(سورہ مزل آیت ۴) یہ بات بھی اس بنیاد پر قائم کی گئی ہے تاکہ آیات کے بارے میں غوروفکر کا موقعہ مل سکے ۔ اور اس کے ذریعے معنویت کی روح پیدا ہوسکے۔حضرت ام سلمہ نے رسول خداؐ کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرتؐ ہمیشہ قرآن آہستہ آہستہ اور حرف بحرف پڑھا کرتے تھے۔ اس بناپر اگر قرآن کو آہستہ آہستہ پڑھا جائے تو اس کے ذریعے ہم اپنے اصل مقصد تک بھی پہنچ سکیں گے۔یعنی آیات قرآنی کے معنی سمجھ سکیں گے اور اس کے ساتھ ہم اجروثواب کے بھی زیادہ نزدیک ہوجائیں گے۔ حضرت امام جعفرصادقؑ فرماتے ہیں:

قرآن جلدی جلدی مت پڑھو بلکہ اسے آہستہ آہستہ پڑھو۔ اور جب کسی آیت پر پہنچو جہاں بہشت یا اس کے نام کا ذکر آئے تو تھوڑا تامل کرو اور خدا سے اس کو مانگو اگر کوئی ایسی آیت پڑھو جس میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہوتو خدا سے اس سے بچنے کے لئے پناہ مانگو۔(اصول کافی ۔ جلد دوم صفحہ ۴۲۲)

پسندیدہ طریقے سے ختم قرآن:

نیک نیتی کے ساتھ ختم قرآن اور صدق نیت ودعائے ختم قرآن ، تلاوت کے جملہ آداب اور صحیح طور پر اسے انجام دینااصول قرائت میں شامل ہیں۔یعنی خدا کے صادق ہونے کا اعتراف اور اپنے اعتقادی اصول میں راسخ ہونے کا بیان کرنا۔

بعض روایات میں قرائت میں داخل اور خارج ہونے کے آداب کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے:**ان یقول فی ابتدا ء اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وفی الاخرہ یعترف** بصدق اللہ العلی العظیم۔

یعنی شروع میں وہ کہے کہ شیطان رجیم سے پناہ مانگتاہوں اور آخر میں یہ صدق دل سے اللہ کی عظمت اعتراف کرے۔(سنن دارمی جلد۔ دوم۔صفحہ ۴۷۴)

واردہ دعاؤں کے علاوہ ۔ دعائے ختم قرآن بھی پڑھو تاکہ اس کلام اللہ کے آستانے سے فیضیاب ہوسکو اور مرادوں سے اپنا دامن امید بھرسکو۔ختم قرآن کی دعاؤں میں سے ایک دعا

یہ بھی ہے۔

اللھم ذکر فی منه مانسیت وعلمنی منه ماجھلت وازقنی تلاوته اناء اللیل واناء النھار واجعله لی حجة یارب العلمین

آثار تلاوت، جلائے قلوب

قرائت قرآن انسان کی روح کو صفا وپاکیزگی بخشتی ہے دلوں کا زنگ دور کرکے اسے جلابخشی ہے اور گناہوں کی کثافت وآلودگی کو دورکرتی ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر، عجز ونیاز اور دعا شامل ہے۔ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں

ان ھذه القلوب لنصدا کما لیصد الحدید وان جلاھا قراته القرآن

قرائت دلوں سے زنگ کو اس طرح صاف کردیتی ہے جس طرح لوہے پر سے زنگ اتر جاتا ہے۔ دلوں کے زنگ کوقرائت قرآن قرآن ہی جلا بخشی ہے۔(ارشادالقلوب ص ۷۸)

انس والفت

قرآن بہترین ہمدم اور تمام ساتھیوں میں سے بڑھ کر یا رومددگار ہے۔ بالتحقیق جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو خدا کے ساتھ انس جذبہ ہم میں بیدار ہوجاتا ہے اور ہم میں وہ روح پھونک دی جاتی ہے جس کے اوصاف ناقابل بیان ہیں اور یہ روح ہمارے باطن کو صفا بخشتی ہے اور ایسی لذت بخش حالت پیداہوتی ہے کہ دل نہیں چاہتا کہ ہم اس سے جدا ہوں۔ رسول خداؐ کا فرمان ہے۔

من انس بتلاوة القرآن لم قوحشه بعارفة الاخوان

جس شخص کو تلاوت قرآن سے انس پیداہوجاتا ہے و دوستوں کی جدائی سے نہیں گھبراتا۔ (شرح درر صفحہ۔ ۳۶۹)

اس کے علاوہ قرآن انسانوں کی روح کے نزدیک ہے۔ انسانی روح کو سکون وآرام تلاوت قرآن کی روشنی میں ہی میسر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام سجادؑ فرماتے ہیں:

لومات من فی الشرق والمغرب لما استو حشت بعد انه یکون القرآن

جو کچھ دنیا کے مغرب ومشرق میں ہے سب فنا پذیر ہیں۔ میں جب تک قرآن میں محو

رہتا ہوں تو تنہائی اور گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا۔

گناہوں کی بخشش

معنوی برکات اور قرآن کی روحانی نشانیاں ترک گناہ اور توبہ کے لئے میدان ہموار کرتی ہیں اور آخر کار قاری قرآن کے لئے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنتی ہیں۔ یہ قرآن خوانی کی برکت ہے جو دنیا وآخرت میں شفاعت کا ذمہ لیتی ہے۔ اس دن جب کہ کوئی کسی کی داد وفریاد سننے والا نہیں ہوگا تو یہ تلاوت ہی یارومددگار ہوگی ۔ چنانچہ حضرت محمدؐ نے حضرت سلمان فارسی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا سلمان علیک بتلاوۃ القرآن فان قرائتہ کفارۃ الذنوب

اے سلمان قرآن کی تلاوت کر۔ کیونکہ تلاوت قرآن ہی گناہوں کا کفارہ کرے گی۔

وسعت رزق:

قرائت قرآن کے دیگر اوصاف یہ ہیں ، روزی میں برکت پیدا ہوتی ہے، لوگوں کو روزگار اور امور زندگی میں خوشحالی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے

ان البیت اذا قرء القرآن علی اھلہ و کثرخیرہ

جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہاں رزق میں وسعت اور روزگار میں ترقی ہوتی ہے۔

قیامت کے دن رفعت وبلندی

حضرت امام کاظمؑ فرماتے ہیں:

ان درجات الجنۃ علی عد آیات القرآن فاذا کان یوم القیامہ قیل لقاری القرآن اقروا وارفع

بہشت میں درجات آیات قرآن کی بنیاد پر مقرر کئے جاتے ہیں ۔ چنانچہ جس دن قیامت برپا ہوگی تو قاری قرآن سے خطاب کیا جائے گا کہ اسے پڑھ اور بلندی حاصل کر۔

یہ الفت اور اعلیٰ مدارج صرف قیامت کے دن ہی حاصل نہیں ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی قاری کے لئے عزت ، سربلندی اور بزرگواری موجود ہے۔ اس مضمون کو رسول اکرمؐ کی ایک روایت

بیان کر کے ختم کرتا ہوں، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

من قراء القرآن فکانما اور جبت النبوہ بین الحسنہ

جو شخص قرآن کی قرائت کرتا ہے گویا وہ نبوت کے مدارج کی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔

ꕥ♦ꕥ

عصری اقتصادی مسائل اور تعلیمات قرآن

پروفیسر شاہ محمد وسیم، علی گڑھ

قرآن کریم کا پیغام تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے، مسلمان کے لئے ہے، مومن اور صاحبان تقویٰ کے لئے ہے۔ کی تلاوت کرنے والوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ ہم سب خدائے برحق ورحمٰن ورحیم کی مخلوق ہیں، وہی وحدہ لاشریک ہم سب کا رب ہے۔ لہٰذا ہمیں اسی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہئے جو صراط مستقیم ہے، ہمیں اسی کے احکام کی پیروی کرنا چاہئے، تاکہ ایک صحتمند معاشرہ اور نظام معاشرت قائم ودائم رہے، جس میں سب کو زندہ رہنے کا حق ملے، نہ کوئی کسی کا حق دبائے اور نہ اپنا حق کھوئے۔ وسائل کا استعمال وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلاَتُسْرِفُوا(سورہ الاعراف آیت ۳۱) مقرر کردہ حدود میں رہ کر کیا جاوے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَتُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ☆ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔ اور تو دیدے قرابت دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کا بھی اور مت خرچ کر بیجا مصارف میں ۔ یقیناً بیجا صرف کرنے والے بھائی شیطان کے اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی منکر ہے'' اس طرح وسائل اور مواقع کا بٹوارہ عین موجب عدل ہوگا۔

وسائل اور دولت اور اس کو حاصل کرنے کے مواقع کے غیر عادلانہ بٹوارے کی صورت میں حقوق پائمال ہونے لگتے ہیں، اور امیر وغریب ،خوشحال اور بدحال افراد اور گروہ ظہور پذیر ہوتے ہیں، جن کے درمیان رشہ کشی ، استحصال اور خودغرضی کو بڑھا واملتا ہے۔ آیئے ! ہم اس صورت حال کا تجزیہ کریں اور مسائل کا حل تعلیمات قرآن کی روشنی میں تلاش کریں:

جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ہماری اس دنیا میں ، جہاں اتھل پتھل اور افراتفری ہمارا ہر روز کا مشاہدہ ہے، مسائل ہی مسائل کیوں نظر آتے ہیں ،تو جواب دینے والے بہت کچھ اور کچھ بھی کہہ سکتے ہیں ! لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ بے اطمینانی، بے وجہ جنگ وجدال ، آپسی تعلقات میں ایک دوسرے سے کشیدگی اور اسی طرح کی دوسری باتوں کی وہ ایک اور صرف ایک لفظ میں بیان کردیں، تو بات ذرا مشکل نظر آتی ہے۔ مگر دراصل ایسا نہیں ہے، کیونکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے'' نا انصافی '' کیونکہ عدل کے مفقود ہونے کی وجہ سے چاہے وہ کلی طور سے ہو یا جزوی طور سے بے اطمینانی کی فضا پنپنے

لگتی ہے، جس کے عمل اور ردعمل کے نتیجے میں وہ عمل ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو خود بھی اکثر عدل وانصاف کو بالائے طاق رکھ کر خود غرضانہ طور پر سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ اگر مرکز میں ذراسی بھی بے اعتدالی ہوتی ہے تو مرکز کے چاروں طرف بے اعتدالی اور برائیاں تناسب سے کہیں زیادہ ہوتی چلی جاتی ہیں، بالکل اسی طرح ایک ٹھہری ہوئی سطح آب پر ایک چھوٹا سا پتھر پھینکنے جانے سے اس کے اطراف میں پہلے لہر کا ایک چھوٹا سا دائرہ نمودار ہوتا ہے۔، پھر اٹھتی ہوئی لہر در لہر دائروں کو وسیع اور وسیع تر بنادیتی ہے۔ اس صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ جب افراد نا انصافیوں اور عدل کے مفقود ہو جانے کا مشاہدہ کرتے ہیں، تو ان میں سے بیشتر صرف اور صرف اپنے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے خود اپنے نفس کی تعیناتی اور ہوا وہوس کے تحت اقدام کرتے ہیں۔ اس طرح اگر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ کسی مرکز سے اٹھنے والی لہروں کا جال مرکز سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے۔ لہروں کا دائرہ اتنا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور جب بادمخالف ان کی سد راہ ہوتی ہے تو اس کا زور گھٹتے گھٹتے کم ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غیر عدل کا سدباب عادلانہ اقدامات کر سکتے ہیں۔ مصنف نے اس نظریۂ کو دباؤ والی لہروں کا نظریہ فساد (Repressire Wave Corruption Theory) کہہ کر بیان کیا ہے۔

عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ پر ہر ایک کا بھرپور اعتماد ہوتا ہے۔ اسی لئے معاشرہ صحتمند رجحانات وعمل کا حامی ہوتا ہے۔ در اصل یہ معاشرہ اپنی جہت آپ پاسکتا ہے اس کی بھرپور نشوونما اور ترقی ہوسکتی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ کوئی بھی مادی نظام جس کی اساس عقائد وعمل پر نہ ہوتو وہ اپنی منزل پاسکتا ہے اور نہ قائم ودائم رہ سکتا ہے۔

استحصال، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری اور جلد امیر ہونے کی ہوس نے معاشرہ کے ڈھانچے پر ضرب کاری لگائی ہے۔ آج نظام حیات مفلوج سا ہوکر رہ گیا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ ایسے میں حقوق پائمال ہوتے رہتے ہیں۔ خاص کر ان کے جو مجبور وناتواں اور بے سہارا افراد ہیں، جن میں محنت کش مزدور بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مجبور وناتواں کے حقوق کو پہچانیں اور خود بھی اکل حلال کمانے اور جائز طور پر روٹی روزی کمانے کے طریقے اپنائیں۔ ''مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنے کی عادت ڈالیں اور خود بھی محنت سے منہ نہ موڑیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانے والے اور محنت سے منھ موڑنے والے لوگ دنیا میں کچھ کر ہی نہیں سکتے، وہ نہ اپنے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور نہ اپنے اہل وعیال اور متعلقین کے ساتھ۔

انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق کے ودیعت کئے ہوئے مقصد حیات کو پالینے کے لئے اس طرح مشغول عمل رہے کہ وجود باہم (Mutual Existence) کا عامل بن جائے۔ پیغمبرؐ آخرالزمان نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ''الناس کأنسان المشط (یعنی لوگ مثل کنگھی کے دانوں کے ہیں) پھر بھلا اسلام انسان انسان کے مابین غیر عدل کو کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ یہ غیر عدل ہی ہے جس کی وجہ سے نظام حیات، چاہے وہ معاشرتی ہو، اجتماعی ہو یا سیاسی فاسد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور یاد رہے کہ خود اپنے نفس کو بھی عدل پر بالادستی حاصل نہیں ہے۔ یہی پیغام قرآن ہے۔ اور شاد ہو رہا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۲

(یقیناً اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ پہچا دو امانتیں ان کے مالکوں تک اور جب تم فیصلہ کرو مابین لوگوں کے تو حکم کرو عدل کے ساتھ۔ یقیناً اللہ اس بارے میں تم کو بہت اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے)

اور یہ کہ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوْ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللّٰهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَتَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۳

(اے وہ لوگو! جو لائے ہو تم عدل پر قائم رہنے والے (اور) اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو خواہ تمہارے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور قرابتداروں کے اور کوئی (امیر ہو یا غریب (کے) پس اللہ ان سے اولیٰ ہے۔ پس تم پروی نہ کرو خواہش نفس کی عدالت کے بارے میں اور اگر تم پھر کر گواہی دو گے یا بالکل انکار کروگے (تو) جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اس سے خوب واقف ہے)

مندرجہ بالا آیت میں کچھ سب بیان کردیا گیا ہے۔ عدل وانصاف نے ہر معاملہ اور ہر ہر فرد کا احاطہ کرلیا ہے۔ عدل اتنا ہی ضروری ہے کہ کتاب خدا اس کی طرف پار بار توجہ دلاتی ہے۔ قرآن کا نظریۂ عدل بے مثال ہے۔ صحن عالم میں فرد کی فرد سے اور کسی قوم کی کسی قوم سے یا قوموں سے دشمنی عدل پر کاربند نہ ہونے کا سبب بنتی ہے۔ معاشرہ اور معیشت سبھی بگڑ کر رہ جاتے ہیں۔ زمین کا قصہ ہر یا زرکا، تجارت کی بات ہو یا نمود وتقسیم دولت اور وسائل کی اس آیت کی رع سے عدل سے کام لینا چاہئے۔ نہ کوئی ظالم رہے اور نہ کوئی مظلوم۔ دشمن کے ساتھ ہی عدل کرنا ہے۔ یہی

حکم خداوندی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلاَيَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۴

(اے ایماندارو! خدا (کی خوشنودی) کے لئے عدل کے ساتھ گواہی دینے کے لئے تیار رہو اور (دیکھو) تمہیں کسی قوم کی عداوت اس جرم میں نہ پھنسادے کہ تم ناانصافی کرنے لگو۔ (خبردار) تم (ہر حال میں) عدل کرو۔ یہی پرہیزگاری سے بہت قریب ہے اور خدا سے ڈرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو (اچھا اور یا برا) خدا اسے ضرور جانتا ہے)۔

قرآن کے چھٹے پارہ میں سورہ المائدہ کی ۴۱ ویں اور ۴۲ ویں آیتوں کے معنی ومطالب پر غور فرمائیں، ان لوگوں کا ذکر ہورہا ہے جو دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کا مزہ چکھی گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی باتوں کو غور سے سنتے ہیں اور حرام خور ہیں، اس کے باوجود حکم خدا ہے کہ ...''

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۔۵ (پس اگر تم فیصلہ کرو (تو ان کے مابین عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔اب مندرجہ بالا احکامات کی رو سے اگر ہم عصر جدید کے معاشرتی اور اقتصادی مسائل کی الجھتی گتھی میں غیر امانتدارانہ اقدامات کا تجزیہ کریں تو ہمیں پروا ہوگا کہ یہ غیر عادلانہ اور یہ زندگی اور معاشی اور معاشرتی اقدامات ہیں جنہوں نے انسان کا دل انسان سے اور بھائی کا دل بھائی سے کشیدہ کردیا ہے۔ ساتھ رہتے ہی مگر بے اعتباری کے ساتھ۔اس طرح انسانی معاشرہ فاسد ہوکر روبہ زوال ہے۔

عصر جدید کے اقتصادی مسائل مختلف النوع ہیں، مگر ان سب کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے، عدل کی کمی یا اس کا مفقود ہونا۔ یہی وجہ ہے کہ استحصالی قوت پنپتی ہے، چاہے وہ مستضعفین کا مستکبرین کے ہاتھوں استحصال ہو یا وسائل کا غیر منصفانہ بٹوارہ یا پھر امیر وغریب کا فرق سب ہی اسی کے مظہر ہیں۔ لیکن دنیا میں رائج مختلف النوع اقتصادی نظریات اور طریقہ کار جن کے اپنے اپنے اصول ہیں، سے ہٹ کر اسلامی اقتصاد کی بنیاد ''باہمی ذمہ داری اور سماجی عدل'' پر مبنی ہے اور سماجی عدل کا اسلامی پرتو دو عام اصولوں کو سموئے ہوئے ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی نہج اور اپنا تشخص ہے۔ ان میں سے پہلا (اصول) ہے باہمی ذمہ داری کا عام اصول اور دوسرا اصول ہے سماجی توازن (Social Balance) کا (انہیں کے تحت) اصل سماجی اقدار اسلامی نظریۂ باہمی ذمہ

داری اور توازن کے زیر اثر رہ کر حاصل کئے جاتے ہیں۔زریں اصول سماجی عدل نمائیاں ہوتا ہے۔... اسلام نے تابناک تاریخی تجربہ کے دور میں وہ اقدامات کئے جس کی وجہ سے ایک بہترین انسانی سماج کی تشکیل ہوئی۔ (یہ اصول) آسان اور نمائیاں تھے۔جن کا تمام تر تعلق معاشرہ کے اصل جزو سے تھا''۶

اس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ نفسیاتی عنصر کو بھی نظر میں رکھتا ہے۔ ، اس فکر کے ساتھ کہ'' اس کی تشکیل روحانی اور دانشورانہ ہو، اور اس طرح کہ اس کے نظریات اور مقصد میں تال میل رہے'' اسلام اصلاً ایک منصفانہ سماجی اور اقتصادی نظام کی تشکیل پر زور دیتا ہے ۔ ایسا سماجی اور اقتصادی نظام جس میں'' جبر و استبداد کی صورت حال نہ ہو۔ جہاں امیر غریبوں سے زور زبردستی کے انداز میں گفتگو نہ کریں، ان کا استحصال نہ کرسکیں، انہیں کم منزدوری پر محنت کرنے کے لئے مجبور نہ کریں۔ مستضعفین کو تقویت دنیا چاہئے اور ان کی بہتری کے لئے اقدامات کرنا چاہئے''۷

ہم سب خدا کی مخلوق ہیں۔ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ عدل کی رو سے روابط رکھنا چاہئے اور یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جو برا کرے گا عدل وانصاف کی رو اس کا مزہ چکھے گا۔ جو اچھا کر نے والے ہیں وہ بھی اس کا نتیجہ حاصل کریں گے ۔ یہ دنیا انسانوں کے لئے خلق کی گئی ہے لہٰذا ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم وسائل کا استعمال نیکیوں کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے کریں تاکہ حدیث رسولؐ کی روشنی میں یہ دنیا آخرت کی کھیتی بن جائے (الدنیا مرزعة الاخره) بن جائیگا اس کا مطلب یہ ہے کہ عصر جدید کے تمام تر اقتصادی مسائل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ یہ بھول چکے ہیں کہ اس دنیا کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ اگر ایمان ہے (جو ہونا چاہئے کہ ہر روز کا شمشانوں اور قبرستانوں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ) ہر ایک ذی روح کو ایک نہ ایک دن یہ دنیا چھوڑنا ہے ۔تو یہ خیال بھی رہنا چاہئے کہ اس دنیا کے وسائل کا ہمیں صحیح طور پر جائز اور منصانہ استعمال کرنا چاہئے ،مکر ودغا، فریب وفساد، چاہے وہ اقتصادی برائی کا باعث ہو یا سماجی برائی کا سبب سے بچنا چاہئے اور خدا کی زمین اور اس کے بندوں کو شر اور فساد سے دور رکھنا چاہئے۔ اس ضمن میں ذرا مندرجہ ذیل الفاظ قرآن پر غور کریں۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاکَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلاَتَنسَ نَصِيبَکَ مِنْ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ کَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْکَ وَلاَتَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لاَيُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۔۸

(اور جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے اس میں آخرت کے گھر کی بھی جستجو کراور دنیا سے جس قدر تیرا حصہ ہے مت بھول جا، اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے، تو بھی اور وں کے ساتھ احسان کر اور روئے زمین میں فساد کا خواہار نہ ہو، اسی میں شک نہیں کہ خد فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا)

لہٰذا انسان کی ذمہ داری ہے کہ زاد آخرت بھی جمع کرے اور دوسروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک سے پیش آئے ، کہ زمین فساد سے پاک رہے۔فساد صرف جھگڑوں اور قتل وغارتگری ہی کا نام نہیں ہے ، دوسروں کے حقوق کا غضب کر لینا کمزوروں اور بے سہارا افراد پر ذہنی دباؤ بنائے رکھنا اور ہر طرح کا استحصال فساد کے زمرہ میں آتے ہیں ۔

مندرجہ بالا اصول انسان کو نقطۂ اعتدال پر رکھنے میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔انسان کو اصولوں پر کار بند رہنا چاہئے اور جیسا کہ حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کے لئے اپنے وصیت نامہ میں تحریر کیا ہے'' .....اپنے اور دوسروں کے درمیان خود اپنی ذات کو میزان بنا نا چاہئے ،'' جو بات خود اپنے لئے'' ناپسند'' ہو، اسے دوسروں' کے حق میں بھی کی نا پسند'' کرنا چاہئے ۔'' کسی پر ظلم نہ'' کرنا چاہئے'' کیونکہ دوسرے کا ظلم (کوئی) اپنے آپ پر نہیں چاہتا ۔لوگوں کی جو با تیں (خود اپنے لئے) ناپسند ہوں، وہ ان کیلئے بھی نا پسند'' کرنا چاہیں ۹ ۔انسان کو خدا نے زمین پر صاحب تصرف قرار دیا ہے اور اس میں .....(اسکے لئے) وسائل معاش عطا کئے ہیں : وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۱۰ (اور یقیناً تمکنت دی ہم نے تم کو زمین اور پیدا کئے تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان ۔ بہت کم ہے ، جو شکر کرتے ہو) ۔ اور وسائل کے بے جا استعمال پر، جیسا کہ اس مضمون میں ابتدا کہا گیا ہے ، یہ کہ کر روک لگادی کہ کھاؤ پیومگر اسراف نہ کرو ، کیونکہ یہ اسراف ہی ہے جو ہوا و ہوس کا ذریعہ بن کر استحصال کی راہ کی طرف لے جاتا ہے ، انسان کو اکسانا ہے ۔ اس طرح معاشرہ اتھل پتھل کا شکار ہو جاتا ہے ۔لوگوں کے دل ا یک دوسرے سے کشیدہ رہتے ہیں اور اصل انسانی روابط مٹتے چلے جاتے ہیں ۔لہٰذا یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ انسان اکل حلال کمائے اور اس سے اپنے جائز مطالبات کو پورا کرے ، اور اعتدال کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ رزق حلال کمانے کیلئے سعئی پیہم کرنے میں حرکت وبرکت ہے ، یہی درس ہمیں اسلام انسان کی عظمت اور اس کی عظمت کا رگری کو دوبالا کرنے کیلئے ہمیں دیتا ہے ۔ یہاں پر یہ بیان کر دینا

مناسب ہوگا کہ ہم انتظامی امور (Administration) ، کھیتی باڑی (Agriculture)اور اس سے وابستہ کاموں اور صنعتوں (Industries) اور تجارت (Trade) میں لگ کر اپنے لئے اکل حلال کماسکتے ہیں ۔عصر جدید کی اصطلاح میں پیدا وار (Production) کے چار وسائل (Factors of Production)،یعنی زمین(Land)،محنت(Labour)،تنظیم اور انتظامی امور (Organisation and Managemet) اورنیچکاری (Enterprise)کے ذریعہ روزی حاصل کی جاسکتی ہے ، بشر طیکہ ملاحتوں ، سرمایہ اور کا ر کردگی کا مصرف جا ئیز طریقہ سے کیا جائے ۔ مثلاً پیداواری وسائل(Factors of Prodnction) کا مصرف نشہ آور چیزیں بنانے اور ان کی تجارت کی جائے تو ایسا کر نا حرام ہوگا زمین سے حاصل کی جانے والی یعنی کھیتی باڑی سے حاصل ہو نے والی آمدنی جائیز تصور کی جائے گی ۔ اگر زمیں دوسروں کو استعمال کے لئے دی گئی ہوتو جائز طور پر ، رضامندی کیساتھ، حاصل کی گئی آمدنی کا شمار لگان (Rent)میں کیا جائے گا ۔مزدوروں ، کا رندوں اور منتظمین کی آمدنی کا شمار اصطلاحاً مزدوری (Wages)میں ہوگا ، چاہے وہ کسی فردیاطبقہ کی جسمانی محنت سے تعلق رکھتی ہویا دماغی (ذہنی)محنت سے ۔ ہم جسمانی محنت وکدوکاوش سے حاصل ہونے والی آمدنی کوکو ئی بھی نام کیوں نہ دے لیں مثلاً مزدوری (Wage)جو جسمانی محنت کی اجرت تصور کی جاتی ہے ، یا تنخواہ (Salary)جس سے دفتروں میں کام کرنے والوں کی اجرت ادا کی جاتی ہے ،مگر یہ دونوں کوعلم الاقتصاد (Economics)میں مزدوری (Wages)ہی کہاجاتا ہے کیونکہ محنت جسمانی ہو یا ذہنی دونوں محنت کے زمرہ میں آتی ہیں اور محنت کی اجرت مزدوری ہے۔ اب رہا روپیہ قرض دے کر سود کمانا ، تو ہمیں یا د رکھنا چاہئے کہ اسلام جو سرمایہ اور سرمایۂ کاری کے فوائد کوتسلیم کرتاہے ، سرمایہ کوادھار دے کر اس سے سود کمانے کوحرام قرار دیتاہے'' کیونکہ دراصل سود ہی ہے جو لاگت (Cost) کا جزوبن کر قیمتوں میں اضافہ کا باعث ہوتاہے اور بڑھتی ہوئی قیمتیں شرح سود میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں اور معاشرہ ایک ایسی صوررت حال سے دوچار ہو جاتا ہے جہاں سود اور قیمت ایک دوسرے کا پیچھا کرتے ہیں۔ اسی لئے سودایک پہلے سے طے شدہ نرخ (Rate)پر لیا اور دیا جاتاہے۔ اسلام نے استحصالی سودی نظام (Exploitative System of Interest) کے بدلے مضاربہ ۱۱؎ کو جائیزقرار دیا ہے سودی نظام میں سود خور اپنے مال کومحض سودخوری کے لئے استعمال کرتا ہے اورخود معطل ہوکر رہ جاتا ہے اور اپنی تمام کدوکاوش کوسود کے ذریعہ مال کے بڑھانے میں لگا دیتا

ہے ۔مضاربہ میں نہ تو سرمایہ معطل رہتا ہے اور نہ سرمایہ کاری کرنے والا اور اس طرح سے نہ صاحب مال۔ جو صاحب مال اپنا مال کاروبار کے لئے پیش کرتا ہے ، اسے مضاربہ کہتے ہیں۔ عامل وہ ہوتا ہے ، جو اپنی صلاحیتوں اور محنت کو بروئے کار لاتے ہوئے ایجینٹ بنکر کام کرتا ہے۔ اس طرح مضاربہ میں بنک ، مضارب اور عامل ، دونوں کے مابین صاحب مال کا وکیل بن کر اس کا مال عامل کے حوالے کرتا ہے ۔ اس طرح '' اسلامی فقہہ میں 'مضاربہ' وہ مخصوص قرار داد ہے، جو سرمایہ کے مالک اور کاروبار کرنے والے کے درمیان اس شرط پر طے پاتی ہے کہ کاروباری آدمی صاحب مال سے اسکا مال لے کر کمیشن پر کاروبار کرے ۔ اس طرح ایک فریق کا مال رہے اور دوسرے کی محنت ۔ اور فائدہ میں دونوں فریق فیصدی کے اعتبار سے حصہ دار ہوں ۔ ۱۲؎ اگر کاروبار میں منافع ہوگا تو دونوں فریق اپنی قرار داد کے بموجب منافع کو آپس میں تقسیم کر لیں گے ۔ اور اگر مال اصلاً مثل سابق باقی رہے گا ، (یعنی) نہ تو منافع ہوگا اور نہ نقصان ، تو اس صورت میں صاحب مال کو اسکا پورا مال واپس مل جائے گا اور محنت کرنے والے کی ساری محنت برباد ہوجائے گی اس طرح صاحب مال نے وہ منافع نہ حاصل کیا جو وہ اپنے مال کو کہیں اور لگا کر حاصل کرتا اور عامل نے اپنی محنت کا اجر۔ اور اگر سرمایہ گھٹ گیا یعنی خسارہ ہوا تو اس خسارہ کی یا نقصان کو سرمایہ کے مالک کو برداشت کرنا پڑے گا، کاروبار کرنے والے، عامل ،کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاوئے گا اور نہ اس سے کوئی تاوان طلب کیا جائے گا ۔ اس کی سزا کے لئے اس کی محنت کا اکارت ہو جانا کافی ہے ۔''

'' البتہ اگر ایجنٹ کو مال مضاربہ کے بجائے قرض پر دیا گیا ہے تو اس سے خسارہ کی تلافی کا مطالبہ کیا جائے ۔ اس لئے کہ نقصان سے قرض کے مطالبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس صورت میں منافع ہونے پر بھی صاحب مال کچھ نہیں لے سکتا ، اس لئے کہ قرض دیکر کر فائدہ اٹھانا سود ہے اور سود اسلام میں حرام ہے ۔ ۱۳؎

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں سودی نظام سے ہونے والے نقصانات پر ذرا غور کیجئے :بڑھتے ہوئے سود کا لاگت (Cast) میں شامل ہونا ، نقصان کی صورت میں بھی سود کا ادا کیا جانا اور بیمار صنعتوں (Sick Industries) اور اکایوں (Units) پر سود کا بڑھتا ہوا بوجھ ہمارے معاشی نظام کو کہاں سے کہاں لئے جا رہا ہے؟ قیمتیں بڑھتی جا رہی ہیں ۔مضاربہ کی صورت میں ہر ایک کو اسکا حق ملتا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری نبھانا ہوتی ہے ۔ کسی کو کسی دوسرے سے محض خود اپنی ہی بھلائی کو

مدنظر رکھ کر معاملات طے کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے ۔'' مضاربہ کے معاملات میں بنک اور صاحبان اموال کا حق نکالنے کے بعد منافع کا حقیقی مالک عامل ہی ہوا کرتا ہے ۔ جس طرح کہ سودی بنکوں میں بنک کا سود ادا کرنے کے بعد سارے فوائد کا مالک وہ کاروباری انسان ہوتا ہے ، جس نے بنک سے بطور قرض مال لے کر اپنے کاروبار میں لگایا ہے ۔ ۱۴

عدل وانصاف پر مبنی ایک صحت مند معاشرہ میں یہ ممکنات میں سے ہے کہ افراد اور ادارے ایک دوسرے کو پہچانتے ہوئے ، ایک دوسرے کے اتنے قریب آجاویں کہ بنکوں کی وکیل محض کی حیثیت سے ضرورت ہی نہ پڑے اور لوگ ایک دوسرے کیساتھ خود خدا لگتا عہد وپیمان کر لیں ۔ البتہ تکنیکی صلاح دینے اور مالی اور اقتصادی مشوروں کے لئے ان بنکوں کی ضرورت پڑسکتی ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستقبل میں غیر سودی بنک کاری کے نظام کے تحت بنکوں کے مقاصد اور ان کے دائرہ کار میں نمائیاں فرق نمودار ہوسکتا ہے ۔ اور آج بھی بنک اپنے ماضی کے خطوط اور نہج کے مقابلہ میں نمائیاں طور پر نئی راہیں تلاش کرتے چلے جارہے ہیں ۔

بعض حضرات غیر سودی نظام بنک کاری کو ایک اسلامی نظریۂ اور تحریک کہہ کر ' ٹال ' سکتے ہیں ' مگر انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مسئلہ سود اور سودی نظام بنک کاری بہرحال ایک مستقل موضوع بحث بنا ہوا ہے ۔ مشہور مغربی ماہر اقتصادیات گاڈفرائیڈ ہیبرلر (Godfried Haberler) کا کہنا ہے :'' سود کا نظریہ عرصہ دراز سے معاشیات کی سائنس میں ایک کمزور (استدلال کی) حیثیت کا حامل رہا ہے ، اور (آج بھی) سود (Interest) کی تشریح اور اس کے نرخ کا تعین ماہرین اقتصاد کے مابین رمعاشیات کے کسی (بھی) عام نظریۂ کی شاخ سے کہیں زیادہ ، بدستور اختلاف باعث اختلاف بنے ہوئے ہیں ۔ ۱۵ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے واقعات اور حالات کے دھاروں نے ایک خاص نہج اختیار کر لی ہے ، جسکی وجہ سے دنیا میں ایک افسوسناک طبقاتی نظام وجود میں آگیا ہے ۔ انسان کا انسان سے منھ موڑنا ، بٹوارہ کی صورت اختیار کر چکا ہے ۔ متکبرین اور مستضعفین کے طبقات وجود میں آچکے ہیں ۔ استحصالی قوتوں نے بنی نوع انسان کو خوش حال افراد (Haves) اور محروم افراد (Have-nots) میں بانٹ دیا ہے ۔ پچھڑے ہوئے غریب افراد ' گروپوں اور ممالک کی قسمت آج بھی بین الاقوامی سطح پر ہونے والے مذاکرات اور اقدامات (زیادہ تر زبانی جمع خرچ) اور تحریری دستاویزات کی مرہون منت ہے ۔ ان کی قسمت

گویا کہ ساکت وصامت دبکی ہوئی محو حیرت ہے ۔ اشتراکیت (Communism) اور سرمایہ دارانہ نظام (Capitalist System)دونوں ہی اس اعلان کے ساتھ کہ انھوں نے کم وسائل والے اور محروم افراد وممالک کی تقدیر بدلنے میں نمائیاں کردار ادا کیا ہے ، ایک دوسرے سے متضاد دعوے کرتے رہے ہیں ۔ اور یہ کم وسائل والے افراد تہذیب وتمدن کی ارتقائی منزلوں پر گامزن رہنے کے باوجود آج بھی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اقتصادی دستاویزیں لکھنے والوں کی توجہ محض کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

خوش حال افراد وممالک کی ذمہ داری ہے کہ خدا نے انھیں جن مادی اور ذہنی وسائل سے نوازا ہے ، انھیں جو استعداد جسمانی اور ذہنی عطا کی ہے ، اسکے لئے وہ اپنے خالق کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ،مفلوک الحال افراد وممالک کے دکھ درد کا خیال کریں ۔ ارشاد خداوندی ہے کہ : الم ☆ ذَلِکَ الْکِتَابُ لاَرَیْبَ فِیهِ هُدًی لِلْمُتَّقِینَ ☆ الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنفِقُونَ ☆ ۱۶ (الم ، یہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں ، ہدایت ہے ان متقیوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز اور جو کچھ ہم نے ان کوی دیا ہے ، اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں .....)

بقول علامہ اردبیلی انہیں انکی طرف آسرا لگائے ہوئے افرادکو اپنی دولت میں سے دینا چاہیئے تاکہ غذا اور لباس میں مالک اور غلام برابر ہو سکے ۔ ابوذرغفاری کے لئے کہا جاتا ہے کہ انہیں نے جب پیغمبرؐ کو یہ کہتے سنا کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں ، انہیں وہی لباس عطا کرو، جوتم خود پہنتے ہو، جو کچھ تم کھاتے ہو ، اسی میں سے نہیں بھی کھلاؤ'' تو اس کے بعد سے ان کے اور ان کے غلاموں کے لباس میں کوئی فرق دیکھنے میں نہیں آیا ۔ اس طرح مندرجہ بالا آیات کی روسے مستضعفین جہاں اور کمزور اور بچھڑے ہوئے افراد اور ممالک کی امداد کی طرف توجہ مبدول ہوتی ہے۔

قرآن بنی نوع انسان کو اپنے علم اور اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دوسروں کے استحصال سے منع کرتا ہے کیونکہ تمام تر قوت وصلاحیت چاہے وہ مادی وسائل کیوجہ سے ہوں یا ذہنی ہوں سب خدائے بزرگ اور مالک یوم الدین کا عطیہ ہیں ۔ اس لئے انسان ترقی اور اقتدار کے جتنے زینے بھی چڑھتا چلا جائے اسے شکر خدا کرتے رہنا چاہئے ۔ تاریخ عالم میں قارون کا عبرتناک واقعہ موجود ہے ۔ قرآن از راہ نصیحت اس طرف ہماری توجہ مبذول کراتا ہے : قَالَ إِنَّمَا أُوتِیتُهُ عَلَی عِلْمٍ

عِندِی أَوَلَمْ یَعْلَمْ أَنَّ اللّٰہَ قَدْ أَھْلَکَ مِنْ قَبْلِہِ مِنْ الْقُرُونِ مَنْ ھُوَ أَشَدُّ مِنْہُ قُوَّۃً وَأَکْثَرُ جَمْعًا وَلاَیُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِھِمْ الْمُجْرِمُونَ ۔۷۸

قارون کہنے لگا کہ یہ مال ودولت تو مجھے اپنے علم (کیمیا) کی وجہ سے حاصل ہوا ہے ۔ کیا قارون نے بھی خیال نہ کیا کہ اللہ اس سے پہلے ان لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے ،جو قوت اور جمعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر کے تھے۔ اور گنہگاروں سے ان کی سزا کے وقت ان کے گنا ہوں کی پوچھ گچھ نہیں ہوا کرتی۔ اس طرح اسلام اپنے علم کو بروئے کار لاتے ہوئے ، دوسروں کا استحصال کرنے والوں کے ارادوں پر روک لگاتا ہے ۔

مندرجہ بالا آیات میں بیان کردہ اصول کی روسے اگر افراد اور ممالک ، افسر اور تاجر ، پڑھے لکھے اور اور دیگر سب ہی لوگ اپنا اپنا محاسبہ کریں تو یہ دنیا استحصال ،ظلم و استبداد اور اقتصادی نا برابری سب ہی سے پاک ہوجائے گی ، بشرطیکہ نیت صاف ہو اور کارگزاری بامقصد ۔

عصر جدید میں دولت کے اور دولت کمانے کے مواقع کے نامساعد بٹوارے کیوجہ سے سماجی اور اقتصادی فلاح کے لئے کی جانے والی کوششوں کی ضرورت اوراہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے ،کیونکہ صحن عالم میں'' آزاد جمہوری نظام'' کے نعرے بلند ہیں ، جن کی رو سے زیادہ سے زیادہ افراد کا زیادہ سے بھلا (Maximum Good of Great Numbers) ہوتا چاہیئے ۔ اگر اکثریت کی جائیز اور مدثر وقبول آواز اپنا مقام حاصل کرے ، تاکہ عوام پر امن اور خوشحال زندگی کے مقصد کو حاصل کر لیں اور مختلف افراد اور قوموں کے مابین زیادہ سے زیادہ اتفاق اور اتحاد پیدا ہو سکے ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آج جبکہ ہمارے سروں پر نفاق اور جنگ وجدال کے بادل منڈھلا رہے ہیں ،نوع انسان میں سے ہر ہرفرد کے مابین (Mutuality)اور با اہمیت والے وجود (Mutual Existence) کی ، نہ کہ وجود باہم (Co-existence) کی ضرورت ہے ، تاکہ انسانیت کی آواز اسلحوں کی جھنکار تلے دب کر لا وجودیت کی نیند میں سونہ جائے ۔لوٹ کھوٹ اور استحصال کے بدلے محنت ومشقت کیساتھ حلال طریقوں سے روزی کمانا واجبات میں سے ہے۔ ارشاد رب العزت ہے : یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لاَتَأْکُلُوا أَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَنْ تَکُونَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِنْکُمْ (ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ)لیکن یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو ..... (سورۃ النساء آیت ۲۹) حدیث میں وارد ہے کہ حلال طریقوں سے دولت کا حاصل کرنا ، تاکہ خوداپنی اور اپنے اہل وعیال کی روزی حامل کی جا سکے ،صرف واجبات

ہی میں سے نہیں ہے ، بلکہ مذہب کی رو سے قابل مدح بھی ہے ۔،

قرآن افراد اور گروہوں کو اپنے عمل کے ذریعہ جائز مطالب اور فوائد حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے ۔ ارشاد ہے : وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِ نسَانِ إِلاَّ مَا سَعَى ،۱۸؎ اور یہ کہ انسان کیلئے نہیں ہے مگر وہی جسکے لئے اس نے کوشش کی ۔ دوسروں کے حقوق کو پائمال کرنا اور خودارادی طور پر بے کار (Unemployed) پڑے رہنا ، دراصل ایک لعنت ہے ، کیونکہ اس طرح کی زندگی گذارنے کی اگر اجازت دے دی جائے تو ایک ایسا معاشرہ ۔ ایک ایسا سماجی اور اقتصادی نظام اور اسکا ڈھانچہ (Structure) ابھر کر سامنے آے گا کہ جس میں اور ان کے گروہ ، علاوہ ان لوگوں کے صاحبان ایمان اور عمل ہیں ، ہمیشہ اس گھات میں لگے رہیں گے کہ کب کوئی موقعہ ہاتھ آئے اور وہ دوسروں کا مال ہڑپ کر لیں اور ان کے حقوق پائمال کر ڈالیں ۔ اس طرح ایسے افراد دولت اور صرف دولت اکٹھا کرنے میں لگ جائیں گے ، جائیز اور ناجائیز میں بلا کسی فرق کے ۔ ظاہر ہے کہ ان اقدامات سے معاشرہ بے راہ روئی حقوق کی پائیمالی اور ظلم ظہور پذیر ہوں گے ۔ بے کاری اور تعطل کا دوردورہ ہوگا ۔ لہٰذا حلال طریقہ زندگی ہی ان کا سدباب کر سکتا ہے ، قرآن ہمیں تعلیم دیتا ہے : يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنْ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۱۹؎ (اے رسولو! تم کھاؤ پیو پاک چیزوں میں سے اور نیک عمل کرو ، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو جانتا ہوں) اس طرح اگر طیبات ہی غذا استعمال میں آئیں گے تو حرام ومکروہ اشیاء کی پیداوار وتجارت سب ختم ہوجاویں گے اور وسائل کا استعمال صحیح اور فائدہ بخشی اشیاء کی پیدار ونمود کے لئے ہوگا ، نہ کہ منشیات اور دوسری نقصان دہ اشیاء اور دہشت گردی کا سامان پیدا کرنے کے لئے ہوگا ۔ اس طرح اسلامی علم اقتصاد اہ اہل منفعت (Real Useful ness) پر زور دیتا ہے کہ محنت اور مزدوری سے پہلو تہی کرنا اور اپنی غرض سے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور بلا وجہ ''نظر کرم'' کی عرضداشت پیش کرنا ، کسی بھی معاشرہ میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے ۔ حدیث میں وارد ہوا ہے :

''وادی میں جا کر لکڑی جمع کرنا اور اسے فروخت کرنا ، بھیک مانگنے ، بے معنی قناعت کرنے اور کاہلی سے بہتر ہے'' ایک دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے کہ'' جو اپنے ہی ہاتھوں (محنت) سے کمائی ہوئی روزی پر زندہ رہتا ہے ، قیامت کے دن پیغمبروں کے ساتھ ہوگا اور ان سے انعام حاصل کرے گا ۔ اسی طرح ایک راوی حدیث میں وارد ہوا ہے ۔ کہ'' تم میں سے کسی نے اس سے زیادہ

بہتر غذا نہیں کھائی جسے اس نے اپنے قوت بازو سے کمایا ہوا''

منقول ہے کہ کسی نے پیغمبرؐ سے ایک ایسے شخص کی بے حد تعریف کی، جو ان کے سامنے مسجد میں عبارت میں مشغول تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کے آزرقۂ زندگی کے بارے میں استفسار کیا۔ جب آپؐ کو یہ بتایا گیا کہ اس کا بھائی اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کرتا ہے تو آپؐ نے فرمایا:

'' اس کا بھائی اس سے زیادہ عبادت کرتا ہے:

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اکل حلال کمانا، اہل وعیال اور متعلقین کی کفالت کرنا اور ان کے روزی روٹی بہم پہونچانا بھی عنادت ہے کیونکہ اسلام ساری زندگی کا احاطہ کرتا اور آخرت کرتا اور آخرت کی جستجو کی تعلیم دیتا ہے۔ اس طرح اسلام ایک ایسا نظام عمل پیش کرتا ہے، جو انسان کی روز مرہ کی زندگی سے قریب اور وابستہ ہے۔

ایک اور حدیث اس نکتہ کو واضح کرتی ہے: محنت ومشقت کر کے روزی کمانے والے'' ہاتھ کو آتش (جہنمی کبھی نہ چھوئے گی) کیونکہ اس ہاتھ سے اللہ اور اس کا رسولؐ محبت کرتا ہے۔ وہ انسان جو اپنے ہاتھوں سے کی جانے والی مشقت کے ثمرہ پر زندہ رہتا ہے، اس پر خدا کو اپنا لطف وکرم فرماتا ہے'' اس کے علاوہ احادیث میں یہ بھی درج ہے کہ خدا کے رسولؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ'' مجھے وہ افراد پسند ہیں جو'' چڑھتے گرم) سورج میں اپنی روزی کمانے نکلتے ہیں ۔'' اور یہ کہ وہ جس کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ'' ایسا شخص ہے جو گھر پر بیٹھ رہتا ہے (اھ) اللہ سے روزی عطا کرنے کی دعا کرتا ہے ، اور اسے حاصل کرنے کے لئے (کوئی) کوشش نہیں کرتا ہے۔'' ایسے شخص کے حصہ میں صرف ملامت آتی ہے اور اس کی ملامت اللہ اس طرح کرتا ہے۔'' کیا اس نے (اللہ نے) تمہیں تندرست اعضا وجوارح روزی کمانے کے لئے عطا نہیں کئے ہیں'' مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب نے فرمایا ہے'' جو سستی کا فرمانبردار بنا، اس نے حقوق کھودئے۔''

اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی عظمت اس کے محنت کرنے سے جڑی ہوئی ہے۔ کیا اس صحن عالم میں نظر آنے والی ایجادات اور نت بدلتے ہوئے نئے نظام اور ان کے تحت چلنے والے ادارے اور رونما ہونے والی ترقیاں ذہن انسانی کے مرہون منت نہیں ہیں؟ اسی انسان کی جسے اللہ نے اشرف المخلوقات بنا کر روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اسی لئے اس کی ذمہ داریاں بسیار

اور اہم ترین۔ بیشک انسان کو مقصد حیات دے کر خلق کیا گیا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ دنیا کو امن وسلامتی سے بھر دے تا کہ عدل وانصاف خدا کے بندوں کو بہم پہونچے اور دنیا آخرت کی کھیتی بن کر لہلہاتی رہے۔ نہ جھوٹے معاہدہ کئے جائیں اور نہ اقرار نامے اور وعدے توڑے جائیں۔ قرآن کا حکم ہے۔ یا ایّھا الذین لما تقولون مالا تعلمون (اے ایمان والو! وہ (بات) کیوں کہتے ہو جس تم انجام نہیں دیتے) تجارتی افراد ناموں کو لیجئے، ان پر تجارت، مال کی پیداوار خرید وفروخت اور لین دین کا انحصار ہوتا ہے۔ ان کے بہر وقت صحتمند طور پر انجام پذیر ہونے سے معاشرہ اور معیشت دونوں کی صحت وابستہ ہے۔ اگر ان کا توڑنا اور بر وقت انجام پانا کسی ایک فرد واحد یا گروہ کی منفعت ہی کے لحاظ سے کیا جاتا ہے تو معاشرہ اور معیشت بے چینی، اتھل پتھل اور خودغرضی کا شکار ہوجاتا ہے، چاہے یہ معاہدے افراد سے تعلق رکھتے ہوں یا ممالک ان کا دیانتداری کے ساتھ پورا ہونا فروسماج کی خوشحالی اور بہتری کی ضمانت ہے۔ قرآن حکم دیتا ہے اوفوا باعقود (اقرار کو پورا کرو)

عصر جدید کا آمدنی اور خرچ دار مقدار کا نظریہ (Income and Expenditure to the Quantity theory of Money) زر کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں برابر آتے جاتے رہے۔ ہر زور دیتا ہے، تا کہ افراد کے ہاتھوں میں قوت خرید آتی آتی جاتی رہے۔ اخراجات کی وجہ سے آمدنی وجود میں آتی ہے۔ کارگران اپنی محنت کر کے قوت خرید بصورت زر حاصل کرتے ہیں، اور ان ہی کی محنت کے نتیجے میں اشیاء اور خدمات کا ایک سرچشمہ جاری ہوتا ہے، جو بازار آ کر بکتا ہے، اس لئے جب تک خرچ نہ کیا جاوے گا، نہ تو روپیہ پیسہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائے گا اور نہ آمدنی وجود میں آئے گی۔ اسی طرح زر کی رفتار سفر افراد کے عمل خرچ کی وجہ سے (کم یا زیادہ) ہوتی ہے۔ کوئی بھی سماجی اور اقتصادی نظام بتدریج مائل بہ ترقی رہ کر، چل ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس میں مال (Goods) اور خدمات (Services) کی پیداوار۔ (Production) اور اسکی توزیع (Distribution) کی رفتار بھی تیز نہ ہو۔ اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ ذخیرہ اندوزی کو ختم کیا جائے اور آمدنی اور مواقع کا بٹوارہ بھی عادلانہ ہو، کیونکہ ان کے صحتمندانہ رجحانات کی وجہ سے انسان اور انسان کے مابین تفاوت کی بڑھتی ہوئی خلیج اقتصادی نظام کو تہس نہس کر دیتی ہے۔ دولت کے ناجائز طور پر جمع کرنے پر پابندی عائد کی جائے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ

''کسی بھی ملک کی تباہی اور بربادی کی اصل وجہ اس کے عوام کی غربت ہوتی ہے، اور عوام

کی غربت کی اہم اور مرکزی وجہ اس کے حکمرانوں اور افسران کی وہ خواہش ، جس کی وجہ سے وہ دولت اور ملکیت کو بڑھاتے ہیں، چاہے وہ جائز طور سے ہو یا ناجائز طریقے سے''

آخر میں یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ قارئین نے آغاز مضمون میں دباؤ والی لہروں کا نظریۂ بدعنوانی (Repressive ware Corruption Theory) ملاحظہ کیا تھا۔ اگر مرکز پر حکمراں اور افسران کے ہاتھوں کوئی چھوٹی سی چھوٹی بدعنوانی بھی ہوتی ہے تو اس کا اثر اور اس کی مقدار مرکز سے دوری کے ساتھ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں ۔ منجملہ اور وجوہات کے ایسا اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ عوام میں ایک ایسا نظریہ پنپنے لگتا ہے کہ جس کی رو سے وہ یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ جب حکمراں ایسا ہے تو ہمارا کیا قصور ؟ لہٰذا حکمراں کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے اعمال اور اقوال اس طرف نشاندہی کریں کہ حکمرانوں کو حضرت علیؑ کے اس عملی قول سے سبق لیا ہے کہ'' خدا نے ائمہ برحق پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے کو فعلس ونادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تا کہ مفلوک الحالی اپنے فقر کی وجہ سے پیچ وتاب نہ کھائے۔''۲۰

آپؑ نے درس عدل عمل کو بیان کرکے اس طرح بھی دیا کہ'' کیا میں اس بات پر خوش ہوجاؤں کہ مجھے امیر المومنین کہاجاتا ہے ،مگر مومنوں کی مصیبتوں میں ان کا شریک حال نہ ہوں۔ روکھی سوکھی زندگی میں ان کے لئے نمونہ (عمل) نہ بنوں؟ اس لئے تو مجھے پیدانہیں کیا گیا ہے کہ اچھے کھانوں میں میرا دل اس بندھے ہوئے چوپائے کی طرح اٹکا رہے ، جسے اپنے چار دانے کے سوا کوئی فکرنہیں ہوتی ، یا کھلے ہوئے جانور کی طرح ہوجاؤں جس کا کام بس چرنا ہے ۔گھاس سے پیٹ بھرلیتا ہے اور موسواسے غافل رہتا ہے کیا میرے لئے یہ مناسب ہے کہ یوں ہی بے مطلب ، فائدہ عبث زندگی بسر کروں ؟''۲۱ آپ نے مسائل کے حل اور عوام کے دکھ درد میں حکمرانوں کے شامل ہونے کی ضرورت کو یہ کہہ کر بیان کیا'' اگر میں چاہتا تو آسانی سے شہد مصفی سے گیہوں کے خلاصے سے ، اس نرم ریشم سے تن آسانیاں مہیا کرسکتا تھا، مگر یہ کہاں ممکن ہے؟ خواہش مجھے مغلوب نہیں کرسکتی ، حرص اچھے کھانوں پر رجھا نہیں سکتی، جبکہ ہوسکتا ہے کہ حجاز ویمامہ میں کوئی ایسا ہو، جسے ایک روٹی بھی میسر نہ ہوئی ہو، کیسے ہوسکتا ہے کہ میں شکم سیر ہوں اور میرے اور میرے گرد بھوکے پیٹ ، جبکے جگر بھوک سے جل رہے ہوں''۲۲

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں عصر جدید کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے میں

حکمرانوں ، صاحبان اقتدار اور عوامی خدمت گزار وں کی کیا ذمہ داری ہے، واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے۔ سچ ہے کہ وہ معاشرہ ہو یا معیشت ، فرد ہو کہ گروہ ، ملک ہو کہ قوم سب کو عدل پر قائم رہنا چاہئے۔

حوالے:

۱۔قرآن ،سورہ الاسراء ، آیات ۲۶۔ ۲۷

۲۔سورہ النساء ، آیت ۵۸

۳۔ایضاً ،آیت ۱۳۵

۴۔قرآن سورہ المائدہ ، آیت ۸

۵۔ایضاً آیت ۴۲

۶۔ آیت اللہ سید محمد باقر الصدر، The Islmaic Economics (ترجمہ اقتصادنا) سروش نمبر ۳ ترجمہ از مصنف)، تہران اسلامی جمہوریہ ایران، مئی ۱۹۹۱

۷۔ آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ ،تقریر بموقعہ تشکیل اسلامی جمہوریہ ایران ، ۳/اپریل ۱۹۷۹ء

۸۔سورہ القصص ، آیت ۷۷

۹۔ نہج البلاغہ صفحہ ۷۷۶، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی ، احباب پبلیشر ،لکھنؤ ۱۹۸۲

۱۰۔قرآن ،سورہ الاعراف ، آیت ۱۰

۱۱۔'' سودی بنک کاری میں بنک دوطرفہ تعلق رکھتا ہے، ایک مال دینے والوں سے ، دوسرا قرض لینے والوں سے ، اور اسلام کے قانون میں یہ دونوں تعلقات ایک ہی تعلق کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جہاں مال دینے والا براہ راست قرض لینے والے سے وابستہ ہوجاتا ہے اور بنک صرف ایک واسطہ کی حیثیت سے باقی رہ جاتا ہے ۔ مذہبی اصطلاح میں اس معاملہ کو مضاربہ ، سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''

آیت اللہ سید محمد باقر الصدر، غیر سودی اسلامی بیکنک کا مکمل نظام صفحہ ۷۲، ترجمہ سید ذیشان حیدر جوادی، جمالی پبلیکشن ،بمبئی ، ۱۹۷۴

۱۲۔ ایضاً ،صفحہ ۷۲

۱۳۔ ایضاً ،صفحہ ۸۸

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ The Theory of Interest has for long time been a weak spot in the Science of Economics , and the explanation and deternimation of the interest rate still gives rise to more disagreements amog Economists than any other branch of economic theory (Haberler G, Prosperity and depression Leagne of Natious, Frist edition: p 195)

۱۶۔قرآن ،سورہ البقرہ ،آیات ۱ تا ۳

۱۷۔سورہ القصص، آیت ۷۸

۱۸۔سورہ النجم ،آیت ۳۹

۱۹۔سورہ المومنون، آیت ۵۱

۲۰۔خطبہ ۲۰۷۔ نہج البلاغہ صفحہ ۶۴۳،مرتبہ سید انصار حسین ماہلی ، احباب پبلیشرس،لکھنو ۱۹۸۲

۲۱۔مکتوب ۴۵، نہج البلاغہ ،صفحہ ۸۰۴،مرتبہ سید انصار حسین ماہلی ، احباب پبلیشرس،لکھنؤ ۱۹۸۲

۲۲۔ ایضاً ،صفحہ ۸۰۶

☆☆☆

عربی وفارسی تفسیر نویسی میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ

جمال الدین اعظمی

علم تفسیر وہ علم ہے جس میں عربیت کے اصول وقواعد ، اس کے لغات ومبادیات اور دوسرے بہت سے علوم کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے معنیٰ سے بحث کی جائے تاکہ اس سے احکام خداوندی کا استخراج اور اس پر عمل ممکن ہوسکے جو انسان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کا ضامن ہے۔ چوں کہ اس علم کا موضوع اللہ کا کلام ہے اور اس سے آدمی اچھا انسان بن کر سعادت دارین حاصل کرتا ہے، اس لئے یہ علم دوسرے تمام علوم سے بدر جہا اشرف واعلیٰ ہے۔ اسی باعث ابتدائے اسلام ہی سے اس مبارک علم کی تحصیل اور ترویج کے لئے علماء اسلام نے بے مثال جدوجہد کی۔ جوں جوں اسلام کی اشاعت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور نئی قومیں اسلام میں داخل ہوتی گئیں انہوں نے ان قوموں کی زبان میں قرآن کے تراجم وتفاسیر منتقل کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔

قرآن کی تفسیر اور مفسر کے لئے علماء نے بہت سی شرائط اور پابندیاں ضروری قرار دیں۔ مثلاً مفسر کے لئے ضروری تھا کہ وہ مندرجہ ذیل پندرہ علوم میں پوری خداقت اور کامل مہارت رکھتا ہو: علم لغت ،علم نحو وصرف ،علم اشتقاق،علم معانی وبیان ،علم بدیع ،علم قرائت ،علم اصول دین،علم اصول فقہ،علم اسباب نزول ،علم ناسخ ومنسوخ ،علم فقہ،علم قصص القرآن ، ان احادیث کا علم جن پر قرآن کی مجمل اور مبہم آیات کی تفسیر مبنی ہے، اور علم موہبت ، یعنی وہ علم جسے اللہ تعالیٰ اپنے علم پر عمل کرنے والوں کو عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح تفسیر کی سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ نظم قرآن کے حسن اور اس کی بلاغت کے کمال میں کسی طرح کا رخنہ یا خلل نہ پیدا ہو، جس کی بنیاد پر دنیا کو تحدی اور مقابلہ کا چیلنج کیا گیا ہے۔

واقعی قرآن کی تفسیر جو رب العٰلمین کا کلام اور دین اسلام کا اولین مصدر ہے، بڑا نازک اور عظیم الشان کام ہے، جس پر اقدام بڑی صلاحیت ، بڑی مہارت اور بہت سے علمی اور فنی کمالات کا

متقاضی ہے۔ اس لئے صحابہ کرام جو اہل زبان اور عربیت کے ماہر تھے اور ان میں سیکڑوں جادو بیان خطیب، قادر الکلام شاعر، اور بے مثال ادیب تھے، وہ بھی عبرت اور موعظت یا قصص و حکایات کی عام فہم باتوں کے علاوہ الفاظ کے معانی اور آیات کی مراد بیان کرنے کی اس وقت تک جرأت نہیں کرتے تھے جب تک سرکار عالمؐ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ سن نہیں لیتے تھے۔

صحابہ میں جو حضرات صاحب تفسیر ہیں ان میں مشہور اور قابل ذکر یہ ہیں۔ خلفاء اربعہ عبادۂ اربعہ یعنی عبد اللہ ابن مسعود، عبد اللہ ابن عباس، عبد اللہ ابن زبیر، عبد اللہ ابن عمر و بن عاص، ابی بن کعب، زید بن ثابت انصاری، ابوموسیٰ اشعری، ابو ہریرہ، انس ابن مالک اور جابر ابن عبد اللہ۔

خلفاء میں حضرت علیؑ سے زیادہ روایتیں منقول ہیں۔ بقیہ تینوں سے بہت کم، کیوں کہ حضرت علیؑ تینوں خلفاء کے بعد برسوں زندہ رہے اور محض سیاست ہی کے نہیں بلکہ دینی علوم کے بھی مرجع بن گئے۔ حضرت علیؑ سے زیادہ عبد اللہ ابن مسعود سے روایتیں منقول ہیں۔ خلیفۂ دوم کے دور خلافت میں ان کو کتاب وسنت کی تعلیم وترویج کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا تھا۔ آخر دم تک وہ کوفہ ہی میں مقیم رہے۔ اور ان کے سیکڑوں مایۂ ناز شاگرد پیدا ہوئے۔ ان شاگردوں کے ذریعہ ان کی روایات کا سلسلہ آگے بڑھا۔

سب سے زیادہ حضرت ابن عباس سے تفسیری روایتیں امت کو پہنچیں، تفسیر فہمی اور تبحر علمی کی بناپر وہ ترجمان القرآن اور رئیس المفسرین کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ خود رسول مقبولؐ نے ان کے لئے بطور خاص ان الفاظ میں دعا کی تھی کہ ''اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ اور قرآن کا علم عطا فرما۔'' حفظ واتقان میں وہ بے مثل اور اللہ کی نشانی تھے۔ سو سو اشعار کے قصیدے ایک بار سنتے اور وہ ان کو حفظ ہوجاتے۔ عرب جاہلیت کے فصیح وبلیغ شعراء کے دیوان کے دیوان ان کی نوک زبان پر تھے۔ قرآن کے ہر لفظ کے ترجمے کے استشہاد میں جاہلیت کے بلند پایہ شعراء کے کلام پیش کرتے تھے۔ آپ ابن عباس نے سالہا سال رات دن کوشش کرکے، سابقین مہاجرین وانصار کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے آنحضرتؐ سے سنی ہوئی تفسیروں کو معلوم کرکے نوٹ کیا اور علم کے اس کمال کو پہنچے کہ بہت سے مسائل میں حضرت علی جیسے یگانۂ روزگار اور علم نبوی کے خزانے سے مباحثے کیے اور بہت سے مسائل جیسے مسئلہ ''عول'' میں ان سے اور دوسرے صحابہ سے اختلاف بھی کیا۔ ابن عباس کے بہت سے شاگرد ہوئے جنہوں نے ان کی تفسیری روایات کو یکجا کیا اور پھیلا یاامام بخاری نے اپنی جامع

''کتاب التفسیر'' میں زیادہ تر ابن عباس ہی کی تفسیر نقل کی ہے، جو ان کے فنی کمال کی آئینہ دار ہے۔

تفسیر قرآن کی مشکلات ودشواریوں کے باوجود علمائے اسلام نے سب سے زیادہ اسی فن کی طرف توجہ مبذول کی اور فنی اعتبار سے تفسیر ہی کا فن سب سے پہلے وجود میں آیا، جس کی شاہد حضرت ابن عباس کی مختصر مگر مایۂ ناز تفسیر ہے، جو آج بھی مکمل طور پر ہمارے سامنے موجود ہے۔ ابن عباس کے شاگردوں نے اس فن کو روایتاً وکنایتاً درجہ کمال کو پہنچایا۔

امت میں سب سے بڑی تمام منقول روایات پر شامل اور مایۂ ناز تفسیر تیسری صدی کے اختتام پر حافظ ابن جریر طبری نے ضخیم جلدوں میں لکھی۔ اس جیسی تفسیر، امام نودی کے قول کے مطابق کبھی نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب تین ہزار اوراق پر پھیلی ہوئی ہے۔ پھر تفسیری کتابوں کی وہ کثرت ہوئی جس کا شمار ناممکن ہے۔ بعض علماء نے تو پانچ پانچ تفسیریں لکھیں جیسے امام ابو القاسم صبہانی، متوفی ۵۳۵ھ، نے تیس جلدوں میں جامع نام کی تفسیر لکھی۔ پھر معتمد دس جلدوں میں، ایضاح چار جلدوں میں، موضح چار جلدوں میں اور اصبہان کی مقامی زبان میں ''کتاب التفسیر'' کئی جلدوں میں۔ اسی طرح علاّمہ جلال الدین سیوطی صاحب تفسیر جلالین نے جلالین کا آخری آدھا حصہ، اس کے علاوہ اتقان دو جلدوں میں جس میں اصول تفسیر، تاریخ قرآن اور تفسیر کے دیگر بہت ہی قیمتی اور نایاب مباحث ہیں۔ پھر تفسیر درمنثور جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے اور ان کی بڑی کتاب ترجمان القرآن کا خلاصہ اور اختصار ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع ہی میں انہوں نے ذکر کیا ہے۔

ہمارا ملک ہندستان، جہاں اسلام اور دینی علوم صدیوں بعد میں پہنچے، جہاں دوسرے اسلامی ممالک کی طرح دینی علوم کی آسانیاں موجود نہ تھیں، نہ یہاں کبھی بغداد ومصر، دمشق وبخارا اور سمرقند وقرطبہ جیسی یونی ورسٹیاں قائم ہوئیں اور نہ کوفہ، بصرہ اور حرمین کی طرح کے علمی مراکز، تاکہ شائقین علم اپنی علمی آرزوئیں پوری کر سکتے، اس کے باوجود دیگر علوم کی طرح تفسیر کے میدان میں بھی یہ دوسرے ملکوں سے کچھ کم نہیں رہا۔ یہاں بھی بہت سے طبری، سیوطی، غزالی، رازی، ابن جوزی، خطیب، ابن عربی، عسقلانی اور آلوسی پیدا ہوئے، مگر افسوس کہ ان کی قدر نہیں کی جاسکی۔ آخری دور میں تو ہندوستانی علماء دنیائے اسلام پر چھائے رہے۔ خاص کر شاہ ولی اللہ، ان کے صاحبزادگان شاہ عبد القادر اور شاہ عبد العزیز اور ان کے تلامذہ جو متقدمین کی طرح بے نظیر اور قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیر میں بے مثال تھے۔ محض شاہ عبد العزیز کی تفسیر عزیزی جو بینائی جانے کے بعد انہوں نے

اپنی یاداشت سے فارسی میں املا کرائی ہے، دیکھئے اور دنیا کی تمام تفاسیر مقابلہ میں رکھ کر مقابلہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب تفسیر میں بھی اتنے بلند پایہ ہیں کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر زبان کی سلاست، بیان کا حسن اور اسلوب کی جدت سونے پر سہاگا ہے۔

ہندوستان میں جو تفسیریں عربی یا فارسی میں لکھی گئیں اغلب ہے کہ ان میں سے کچھ تو ضائع ہوگئیں اور کچھ گمنامی کے گوشے میں پڑی ہوئی ہیں البتہ جن کا علم ہوسکا، ان میں مکمل تفسیریں کم وبیش پچاس ہیں۔ ان میں چودہ فارسی میں اور بقیہ عربی میں ہیں۔

مجھے اس سلسلہ میں ثقافت الہند مصنفہ مولانا عبد الحئ مرحوم کے علاوہ اس سلسلہ کی کوئی جامع کتاب نہیں مل سکی۔ اس لئے اس کے پیش نظر عربی وفارسی تفسیروں اور ان کے مصنّفین کے نام درج ہیں۔

چلپی کی کشف الظنون اس موضوع کی بہت جامع اور قابل قدر کتاب ہے، مگر اس میں ہندوستانی کتابوں کا تذکرہ برائے نام ہے، جو ایک حیرت انگیز بات ہے۔ تفسیر کی کتاب کے باب میں، جو پانچ چھ اوراق پر پھیلا ہوا ہے، محض فیضی کی تفسیر بے نقط کا تفسیر ہندی کے نام سے ذکر ہے، وہ بھی تقریباً محض ان الفاظ: صنفه ابو الفيض المتخلص بفيضي فى صنعة الاهمال، وقد تكلف فيه غاية التكلف'' یعنی کتاب کو ابو الفیض نے جن کا تخلص فیضی تھا صنعۃ الاھمال میں لکھا ہے، اور اس میں حد سے زیادہ تکلف سے کام لیا ہے۔

ہندستانی علماء کی عربی تفاسیر

۱۔ **جواہر القرآن**، مصنفہ تاج الدین، حنفی متوفی ۷۳۶ھ ہے۔ اصل کتاب نایاب ہے مگر اس کا ایک خلاصہ برلن کے کتب خانہ میں بتایا جاتا ہے۔

۲۔ **تبصیر الرحمٰن فی تفسیر القرآن**: مصنفہ تاج علاؤ الدین علی ابن احمد مہائمی۔ (متوفی ۸۳۸ھ) یہ کتاب چار یا پانچ جلدوں میں ہے۔ مصنف بلند مرتبہ عالم ہیں اور حقائق نگاری میں شاہ ولی اللہ کی طرح بے نظیر ہیں۔ گویا ہندوستان کے ابن عربی تھے۔ کتاب الطائف وظرائف سے بھرپور، ربط آیات کی تشریح بہت عمدہ اور طرز تحریر بہت پیاری۔ ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ کی نئی تفسیر سورہ کے مضمون کے پیش نظر کرتے ہیں۔ کتاب جمال الدین وزیر کے حکم سے سب سے پہلے مصر میں چھپی۔

۳۔نور النبی: مصنفہ شیخ حسین ابن خالد ناگوری ،(متوفی ۹۰۱ھ) یہ کتاب تیس جلدوں میں لکھی گئی ہے۔جس میں تفسیر کے تمام لوازمات کے ساتھ ساتھ ترکیب نحوی پر زور دیا گیا ہے۔

۴۔تفسیر القرآن : مصنفہ شیخ محمد ابن یوسف دہلوی (متوفی ۸۲۵ھ) یہ کتاب تصوف کی زبان اور طرز پر لکھی گئی ہے۔ان ہی کی ایک اور تفسیر بھی ہے جو کشاف کے طرز پر ہے۔

۵۔کاشف الحقائق وقاموس الدقائق : مصنفہ احمد ابن محمد تھانیسوی، (متوفی ۸۲۰ھ) یہ بھی تصوف کے رنگ میں اپنے طرز کی بہترین کتاب بتائی جاتی ہے۔تقریباً ۱۳۷اوراق پر پھیلی ہوئی ہے۔

۶۔النور بخشہ: مصنفہ سید اشرف ابن ابراہیم کچھوچھوی۔

۷۔منبع عیون المعانی: مصنفہ شیخ مبارک ابن خضر ناگوری۔ (متوفی ۱۰۰۴ھ)فیضی اور ابوالفضل کے باپ ۔یہ چار یا پانچ جلدوں میں اچھی کتاب ہے۔کتاب کا قلمی نسخہ بقول ڈاکٹر محمد سالم قدوائی لکھنؤ کے سید محمد تقی کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔

۸۔تفسیر القرآن : مصنفہ شیخ نعمت اللہ ابن عطا فیروز پوری جو جلالین کے طرز پر ۱۰۷۰ھ میں لکھی گئی۔

۹۔تفسیر البحر المواج : مصنفہ شیخ منور ابن عبد المجید لاہوری ۔

۱۰۔مجمع البحرین: مصنفہ شیخ طاہر ابن یوسف برہان پوری،متصوفانہ رنگ میں لکھی گئی۔ ان کی ایک اور تفسیر ہے، جو تفسیر مدارک کی تلخیص ہے۔

۱۱۔تفسیر محمدی: مصنفہ شیخ محمد ابن عاشق چریّا کوٹی (اعظمی) متوفی ۹۷۲ھ۔

۱۲۔شئون المنزلات: مصنفہ شیخ علی متقی برہان پوری (صاحب کنزالعمال)متوفی ۹۷۵ھ۔

۱۳۔ زبدۃ التفاسیر : مصنفہ شیخ معین الدین ابن خاوند محمود کشمیری ،تلمیذ شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔(متوفی ۱۰۸۵ھ) یہ مختصر تفسیر ہے جو بلا کسی کتاب کی مدد کے از خود ۱۰۵۰ھ میں لکھی گئی ۔

۱۴۔زبدۃ التفاسیر للقدماء المشاہیر: مصنفہ شیخ الاسلام قاضی عبد الوہاب گجراتی (متوفی ۱۱۰۹ھ)مختصر تعبیر ہے۔مطالب بہت اختصار اور سادگی سے بیان کئے گئے ہیں اور دیگر تفاصیل اس لئے نظر انداز کی گئی ہیں تا کہ تلاوت کے وقت ذہن قرآن کے اصلی مضمون پر مرکوز رہے۔ ۷۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔(ڈاکٹر محمد سالم قدوائی)۔

۱۵۔تفسیر فتح محمدی: شیخ عیسیٰ ابن قاسم برہان پوری ہی کی ایک تفسیر فتح محمدی کے نام کی

ہے جسے انہوں نے اپنے بیٹے محمد کے لئے لکھا تھا۔

۱۷۔تفسیر نظامی: مصنفہ شیخ نظام الدین ابن عبد الشکور تھانیسری (متوفی ۱۰۳۶ھ)

۱۸۔سواطع الالہام : مصنفہ شیخ ابو الفیض فیضی ابن مبارک ناگوری (متوفی ۱۰۰۵ھ) یہ صنعت اہمال میں اپنے طرز کی واحد کتاب ہے اور تقریباً ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ علامہ قاضی نور اللہ شوستری اور امام ابن غازی سرہندی وغیرہ مشہور علماء نے اس پر تقریظ لکھی ہے، مگر بقول صاحب کشف الظنون تکلفات سے بھری ہوئی ہے۔تفسیر میں چوں کہ بلا نقطے کے الفاظ استعمال کرنے کا التزام ہے، اس لئے تکلف بلکہ تعسف کا پیدا ہونا کچھ بعید نہیں۔ البتہ یہ ایک نادر اور بے مثال کارنامہ ضرور ہے کہ کتب تفاسیر میں قرآنی آیات کے متعلق جو کچھ منقول ہے اس کا خلاصہ غیر منقوط الفاظ میں سمیٹنے کی کامیاب کوشش ضرور کی گئی ہے ، وہ بھی محض دو سال کی مدت میں۔ یہ جہاں مصنف کی جدت طرازی ، ذہانت اور عربی ادب پر غیر معمولی قدرت کا پتہ دیتی ہے، وہیں قرآن کی کرامت کی بھی غماز ہے۔مصنف کو اگرچہ اسلام کے جمہوری عقائد سے قدرے منحرف بتایا جاتا ہے، مگر تفسیر میں اس کی ادنیٰ سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔

۱۹۔تفسیر احمد: مصنفہ ملا جیون انبیٹھوی ، استاد سلطان عالم گیر، کتاب اچھی ہے۔ اس میں حنیفہ کی تائید اور اصول فقہ حنفی کی تشریح اچھی کی گئی ہے۔

۲۰۔تفسیر القرآن بروایت اہل البیت : یہ دونوں کتابیں شیخ محمد ابن جعفر حسینی گجراتی کی ہیں۔

۲۱۔تفسیر القرآن علیٰ نہج الجلالین۔

۲۲۔تفسیر مظہری : مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ) قاضی صاحب ہندوستان کے بلند مرتبہ اور مایہ ناز عالم تھے۔ ان کو اپنے وقت کا بیہقی کہا جاتا تھا ۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور تصوف وغیرہ میں یگانہ روزگار تھے۔ حضرت مظہر جان جاناں دہلوی کے خاص مجاز اور خلیفہ تھے۔ اپنی اس تفسیر کی نسبت اپنے پیرو مرشد ہی کی طرف کر کے تفسیر مظہری نام رکھا۔تفسیر سات ضخیم جلدوں پر حاوی ہے۔ اس میں قصے ، تصوف، قرأت، نحوی قواعد، اعراب وغیرہ پر بحث کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ نہایت عمدہ اور قابل اعتماد کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی غالباً برہان سے شائع ہو گیا ہے۔

۲۳۔تفسیر القرآن: مصنفہ شیخ فتح محمد حسینی تصوف اور حقائق کی زبان میں لکھی گئی ۔

۲۴۔محکم التنزیل : مصنفہ سید محمد حکم ابن محمد حسنی ،رائے بریلوی۔

۲۵۔تفسیر نصیری: مصنفہ شیخ جلال الدین گجراتی (متوفی ۱۲۲۴ھ) ان کی ایک اور بھی مختصر تفسیر ہے۔

۲۶۔معدن الجواہر: مصنفہ شیخ ولی اللہ ابن حبیب اللہ انصاری لکھنوی۔

۲۷۔فتح البیان فی مقاصد القرآن: مصنفہ نواب صدیق حسن قنوجی: (متوفی ۱۳۰۷ھ) چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ یہ کچھ اضافوں کے ساتھ علاّمہ شوکانی کی فتح القدیر کا خلاصہ ہے۔ نواب صاحب کی ایک دوسری تفسیر اردو میں ترجمان القرآن بھی ہے، جو ناتمام رہ گئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد سید ذوالفقار نقوی بھوپالی نے اسے مکمل کیا۔

۲۸۔زاد الآخرۃ: مصنفہ قاضی عبد السلام ابن عبد الحق بدایونی ۔ یہ کتاب نہایت ضخیم متعدد جلدوں میں منظوم تفسیر ہے۔ اس کے اشعار کا مجموعہ دولاکھ اشعار پر مشتمل بیان کیا جاتا ہے۔ جو ایک رکارڈ ہے۔ (ایک منظوم تفسیر اردو میں بھی بیان کی جاتی ہے، جو غلام مرتضٰی ابن تیمور الہ آبادی کی ہے)۔

۲۹۔جامع التفاسیر: مصنفہ مولانا قطب الدین ابن محی الدین دہلوی حنفی۔

۳۰۔تفسیر القرآن: مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرت سری فاضل دیوبند ایک جلد میں ہے اور جو ۵۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کی اردو تفسیر بھی تفسیر ثنائی کے نام سے موسوم ہے۔ مولانا مسلکاً جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم اور مشہور مناظر تھے۔

۳۱۔تفسیر القرآن: مصنفہ مولوی ظہور علی ابن محمد حیدر لکھنوی، متوفی ۱۲۷۵ھ۔

فارسی تفاسیر اور ان کے مصنّفین

۱۔ البحر امواج: مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کئی جلدوں میں ہے۔ اس میں نحوی ترکیبوں اور وصل وفصل کی وجوہات کی تشریح کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

۲۔تفسیر جہاں گیری: مصنفہ شیخ نعمت اللہ فیروز آبادی جلالین کے طرز پر مختصر تفسیر جہاں گیر ابن اکبر شاہ کے لئے لکھی گئی اور اسی کی طرف منسوب بھی کی گئی ہے۔

۳۔شرح القرآن: مولفہ شیخ معین الدین ابن خاوند محمد کشمیری جو عہد عالم گیری میں لکھی گئی اور عالم گیر ہی کے نام سے معنون ہے۔ اس کے شروع میں عالم گیر کی دین داری اور حکمرانی کی مدح سرائی بھی کی گئی ہے۔

۴۔ زین التفاسیر : مصنفہ صفی الدین اردبیلی ۔ یہ کتاب امام رازی کی تفسیر کبیر کا ترجمہ ہے، جو زیب النساء بنت عالم گیر کے حکم سے کیا گیا تھا۔

۵۔تفسیر مرتضوی : مصنفہ شیخ زین الدین شیرازی،نواب مرتضٰی خاں کے حکم سے ۱۰۱۶ھ میں تصنیف کی گئی۔

۶۔ فتح الرحمان :مصنفہ فخر ہندوستان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب حجۃ اللہ البالغہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کتاب نہایت مختصر ہے مگر شاہ کار ہے۔ شاہ صاحب کی ہر کتاب اور ہر تحریر نادر اور بے مثال ہوتی ہے۔ اسلوب بیان اتنا دل نشین ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اسی لیے بعضوں نے کہا ہے کہ اگر شاہ صاحب پہلے زمانے میں ہوتے تو مجتہد فی المذہب تو ضرور ہی ہوتے۔

۷۔تفسیر مصطفوی:مصنفہ سید محمد حکم ابن علم اللہ صاحب ۔

۸۔نظم الجواہر: مصنفہ مفتی ولی اللہ ابن احمد علی فرخ آبادی ،تین جلدوں میں ہے۔

۹۔ فتح العزیز: مصنفہ شاہ عبد العزیز ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ، جو شروع کے تقریباً سواپارے اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر ہے۔ اس لئے غیر مکمل ہے۔ اس کی تکمیل سکندر بیگم والی بھوپال کے حکم سے حیدر علی فیض آبادی نے کئی ضخیم جلدوں میں کی ۔شاہ صاحب کی یہ تفسیر سلاست تحریر، جذالت معنی، حسن تعبیر اور دلکش انداز بیان کا مرقع ہے اور ربط آیات کے ساتھ ساتھ قرآنی نکات واسرار اور دیگر لطائف وظرائف کا اچھا مجموعہ ہے۔

۱۰۔تفسیر القرآن : مصنفہ شیخ محمد سعید اسلمی مدراسی ،یہ چار جلدوں میں ہے ،جسے انہوں نے انتہائی کبرسنی میں تحریر کیا۔

۱۱۔تفسیر القرآن: مصنفہ مولوی محمد اشرف ابن نعمت اللہ لکھنوی۔

۱۲۔تفسیر القرآن: مصنفہ مولوی یاد علی حسینی شیعی،نصیر آبادی ۔

۱۳۔لوامع التنزیل وسواطع التاویل: مصنفہ سید ابو القاسم ابن حسینی کشمیری لاہوری،شیعی۔

شروع کے تقریباً بارہ پاروں کی تفسیر بارہ جلدوں میں کرنے کے بعد مصنف کی وفات ہوگئی تو ان کے لڑکے سید علی ابن ابو القاسم نے اس کی تکمیل کا اہتمام کیا۔

☆☆☆

ہندوستان میں پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں علمائے امامیہ کے اردو تراجم وتفاسیر

سید محمد جابر جوراسی

قرآن مجید مسلمانوں کے پاس ایک بہترین الٰہی دولت ہے حضرت رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے: **القرآن غنی لافقر بعده ولاغنی دونه**[۱]

(ترجمہ) قرآن مجید ایسا قیمتی سرمایہ ہے جس سے بڑھ کر دولت ہے نہ ہی اس کی موجودگی میں کوئی فقر وناداری ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لو مات من بین المشرق والمغرب لما استو حشت بعد ان یکون القرآن معی[۲]

(ترجمہ) جو بھی مشرق ومغرب میں ہیں اگر وہ سب موت کا شکار ہوجائیں اور میرے پاس قرآن ہوتو مجھے (تنہائی سے) کوئی وحشت نہیں ہوگی۔

اس عظیم سرمایہ قرآن کو عام کرنے کے لئے اور اس کے اسرار پر سے پردہ اٹھانے کیلئے، دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں اور تفسیریں لکھی گئی ہیں ۔ اردو ایک بہترین شیریں زبان ہے۔ اس زبان میں بھی متعدد ترجمے ہوئے، مختلف مسالک نے اپنے یہاں موجود روایات کی روشنی میں قرآنی آیات کے ترجمے کئے اور تفسیری نوٹ لگائے۔ باوجود وتالیف وتصنیف واشاعت کتب کے ہزار ہا دقتوں کے علمائے امامیہ بھی کبھی اس مسئلہ میں پیچھے نہیں رہے، بلکہ انہوں نے بھی قرآن مجید کے بہترین ترجمے کئے اور تفسیریں لکھیں۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے محقق علامہ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضلؒ کی مختصر وجامع تحریر ''برصغیر میں علمائے امامیہ کی تفسیریں'' [۳]

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں بھی علمائے امامیہ نے اپنی توجہ قرآن مجید کی جانب سے ہٹنے نہ دی۔ اس صدی کے آغاز میں تاریخی نام ''رموز تفسیر قرآن مجید'' (۱۴۱۱ھ) المعروف بہ ''انوار القرآن' سرورق پر مترجم محترم کے اسم گرامی سے بھی سنہ عیسوی کا اخراج کیا گیا ہے، جو اس طرح ہے ''الحاج ذیشان حیدر جوادی'' (۱۹۹۰ء)

انوار القرآن : یہ تفسیری شان لئے ہوئے ، حجۃ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کا ایسا اردو ترجمہ قرآن مجید ہے جس میں اصلاحی پہلونمایاں ہیں یہ ترجمہ بھی ہے اور مختصر تفسیر بھی۔ بقول علاّمہ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل طاب ثراہ:

''میرے نزدیک ترجمے کو تفسیر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ترجمہ ہو یا حاشیہ، آیات کی الگ الگ تشریح ہو یا مجموعی شرح در اصل تفسیر ہی کے مختلف ومتعدد انداز ہیں۔'' ۴

''کچھ اپنی باتیں'' کے زیرعنوان علامہ جوادیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

''نجف اشرف میں قیام کے دوران میری چند تمنائیں تھیں۔(۱) تفسیر قرآن لکھوں۔ (۲) نہج البلاغہ کی شرح لکھوں ۔ (۳) چہاردہ معصومینؑ کی سوانح حیات مرتب کروں۔ (۴) ایک مختصر تاریخ اسلام مرتب کروں۔ (۵) ''کتب احادیث کا ترجمہ مع شرح مکمل کروں ۔'' (۵)

مذکورہ عزائم کی ایک کڑی یہ ''انوار القرآن'' ہے: ترجمہ وتفسیر کا کیا منفرد انداز ہے! ثبوت میں سورۂ منافقون کی صرف ایک آیت اس کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ پیش ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَتُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلاَأَوْلاَدُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْخَاسِرُونَ☆

(ترجمہ)ایمان والو! خبردار تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کردے کہ جو ایسا کرے گا، وہ یقیناً خسارہ والوں میں شمار ہوگا۔) ۶

تفسیری نوٹ: منافقین اور مومنین میں ایک حد فاصل مسئلہ انفاق بھی ہے کہ مومنین کا خدا پر مکمل اعتماد ہے، تو وہ اجر الٰہی کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر انفاق کو ایک نئی اور کم سے کم دس گناہ آمدنی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں نہ مال یاد خدا سے غافل کرسکتا ہے اور نہ اولاد ،وہ دونوں کو نعمت الٰہی سمجھتے ہیں اور اس کی راہ میں قربان کردینے کو کمال انسانیت تصور کرتے ہیں ، ان کی نظر میں اولاد بھی عطائے خداوندی ہے، وسیلۂ آمدنی نہیں ہے، لہٰذا اسے بھی راہ خدا میں قربان ہوجانا چاہئے اور دین خدا کی خدمت کے لئے وقف ہونا چاہئے۔

مطالعۂ قرآن : علامہ جوادی طاب ثراہ کا قرآن مجید کے سلسلہ میں کام صرف ''انوار القرآن'' ہی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ افادیت کے لحاظ سے ان کا ایک بڑا کارنامہ ''مطالعہ قرآن'' بھی

ہے۔ یہ کتاب تنظیم المکاتب، لکھنؤ، سے پہلی مرتبہ دسمبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی تھی ۷

مطالعۂ قرآن ۷۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی میں سوروں اور آیات احکام کے باقاعدہ تعارف کے ساتھ ''تحریف وترتیب قرآن'' کے موضوع پر اچھی بحث کی گئی ہے۔ قرآنی موضوع پر یہ ایک قابل قدر تالیف ہے۔

مجید البیان فی تفسیر القرآن (جلد اول): قرآن کریم کے موضوع تفسیر کی پہلی آیت بسم الله الرحمن الرحیم پر مشتمل ہے، جو حجۃ الاسلام صدر العلماء مولانا مسرور حسن مجیدی قمی مبارکپوری کی گرانقدر تالیف ہے۔ یہ ۶۲۴ صفحات پر محیط ہے۔ ماہ وسنہ اشاعت جنوری ۲۰۰۹ء، محرم الحرام ۱۴۳۰ھ ہے۔ ۸

اس پہلی جلد میں ۱۷ر فصلیں ہیں جو اس طرح ہیں (۱) اصول تفسیر اور تفسیر قرآن کریم کی نزاکت (۲) قرآن سے متعلق بعض امور کی وضاحت (۳) بسم اللہ پر ہر دور میں لکھنے کے مختلف جہات (۴) بسم اللہ سر آغاز خلقت وحقیقت محمدیت (۵) بسم اللہ تمام آسمانی کتابوں کی زینت (۶) بسم اللہ اور زمانۂ جاہلیت (۷) بسم اللہ کی عظمت وہمہ گیر وسعت (۸) زبان معصومینؑ سے بسم اللہ کی فضیلت (۹) ہر کام میں بسم اللہ کی اہمیت (۱۰) ترک بسم اللہ کی ممانعت اور ترک پر فوری عقوبت (۱۱) خاصان خدا میں بسم اللہ کی کرامت (۱۲) تاثیر بسم اللہ کی حکایت (۱۳) بسم اللہ جزو قرآن جزو ہر سورہ ومستقل آیت (۱۴) بسم اللہ کی بآواز بلند قرائت (۱۵) نقطۂ بائے بسم اللہ کی حقیقت (۱۶) بسم اللہ کے سلسلے میں بعض افادات علمائے ملت (۱۷) بسم اللہ کے سلسلے میں بعض اقوال علمائے اہلسنت۔

مذکورہ ہر فصل کے ذیل میں جامع تفصیلات ہیں مثلاً پہلی فصل کے ذیلی تفصیلات یہ ہیں: تفسیر کے لغوی اصطلاحی معنی، قواعد تفسیر، مبانی تفسیر قرآن، مبانی صدور وتفسیر قرآن، مبانی دلالت تفسیر قرآن، معتبر تفسیر کے چند معیار، تفسیر کے لئے لازمی امور، قواعد تفسیر، سیاق جری وتطبیق، تفسیر میں اسرائیلیات کی ممانعت، عقلی دلیل، قرآنی، روائی دلیل۔ ۹

اس جلد کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشاء اللہ تفسیر کی آئندہ جلدیں بھی کافی معلوماتی ہوں گی۔

مولانا مسرور حسین صاحب قبلہ مجیدی نے قرآن مجید پر اور بھی کام کئے ہیں، قرآن کریم پر موصوف کی ایک اور تالیف ''قرآن کریم اور ہم'' ماضی قریب میں منظر عام پر آئی ہے۔

قرآن کریم اور ہم: مؤلفہ حجۃ الاسلام مولانا مسرور حسن مجیدی مبارکپوری کی ناشر فخر الاطباء اکیڈمی بیت المجید مبارکپور اعظم گڑھ یوپی ہے یہ تالیف فقط ۹۶ صفحات کی ہے لیکن اہم قرآنی موضوعات پر اطمینان بخش بحث کی گئی ہے، مثلاً قرآن کی عظمت ، منازل نزول قرآن، قرآن کی مہجوریت کے اسباب، آداب تلاوت وغیرہ۔ اس تالیف کا پہلا ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔ ۱۰

پندرہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی سے آخر میں قرآن مجید کا ایک اردو ترجمہ اشاعت کے لئے تقریباً آمادہ ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ۱۴۳۱ھ کے آغاز سے قبل یہ منظر عام پر آجائے گا یہ ترجمہ ادارۂ اصلاح لکھنؤ کے زیر اہتمام شائع ہونے والا ہے۔

بانئ ادارہ اصلاح لکھنؤ فخر الاالحکماء علامہ سید علی اظہر نقویؒ صاحب قبلہ کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام مولانا علی حیدر نقوی صاحب قبلہؒ ، جو ماہنامہ اصلاح کھجوہ بہار کے مدیر اول بھی تھے، وہ میدان تصنیف وتالیف کے شہسوار تھے ان کی کتابیں آج تک عوام میں مقبول ہیں، انہوں نے قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر پر بھی کام کیا تھا محقق علامہ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل نے ان کی کتابوں کے تذکرہ میں ترجمہ وتفسیر قرآن (ناتمام) کا بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۱

علاّمہ علی حیدر صاحب قبلہؒ کے فرزند اکبر مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ مدیر دوم ماہنامہ اصلاح کھجوہ بہار نے اپنے والد مرحوم کے حالات میں ان کے تصانیف کا بھی ذکر فرمایا ہے جن میں (۲۲) پر ترجمہ وتفسیر قرآن مجید ناتمام کا انہوں نے بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۲

علامہ مرحوم کے فرزند اصغر حجۃ الاسلام علامہ رضی جعفر نقوی سے معلوم ہوا کہ دس پاروں کا ترجمہ وتفسیر مکمل ہوچکی تھی اصل مسودہ کاتب کے پاس تھا،اس کا انتقال ہوگیا اور ورثہ ان سے اس مسودہ کا کوئی سراغ نہ لگ سکا، اور یہ اہم کام نا تمام رہ گیا۔ علامہ رضی جعفر نقوی نے اپنے والد مرحوم کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور اپریل ۱۴۰۸ھ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ میں قرآن مجید کے اردو ترجمہ کو مکمل کرکے ادارۂ اصلاح لکھنؤ کے سپرد کردیا۔ اگر چہ موصوف پاکستان منتقل ہوگئے تھے اور اب سال کا بیشتر حصہ ان کا قیام کناڈا میں رہتا ہے، لیکن انہوں نے اپنے آبائی وطن سے رابطہ کو توڑا نہیں، بلکہ مضبوط کیا ہے، ابھی تازہ مکتوب میں اس ترجمہ قرآن کے ضمن میں مدیر اصلاح کو انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ:

’’ میں پہلے بھی عرض کرتا رہا ہوں کہ اصلاح صدی نمبر نے مجھے خاصا جھنجوڑا ہے اور میرا

دل یہ چاہتا ہے کہ ماضی کی کوتاہیوں کا کسی طرح ازالہ کروں اور اس ادارہ کی کچھ خدمت انجام دوں اس لئے جب مجھے قرآن مجید کے ترجمے کی سعادت نصیب ہوئی تو دل چاہا کہ اس کی سب سے پہلی اشاعت آپ کے زیرنگرانی ادارۂ اصلاح سے ہو، جس کا پورا خرچ میں برداشت کروں اور بعد میں اسکے فروخت سے جو رقم حاصل ہو وہ آپ کے ادارہ کے کام آئے''۔

قرآن کی اشاعت ایک بڑی ذمہ داری کا کام ہے، ڈرتاہوں کہ شاید میں نے آپ پر بلاوجہ یہ بوجھ ڈال دیاہو، لیکن اگر اچھی کتابت و طباعت کے ساتھ ایک چیز منظر عام پر آگئی، جس سے اہل ایمان کو فیض پہونچے، تو اس کے اجروثواب میں بھی آپ کا وافر حصہ ہوگا۔

پہلے آپ کے یہاں سے اس کی اشاعت ہوجائے تو پھر کراچی سے بھی اسے شائع کرنا ہے اور اس کا تیسرا ایڈیشن انشاء اللہ ایران سے شائع کرانے کا ارادہ ہے، تاکہ وہاں جو اردو داں طلاب ہیں ان کی خدمت میں اسے ہدیہ کیا جاسکے۔ ۱۳

ترجمۂ قرآن مجید : حجۃ الاسلام علامہ سید رضی جعفر نقوی نے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے مناسب تفسیری نوٹ حاشیہ پر موجود ہیں جس کی وجہ سے قاری کو آیت کے مفہوم اور شان نزول کو سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی نمونۃً ایک آیۂ کریمہ، اس کا ترجمہ اور اس پر تفسیر نوٹ نقل ہے۔(آیۂ کریمہ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمْ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۱۴

(ترجمہ) ان کے دلوں میں ایک طرح (طرح کی) بیماری ہے تو خدا نے ان کی بیماری کو اور بڑھادیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

تفسیری نوٹ : فزادھم اللّٰہ مرضا ،یعنی تو خدا نے ان کی بیماری کو اور بڑھادیا۔

منافقین اور اہل کفر وعناد جب دیکھتے ہیں کہ ان کی مجرمانہ سرگرمیوں پر دنیا میں ان پر کوئی عتاب نہیں ہورہا ہے، تو سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ صحیح راستہ پر چل رہے ہیں لہٰذا اپنی ان سرگرمیوں کو جاری بھی رکھتے ہیں اور ان میں اضافہ بھی کرتے جاتے ہیں ، انہیں دنیا میں بھی عذاب کا نہ دیا جانا اور کوئی عتاب نہ ہونا قدرت کی طرف سے ایک ڈھیل ہے، ایک مہلت ہے ، جس کا وہ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن چونکہ قدرت نے جزا وسزا کی منزل آخرت کو قرار دیا ہے لہٰذا وہ دنیا میں برابر مہلت دیتا رہتا ہے جس سے سوء استفادہ کرکے وہ لوگ اپنے اس مرض نفاق میں اور اضافہ کرلیتے ہیں ، اور چونکہ انسان کی تمام صلاحیتیں خالق کی عطا کردہ ہیں اس مناسبت سے مرض کے اضافہ کو بھی خالق کی

طرف نسبت دی گئی ہے حالانکہ یہ خود اس انسان کا اختیاری فعل ہوتا ہے۔ ۱۵

الحاج ڈاکٹر رضا حسین نقوی ، اگر چہ علمائے دین کی فہرست میں نہیں ہیں،لیکن بہت سے علوم کے عالم ہیں، ان کا پیشہ طبابت ہے، البتہ دینی موضوعات سے بھی انہیں خصوصی دلچسپی ہے، اس کا ثمرہ ہے کہ ان کی تالیف ''محکم آیات'' نومبر ۲۰۰۷ء میں منظر عام پر آچکی ہے۔

محکم آیات: اس تالیف کی بنیاد آیۂ کریمہ '' هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ''۱۶

(ترجمہ) آپ پر اس نے وہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں کچھ آیتیں محکم واضح ہیں جو اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں۔)

ڈاکٹر رضا حسین صاحب نے متعدد سوروں سے محکم آیات کو مع اردو ترجمہ کے جمع فرمایا ہے اور سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰ سے محکم آیات کا آغاز کیا ہے۔ ۱۷

پاکستانی عالم وخطیب حجۃ الاسلام مولانا سید حسن ظفر نقوی نے اپنی تقریظ میں تحریر کیا ہے کہ

''متعدد بزرگ علمی شخصیات نے آیات محکمات اور آیات متشابہات کی تعریف وتفسیر ضرور بیان کی ہے مگر ایک جگہ تمام آیات محکمات کو میں نے نہیں دیکھا۔'' ۱۸

اس علمی کاوش کو نور ہدایت فاؤنڈیشن حسینیہ غفرانمآب ؒ لکھنؤ ۳ نے شائع کیا ہے۔ ۱۹

ہوسکتا ہے پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں ہندوستان میں قرآن مجید پر اردو میں اور بھی کام ہوئے ہوں جن تک راقم السطور کی نظر نہ گئی ہو، بہر حال یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ انقلاب اسلامی ایران نے قرآن اور تعلیمات قرآن کو عام کرنے کا لوگوں میں حوصلہ پیدا کیا ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل مرحوم نے تحریر فرمایا ہے:

''پندرہویں صدی ہجری کا سورج ، انقلاب اسلامی ایران کو سلام کرتا ہوا مسلمانوں کے افق پر ابھرا، یہ انقلاب خالص اسلامی نظریات کی ان درسگاہوں سے اٹھا ہے جہاں صدیوں سے موت کو لبیک کہی گئی مگر دوسرے نظریات زندگی کو قبول نہیں کیا گیا ، جن لوگوں نے صرف قرآن و رسول ؐ وآل رسول ؐ کی ثقافت وفکر سے عہد وفا باندھا ہے، غیر کی بیعت تو کیا ہاتھ میں ہاتھ دے کر بھی چلنا گوارا نہیں کیا، اس انقلاب میں قرآنی تعلیمات اور تفسیر کے قرآنی مطالب کو ذہنوں میں جاگزین کرنے کا سب سے بڑ دخل ہے۔'' ۲۰

منابع:

۱۔ کنزل العمال، خبر ۲۳۰، جلد ۱، صفحہ ۵۱۶

۲ بحار الانوار، جلد ۴۶، صفحہ ۱۰۷

۳۔ مجلّہ توحید (اردو) شمارہ فروری تا اپریل ۱۹۸۵ء تہران اسلامی جمہوریہ ایران،

۴۔ اقتباس از مضمون ''برصغیر میں علمائے امامیہ کی تفسیریں ، اردو مجلّہ توحید، شمارہ فروری تا اپریل ۱۹۸۵ء تہران اسلامی جمہوریہ ایران،

۵۔ انوار القرآن تنظیم المکاتب ،لکھنؤ ،تیسرا ایڈیشن ،صفحہ ۱۱

۶۔ سورہ منافقون، آیت ۶

۷۔ مطالعۂ قرآن ، تنظیم المکاتب ،لکھنؤ ،صفحہ ۲

۸۔ مجید البیان فی تفسیر القرآن ،صفحہ ۲

۹۔ مجید ایضاً صفحہ ۴۹ تا ۶۵

۱۰۔ قرآن مکرم اور ہم، صفحہ ۲

۱۱۔ مطلع انوار مطبوعہ، کراچی، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۳۵۸

۱۲۔ صدی نمبر ۱۹۲، ماہنامہ اصلاح لکھنؤ

۱۳۔ مکتوب ۱۵ / رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ از کناڈا

۱۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۰

۱۵۔ ترجمۂ قرآن مجید، حاشیہ آیت ۱۰، سورہ بقرہ

۱۶۔ سورۂ آل عمران، آیت ۷

۱۷۔ محکم آیات، صفحہ ۱۱

۱۸۔ محکم آیات صفحہ ۶

۱۹۔ محکم آیات صفحہ ۲۰

۲۰۔ اقتباس از مضمون پاک وہند میں تفسیر اور اس کا اسلوب اردو مجلّہ توحید ، شمارہ مئی تا جولائی ۱۹۸۴ء، تہران اسلامیہ جمہوریہ ایران

اصول تفسیر

مولانا رئیس احمد جارچوی

قرآن اللہ کی مقدس کتاب ہے اور دنیائے بشریت کے لئے اعلیٰ ترین دستور حیات ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے انسان اگر اپنی تمام فکری توانائیوں کو بھی بروئے کار لے آئے، تب بھی اس کا سمجھنا آسان نہ ہوگا۔ صدیوں سے قرآن اس کی آیتوں کی گوناگوں تفسیریں لکھی جارہی ہیں، مگر ہنوز اذہان قاصر اور فکریں سربہ گریباں ہیں۔ قرآن فہمی ایک مشکل کام ہے۔ مگر ناممکن بھی نہیں ہے، البتہ اس کے لئے کچھ اصول درکار ہیں۔ الفاظ قرآن کے ساتھ ساتھ اس کی تہوں تک پہونچنا اور مضمون کی گہرائی میں اترنا قاری کے لئے اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ کتاب صرف پڑھنے کے لئے نہیں نازل کی گئی ہے، بلکہ اس کو مکمل لائحہ عمل کی حیثیت سے اتارا گیا ہے۔ اس لئے اس کا سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ بغیر سمجھے ہوئے اس کی تعلیمات پر عمل ممکن نہیں ہے۔

قرآن فہمی:

قرآن فہمی ایک مستقل موضوع ہے۔ اس کے لئے کچھ اصول وضوابط بھی ہیں۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے حالانکہ عربوں کے لئے بھی اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے تو غیر عرب کے لئے کافی حد تک یہ دشوار گذار مسئلہ ہے۔ اگر عربوں کے لئے قرآن سمجھنا آسان ہوتا تو اصحاب رسول آیتوں کے نزول پر حضورؐ سے ان کی تشریح طلب نہ کرتے۔ لہٰذا عرب اور غیر عرب سبھی کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کی آیتوں کی تشریح اور شان نزول سے واقف ہوں۔ صاحبان قرآن اور مفہوم قرآن سے شناسائی ہو۔ اس کے لئے جو اصول مرتب کئے گئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ

یعنی آیتوں سے آیتوں کی تفسیر ہونا چاہئے، کیونکہ ایک حکم ایک آیت میں مجمل ہے تو دوسری آیت میں کسی قدر مفصل ہے یا کوئی حکم ایک یا دو تین آیتوں میں مکمل طور پر پایا جاتا ہے۔ اس لئے جب ان آیتوں کو سامنے رکھ کر نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے تو اصل حکم واضح ہوجاتا ہے۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں۔ اس طریقۂ تفسیر کو علماء نے پسند بھی کیا ہے اور اس پر عامل بھی

رہے ہیں۔تفسیر کے لئے یہ بہترین طریقہ ہے ۔ ابن کثیر کا نظریہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ وہ خطبۂ کتاب جو اصل میں مقدمہ تفسیر ابن کثیر ہے ، میں فرماتے ہیں'' تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو،اس لئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے۔(تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۱۴۱)

قرآن مقدس چونکہ اجمال اور تفصیل دو متضاد صفتیں اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، اس لئے اس کے اجمال کو خود اسی سے سمجھنا زیادہ مفید ہے اور اس کی تفصیل کو آیتوں کی گہرائی میں دیکھنا ضروری ہے، ورنہ لغزش کے امکان کہیں نہ کہیں رہ جائیں گے۔اس باب میں ہم دو آیتیں پیش کرتے ہیں جن سے موضوع بحث کو سمجھنے میں ضروری مدد ملے گی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِکَ وَيُعَلِّمُهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ بقرہ ۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار مبعوث فرما ان میں انہیں میں سے ایک رسول کہ جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرتا ہو اور انہیں تعلیم دیتا ہو کتاب وحکمت کی اور ان کے نفسوں کو پاکیزہ بنائے کہ بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

مذکورہ آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا نقل کی گئی ہے جو آپ نے حضرت اسماعیلؑ کی ذریت کے لئے فرمائی۔ یہ ایک آیت ہے جس کی تفسیر جب ہم قرآن میں تلاش کرتے ہیں تو بالکل اسی لہجہ اور انداز کی آیت سورہ جمعہ میں بھی موجود ہے اس کے الفاظ ذرا سی تقدیم وتاخیر کے ساتھ تقریباً ویسے ہی ہیں جیسے اس آیت کے ہیں۔

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُبِينٍ (سورہ جمعہ ۲)

ترجمہ: وہی تو ہے کہ جس نے مبعوث فرمایا امین میں انہیں میں سے ایک رسول جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب وحکمت کی۔ جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

پہلی آیت میں'' ربنا '' ہے یعنی اے ہمارے پروردگار جو تضرع کے ساتھ ایک دعا کو ظاہر کرتا ہے جو یقیناً ایک بندہ کی طرف سے ہے اور دوسری آیت میں'' ھو الذی' ہے وہ وہ ہے کہ

یاوہی تو وہ ہے کہ جس نے ایک رسول مبعوث فرمایا یہاں ''ھو الذی '' سے ثابت ہوتا ہے کہ کہ خدا خود اپنے لئے فرمارہا ہے کیوں کہ رسول کا بھیجنے والا وہ خود ہے تو معلوم ہوا کہ ربنا کا اصل خطاب کوئی مجازی نہیں ہے بلکہ اللہ ہے۔

ایک مفسر جب تفسیر کرے گا تو دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر جب نتیجہ اخذ کرے گا تو وہ اس طرح ہوگا کہ حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی، ایک ایسے رسول کی بعثت کے لئے جو اہل مکہ میں سے ہو اور اہل مکہ کو الٰہی آیتوں کے ذریعہ ہدایت دے اور گناہ کی آلودگیوں سے انہیں پاک کردے خدا نے دعائے حضرت ابراہیمؑ کو قبول فرمایا اور محمد مصطفیٰ کی شکل میں وہ رسول مبعوث فرمایا۔ یہ ہے تفسیر قرآن کے لئے وہ طریقہ کہ جس طریقہ سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے۔تفسیر قرآن قرآن سے کی جائے ایک آیت کی تفسیر دوسری ایک یا کئی آیتوں سے کی جائے۔مگر یہ طریقۂ تفسیر کسی قدر دشوار ضرور ہے۔اس لئے کہ ہر ایک کی تفسیر اس طور پر ناممکن تو نہیں مگر بہرحال ایک مشکل امر ہے، الفاظ قرآن اور معانی قرآن اور الفاظ کے استعمال اور قرآن پر مفسر کی گہری نظر اور ہمہ دانی ضروری ہے۔

اسی طرز تفسیر کو بعض حضرات نے تفسیر موضوعی'' کا نام دیا ہے حالانکہ یہ کام ایک موضوع سے متعلق یکے بعد دیگرے آیتوں کا جمع کردینا ہے۔بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔لیکن یکے بعد دیگر آیتوں کا لکھ دینا تفسیر اس لئے مان لیا جائیگا کہ ایک آیت خود دوسری آیت کی تشریح کرتی ہے خواہ باعتبار الفاظ ہوخواہ یا معانی ہو۔

قرآن کی آیتوں سے آیتوں کی تفسیر مشکل امر ضرور ہے مگر معتبر ترین ذریعہ تفہیم ہے۔ قرآن فہمی کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ اور طریقہ نہیں ہے چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی معارف القرآن کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔''علم تفسیر کا پہلا مأخذ خود قرآن کریم ہی ہے چنانچہ ایسا بہ کثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی آیت مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآن کریم ہی کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کردیتی ہے''(معارف القرآن ج ا ص ۳۱'')

جس طرح وضو کہ اس میں ایک اختلافی صورت نہ جانے کس طرح پیدا ہوگئی حالانکہ آیۂ وضو میں قطعی واضح حکم پایا جاتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُئُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (مائدہ آیت ۶)

اے ایمان والو ! تم کھڑے ہونماز کے لئے تو تم دھوؤ اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور تم مسح کرو اپنے سروں پر اور کعبین تک پیرو پر۔

اس واضح ترین حکم میں اگر کوئی اجمالی مان بھی لیا جائے تو اس کی تفصیل آیت تیمّم سے مل جاتی ہے اور مسح کے صحیح معنی متعین ہوجاتے ہیں اور اس طرح کہ

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ (سورہ نساء آیت ۴۳)

پس اگر تمہیں پانی نہ مل سکے تو تیمّم کرلو پاک مٹی سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر۔ یہاں مسح کے معنی بالکل واضح ہیں چنانچہ اہل اسلام تیمّم کرتے ہیں تو مسح کرتے ہیں یعنی چھوتے ہی ہیں۔ اس کی تفسیر سبھی نے اسی طرح کی ہے۔

بیشتر مفسرین کے یہاں تفسیر میں یہی لحاظ رکھا گیا ہے کہ آیت کی تفسیر آیت کے ذریعہ کی گئی ہے اس سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ا۔ قاری مطمئن ہوجاتا ہے۔ ۲۔ خود مفسر پر تفسیر بالرای کا الزام نہیں آتا۔

حدیث: قرآن مقدس کے اصولوں میں دوسرے نمبر پر حدیث آتی ہے یعنی اگر آیت کی تفسیر آیت سے ممکن نہ ہوتو آیت کو حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے اور بیان حدیث سے آیت کا مفہوم اخذ کرکے تفسیر کی جائے۔ یہ اصول یقیناً اس اعتبار سے بھی بہترین ہے کہ مختلف مراحل میں آیت کی تفسیر مہیا ہوسکتی ہے۔ آیت کے نزول کے وقت صحابہ نے جس جس انداز سے آیت کے متعلق دریافت کیا ہوگا تو وحی الٰہی کی ترجمان زبان مقدس نے آیت کے متعلق سائل کی عقل کے مطابق ضرور جواب دیا ہوگا اور ایک آیت کی تشریح کئی طرح سے مل جائیگی۔ اس صورت میں حدیث کے الفاظ یقیناً قابل غور رہیں گے اور متن حدیث کو تفسیر کی روح سمجھا جائے گا۔

قرآن مجید کی تفسیر کرنے کے لئے حدیث کا سہارا ضرور لیا جائے اسلئے کہ رسول خدا کی پوری زندگی کا معیار قرآن مجید ہے قرآن کے علاوہ رسول کی زندگی کا تصور محال ہے اور اس کا احاطہ ناممکن ہے آپ کی حیات طیبہ میں قرآن مقدس کا مکمل دخل ہے کوئی عمل اور کوئی فرمان ایسا نہیں جو مطابق قرآن نہ ہو، رسول خداؐ کی حیات عمل کی شکل میں قرآن ہے اور قرآن بیان کی منزل میں حیات رسول خدا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے میں دیکھا جاسکتا ہے یعنی کہ دونوں ہی ایک دوسرے کا

آئینہ ہیں۔ اس لئے حدیث کے ذریعہ بہترین تفسیر ہوسکتی ہے ۔ آیت کے معانی اور مقام ومفاہیم کی گہرائی تک رسائی ممکن ہے یہ ایک قابل عمل اور مطابق عقل سلیم، پیغامی صورت میں تفسیر ہوسکتی ہے۔ مگر یہ وادی بہت پر خار ہے یعنی حدیث سے قرآن کو سمجھنا بہت آسان ہے مگر خود حدیث کو سمجھنا اور صحیح حدیث تک رسائی انتہائی مشکل کام ہے۔ اس کے لئے دوطرح کے علم پر دسترس ضروری ہے ا۔ علم حدیث ۲۔ علم درایت۔درایت در اصل علم درایت کی بنیاد ہی حدیث ہے ۔ اگر علم حدیث کو ہٹادیا جائے تو علم درایت بے معنی ہوکے رہ جاتا ہے ، یہ علم وجود میں ہی اس لئے آیا تھا کہ حدیثوں کو پرکھا اور جانا جاسکے اوران حدیثوں روایتو کے راویوں پر نظر کی جائے ان کے حالات کو دیکھا جائے کہ ان کی رسول سے کتنی قربت رہی ہے اور کس قسم کی قربت رہی ہے اور ان کا اپنی زندگی میں معیار حیات کیا رہا ہے اگر وہ جھوٹ بولنے کے عادی رہے ہیں تو ممکن ہے اس بیان میں کہ جسے ہم حدیث کہہ رہے ہیں اس میں بھی غلط بیانی سے کام لیا ہو اور اس کی غلط نسبت پیغمبرؐ کی طرف دے دی ہو۔ یا کعب الاحبار جیسے لوگ دین میں داخل ہوگے ہوں اور ایک خاص منصوبہ کے تحت جعلی حدیثوں کا کارخانہ کھول لیا گیا ہو یا عبد اللہ ابن ابی مسعود جیسے افراد بھی ہوسکتے ہیں۔مدینہ میں جہاں نیک نفس پاک سیرت صراط مستقیم پر گامزن ایماندار صحابۂ کرام رہتے تھے وہیں ایک خاص بڑی تعداد منافقوں کی بھی تھی یہ کیسے ممکن ہے کہ ان منافقوں نے رسول خدا کے کلام میں اپنا بیان نہ ملادیا ہو جبکہ اس کے امکان اور ضرورت بالکل واضح ہے اور اس سے کسی کو انکار کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ تابعین اور تبع تابعین کی بحث تو بعد کی ہے۔

حفاظ حدیث کی کثرت کو دیکھتے ہوئے اور ان کے رسول خدا کی طرف منسوب غلط بیانی کو دیکھتے ہوئے علماء کی ایک جماعت نے یہ کام کیا کہ جو حدیث کے راوی تھے ان کے حالات جاننے شروع کئے۔ جس کے نتیجہ میں کئی کتابیں تیار ہوگئیں اس کی تفصیل کے لئے اضافہ فی تمیز الصحابہ۔ تنقیح المقال اور رجال کشی ملاحظہ فرمائیں۔ ان کتابوں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ حدیثوں کے اعتبار سے مفید مطلب اور صحیح حدیث کو نکالنا کتنا مشکل ہے۔

علم حدیث کے لئے جہاں علم ورایت کی ضرورت ہے وہیں علم رجال بھی ضروری ہے یعنی علم حدیث کے لئے علم درایت ضروری ہے اور علم درایت کے لئے علم رجال ناگزیر ہے۔علم رجال ہی طے کرتا ہے کہ کونسی حدیث حسن ہے کونسی صحیح مؤثق اور ضعیف ہے ۔ جہاں ایک مفسر کے لئے اچھا

عربی داں ہونا ضروری ہے وہیں ان تینوں علوم میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔

واضح اشارہ

ہم حدیث کی اقسام سے بحث نہیں کرتے مگر اس نکتہ پر ضرور ٹھہرنا چاہتے ہیں کہ کن لوگوں کا بیان حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ اس ضمن میں علماء اہلسنت کا نظریہ صاف ہے کہ قول رسول، عمل رسول حدیث کہلائے گا۔ شیعی نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول خدا، حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت حسنؑ حضرت حسینؑ اور حضرت حسین کے بعد جو آئمۂ اہلبیت ہیں ان کا بیان بھی حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔

علماء اہلسنت ان کی تکذیب تو نہیں کرتے مگر ان کے بیان کو حدیث کا درجہ نہیں دیتے جبکہ بعض صحابہ کے قول وعمل کو حدیث کا درجہ دیتے ہیں۔ اس کے برعکس شیعہ صحابہ کے قول وعمل کو حدیث کا درجہ نہیں دیتے رسول خداؐ کے بعد آیت تطہیر میں شامل ہونے کی بنا پر ائمہ اہلبیتؑ کے بیان کو حدیث کا درجہ دیتے ہیں اور تفسیر قرآن کرتے ہوئے رسول خدا اور ائمہ اہلبیتؑ کے بیانات کو مقدم جانتے ہوئے اسی کی روشنی میں تفسیر کرتے ہیں۔ چونکہ اس وقت ہمارا مقصود بیان علم کلام کی کوئی بحث چھیڑنا نہیں ہے بلکہ ہم صرف تفسیر اور تفسیر کے موضوع سے گفتگو کر رہے ہیں کہ قرآن کے بعد حدیث ہی قرآن مجید کی تفسیر کے لئے بہترین مأخذ ہے مگر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کہ جس حدیث کی روشنی میں تفسیر کی جارہی ہے وہ حدیث خود حدیث کی کس قسم میں داخل ہے اور اس کے راویوں کا سلسلہ کیسا ہے۔ آیا راویوں کا سلسلہ مکمل ہے کہ نہیں یا سلسلۂ رواۃ تو مکمل ہے مگر اس میں ایک یا ایک سے زاید راوی مجہول غیر معروف یا کاذب ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ان کی بیان کردہ روایتوں پر بھروسہ کر کے تفسیر میں لغزش کے امکان بہر حال رہیں گے۔

ایک مفسر کے لئے ضروری ہے کہ تفسیر کرتے ہوئے دیانتداری کو ملحوظ رکھے اور مسلکی تعصب سے دور رہے اگر مفسر مسلکی تعصب سے گریز نہ کرے گا تو آیتوں کے مطلب کو اپنے مقصد میں ڈھالنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس کوشش میں ضعیف حدیثوں کی بیساکھیوں پر خیالی محل تیار کرے گا اور انکے ضعف کو نظر انداز کر کے تفسیر کے بجائے جرم کا مرتکب ہوگا۔ ایسے ہی مفسروں کی تنبیہ کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد خداوندی ہے۔

هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیلِهِ وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِی

الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ ''(آل عمران آیت ۷)

ترجمہ: ''وہ وہ ہے کہ جس نے آپ پر وہ کتاب نازل کی کہ جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری کچھ متشابہ ہیں۔ تو وہ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے پس وہ پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اس کتاب کی انہیں منشابہ آیتوں کے، تاکہ فتنہ برپا کریں اور بے جا تاویل کریں جبکہ اسکی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ہے اور ان کے کہ جو علم میں راسخ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب کا سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت کوئی نہیں حاصل نہیں کرتا سوائے صاحبان عقل کے۔''

مذکورہ آیت میں واضح طور پر بتادیا گیا کہ فتنہ پرداز لوگ قرآن کے متشابہات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور آیات کی من مانی تاویلیں کرتے ہیں اور اپنی تاویلوں میں کمزور احادیث کا سہارا لیتے ہیں اور ایسے راویوں پر بھروسہ کرتے ہیں جو خود اپنی ذاتی زندگی میں اپنے دین وعقیدے سے وفا نہیں کرسکے۔ اس طرح کے افراد تفسیر کرتے وقت خود تو اپنی علمی خیانت کے ذمہ دار ہیں ہی البتہ ان لوگوں کے عمل کے ذمہ دار بھی ہیں جو ان کی خیانت کاری کی بنا پر سوء اعمال کے شکار ہوجاتے ہیں۔

ہم پھر ایکبار اسی بات کو دہراتے ہیں اس میں شک نہیں کہ قرآن فہمی میں حدیث بہترین مددگار ہے مگر اس وادی میں قدم رکھنا اور صحیح طریقہ سے آیتوں کے مطلب تک پہونچنا بھی دشوار گزار مرحلہ ہے۔

ہماری بات کی تائید مولانا محمد تقی صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے

''مفسرین کرام نے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ اور حدیث پر دیا ہے، اور احادیث کی روشنی میں کتاب اللہ کے معنی متعین کئے ہیں۔ چونکہ حدیث میں صحیح ضعیف اور موضوع ہر طرح کی روایات موجود ہیں اس لئے محقق مفسرین اس وقت تک کسی روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے جب تک وہ تنقید روایات کے اصولوں پر یوں نہ اترتی ہو'' (مقدمہ معارف القرآن ج ۱ ص ۳۲)

صحابہ کرام

مفسرین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے نزدیک قرآن وحدیث کے بعد صحابہ کرام کا قول وعمل تفسیر کے لئے حجت ہے۔ حالانکہ یہ بات محل نظر اس لئے بھی ہے کہ کیا صحابہ کرام کا

عمل قرآن وسنت کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے، اگر ہوسکتا ہے تو کیااس کی گنجائش ہے کہ ان کے قول وعمل کوتفسیر کا مأخذ قرار دیا جائے۔ اور اگر ان کا قول وعمل قرآن وحدیث کے دائرہ سے خارج نہیں ہوسکتا تو اس کو الگ مأخذ نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ یہ پہلے سے قرآن وحدیث کے زمرے میں شامل ہے جو رسول خدا کا قول وعمل ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ مستند معتبر اور قابل فخر صحابہ کرام کا عمل قرآن و حدیث سے ہٹ کر ہوگا۔ اس لئے اس کو الگ سے اصول تفسیر کے طور پر قرار نہیں دیا جانا چاہئے ۔ اور جب صحابہ کرام کے عمل کواصول تفسیر کی بنیاد نہیں قرار دیا جاسکتا ہے تو تابعین اور تبع تابعین کے قول وعمل پر کیا بحث کی جاسکتی ہے۔ حالانکہ اس بحث کو اتقان کی دوسری جلد میں چھیڑا گیا ہے۔

عقل

البتہ قرآن فہمی میں قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ عقل کو بڑا دخل ہے۔ یہاں عقلمندی سے کام لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عقل کو بنیاد بنا کے قرآن وحدیث کو پس انداز کر دیا جائے اس کے بیان کردہ احکام کو نظر انداز کردیا جائے بلکہ یہاں عقل کے معنی وہی ہیں کہ جو حضرت علیؑ کے بیان کا مقصد ہیں یعنی آپ کا فرمان'' العقل ما عبد به الرحمن '' عقل کہ جس سے رحمٰن کی عبادت کی جائے یا یہ عقل وہی کہ جس سے خدائے رحمان کی عبادت کی گئی۔ اس کے عرفان کے ساتھ ۔تو اس عقل میں یقیناً وہ سکت ہوگی کہ قرآن کے مقصد سمجھ بھی سکے اور سمجھا بھی سکے۔خود قرآن مقدس نے بھی محکم اور متشابہ آیتوں کے بیان میں صاحبان عقل پر یہی بات کو تمام کیا'' وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ'' (آل عمران ۷) کہ نصیحت عقلمندوں کے علاوہ کوئی نہیں پکڑتا۔قرآن مقدس میں خدا انہیں کو اولوا الباب فرمارہا ہے کہ جن عقلوں میں خدا کا نور اور دین کی جلوہ گری ہے۔ جب ایسے لوگ قرآن کی تفسیر کریں گے تو آیتوں اور حدیثوں سے استنباط کرکے ان حقائق کو سامنے لائیں گے جن سے دین کی راہیں واضح اور صالح معاشرے کی بنیادیں مضبوط ہوجائیں۔

اگر قرآن کو بغور پڑھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے اپنا مخاطب اصلی صاحبان عقل ہی کو قرار دیا ہے اور انہیں سے بار بار خطاب فرمایا ہے کہ قرآن میں غوروفکر کریں، تدبر سے کام لیں لہٰذا قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ عقل کو بھی تفسیر کا مأخذ قرار دیا جائے۔جسم بشر میں اعلیٰ ترین خلقت عقل ہے۔اور اسی کے سبب انسان اشرف المخلوقات قرار پایا ہے۔

لغت

قرآن چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے ایک مفسر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس زبان ولغت سے واقف ہی نہ ہو بلکہ کسی حد تک دسترس بھی رکھتا ہو اس کے محاورے اور نحو وصرف سے بھی واقف ہو تبھی الفاظ کی تہوں میں چھپے ہوئے معانی کے گوہر آبدار برآمد کرسکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ عربی زبان کی وسعت اور اس کے تہہ در تہہ مضمون کی نزاکتوں کو مختلف معانی کے پیش نظر جانتا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن مقدس اپنے الفاظ کے ذریعہ بھی سمجھنے والی کتاب ہے اور اپنے مفہوم کے ذریعہ بھی پیغام دینے والی کتاب بھی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مقدس کی اپنی مخصوص اصطلاحی زبان ہے۔ اس کے اسلوب اور الفاظ کی نشست وبرخاست سے بھی جہاں نیا رنگ وآہنگ پیدا ہوا ہے وہیں نئے اور مخصوص مضامین بھی وجود میں آئے ہیں۔ یہ وہی زبان ہے جسے کبھی عرب نوجوان رجز میں استعمال کرتے تھے شعراء اسی کے سہارے فصیح وبلیغ شعر کہتے تھے اور اسی زبان میں مائیں اپنے بچوں کو لوریا دیتی تھیں اور اسی زبان کی آتش فشانی جنگ کے میدان میں آگ اگلتی تھی۔ اسی زبان کی مہارت کے سہارے عرب اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز کرتے تھے مگر جب زبان اعجازی شان کے ساتھ الٰہی لب ولہجہ میں بشکل قرآن قلب مصطفیٰؐ پر اتری فصیحان عرب رنگ رہ گئے حالانکہ الفاظ وہی تھے جو عرب کی منڈیوں اور بازاروں میں بولے جاتے تھے اب انہیں الفاظ کی تہوں میں پہونچنے کے لئے یہی عرب حضورؐ سے سوال کرتے کہ حضورؐ اس کا مطلب کیا ہے۔حالانکہ یہ وہی الفاظ تھے جنہیں وبکثرت استعمال کرتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کونسا لفظ کن کن معنی میں مستعمل ہے مگر نزول قرآن کے بعد ان کے معنی میں ایک مخصوص اصطلاحی مزاج بھی شامل ہوگیا۔

صلوٰۃ کے معنی عربی زبان میں دعا کے ہیں مگر اسی لفظ کو قرآن میں نماز کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا یعنی یہ قرآن کی اپنی اصطلاحی زبان ہے۔ اہل لغت صلوٰۃ کے معنی دعا کے لکھتے ہیں اور قرآن ''نماز'' بیان کرتا ہے ۔ لہٰذا خالص لغت کے سہارے قرآن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ بلکہ قرآن حکیم نے عربی زبان اور لغت کو نیا رخ دے دیا ۔ پرانے گھسے پٹے الفاظ کو نئے معنیٰ عطا کردئے ۔صلوٰۃ بمعنی نماز قرآن کی اصطلاح ہے مگر اس میں ''دعا'' کے معنی کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ نماز ایک مخصوص عبادت ہے مگر اسمیں پڑھی جانے والی عربی عبارتوں میں مکمل طور پر دعائیہ انداز میں یعنی ''صلوٰۃ''

اپنے معنی کے دائر سے خارج بھی نہیں اور قرآنی اصطلاح کی بنا پر نئے معنی بھی ظاہر ہوجاتے ہیں۔

اس لئے یہ کہاجانا کہ قرآن کی تفسیر عربی لغت کے سہارے کی جاسکتی ہے غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ تفسیر میں عربی لغت دانی کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ قرآن بیان ، لغات اور اصطلاح کا معجزانہ شاہکار ہے اس لئے مفسر پر بھی یہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

دیانتداری

قرآن مقدس کی تفسیر کے چار بنیادی اصول اور مأخذ ہم اوپر بیان کرچکے اب مزید بیان کی ضرورت نہیں ہے مگر ایک ایسی چیز بھی ہے جس کے بغیر تفسیر ممکن نہیں اور اس کا تعلق علم سے کم اور عمل سے زیادہ ہے۔ اوپر بیان شدہ اصول علم کے بغیر نہیں ہوسکتے مگر خود علم تقوی کے بغیر شجر بے ثمر ہے اور ایسا چراغ ہے جس کی روشنی دھندلی ہے اور ایسا شخص ہے جس کا فائد دوسروں کو تو ہے مگر خود اس کو اپنے علم سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔علم اور خاص طور پر دین وقرآن کا علم اگر ایسے آدمی کے پاس ہو جو تقویٰ سے دور اور دنیا پرست ہوتو ایسے شخص میں دیانت داری نہیں ہوسکتی اور جس شخص میں دیانتداری نہیں ہے وہ کسی بھی وقت اپنے مفاد کی خاطر کسی بھی چیز کو بیچ سکتا ہے۔نقصان پہونچا سکتا ہے جس کا لازمی نتیجہ راہ ہدایت سے دور ہونا اور قعر مذلت میں گر جانا ہے۔خواہشات کی دلدل سے نکل آنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے آغاز میں ہی بشریت کو دونسخہ کیمیا بتائے گئے پہلا ذٰلِکَ الْکِتَاب لاَرَیْبَ فِیْہ۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ دوسرا ھدیً للمتقین ۔ یہ کتاب سراسر ہدایت ہے متقین کے لئے ۔یعنی کہ قرآن ہدایت تو کرتا ہے مگر متقی افراد کو، جن افراد میں تقویٰ پایا جاتا ہے یہ قرآن انہیں افراد کی ہدایت کرتا ہے ۔تزکیۂ نفس اور پرہیزگاری روز اول ہی سے اسلام کے منشور میں میں شامل ہے چنانچہ حضورؐ اکرم کی بعثت کے اغراض بیان کرتے ہوئے اللہ نے ایک غرض یہ بھی بیان کی۔''وَیُزَکِّیْھم '' کہ رسول ان کا تزکیہ نفس کریں (سورہ جمعہ) اور اس مفہوم کو مکہ کی گلیوں سے باہر نکالکتے ہوئے عملی زندگی کی افادیت بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا'' قد افلح من تزکیٰ'' (سورہ اعلیٰ) جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ یقیناً فلاح پاگیا۔

اس قبیل کے جتنے بیانات ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ انسان گناہوں سے پرہیز کرے اپنے

اور دوسروں کے معاملات میں دیانتدار بن جائے اگر ایسا ہوگیا تو خدا سے بھی دیانتدار ہوجائے گا۔

لہٰذا ایک مفسر کے لئے دیانتداری اور تقویٰ اتنا ہی ضروری ہے جتان مچھلی کے لئے پانی اور چراغ روشن کرنے لئے تیل ضروری ہوتا ہے مفسر جس قدر متقی ہوگا اس قدر دیانتدار بھی ہوگا اور بے کم وکاست آیتوں کے ذیل میں انہیں روایات کونقل کرے گا جو منشائے الٰہی کے مطابق اور آیت کا مقتضیٰ ہوں اور جو انسانی برادری کے لئے مفید ترین ثابت ہوسکیں۔

چودہ سو برس سے آج تک قرآن کی مختلف تفسیریں ہوئیں اور مفسرین مختلف مسلکوں اور مزاجوں سے تعلق رکھتے تھے اور زبانیں بھی مختلف تھیں۔ ان تفسیروں کو شمار کرنا اور ان کی صحیح تعداد معین کرنا دشوار ہے۔ مگر کچھ ہی تفسیریں ایسی ہیں جو یادگار ہیں جن کا نقش کبھی دھند لایا بھی نہیں لیکن ہر بار کے مطالعہ سے نئی آب وتاب کا احساس ہوتا ہے۔ پڑھنے والا مفسر کی دیانتداری کا قائل ہوتا ہے اور اس کے حق میں دعائے خیر بھی کرتا ہے۔ اس کا سبب اس مفسر کی دیانتداری ہے، تقویٰ ہے اور قرآن کی خدمت کا جذبہ ہے۔

بعض افراد اپنے قد کی بلندی کے لئے قرآن مقدس کی تفسیر کرتے ہیں یقیناً انہیں اس کا فائدہ بھی پہونچتا ہے۔ مگر ان کا یہ کارنامہ خود انہیں کی زندگہ میں سعی لاحاصل سمجھا جانے لگتا ہے البتہ جو لوگ خدمت قرآن کو دین سمجھ کر یہ کام کرتے ہیں تو ان کی حیات میں یہ کام ہوتا ہے مگر ان کے مر نے کے بعد کارنامہ بن جاتا ہے۔

لہٰذا تفسیر قرآن کے بنیادی اصول ومأ خذ میں تقویٰ اور دیانت کو بھی ایک بنیاد کی حیثیت سے مان لیا جانا چاہئے۔ اس طرح اصول تفسیر پانچ ہوجاتے ہیں یعنی قرآن ۲ حدیث ۳ عقل ۴۔ عربی زبان ولغت کا مکمل علم ۵ تقویٰ۔

ꕥ♦ꕥ

تفسیر عمدۃ البیان :ایک اجمالی تعارف

پروفیسر سید فرمان حسین
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ

دہلی کے اطراف میں چار بستیاں اچھی خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ اور ان چاروں کے نام میں کسی قدر مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں سے دو کا تعلق صوبۂ اتر پردیش یا (یو۔پی) سے ہے اور دو کا تعلق موجودہ ہریانہ ریاست سے ہے ،جو زمانۂ سابق میں صوبۂ پنجاب کا ایک حصہ تھی۔یوپی کی دو بستیوں کے نام ہیں ماری پت، جو غازی آباد کے قریب ہی واقع ہے اور دوسری کا نام ہے باغپت، جو پہلے ضلع میرٹھ کی ایک تحصیل تھی اور اس سے بھی پہلے ایک مسلم ریاست تھی۔ اب باغپت مستقل طور پر ایک ضلع ہے۔

ہریانہ کی دو بستیوں میں سے ایک قصبہ پانی پت ہے جو تاریخ ہند میں ایک نمایاں مخصوص اور اہم مقام رکھتا ہے۔ پانی پت کی لڑائیوں نے ہندوستان کی قسمت تبدیل کرنے میں ایک انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ مذہبی آزادی کے اعتبار سے یہ بھی قصبہ اچھی خاصی شناخت رکھتا ہے، کیونکہ مولانا الطاف حسین حالؔی اور خواجہ غلام الثقلین (مصنّف کتاب خدا کی ہستی) کا بھی یہ قصبہ مولود و مسکن رہا ہے۔

دوسرا قصبہ جو زیر نظر مضمون میں ایک خاص مقام اور اہم حیثیت رکھتا ہے، وہ سونی پت ہے۔ اسی قصبہ میں ہجری کلینڈر کے حساب سے تقریباً ایک سو چوراسی سال قبل ۱۲۴۴ھ میں ایک زمیندار جناب سید نظام علی کے گھر میں ایک بچہ کی ولادت ہوئی جس کا نام عمار علی رکھا گیا۔ تذکرۂ بے بہا میں سونی پت کو ضلع روہتک میں تحریر کیا گیا ہے، جبکہ مولانا عمار علی صاحب نے خود اپنی تفسیر کے مقدمہ میں سونی پت کو ضلع شاہ جہاں آباد میں بتایا ہے۔

مولانا عمار علی صاحب نے ابتدائی تعلیم جو اس زمانہ میں مروج تھی، مختلف اساتذہ سے حاصل کی اور دینی تعلیم کے حصول کی تڑپ میں لکھنؤ گئے اور ممتاز العلماء سے فقہ و اصول فقہ ، حدیث، علم میراث اور علم کلام کے علوم وفنون حاصل کیے۔ تذکرۂ بے بہاء میں آپ کے بارے میں تحریر ہے کہ ''آپ بڑے متقی ، پرہیزگار اور قانع تھے۔ جو زمینداری آپ کی خاندانی ورثہ تھی، اسی پر توکل تھا[۱] ۔

۱۲۷۳ھ میں ایک سالانہ مجلس عزا کی بنیاد ڈالی تھی، جس کا سلسلہ مدتوں جاری رہا اور

غالباً تقسیم ہند کے المناک سانحہ پر ختم ہوگیا۔مولانا اگرچہ شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے، مگر شعرگوئی میں کوئی خاص گہرائی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی خاص فنی بلندی نظر آتی ہے۔

مندرجہ ذیل اشعار سے اس کیفیت اور حیثیت کا بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے: حمد باری تعالیٰ میں فرماتے ہیں:

شکر واجب ہے خدائے پاک کا — جس نے بخشیں نعمتیں بے انتہا
پہلے وہ لایا عدم سے ہم کو یاں — خاک کے پتلے میں داخل کرکے جاں
پھر کیا فضہ سے پیدا ہر بشر — بخش کر پاکیزہ شغل اور خوب تر
پھر دئے اس نے ہمیں عقل و حواس — تاکہ ہم ہوجائیں نیک و بد شناس
پھر ہدایت کے لئے بھیجا رسولؐ — اور ہوا قرآن کا اس پر نزول
تاکہ حق سے وہ ہمیں واقف کرے — سب کو خوش خبری دے اور واقف کرے
دیوے جنت کی بشارت نیک کو — بد کو دوزخ سے ڈرانے والا ہو
اور بڑی نعمت سنو قرآن ہے — جو سبھوں کو ہادی ایمان ہے
پیروی اس کی کرے جو نیک ذات — داخل جنت ہو وہ پا کر نجات
ایسے اس کے سینکڑوں احسان ہیں — شکر کس کس کا کریں حیران ہیں

اسی طرح نعت کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

محمد خاص بندہ ہے خدا کا — کہ جو سردار ہے کل انبیاء کا
اسی کے خلق سے ہے خلق عالم[۲] — اور اس کا نور ہے سب پر مقدم[۳]
وہ سب خلقت سے ہے اعلیٰ وافضل — اور اس کا دین سب دینوں سے اکمل[۴]

مدح ائمہ طاہرینؑ میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار حاضر خدمت ہیں:

نبیؐ کے بعد یہ مولا ہیں سب کے — مقرب ہیں یہ سب درگاہ رب کے
یہی سب ہادی دین خدا ہیں — یہی سب جانشین مصطفیٰ ہیں
یہی ہیں جانتے قرآن کے اسرار — رفیق ان کا ہے وہ ، یہ اس کے ہیں یار
جدا ہوگا نہ ان میں سے کسی سے — ملیں جب تک نہ کوثر[۵] پہ نبی سے
کواکب کے ہیں جیسے برج بارہ — یہ ایسے علم کے ہیں برج بارہ

یہ واقف گھر سے ہیں چودہ طبق کے یہ بارہ در ہیں شہر علم حق کے
اطاعت ان کی ہے قرآن میں مرقوم یہی ہیں سب اولوالامراء ۶ اور معصوم

امام مہدیؑ کے بارے میں ان کی یہ منقبت ملاحظہ ہو:

امامت ختم ہے مہدیؑ دیں پر نبوت جیسے ختم المرسلیں پر
وہ گو غائب ہیں نظروں سے ہماری مگر ہے فیض ان کا ہم پہ جاری
ظہور اپنا کرے گا جب وہ مستور کرے گا عدل سے دنیا کو معمور ۷

آخر میں دعا کرتے ہیں:

قیامت تک نہ چھوٹے ساتھ ان کا جماعت میں ہو ان کے حشر میرا

مندرجہ بالا اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا عمار علی صاحب کو شعرگوئی میں زیادہ مہارت نہ تھی۔ فنی محاسن کا فقدان ہے۔ اشعار سیدھے سادے ہیں، معنوی گہرائی اور گیرائی بھی نہیں۔ شوکت الفاظ اور لحن میں کوئی گھن گرج بھی نہیں ہے۔ الفاظ کے انتخاب میں بھی کوئی حسن نہیں ہے۔ البتہ ایک بات بالکل نمایاں اور واضح ہے کہ ان کے اخلاص میں کوئی کمی نہیں ہے، حمد ہو یا نعت یا منقبت، ہر جگہ عقیدت کے پھول بکھرے ہوئے ہیں اور حدیث کے اس ارشاد کے مطابق ہر ہر شعر کے بدلے میں جنت میں ایک ایک بہشت کے حقدار ہیں۔

مولانا عمار علی صاحب نے دینی علوم وفنون میں مہارت حاصل کر کے تشنگان علوم کی سیرابی کے لئے کتابیں تصنیف کرنے کی زحمتیں برداشت فرمائیں۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں:

۱۔ دفع المغالطہ،	فارسی	مناظرہ کی کتاب ہے۔
۲۔ تجہیز الموتی	اردو	میت کی تجہیز وتکفین کے مسائل پر مشتمل ہے۔
۳۔ احکام النکاح	اردو	نکاح کے احکام سے متعلق کتاب ہے۔
۴۔ تحفۂ اشعریہ	اردو	علم کلام سے متعلق کتاب ہے۔
۵۔ الفرائض	اردو	میراث کے مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔
۶۔ دلائل التنزامیہ	فارسی	خلیفہ بلافصل کی بحث میں ہے۔
۷۔ تنبیہ المنکرین	اردو	متعہ کے جواز پر بحث کی گئی ہے۔

۸۔علامات مومن اردو

۹۔رسالۂ اعتقادیہ اردو عقائد کا بیان ہے

آپ کی ایک کتاب بستان المواعظ عربی زبان میں ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔لیکن آپ کی تمام تصانیف میں سب سے زیادہ اہم۔ وقیع اور منفرد شان کی حامل تفسیر قرآن کریم ہے جو تفسیر عمدۃ البیان کے نام سے طبع ہوئی ہے۔بقول صاحب تذکرہ بے بہا''کتاب تفسیر عمدۃ البیان ایسی ضخیم کتاب چند جلدوں میں چند مرتبہ چھپ کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئی جو مصنف کے خلوص کی دلیل ہے۔'' (تذکرۂ بے بہا صف ۲۲۴)

مولانا عمار علی صاحب اور حج اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔تذکرۂ بے بہا کے مطابق اس عظیم فقیہ اور مفسر قرآن نے روز یکشنبہ ماہ صفر ۱۳۰۴ء میں وفات پائی اور امام باڑہ قاضی علیم الدین محلّہ قاضی زادہ گان والان میں مدفون ہوئے۔

نواب صاحب: (غالباً سونی پت کے نواب مراد ہوں گے)نے قطعۂ وفات یوں نظم کیا ہے۔

ساکن سونی پت آن علامۂ ہندوستان صاحب تفسیر عمدہ سید معجز بیان

ثانئ عمار یا سرگشت در ماہ صفر قبلۂ من مومولوی عمار علی جنت مکان

تفسیر عمدۃ البیان:

اگرچہ تذکرۂ بے بہا کے مصنف نے تحریر فرمایا ہے کہ تفسیر عمدۃ البیان تین جلدوں میں ہے اور راقم السطور نے بھی اپنے ایک ہم وطن عزیز کے یہاں اپنے وطن قصبہ گنگیر وضلع مظفر نگر میں مرحوم حکیم سید رضوان حسین کے ذخیرۂ کتب میں عمدۃ البیان کی تینوں جلدوں کو دیکھا ہے مگر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ شیعہ دینیات میں یہ تفسیر ۱۵ جلدوں میں موجود ہے اور ہر جلد دو دو پاروں پر مشتمل ہے ہر جلد کے صفحات کی تفصیل اس طرح ہے۔

پہلی جلد	صفحات	۶۸
دوسری جلد	صفحات	۶۸
تیسری جلد	صفحات	۶۴
چوتھی جلد	صفحات	۶۴
پانچویں جلد	صفحات	۶۸

چھٹی جلد	صفحات	۸۰
ساتویں جلد	صفحات	۶۰
آٹھویں جلد	صفحات	۸۴
نویں جلد	صفحات	۶۴
دسویں جلد	صفحات	۶۰
گیارہویں جلد	صفحات	۷۲
بارہویں جلد	صفحات	۵۴
تیرہویں جلد	صفحات	۸۴
چودھویں جلد	صفحات	۸۲
پندرہویں جلد	صفحات	۱۰۳

تفسیر عمدۃ البیان کے کل صفحات کی تعداد ۱۰۷۵ صفحات ہے۔تفسیر عمدۃ البیان کا پس منظر تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''گزارش کرتا ہے خدمت میں مومنین کے خاکسار عمار علی رہنے والا سونی پت شاہ جہاں آباد کا کہ بعض مومنین دیندار نے اس عاصی کے پاس خطوط روانہ کرکے درخواست کی کہ تفسیر قرآن شریف کی زبان اردو میں کہ جس سے عام لوگوں کو فائدہ ہو، اب تک کسی نے تحریر نہیں فرمائی ہے اور اگر کسی نے کچھ لکھا ہے تو بطور حاشیہ کے لکھا ہے اور ہر آیت کے معنی کو حل نہیں کیا ہے اور نہ ہر آیت کی تفسیر لکھی ہے۔ اب کوئی ایسی تفسیر مرقوم ہو کہ جس میں سب آیات کا حل ہو اور شان اور سبب نزول ہر آیت اور قصہ جو کہ اس سے متعلق ہے تفصیل سے ہو اور اختلاف قرائت اور ترکیب نحوی میں موافق ضرورت کے اس میں مذکور ہو اس واسطے اس خاک سار نے حکم مومنین کو بسروچشم قبول کرکے باوجود قلت سامانی اور کثرت افکار کے لکھنا تفسیر کا شروع کیا اور موافق ان کے موقدر کے مثل اور تفسیر وں عربی اور فارسی کے اس تفسیر کو تحریر کیا کہ ہر آیت کی تفسیر لکھی اور شان نزول اور اثباب مذہب حق کے اگر ادبی اشارہ بھی کسی آیت میں پایا ہے تو وہیں اس کو ذکر کردیا ہے اور وعظ وپند میں احادیث رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ سے اس تفسیر کو مزین کیا ہے اور نہایت آسان عبارت میں اس تفسیر کو لکھا ہے کہ جس کو تھوڑا سا خواندہ آدمی بھی پڑھ کر سمجھ لیوے اور نام اس کا عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن رکھا ہے''۔ ۸

مولانا عمار علی صاحب نے تفسیر کا آغاز کرنے سے پہلے تین مقدمات بھی درج کیے ہیں۔
پہلے مقدمہ میں قرآن مجید کے نزول پر روشنی ڈالی ہے اس مقدمہ میں انہوں نے قرآن کی حجیت اور اس کے تحریف سے پاک صاف ہونے کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ

''اور جو قرآن کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے رسول خداؐ پر نازل ہوا ہے وہ یہی قرآن ہے جو کہ اس زمانہ میں موجود ہے اور اس میں کسی نے اپنی طرف سے کچھ زیادہ نہیں کردیا ہے''

دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں۔

''اور کلام اللہ جو کہ قرآن ہے وہ یہی ہے نہ کم ہے اس سے نہ عیاذاً باللہ اس میں تحریف ہے''

دوسرے مقدسہ میں قرآن کی تلاوت کے آداب تحریر کیے ہیں۔

لکھتے ہیں کہ ''حرفوں کو مخرجوں سے ادا کرے اور بہت جلد نہ پڑھے اور نہ حرفوں میں بہت فاصلہ کرکے پڑھے اور ایسا جانے کہ گویا خدا کو دیکھتا ہے اور ایسا نہ ہو سکے تو جائے کہ خدا مجھ کو دیکھتا ہے''

تیسرے مقدمہ میں قرآن مجید کی تلاوت کے ثواب کو تحریر کیا ہے اور اس میں متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں قرآن مجید کی تلاوت کا تفصیل سے تذکرہ ہے تلاوت کلام مجید کے ثواب سے متعلق جو حدیثیں انہوں نے درج کی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں'' اور دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی قرآن کو دیکھ کر پڑھے تو اپنے آنکھوں کے نور سے فائدہ مند ہو اور اس کے والدین سے تخفیف عذاب کی ہو اگرچہ دونوں کافر ہوں''

اور حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں قیامت کے روز خدا سے شکایت کریں گی ایک تو مسجد کہ قوم میں ہووے اور وہ اس میں نماز نہ پڑھتے ہوں اور دوسرا عالم کہ وہ جاہلوں میں ہو اور وہ لوگ اس کی فرماں برداری نہ کرتے ہوں اور مسائل دین اس سے نہ پوچھتے ہوں اور تیسرا قرآن کہ گھر میں رکھا ہوا اور گرد آلود ہوگیا ہو اور تلاوت اس کی نہ کرتے ہوں۔

اور منقول ہے کہ جو کوئی قرآن کی صورت کو یاد کرکے فراموش کردے تو قیامت کے روز بہت افسوس کرے گا اور پشیمان ہوگا لیکن اس روز کی پشیمانی اس کو فائدہ نہ بخشے گی۔

تفسیر کے معنی: تحریر فرماتے ہیں کہ ''معنی تفسیر کے ظاہر کرنا مراد کا لفظ مشکل سے ہے:''

تاویل کے معنی: معنی تاویل کے رد کرنا اور پھیرنا ایک احتمال کا دو احتمالوں میں سے ہے طرف اس امر کے خلاف ظاہر کے ہو۔ کہ بطور نمونہ سورۂ الحمد کے بارے میں مصنف نے جو کچھ تحریر

فرمایا ہے ذیل میں مندرج ہے۔ سورہ الحمد: یہ سورہ مکی ہے اور بعض کہتے ہیں مدنی ہے اور بعض کہتے ہیں یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوا ہے ۔ایک مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں اور اس سورہ میں سات آیتیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سورہ کے دس نام ہیں ۔ فاتحۃ الکتاب یہ نام اس واسطے ہوا کہ سب سے پہلے یہ سورہ قرآن میں لکھاجاتا ہے اور نماز میں اول یہی سورہ پڑھاجاتا ہے ۔ سورہ الحمد یہ نام اس واسطے ہوا ہے کہ اس میں ذکر حمد کا ہے ۔ ام الکتاب یہ نام اس واسطے رکھا کہ یہ اصل ہے قرآن کی اور ام اصل کو کہتے ہیں اور یہ اصل قرآن کی اس واسطے ہے کہ جو کچھ سب سورتوں میں ہے وہ اس میں ہے اس واسطے کہ اس میں ذکر ہے خدا کے رب ہونے کا اور بندوں کے عبد ہونے کا اور یہی مقصود ہے تمام قرآن سے سورہ السبع یہ نام اس کا اس واسطے ہوا کہ اس میں سات آیتیں ہیں اور سبع سات کو کہتے ہیں سورۃ المثانی یہ نام اس کا اس واسطے ہوا کہ یہ سورت نماز میں دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے اور یا یہ کہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے اور اس واسطے اس کو مثانی کہتے ہیں۔ یہ پانچ نام تو اس کے دس ناموں سے مشہور ہیں اور بعضے پانچ اور بیان کرتے ہیں۔ اور وافیہ یہ نام اس واسطے ہوا کہ نماز میں یہ سورہ پڑھی جاتی ہے کافتیہ میں اس واسطے کہ نماز میں یہ سورہ کفایہ کرتے ہیں اور سوائے اس کے اور سورت تنہا کفامت نہیں کرسکتی سورہ الاساس نام اس کا اس واسطے ہوا یہ سورہ اساس قرآن کی ہے سورۃ الشفاء یہ نام اس کا اس واسطے ہوا کہ یہ سورہ شفا ہے ہر بیماری سے۔ سورۃ الصلوٰۃ یہ نام اس کا اس واسطے ہوا کہ ہر نماز میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے ۔ یہ دس نام ہیں دس سورت کے اور رسول خدا نے فرمایا ہے کہ ام الکتاب سب سورتوں سے افضل ہے اور شفاء ہے ہر مرض سے مگر موت ہے اورامام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس کو حمد سے شفا نہیں ہوتی اس کو کسی چیز سے شفا نہیں ہوتی۔ اور حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر ستر مرتبہ حمد کو بیمار پر پڑھیں اور روح اس کی بدن میں اس کے داخل ہو تو تعجب نہیں اور اس واسطے بیمار پر ستر مرتبہ پڑھے اور سات مرتبہ بھی پڑھتے ہیں ۔

اس اقتباس سے مرحوم کی علمیت اور تفسیر کی جامعیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ملاحظات:

تفسیر عمدۃ البیان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اور اس کے دیباچہ کا مطالعہ کرنے سے جو کچھ معلومات فراہم ہوئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔تفسیر عمدۃ البیان اردو کی سب سے پہلی مکمل تفسیر ہے۔

۲۔ یہ تفسیر اس وقت کے پنجاب کے رہنے والے ایک عالم دین کی اردو میں غالبًا پہلی تفسیر ہے۔

۳۔مولانا عمار علی صاحب مرحوم ومغفور نے مومنین کے اصرار پر اس تفسیر کو تحریر فرمایا

۴۔ اس سے پہلے جو تفسیریں تھیں اور بطور حاشیہ تھیں اور ان میں ہر آیت کے معنیٰ کو حل نہیں کیا گیا تھا۔

۵۔ اس تفسیر کی زبان لب ولہجہ اور اسلوب مصنف علام کے زمانہ میں کی عکاسی کرتا ہے اور دہلی کے اطراف کی وہ زبان استعمال کی گئی ہے جس میں اب کافی تبدیلیاں ہوچکی ہیں مگر اس کے باوجود اس میں شیرینی ہے۔

۶۔ جملوں کی ساخت وپرداخت اور ان کے الفاظ میں تقدم وتاخر کے اعتبار سے اگرچہ اب نمایاں تبدیلیاں ہوچکی ہیں مگر تفسیر کی زبان میں اب بھی بہت کشش ہے۔اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو بطور نمونہ مندرجہ ذیل عبارت۔

''درودوسلام حد سے سوا اور رحمت بے انتہا بادشاہ ہر دوسرا سردار انبیاء وسید الانبیاء مالک یثرب وبطحا حضرت محمد مصطفیٰؐ پر کہ جو خاتم الانبیاء ہیں اور بعد اس کے کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔''

مقدمات کا تذکرہ اس عنوان سے کیا گیا ہے۔

''مقدمہ پہلا'' ''دوسرا مقدمہ'' ''مقدمہ تیسرا''

قرآن کی صورتوں کی تعداد کو ایک سو چودہ کے بجائے لکھتے ہیں ''ایک سو اور چودہ سورتیں'' آداب تلاوت کے بارے میں ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

ذکر آنے کو لکھتے ہیں ''ذکر آوے'' ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔

''بے وضو بھی ہر چند قرآن کو پڑھ سکتے ہیں لیکن بے وضو اس کے حرفوں کو مس نہ کرے''

۷۔مضاف اور مضاف الیہ کی ترکیب میں اردو کے بجائے عربی انداز اپناتے ہوئے پہلے مضاف اور پھر مضاف الیہ لاتے ہیں۔ مثلاً زمین کے باشندے آسمان کے باشندے، کے بجائے ''باشندے زمین کے'' باشندے آسمان کے'' لکھتے ہیں۔

۸۔سب سے پہلے قرآن کی آیت کا کچھ یا پورا حصہ درج کرتے ہوئے اس لائن میں اس

جگہ بلافصل ترجمہ شروع ہوجاتا ہے اور پھر اس کی تفسیر بھی شروع ہوجاتی ہے جس سے عام آدمی کو یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ ترجمہ کہاں تک ہے اور کہاں سے تفسیر شروع ہوگئی ہے۔

۹۔ پوری تفسیر میں اس دور کا ہی اندازہ اپنایا گیا ہے ۔ نہ پیراگراف کا لحاظ ہے نہ واوین وقوسین کا نہ وقفہ کا ۔

۱۰۔ احادیث نقل کرتے ہوئے کسی کتاب کا حوالہ درج نہیں ہے۔

۱۱۔ مصنف علامؒ نے صرف بسم اللّٰہ الرَّحْمٰن الرّحیم کی تفسیر ساڑھے تین صفحات میں درج فرمائی ہے۔ ہر صفحہ میں ۲۹ سطریں ہیں۔ کل ملاکر ۱۰۱ سطروں میں بسم اللہ کی تفسیر درج ہے۔ جس سے مصنف علام کے علمی تبحر اور وسعت فکر اور کثرت مطالعہ کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

۱۲۔ تفسیر کا تاریخی نام ''تفسیر عمدۃ البیان الجز الاول یعنی پارہ الم ہے جس کے اعداد ۱۳۴۴ ہیں اور یہی سن اس کی طباعت کا بھی ہے۔

۱۳۔ یہ تفسیر اثنا عشری دہلی سے بہ اہتمام سید صغیر حسین شمس طبع ہوئی تھی ۔

۱۴۔ سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔

'' بہ فضل وکرم ایزد مناف وعنایت آفر امر کن مکان واعانت وامداد رب دوجہان در السعد زمان وفرخندہ آوان المسمی بہ تفسیر عمدۃ البیان

۱۵۔ مصنف کے بارے میں بھی سرورق پر یہ عبارت ہے۔

حامیٔ شرع سید الانس والجان حافظ ثغور الایمان، افتخار العلماء۔ ممتاز الفضلاء۔ مقبول بارگاہ لم یزلی جناب مولوی سید عمار علی مرحوم۔

۱۶۔ تفسیر عمدۃ البیان کا زیر تذکرہ ایڈیشن مصنف علام کی رحلت کے تقریباً ۴ برس بعد شائع ہوا ہے۔

تجویز: ضرورت ہے کہ اس عظیم ، قدیم اور منفرد تفسیر کو جدید انداز میں مرتب کرکے پیراگراف، حوالجات، قوسین وادین اور وقفوں کی علامات کالحاظ رکھتے ہوئے شائع کرایا جائے ورنہ یہ قیمتی علمی سرمایہ تلف ہوجائے گا ۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو شیعوں کی علمی دنیا خصوصاً اور عام علمی دنیا عموماً ایک قیمتی سرمایہ سے محروم ہوجائے گی اور اس خسارہ کی ذمہ داری موجودہ دور کے صاحبان علم

اور صاحبان رسد طاعت پر ہوگی۔

حوالے:

۱۔تذکرۂ بے بہا صفحہ ۲۴۲۔

۲۔اشارہ ہے حدیث لولاک ماخلقت الافلاک، اے نبی اگر تمہیں پیدانہ کرنا تو کائنات کو پیدانہ کرتا۔

۳۔ اشارہ ہے حدیث کی طرف اول ما خلق اللہ نوری سب نے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا۔

۴۔ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو منتخب کیا۔

۵۔ اشارہ ہے اس حدیث رسول کی طرف:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔یعنی میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں جب تک تم ان دونوں سے جڑے رہوگے گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں بھی آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔

۶۔اشارہ ہے مندرجہ ذیل آیت کی طرف : يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ،یعنی اے ایمان لانے والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔

۷۔اشارہ ہے اس حدیث کی طرف يَملأ الارض قسطاً وعدلا کما ملئت ظلما وجورا

۸۔تفسیر عمدۃ البیان جلد اول صف ۳۰۴

ﮋ♦ﮊ

ہندوستان میں قرآن کریم کی تفاسیر وتراجم

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد نئی دہلی

تفسیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ توضیح وتشریح کے ہیں۔ یہ لفظ پہلے دوسرے علوم وفنون کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا بعد میں قرآن کریم کی توضیح وتشریح کے لئے خاص ہوگیا۔ حکماء نے معقولات کی کتابوں کی توضیح وتشریح کے لئے بھی تفسیر لفظ کا استعمال کیا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے مشہور مسیحی عالم حنین بن اسحاق کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ وتفسیر دونوں میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔

تفسیر ایک قدیم فن ہے جس کی ابتدا صدر اسلام میں ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم کی سب سے پہلی تفسیر رسول اکرم ﷺ کی احادیث ہیں۔ جن کا زیادہ تعلق آیات قرآنی سے ہے۔ اس لئے احادیث کے ہر مجموعہ کو بلاشبہ قرآن کی تفسیر کہا جاسکتا ہے۔ دور نبوی میں خالص تفسیر کے نام سے کوئی مجموعہ نہ تھا۔ پہلی صدی ہجری کی تیسری دہائی میں صحابیٔ رسول ابی بن کعب (م ۳۵ھ) نے ''تفسیر ابّی کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا اس مجموعہ سے امام احمد بن حنبل نے مسند میں اور امام جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ اسی صدی کا دوسرا تفسیری مجموعہ ابن عباس (م ۶۸ھ) کا تھا ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اس فن کے مستند امام تھے۔ ابن عباس کی تفسیر سے متعلق مختلف روایات ہیں ان میں زیادہ معتبر وہ روایات ہیں جو معاویہ بن ابی صالح نے علی بن طلحہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہیں۔

قرآن کریم کی آیات کی توضیح وتشریح کا سلسلہ عہد صحابہ وتابعین سے جاری ہے۔ عہد صحابہ اور بعد کے ادوار میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نوسو اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے اس سے زائد کتب تفاسیر کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہی ہے قرآن کریم کی بے شمار تفاسیر لکھی گئیں اور یہ سلسلہ کسی قدر تا دم تحریر جاری ہے اور انشاء اللہ صبح قیامت تک جاری رہے گا۔ عمومی طور پر جو کتابیں قرآنیات کے تعلق سے منظر عام پر

آئی ہیں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔تادم تحریر ہزاروں سے زائد تفاسیر لکھی جاچکی ہیں اور آیات قرآن کی توضیح وتشریح اور تفسیر وتاویل کا سلسلہ ہنوز جاری ہے ۔دس پانچ جلدوں والی تفاسیر تو آج بھی سیکڑوں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ایسی ایسی ضخیم تفسیریں علمائے سلف نے تحریر فرمائی ہیں کہ آج کل کوئی ان کے مطالعہ کی بھی ہمت نہیں کرتا۔ امام حجۃ الاسلام کی تفسیر یاقوت التاویل چالیس جلدوں میں ہے،تفسیر ابن نقیب کی ایک سو جلدیں ہیں ۔ الادفوی (م۳۸۸ھ) کی تفسیر کی ضخامت ایک سو بیس جلد ہے اس کا اصل نام الاستغنا فی علوم القرآن ہے امام جلال الدین سیوطی نے اسے دیکھا تھا، ابو بکر بن عبد اللہ نے سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی پچاس آیتوں کی تفسیر لکھی تو اس کی ایک سوچالیس جلدیں تیار ہوگئیں، امام ابوالحسن اشعری (م ۳۲۰ھ) کی تفسیر کی چھ سو جلدیں بتائی جاتی ہیں ، یہ تفسیر امام سیوطی کے زمانے تک مصر میں موجود تھی پھر نہ جانے کہاں غائب ہوگئی ۔قرآن کی تفسیر کے تعلق سے بعض علماء نے متعدد روایتیں بیان کی ہیں، امام احمد رضا قادری نے ان علماء کے حوالے سے لکھا ہے:

> ہر آیت کے لئے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ'' اگر میں چاہوں کہ ستر اونٹ قرآن کریم کی تفسیر سے بھر دوں تو ایسا کردوں اور علامہ ابراہیم کی شرح بردہ کی ابتدامیں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور جو مفاہیم باقی رہے وہ بہت زائد ہیں اور ان کے الفاظ اثر امیر المومنین میں یہ ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تفسیر فاتحہ سے ستر اونٹ بھردوں اور الیواقیت والجواھر مولفہ امام عبد الوہاب شعرانی میں امام اجل ابو تراب نخشبی سے مروی ہے کہ کہاں ہیں منکرین قول مولیٰ علی ابن ابی طالبؑ اگر میں تم سے تفسیر فاتحہ بیان کروں تو تمہارے لئے ستر اونٹ بار آور کردوں اور علامہ عثمادی کی شرح صلاۃ سیدی احمد کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ ہمارے سرادر عمر محضار سے مروی ہے کہ اگر میں چاہوں کہ تمہیں زبانی بتا کر لکھادوں کچھ تفسیر ماننسخ من آیۃ کی تو لد جائیں ایک لاکھ اونٹ اور اس کی تفسیر ختم نہ ہو تو یقیناً میں ایسا کردوں اور اسی سلسلے میں خلیفہ ابو الفضل کے گھرانے کے بعض اولیاء سے روایت ہے کہ ہم

نے قرآن کریم کے ہر حروف کے تحت چالیس کروڑ معانی پائے اور اس کے ہر حرف کے ایک مقام میں جو معانی ہیں وہ ان معانی کے سوا ہیں جو دوسرے مقام میں ہیں اور فرمایا کہ ہمارے سردار علی خواص نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا سورہ فاتحہ کے معنیٰ پر تو مجھے ان سے ایک لاکھ چالیس ہزار نو سو نوے علم منکشف ہوئے اور زرقانی میں مواھب لدنیہ سے علامہ غزالی نے اپنی کتاب میں در بارہ علم لدنی قول مولیٰ علی سے ذکر فرمایا اگر لپیٹ دیا جائے میرے لئے تکیہ تو میں بسم اللہ کے ب کی تفسیر میں ستر اونٹ بھردوں اور امام شعرانی کی میزان الشریعہ الکبریٰ میں ہے میرے بھائی افضل الدین نے سورہ فاتحہ سے دو لاکھ سینتالیس ہزار نو سو ننانوے علم استخراج کئے پھر ان سب کو بسم اللہ کی طرف راجع کردیا پھر بائے بسم اللہ کی جانب پھر اس نقطہ کی طرف جو ''ب'' کے نیچے ہے'' (الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ص۲۸۱)

متعدد صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اپنے اپنے انداز میں قرآن کی توضیحات پیش کیں مگر بعد کے ادوار میں قرآن کریم کی تفسیر کا باضابطہ سلسلہ شروع ہوا۔ ارباب علم نے باضابطہ تفسیر سے متعلق کتابیں لکھیں ،مثلاً تفسیر ابی العالیہ رباحی (م ۹۰ھ) تفسیر اسود بن یزید (م ۹۵ھ) تفسیر حضرت ابراہیم نخعی تابعی (م ۹۵ھ) تفسیر حضرت عکرمہ تابعی (م ۱۰۵ھ) تفسیر حضرت حسن بصری تابعی (م۱۱۰ھ)تفسیر امام باقر بن امام زین العابدین (م ۱۱۲ھ)تفسیر عطا بن ابی رباح تابعی (۱۱۴ھ) تفسیر حضرت قتادہ بن دعامہ تابعی (م ۱۱۷ھ) تفسیر حضرت محمد بن کعب قرضی (م ۱۲۰ھ) تفسیر حضرت مجاہد بن جبیر (۱۲۳ھ)تفسیر حضرت اسماعیل بن عبد الرحمان سدی (۱۲۷ھ) تفسیر عطا بن مسلم خراسانی (۱۳۵ھ) تفسیر علی بن ابی طلحہ (م ۱۴۳ھ) تفسیر حضرت ابو النصر بن سائب کوفی (م۱۴۶ھ) تفسیر شیخ شبلی بن عباد (م ۱۴۸ھ) تفسیرابن جریج ۰م ۱۵۰ھ) تفسیر شیخ مقاتل بن سلیمان الازدی (م ۱۵۰) ،تفسیر شعبہ بن الحجاج تفسیر سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) تفسیر غرائب القرآن، شیخ ابو فید مورج (م ۱۷۴ھ)تفسیر القرآن امام ملک (م ۱۷۹ھ)تفسیر شیخ حجاج بن محمد (م ۱۸۶ھ) البرہان فی توجیہ متشابہ القرآن ،امام کسائی (م ۱۸۹ھ)،تفسیر ثور ، ابو عبد اللہ محمد بن ثور صنعانی (م۱۸۹ھ)تفسیر وکیع بن الجراح (۱۹۶ھ) ،تفسیر سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) تفسیر ہشیم ، شیخ ہشیم

بن بشیر (م ۱۹۹ھ) تفسیر ابن وہب ، شیخ عبد اللہ بن وہب الفہمی القرشی (م ۱۹۹ھ) ، ان سب تفاسیر کے نام کتابوں میں ضرور ملتے ہیں مگر یہ کہاں ہیں اور کس صورت میں ہیں اس کی خبر شاید ہی کسی کو ہو۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تفسیر نویسی کا سلسلہ عام ہو گیا۔ قرآن حکیم کی تفسیر اور احادیث کے متعدد مجموعے منظر عام پر آ گئے صحاح ستہ اسی دور میں لکھی گئی۔ تنقیدی تفسیر اور احادیث میں جرح وتعدیل کا سلسلہ بھی اسی دور میں شروع ہوا۔ جو کتب تفاسیر اس دور میں منظر عام پر آئیں ان کی مختصر فہرست کچھ اس طرح ہے۔

تفسیر ابن عبادہ ، شیخ روح بن عبادہ (م ۲۰۵ھ) تفسیر ابن ہارون ، شیخ یزید بن ہارون (م۲۰۶ھ) تفسیر دینوری ، شیخ احمد بن داؤد نحوی (م ۲۰۹ھ) بحار القرآن ، شیخ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ بصری (م ۲۱۰ھ) تفسیر عبد الرزاق ، شیخ عبد الرازاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ) تفسیر الفریابی ، محمد بن یوسف بن واقد الضبی (م ۲۱۲ھ) تفسیر ابن ابی ایاس ، شیخ آدم بن ابی ایاس عسقلانی (م ۲۲۰ھ) تفسیر سنید ، شیخ سنید ابن داؤد المصیصی (م ۲۲۰ھ) تفسیر ابن ابی شیبہ ، ابوبکر عبد اللہ بن محمد الکوفی (م۲۳۵ھ) تفسیر ابن راہویہ ، شیخ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم حنظلی (م ۲۳۸ھ) تفسیر عبد بن حمید (م۲۴۹ھ) تفسیر البخاری ، امام بخاری (م ۲۵۶ھ) تفسیر ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) تفسیر بن سعید (م۲۵۰ھ) تفسیر بقی ، ابوعبد الرحمان بقی بن مخلد قرطبی (م۲۷۶ھ) تفسیر نسفی ابراہیم بن امام ابراہیم بن معقل نسفی (م ۲۹۵ھ) وغیرہ اور دیگر کتب تفاسیر کے اسماء کتب تاریخ میں مل جاتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں ارباب فضل وکمال کے نوک قلم سے قرآن کریم کی جو مکمل تفسیریں منصۂ شہود پر آئیں ان میں تفسیر نیشاپوری ، امام ابو بکر محمد بن ابراہیم (م ۳۱۰ھ) تفسیر ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) ، تفسیر الزجاج ، ابو اسحاق ابراہیم بن سری نحوی (م۳۱۰ھ) تفسیر بن منذر (م۳۱۸ھ) ، تفسیر کعبی ، شیخ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد معتزلی (م ۳۱۹ھ) تفسیر ابی الحسن ، علی بن اسماعیل امام اہل سنت اشعری (م ۳۲۰ھ) تفسیر ابن ابی حاتم عبد الرحمان بن محمد رازی (م ۳۲۷ھ) تفسیر الخرقی ، شیخ ابو القاسم عمر بن حسین دمشقی (م۳۳۸ھ) تفسیر النحاس ، ابوجعفر احمد بن محمد نحوی (م ۳۳۸ھ) تفسیر بن مقسم شیخ محمد بن حسن معروف بابن مقسم (م ۳۴۱ھ) تفسیر نیشاپوری ، شیخ احمد بن محمد نیشاپوری (م ۳۵۳ھ) تفسیر ابن حبان ، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن جعفر البستی (م

۳۵۴ھ) تفسیر ابن حیان ، ابوعبد اللہ محمد بن جعفر بن حیان معروف بہ ابی الشیخ (م ۳۶۹ھ) تفسیر ابی اللیث ، ابو اللیث نصر بن محمد فقیہ سمرقندی (م ۳۸۳ھ)تفسیر ابن عطیہ ، ابومحمد عبد اللہ بن عطیہ دمشقی (م ۳۸۳ھ) تفسیر الرمانی ، ابوالحسن علی بن عیسیٰ نحوی (م ۳۸۴ھ) تفسیر الادفوی ، محمد بن علی ان احمد المقری (م۳۸۸ھ) تفسیر عسکری ، شیخ ابو ہلال حسن بن عبد اللہ (م ۳۹۵ھ) تفسیر خلف ، خلف بن احمد سجستانی (۳۹۹ھ) بطور خاص قابل ذکر ہیں ،تفسیر طبری روئے زمین پر سب سے پہلی باضابطہ تفسیر مانی جاتی ہے۔ اسے ام التفاسیر بھی کہا جاتا ہے ۔بعد میں جتنی تفسیریں لکھی گئیں تقریباً سب کا سر چشمہ وہی تفسیر ہے ۔ اس تفسیر میں رطب ویابس ہر قسم کی روائتیں درج کر دی گئی ہیں۔(تبیان الراسخ ص ۴۲)

اس صدی میں تفسیر کے علاوہ دیگر علوم وفنون نے بھی کافی ترقی کی۔ اس دور میں تفسیری نویسی کے رجحان میں نمایاں تبدیلی پیداہوئی۔ اپنے ذوق کے مطابق مفسرین تفسیر نویسی میں علوم ادبیہ اور علوم عقلیہ سے متعلق بحثیں شامل کرنے لگے۔ زجاج اور کسائی نے اپنی تفسیر میں لفظی تصرفات اور وجوہ اعراب سے متعلق بحثیں کیں۔ ابن اثیر نے قصص وواقعات پر زیادہ زور دیا۔ الغرض ہر ایک مفسر نے اپنے ذوق کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا فریضہ انجام دیا۔ جس کے نمونے کتب تفاسیر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور جب بنام مسلم متعدد فرقے عالم وجود میں آئے تو ان مفسرین نے تفسیر کی بنیاد اپنے عقائد ونظریات پر رکھنی شروع کردی اور پھر اسی کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیریں لکھی جانے لگیں۔ ان فرقوں کے وجود میں آتے ہی قرآن کریم کو اپنے خیالات ونظریات میں ڈھال بنا کر پیش کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔اس طرح کی تفاسیر میں درج ذیل تفاسیر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے ۔

تفسیر بالماثور

۱۔جامع البیان فی تفسیر القرآن ۔ابن جریر طبری(م ۳۱۰ھ) ۲۔بحر العلوم : ابواللیث سمرقندی (م ۳۷۳ھ) ۳۔ معالم التنزیل ؛ الحسین بن مسعود البغوی(م ۵۱۰ھ) ۴۔المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز : ابن عطیہ الاندلسی (م۵۴۶ھ)۵۔ تفسیر القرآن الکریم : حافظ عماد الدین ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) ۶۔ الجواھر الحسان : عبد الرحمن الثعالبی(م۸۷۶ھ) ۷۔ الدر المنثور :جلال الدین السیوطی(م ۹۱۱ھ) ۔۸۔الکشف والبیان

عن تفسیر القرآن : ابو اسحاق الثعالبی ۹۔ تنویر القیاس من تفسیر ابن عباس : ابو طاہر الفیر وز آبادی

تفسیر بالرای المحمود

۱۔مفاتیح الغیب:فخر الدین الرازی(م ۶۰۶ھ)۲۔انوار التنزیل واسرارالتاویل: ناصر الدین بیضاوی(م ۶۹۱ھ)۳۔ مدار اک التنزیل وحقائق التاویل :محمود النسفی(م۷۰۱ھ) ۴۔ **البحر المحیط** : ابوحیان الاندلسی (م ۷۴۵ھ) ۵۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل: الخازن (م ۷۴۱ھ)۶۔ تفسیر الجلالین : الجلال المحلی (م ۸۶۴ھ) والجلال السیوطی (م ۹۱۱ھ) ۷۔ غرائب القرآن ورغائب الفرقان : النیسابوری ۸۔ السراج المنیر فی الاعانة علیٰ معرفة بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر : الخطیب الشربینی(م۹۷۷ھ) ۹۔ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم : ابو السعود(م ۹۸۲ھ) ۱۰۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن الکریم والسبع المثانی : الآلوسی(م۱۲۷۰ھ)

کتب تفاسیر المعتزله

۱۔ تنزیه القرآن عن ا لمطاعن : القاضی عبد الجبار الھمد انی (م ۴۱۵ھ) ۲۔ امالی الشریف المرتضیٰ : (غرر الفرائد ودرر القلائد)الشریف المرتضیٰ (م ۴۳۶ھ)۳۔ الکشاف عن حقائق التاویل وعیون الاقاویل فی وجوه التاویل : الزمخشری (م۵۳۸ھ) ۴۔ تفسیر القرآن الکریم ؛ابوبکر بن الکیسان الاصم (م ۲۴۰ھ) ۵۔ تفسیر القرآن الکریم : ابوعلی الجبائی (م ۳۰۳ھ) ۶۔ تفسیر القرآن الکریم ۱۲ جلدیں : ابو القاسم الکعبی المعتز لی (م۳۱۹ھ) ۷۔ تفسیر القرآن الکریم : عبد السلام بن ابوعلی الجبائی (م ۳۲۱ھ)۸۔ جامع التاویل کمحکم التنزیل : ابومسلم الاصفہانی (م ۳۲۲ھ) ۹۔ تفسیر القرآن الکریم : ابو الحسن الرمانی (م ۳۸۴ھ) ۱۰۔ تفسیر القرآن الکریم : ابو القاسم الخوی العروضی (م ۳۸۷ھ) ۱۱۔تفسیر القرآن الکریم : عبد السام بن یوف القزوینی (م ۴۸۳ھ) (التفسیر المفسرون جلد ا ص ۲۷۵)

کتب تفسیر الامامیه الاثنا عشریه

۱۔ مقدمه مراة الانوار ومشكاة الاسرار : عبد اللطیف الکازرانی ۲۔ تفسیر العسکری : الحسن العسکری ۳۔ مجمع البیان : ابوعلی الطبرسی ۴۔ الصافی : ملامحسن الکاشی ۵۔ تفسیر القرآن : السید عبد اللہ العلوی ۶۔ بیان السعادة : سلطان الخراسانی

تفسير الزيدية

۱۔ فتح القدیر : الشوکانی

تفسير الخوارج

۱۔ همیان الزاد الی دار العماد : محمد اطفیش

تفاسير الصوفية

۱۔ تفسیر القرآن الکریم : سهل تستری ۲۔ حقائق التفسیر : ابوعبد الرحمان السلمی ۳۔ عرائس البیان فی حقائق القرآن : ابومحمد روز بهان ۴۔ التاویلات النجمیة : نجم الدین دایہ وعلاء الدولة البیانانکی ۵۔ تفسیر ابن عربی (تاویلات القاشانی) عبد الرزاق القاشانی

تفاسير الفقهاء

۱۔ احکام القرآن :(حنفی) الجصاص ۲۔ احکام القرآن (شافعی) : الکیا الهراسی ۳۔ الاکلیل فی استنباط التنزیل : الجلال السیوطی ۴۔ احکام القرآن (مالکی) ابوبکر بن العربی ۵۔الجامع لاحکام القرآن : القرطبی ۶۔ کنز العرفان فی فقه القرآن (اثنا عشری) : مقداد السیوری ۷۔ الثمرات الیانعة (زیدی) الفقیہ یوسف الثلاثی (التفسیر والمفسرون جلد ۲ ص ۴۵۰)

چوتھی صدی ہجری میں مفسرین کے نوک قلم سے جو تفسیریں عالم وجود میں آئیں ان میں تفسیر ابن فورک ، ابوبکر محمد بن حسن نیشاپوری (م ۴۰۶ھ) تفسیر مردویہ ، شیخ ابوبکر احمد بن موسیٰ اصفہانی (۴۱۰ھ) تفسیر السلمی ، ابوعبد الرحمان محمد بن حسین السلمی (م ۴۱۲ھ) تفسیر معوذتین ، شیخ الرئیس بوعلی بن سینا (م ۴۲۷ھ) تفسیر ابی منصور ، عبد القاہر بن طاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ) تفسیر فناری ،شمس الدین محمد بن حمزہ فناری (م ۴۳۴ھ) تفسیر ابی ذر ، شیخ عبداحمد بن محمد ہروی (م ۴۳۷ھ)تفسیر مکی ،شیخ ابومحمد بن ابی طالب حموس قیسی(م۴۳۷ھ) تفسیر الجوینی ، ابومحمد عبد اللہ بن

یوسف نیشاپوری (م ۴۳۸ھ) تفسیر الماوردی ابو الحسن علی بن حبیب شافعی (م ۴۵۰ھ) تفسیر ابی بکر، ابوبکر عتیقی بن محمد الدوی الفارسی (م ۴۵۴ھ) تفسیر اصفہانی، ابو مسلم محمد بن علی معتزلی (م ۴۵۸ھ) تفسیر جرجانی، عبد القاہر بن عبد الرحمان جرجانی (م ۴۷۴ھ) تفسیر ابی معشر، ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد طبری (م ۴۷۸ھ) تفسیر امام الحرمین، ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ جوینی (م ۴۷۸ھ) تفسیر حلوانی، سلیمان بن عبد اللہ (م ۴۹۴ھ) تفسیر السمعانی، ابو محمد عبد الوہاب بن محمد شافعی (م ۵۰۰ھ) تفسیر ابی بکر، شیخ ابو بکر بن عبدوس (م ۵۰۰ھ) قابل ذکر ہیں۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں قرآن فہمی کے سلسلے میں تنوع دکھائی دیتا ہے کیونکہ اسی زمانہ سے مکمل تفسیر لکھنے کے علاوہ قرآن کریم کے اجزا کی بھی تفسیر لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا، جو تفسیریں اس دور میں لکھی گئیں ان کی تفصیل کتب سیرت وسوانح میں اس طرح پائی جاتی ہے۔

تفسیر الخطیب التبریزی (۵۰۲ھ) تفسیر الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد غزالی الطّوسی (م ۵۰۵ھ) تفسیر ابن ابی حمزہ، عبد اللہ بن سعید اندلسی (م ۵۲۵ھ) تفسیر کشاف، جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری خوارزمی (م ۵۲۸ھ) تفسیر اصفہانی ابو القاسم اسماعیل بن محمد فضل تیمی (م ۵۳۵ھ) تفسیر خوارزمی، ابو الحسن علی بن عراق بن محمد حنفی (م ۵۳۸ھ) تفسیر بیہقی، ابو المحاسن مسعود بن علی بیہقی (۵۴۴ھ) تفسیر علائی شیخ محمد بن عبد الرحمان بخاری علائی ملقب زاہد حنفی (م ۵۴۶ھ) تفسیر حجۃ الافاضل، شیخ علی بن محمد الخوارزمی (م ۵۶۰ھ) تفسیر ابن ابی مریم، نصر بن علی الشیرازی (م ۵۶۵ھ) تفسیر بن ظفر، ابو ہاشم شمس الدین محمد بن محمد صقلی (م ۵۶۵ھ) تفسیر ابن حکم، شیخ ابوالمظفر، محمد بن اسعد (م ۵۶۹ھ) تفسیر التفسیر ناصر الدین عالی بن ابراہیم غزنوی (م ۵۸۲ھ) تفسیر العتابی، ابو نصر احمد بن محمد حنفی (م ۵۸۶ھ) تفسیر نعمانی، ظہیر الدین ابو علی حسن بن خطیر (م ۵۹۸ھ)

ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں کافی ضخیم جلدوں میں تفسیریں لکھی گئیں، اس دور میں بھی علماء نے قرآن کریم کی مکمل تفسیریں لکھیں اور قرآن کریم کے اجزا کی بھی تفسیریں لکھیں۔ یہاں صرف ان تفاسیر کی فہرست دی جاری ہے جو قرآن حکیم کی مکمل تفسیر ہیں جیسے تفسیر العراقی، علم الدین عبد الکریم بن علی (م ۶۰۴ھ) مفاتیح الغیب، (تفسیر کبیر) فخر الدین محمد بن عمر رازی (م ۶۰۶ھ) تفسیر ابن الاثیر مبارک بن محمد بن اثیر جزری (م ۶۰۶ھ) تفسیر دہرانی ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن

مبارک (م ۶۱۵ھ) تفسیر نجم الدین، احمد بن عمر خیوفی معروف کبریٰ (م ۶۱۸ھ)تفسیر ابن عربی ، محی الدین محمد بن علی الطائی اندلسی (م ۶۲۸ھ) تفسیر السخاوی ابو الحسن علی بن محمد مصری شافعی (م ۶۴۳ھ) تفسیر زینی ، نجم الدین بشیر بن ابی بکر بن حماد زینی (م ۶۴۶ھ) تفسیر ابن زملکانی(نهاية التاميل)، کمال الدین عبد الواحد بن عبد الکریم (م ۶۵۱ھ) تفسیر سبط ابن الجوزی (۶۵۴ھ) تفسیر المریسی ، شرف الدین محمد بن عبد اللہ شافعی (م ۶۵۵ھ) تفسیر قرطبی ، محمد بن احمد ابی بکر القرطبی (م ۶۷۱ھ) تفسیر الدبیری ، شیخ سعید الدین عبد العزیز بن احمد (م ۴۷۳ھ) تفسیر ابن رزین ، قاضی تقی الدین محمد بن حسین حموی (م ۶۸۰ھ) تفسیر کواشی ،موفق الدین احمد بن یوسف موصلی (م ۶۸۰ھ) تفسیر ابن منیر(بحر الكبير) ، ناصر الدین ابو العباس احمد بن منصور اسکندرانی (م ۶۸۱ھ) تفسیر بیضاوی (انوار التنزيل) ابوسعید، ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ)

آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں قرآن کریم کے حوالے سے جو کام ہوئے ان کی تفصیل طویل ہے اس عہد میں ہندوستانی مفسرین کی بھی تفسیرین ملنی شروع ہو جاتی ہیں ۔تفسیر ابن المنیر ، شیخ شرف الدین عبد الواحد (م ۷۰۳ھ) تفسیر علامی (فتح المنان) قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی (م ۳۱۰ھ) تفسیر نسفی (مدارک التنزیل) ابوالبرکات عبد اللہ حافظ الدین نسفی (م۷۱۰ھ) تفسیر رشیدی ، رشید الدین فضل اللہ بن ابی الخیر بن علی ہمدانی (م ۷۱۸ھ) تفسیر خازن (لباب فی معانی التنزیل) علاء الدین علی بن محمد ابراہیم بغدادی (م ۷۲۵ھ)تفسیر حسن ،حسن بن محمد بن حسین مشہور نظام نیشاپوری (م ۷۳۰ھ) تفسیر السمنانی ابو المکارم علاء الدولہ احمد القاضی (م ۷۳۷ھ)تفسیر اسکندری ،حسین بن ابی بکر نحوی (م ۷۴۱ھ) تفسیر علاء الدین ، علاء الدین علی بن محمد بغدادی (م ۷۴۱ھ) تفسیر اصفہانی،شمس الدین محمود بن عبد الرحمان شافعی (م ۷۴۹ھ) تفسیر السبکی (الدر المنظم) ،تقی الدین علی بن عبد الکافی(م ۷۵۶ھ) تفسیر ابن النقاش ،شمس الدین محمد بن علی(م ۶۷۳ھ) تفسیر ابن عقیل ، عبد اللہ بن عبد الرحمان نحوی مصری (م۷۶۹ھ) تبيان فی تفسير القرآن ، شیخ حضر بن عبد الرحمان ازدی (م ۷۷۳ھ) تفسیر سراج الدین ، ابوحفص سراج الدین عمر بن اسحاق رازی (۷۷۳ھ) تفسیر ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل بن عمر دمشقی (م ۷۷۴ھ) تفسیر اکمل الدین ، اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی (م ۷۸۷ھ) تفسیر زرکشی ، بدر الدین محمد بن عبد اللہ موصلی (م ۷۹۴ھ) تفسیر الحدادی (کشف التنزیل) شیخ ابوبکر بن علی مصری حنفی(م ۸۰۰ھ)

تفسیر ابن عرفہ ، ابو عبید اللہ محمد بن عرفہ مالکی (م ۸۰۳ ھ) تفسیر زہراوین ، سید شریف جر جانی (م۷۱۶ھ) تفسیر عراقی ، ابو زرعہ ولی الدین عراقی (م ۸۲۰ھ) تفسیر ازنیقی ، قطب الدین محمد بن محمد الازنیقی (۸۲۱ھ) تفسیر خواجہ پارسا خواجہ محمد پارسا بن محمود بخاری (۸۲۲ھ) تفسیر زاہدی، شیخ محمد زاہد بخاری (م ۸۲۲ھ) تفسیر بدر الدین ، بدر الدین محمود بن اسرائیل قاضی سماونہ (م ۸۲۴ھ) تفسیر بلقینی ،عبد الرحمان بن السراج البلقینی (م ۸۲۴ھ) تفسیر مقدسی ، شہاب الدین احمد بن محمد حنبلی (م ۸۲۸ھ) عیون التفاسیر ، شیخ شہاب الدین احمد بن محمود سیواسی (م ۸۳۰ھ) تبصیر الرحمان،علی بن احمد مہائمی ہندی (م ۸۳۵ھ) البحر المواج ،شمس الدین بن عمر الزاولی دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) تفسیر ابن الضیاء ، شیخ محمد بن احمد مکی (م ۸۵۴ھ) تفسیر جلالین ،جلال الدین محلی (م ۸۶۴ھ)تفسیر بلقینی ، صالح بن عمر السراج البلقینی (م ۸۶۸ھ) تفسیر مصنفک ، شیخ علاء الدین علی بن محمد شاہرودی بسطامی (م ۸۷۵ھ)تفسیر الزہراوی ، شیخ علاء الدین علی بن محمد معروف قوشجی (م۸۷۹ھ) تفسیر بقاعی (نظم الدرر) برہان الدین ابراہیم بقاعی (۸۸۵ھ)تفسیر ابن جماعہ ، قاضی برہان الدین ابراہیم بن محمد کتانی (م ۸۹۰ھ)تفسیر جامی ، نورالدین عبد الرحمان جامی بن احمد (م ۸۹۲ھ)تفسیر کورانی (غاية الامانی) احمد بن سماعیل کورانی (م ۸۹۳ھ) تفسیر حسینی ، ملا حسین واعظ کاشفی (م ۹۰۰ھ)

دسویں صدی ہجری میں عرب مصنفین کے ساتھ ہندوستانی مصنّفین نے بھی قرآن کے مطالعہ میں دلچسپی دکھائی اور ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آئیں ۔ اس دور میں قرآن حکیم کے بعض اجزا کی تفسیر لکھنے کا سلسلہ عام ہوا جس کی تفصیل فہرست کتب تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہے یہاں نمونے کے طور پر چند تفسیروں کے نام دئے جارہے ہیں ۔

تفسیر الدخاں ، محی الدین محمد بن ابراہیم انکساری (م۹۰۱ھ)تفسیر القلاقل،جلال محمد بن اسعد صدیقی (م ۹۰۵ھ) الدر المنثور ، جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)جلال الدین سیوطی(م ۹۱۱ھ)تفسیر سورۃ القدر ، شیخ عبد الرحمان بن عبد المؤید الامامی (م ۹۲۳ھ)فتح الرحمان ، قاضی زکریا بن محمد الانصاری (م ۹۳۶ھ)تفسیر فتح اللہ شیرازی دکنی (م ۹۷۷ھ)تفسیر قرامانی، شیخ احمد بن محمود احمر (م۹۷۱ھ)ارشاد العقل السلیم ،ابو السعود بن محمد عمادی حنفی (۹۸۲ھ)مجمع البحار ، شیخ محمد طاہر صدیقی پٹنی ہندی (م۹۸۶ھ)تفسیر منشی ، شیخ محمد بن بدر الدین صاروخانی (۱۰۰۰ھ) (تبیان الراسخ ص ۲۰)

قرآن مجید کی تفسیروں کے علاوہ علماء نے قرآن کے مختلف پہلوں کو بھی موضوع قلم بنایا اور اپنی اپنی نگارشات سے تشنگان علم کو سیراب کیا ۔جن موضوعات پر اہل علم حضرات نے اپنی نگارشات چھوڑی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں ۔

منهاج القرآن، جدل القرآن ، ارض القرآن ،قصص القرآن ، تر جمة القرآن ، متشابهات القرآن ، مبهمات القرآن ، خواص القرآن ، مسائل القرآن ، مشكلات القرآن، فضائل القرآن، تدوين القرآن ، فقه القرآن ، لغات القرآن ، اعراب القرآن ، بدائع القرآن ، احكام القرآن ، اعجاز القرآن ، اقسام القرآن ، امثال القرآن ، اعداد القرآن، نباتات قرآن، معانى القرآن،نوادر القرآن ، مجازات القرآن ،تصوف قرآن ، فلسفهٔ قرآن، ناسخ ومنسوخ آيات قرآن ،نظم القرآن، ،حروف القرآن، قرآن مجید کی دعائیں ، قرآن مجید کی پیشین گوئیاں ، ان موضوعات اور ان کے علاوہ اور بیشتر موضوعات پر کتابیں تحقیقی مقالات لکھے گئے جن کا احاطہ اس مختصر سے مقالے میں ممکن نہیں مجھے امید ہے کہ ہمارے اسکالر حضرات اس طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے۔

قرآن کریم عربی زبان میں ہے اس لئے ضروری ہے ہوا کہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں قرآن حکیم کے معانی ومطالب بیان کئے جائیں اور اس کے ترجموں سے لوگوں کو باخبر کرایا جائے اس لئے ہندوستان میں عربی کے علاوہ دوسری زبانوں جیسے فارسی، اردو، ہندی اور ہندوستان کی دیگر علاقائی زبانوں میں متعدد تفسیریں لکھی گئیں ہندوپاک میں سب سے پہلے کس نے تفسیر لکھی اس میں اختلاف ہے ۔مختلف حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلی عربی تفسیر ابو بکر اسحاق بن تاج الدین ابوالحسن نے (م ۷۳۶ھ) نے لکھی جو حنفی المذہب تھے اور ابن التاج کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے جواهر القرآن کے نام سے عربی زبان میں قرآن شریف کی پہلی تفسیر لکھی ۔ دوسرا نام جو اس سلسلے میں آتا ہے مولانا نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسین قمی نیشاپوری ثم دولت آبادی کا ہے جو نظام اعرج کے نام سے مشہور تھے انہوں نے قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی اس کا نام غرائب القرآن ورغائب الفر قان ہے (اردو تفاسیر ص ۱۵) تیسری عربی تفسیر باضابطہ ہندوستان ہی میں جنوبی ہند کے ایک صوفی عالم دین حضرت شیخ زین الدین (علاء الدین) علی بن احمد علی المہائمی الہندی مشہور بہ مخدوم مہائمی کے نوک قلم سے منظر عام پر آئی اور علمی حلقوں میں تفسیر مہائمی اور تفسیر رحمانی کے نام سے

مشہور ہوئی جس کا اصل نام تبصیر الرحمان وتیسیر المنان ببعض مایشیر الی اعجاز القرآن ہے۔جوسادہ عربی زبان میں متوسط تفسیر ہے جس میں ربط آیات سورتوں کے تسلسل معانی صو فیہ اور مطالب فقہیہ کا بیان موزوں انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر ہندوستان اور ہندوستان کے علاوہ مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ہندوستان میں چوتھی تفسیر محمد بن احمد میاں جی (م ۹۸۲ھ/م ۱۵۴۷ء) نے **تفسیر المحمدی** کے نام سے لکھی جس میں خصوصیت کیساتھ ربط آیات کی طرف توجہ زیادہ دی گئی ہے، پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی ایک تفسیریں منظر عام پر آئیں ۔ فارسی میں تفسیر لکھنے کا سلسلہ عہد اکبری سے شروع ہوتا ہے اسی دور میں فتح اللہ شیرازی نے قرآن کریم کی تفسیر'' منہج الصادقین '' کے نام سے فارسی زبان میں لکھی ۔قرآن کریم کا اولین اردو ترجمہ جو خالص اردو میں تو نہیں تھا البتہ عربی وفارسی کے میل جول سے پیدا ہونے والی زبان میں تھا وہ قاضی محمد معظم سنبھلی کا ہے جو انہوں نے ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء میں تصنیف کیا تھا محققین کے بقول اب قرآن حکیم کا ترجمہ ۱۱۴ زبانوں میں ہو چکا ہے ۔ (قرآن کے اردو تراجم مقدمہ ص ۱۲)

قرآن حکیم کے تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے خود ہندوستان کے لوگوں نے اس میں دلچسپی لی اور مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کے مطالب کو منتقل کیا ۔ بیگم صاحبہ ریاست بھوپال نے مولانا جمال الدین وزیر ریاست بھوپال سے قرآن کا ترجمہ پشتو زبان میں کرایا۔میر عثمان خاں بہادر شہنشاہ دکن نے ایک یورپین نومسلم مسٹر محمد پکھتال سے انگریزی میں ترجمہ کرایا ۔ خان بہادر احمد الہ دین اوبی ای تاجر سکندر آباد دکن نے ہندی زبان میں ترجمہ کرایا اردو زبان میں سب سے پہلا ترجمہ حکیم شریف خاں دہلوی نے کیا جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے اور ان کے خاندان میں محفوظ ہے ۔حکیم صاحب کی وفات ۱۲۲۲ھ میں ہوئی ۔ ہندوستانی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ ۲۷۰ھ میں راجہ مہروگ بن رایگ (جو کشمیر زیریں ،پنجاب کا شمالی حصہ) کے حکمرانوں میں سے تھا ایک عراقی سے جو ہندوستانی زبان سے واقف تھا راجہ کے حکم سے سندھ کی زبان میں ترجمہ کیا (عجائب الہند)

اس موضوع پر اہل علم نے انفرادی طور پر کام کیا ہے اور حسب استطاعت مفید معلومات یکجا کی ہیں ۔قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) کے نام سے ڈاکٹر احمد خاں نے اپنی معلومات مرتب کی ہیں جس میں دس سو گیارہ (۱۰۱۱)ترجمہ قرآن کی نشاندہی کی ہے اس فہرست میں مکمل ترجمۂ قرآن کے علاوہ جزوی طور پر جو قرآن کریم کے ترجمے ہوئے یا کتب تفاسیر کے جو اردو ترجمے

ہوئے انہیں بھی اس فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔

اب تک قرآن کریم کے جو ترجمے مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں اس کی تعداد کچھ اس طرح ہے۔

اردو(۹۲)فارسی (۵۲) ہندی (۱۹) گجراتی (۹)عبرانی (۵)ترکی (۵) جاوی (۱)انڈونیشیاء (۱)برمی (۲) جاپانی (۳)چینی (۵) سواحلی (۴) فلپائن (۱)حبشی (۱)مالٹی (۱)تیلگو (۳) سنسکرت (۲) گورمکھی (۱)بنگلہ (۶) کنڑی (۱) سندھی (۲) پنجابی (۶۰)مرھٹی (۱)تامل (۱)ملیالم (۳)پشتو(۱۴)فرانسیسی (۲۲)انگریزی (۲۶)لاطینی(۱۵)جرمنی (۱۶)اٹالین (۹)اسپینی (۶)ڈچ(۵)یونانی(۲)مکاسرین (۲)ارگونین(۱) روسی (۶)ڈینش(۴) بلغاری (۱)سویڈش (۳)پولش(۳)پرتگالی (۴)سربین (۲)ہنگری (۲)البانی (۱)ارمنی (۴)رومانی (۱)آسٹرین (۲) بوہیمیا(۲)کشمیری (۱) ان کے علاوہ اناطولی ، ایتالین، بھاکھا،ھولینڈا، ملاوی ، کانمبو، بولندی ، روسی، یونانی ،مجری ،ترکی ،سویدی، اسبانی ، پرتگالی ، بنگالی ، تامل ،صربی ، یوربی ، بلوتشی، ارمینی ، براھوی، رومی، ہندی ، دانمرکی ، جاپانی ،سواحلی ، انڈونیشی ، بلغاری ، تیلگو، ، اُھری ،فنلندی ، افریقی ، تائی ، اسبرانتوی، آسامی ، کوریائی ،سنڈا، مراتی ، اوغندی ،فولانی ، الکاناری،ھاوساوی،نرویجی ، زولوی ، کریبولی، ،سنسکرت، زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

گیارہویں صدی ہجری اور پھر اس کے بعد کے ادوار میں ہندوستان میں جو کام ہو اس کی تفصیل اس مقالے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ،پوری دنیا میں قرآنیات پر کتنا کام ہوا ہے میرے ناتواں قلم میں نہ تو اتنی طاقت ہے اور نہ فرصت کہ اس کا احاطہ کر سکے البتہ حسب استطاعت غیر منقسم ہندوستان میں ہمارے علماء کرام اور افاضل روزگار نے جو کچھ قرآن حکیم کے تعلق سے لکھا ہے اس کی ایک مختصر تفصیل کتب ورسائل اور مطبوعہ مقالات کی مدد سے ذیل میں دی جارہی ہے تا اس کی روشنی میں کوئی بڑا کام کیا جاسکے ۔ تفاسیر کے حوالے سے جہاں تک راقم السطور کی رسائی ہوسکی ہے اس کا ذکر کردیا گیا ہے جو تفسیریں چھپ چکی ہیں اور وہ میری نظر سے گذری ہیں ان کی سن طباعت بھی دے دی گئی ہے اور بعض تفاسیر کی نشاندھی بھی کردی گئی ہے کہ وہ اس وقت ہندوستان کی کس لائبریری میں موجود ہیں تاکہ قاری کو وہاں تک پہنچنے میں آسانی ہو ۔ جامعہ ہمدرد کی سینٹرل لائبریری میں کتب تفاسیر کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے جن سے اس مقالے کی ترتیب میں کافی مدد ملی

ہے۔ جن تفاسیر کے تعلق سے کچھ تفصیل ملی اس کی وضاحت کردی گئی ہے اور جن تفاسیر کے اسماء ملے انہیں بھی مصنف کے نام کے ساتھ مقالہ میں شامل کر لیا گیا ہے تاکہ قرآنیات کے تعلق سے ہندوستانی علماء وفضلاء کی رغبت اور دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکے۔

سنوار آئے ہیں زلف آدمیت جہاں تک ہاتھ پہنچے ہیں ہمارے

قرآن کریم کی ہندوستانی تفاسیر

احسن البیان لتفسیر القرآن عبد المصطفیٰ ازہری مکتبہ القرآن کراچی ۱۹۵۶ء(یہ شاید وہی تفسیر ہے جس کا ذکر مفتی اعظم کے اور ان کے خلفاء کے مصنف نے تفسیر ازہری کے نام سے کیا ہے (مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفاء ص ۴۶۴)

احسن التفاسیر (اردو)مولوی احمد حسن د ہلوی(م ۱۳۳۸ھ) (یہ تفسیر سات جلدوں میں ۱۳۲۴ھ میں شاہ عبد القادر کے ترجمہ کے ساتھ افضل المطابع دہلی سے طبع ہو چکی ہے)(الاعلام ج ۸ ص ۴۹)

اکسیر اعظم (اردو) مولوی احتشام الدین مراد آبادی

الطاف الرحمان بتفسیر القرآن عبد الباری فرنگی محلی (یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے ۔ نامی پریس لکھنو سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہو چکی ہے ۔مصنف نے تفسیر بالماثور کی پیروی کرتے ہوئے تفسیر کی ہے سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر بھی اجتناب نہیں کیا ہے ۔(اردو تفاسیر ص ۱۳۳)

انوار القرآن شیخ غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنوی (م ۱۲۲۶ھ / ۱۷۱۴ء) یہ قرآن کریم کے ایک چوتھائی حصہ کی تفسیر ہے اس تفسیر کے تین قلمی نسخے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں جدت وابتکار ، اور سوروں کے درمیان ربط ان کی تفسیری خصوصیت ہے ۔(الاعلام جلد ۶ ص ۲۲۰) قرآن مجید کی تفسیریں نامی کتاب میں اس تفسیر کا نام'' تفسیر الانوار'' لکھا ہے۔(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

انوار القرآن محمد نعیم یہ تفسیر دس جلدوں میں مکتبہ انوار القرآن دیوبند یوپی سے طبع ہو چکی ہے ۔تفسیر انوار القرآن کی اہم خوبی یہ ہے کہ مصنف عرفان وسلوک کے نہایت لطیف ودقیق نکتے

بیان کرنے کا مستقل اہتمام کرتے ہیں جس سے قاری کو اولیاء کی وسیع النظری اور پاکیزگیٔ قلب کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے (اردو تفاسیر ص ۱۰۶)

انوار الاسرار فی حقائق القرآن (عربی) عیسیٰ بن قاسم بن یوسف سندھی (م۱۰۳۱ء) (اس تفسیر میں قرآن کے حقائق ومعارف کا انکشاف کیا گیا ہے۔ (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

بحر مواج، ملک العلماء قاضی شہاب الدین احمد بن شمس الدین بن عمر زوالی غزنوی دو لت آبادی (م۸۴۹ھ) (فارسی زبان میں شمالی ہند میں لکھی جانے والی پہلی تفسیر ہے۔ لکھنؤ سے ۱۲۹۷ھ/ ۸۷۹ء میں طبع ہوئی ہے یہ ضخیم تفسیر ابراہیم شاہ شرقی والیٔ جونپور کے نام معنون کی گئی تھی۔ تفسیر بحر مواج ترکیب نحوی، مسائل فقہ وعقائد پر مشتمل ہے اور ہندوستان کی تفسیروں میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ (قرآن کی تفسیریں ص ۷۵)

بستان التفاسیر (اردو مترجم) شاہ عبداللہ (مطبع ناصری دہلی ۱۲۸۱ھ)

بلغة الحیران فی ربط آیات الفرقان حسین علی (یہ تفسیر ۴۴۸ صفحات پر مشتمل ہے لاہور سے شائع ہو چکی ہے، یہ ایک بہترین تفسیر ہے جو اپنے مقصد تالیف یعنی نظم قرآن کے بیان کرنے کے اردگرد گھومتی نظر آتی ہے۔ (اردو تفاسیر ص ۱۵۳)

البیان فی علوم القرآن (مقدمہ تفسیر حقانی) ابو محمد عبدالحق (یہ مقدمہ ۶۶۴ صفحات پر مشتمل ہے، اشاعت ہو چکی ہے۔ مصنف حضرت فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے متوسلین اور فیض یافتگان میں سے تھے)۔

بیان القرآن قاضی عبدالشہید سیوہاروی (م۱۰۱۱ھ) (یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے)

بیان للناس خواجہ احمد الدین (یہ ایک مکمل تفسیر ہے جو سات منزلوں میں لکھی گئی ہے زبان عام فہم سادہ اور دلنشین ہے، اس تفسیر میں آپ نے خالص توحید بیان کرنے پر کافی زور دیا ہے۔ ۱۹۴۱ء میں اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ (اردو تفاسیر ص ۴۴)

تبصیر الرحمان وتیسیر المنان شیخ علی بن احمد مہائمی (۸۳۵ھ/ ۱۴۳۱ء) یہ تفسیر ''تفسیر رحمانی اور تفسیر مہائمی سے بھی مشہور ہے۔ ۱۲۹۵ھ میں مصر سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس تفسیر کا اصل موضوع نظم قرآن ہے۔ ایک سورت کا ربط دوسری سورت سے

بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے ۔(تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم ص ۱۹۹) امام شافعی فاؤنڈیشن ممبئی سے بھی اس کی اشاعت ۲۰۰۶ء میں ہو چکی ہے ۔

تبیان القرآن احمد حسن ندوی (یہ قرآن پاک کی جزوی تفسیر ہے ۱۹۳۵ء میں مکمل ہوئی اور لکھنوء سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی)

تدبر قرآن امین احسن اصلاحی مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۱۳۹۰ھ یہ تفسیر نو جلدوں میں ہے اس تفسیر میں انہوں نے قدماء کی تفسیری روایات کی تقلید کے بجائے اپنے مجتہدانہ ذوق ونظر سے اپنے لئے صف عام سے الگ جگہ بنائی ہے ۔(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۳۷۷)

تذکیر القرآن وحید الدین خاں (دو جلدوں میں یہ تفسیر شائع ہو چکی ہے اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک عام آدمی اس سے بآسانی استفادہ کرسکتا ہے جب کہ اس میں علماء اور خواص کے لئے زیادہ کشش کا سامان موجود نہیں ہے ۔(اردو تفاسیر ص ۱۰۲)

ترغیب القرآن ظہیر الدین بن محمد مسعو بلگرامی (م ۱۲۹۲ھ)(فہرست رضا لائبریری رام پور ص ۴۳)

ترجمان القرآن مولانا ابو الکلام آزاد(م۱۹۵۸ء) ۔مولانا آزاد نے قرآن حکیم کا ترجمہ دو جلدوں میں لکھا پہلی جلد ابتدا سے سورۂ انعام تک اور دوسری جلد سورۂ اعراف سے مؤمنون تک ہے اس طرح یہ نامکمل ترجمۂ قرآن ہے ۔ترجمان کی دونوں جلدیں خود مصنف کے زیر اہتمام ۱۳۵۰ھ اور دوسری جلد ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوئی۔ بعض علماء نے لسانی حیثیت سے ترجمان القرآن پر اعتراضات کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے کچھ متفرق آیات کا ترجمہ اپنے مقالات میں کیا تھا ان متفرق آیات کو یکجا کر کے مولانا غلام رسول مہر نے ''باقیات ترجمان القرآن'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

ترجمان القرآن بلطائف البیان (اردو) نواب صدیق حسن قنوجی وسید ذوالفقار احمد نقوی (اس تفسیر کو سید ذوالفقار احمد نے لکھنا شروع کیا تھا مگر دوران تصنیف ان کی وفات ہوگئی اس کے بعد اس تفسیر کی تکمیل صدیق حسن قنوجی نے کی ۔)

تفسیر احمدی ملا جیون امیٹھوی (م ۱۱۳۰ھ)

تفسیر احمدی احمد علی لاہوری (م ۱۹۶۲ء)

تفسیر امینی محمد امین صدیقی

تفسیر ایوبی محمد ایوب دہلوی (یہ اعوذ باللہ، بسم اللہ اور سورۂ حج کی تفسیر ہے) مطبع سعیدی قرآن محل کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر بحر مواج (عربی) شیخ منور بن عبد المجید لاہوری (یہ تفسیر ''بحرمواج'' کا عربی ترجمہ ہے جس کا ذکر سطور بالا میں گذر چکا ہے۔)

تفسیر بحر الاسرار مرزا محمد تقی بن کاظم کرمانی ملقب بہ مظفر علی شاہ (م ۱۲۱۵ھ)

تفسیر بیان السبحان (اردو) عبد الدائم جلالی بن سید عبد القیوم رامپوری (یہ تفسیر بھی چند جلدوں میں ہے۔ اس میں آیات کی تشریح کے بعد مقصود بیان کے عنوان سے ان تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے جو آیات قرآنی سے صراحتہ یا اشارۃ سمجھی جاتی ہیں۔ وسیم بک ڈپو دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے نسخے علی گڑھ یونیورسٹی کی فیکلٹی آف تھیالوجی میں کی لائبریری میں موجود ہیں (اردو تفاسیر ص ۴۶)

تفسیر بطرز جلالین شیخ محمد جعفر گجراتی (م ۱۱۱۱ھ)

تفسیر بیان القرآن اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء) یہ مصنف نے ۱۳۲۰ھ میں لکھنی شروع کی ۱۳۲۵ھ میں اس کی تکمیل کی پوری تفسیر بارہ جلدوں میں ہے۔ اس ترجمہ پر کچھ لوگوں نے تنقید بھی کی ہے ملاحظہ ہو مولانا سید محمد عبد اللہ چھپرا موی کی کتاب ''البیان ترجمان القرآن ضمیمہ''

تفسیر تقریر القرآن محمد طاہر قاسمی (یہ نصف قرآن کی نامکمل تفسیر ہے کتب خانہ قاسمی دیوبند سے شائع ہو چکی ہے

تفسیر تنویر القرآن عبد المقتدر دہلوی (یہ سورہ توبہ تک کی تفسیر ہے جس کی ۱۹۹۵ء میں طباعت ہوئی ہے)

تفسیر ثواقب التنزیل فی اشارہ التاویل۔ شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۸۲۷ء) یہ تفسیر جلالین کے انداز کی ایک مختصر اور جامع تفسیر ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے (تبیان الراسخ ص ۶۳)

تفسیر جہانگیری (فارسی) شیخ نعمت اللہ بن عطاء اللہ (یہ تفسیر ۱۰۷۳ھ میں جہانگیر بن اکبر بادشاہ کے دور میں لکھی گئی۔

تفسیر الحسنات ابوالحسنات سید محمد قادری (م۱۹۶۱ء)(تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور ص ۳۱۸)

تفسیر حسینی (فارسی) شیخ یحییٰ بن محمود بن حسینی بخاری گجراتی (م ۹۰۰ھ)

تفسیر حسنی (فارسی) سید محمد حکیم رائے بریلوی

تفسیر حشمتی (امداد الدیان فی تفسیر القرآن) حشمت علی لکھنوی مطبوعہ کراچی پاکستان (مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ص ۳۴۴) مصنف نے ایک زمانے میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنی شروع کی مگر حالات نے مساعدت نہیں کی کچھ پاروں کی ہی تفسیر لکھ سکے جس کی قسطیں ترجمان اہل سنت پیلی بھیت کے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں پھر وہی قسطیں کتابی شکل میں پاکستان سے شائع ہوگئی ہیں (مولانا حشمت علی لکھنوی ایک تحقیقی مطالعہ ص ۱۹۱)

تفسیر حضرت شاھی (معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخبار) محمد حسین امروہوی (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۹۰)

تفسیر حل القرآن حبیب احمد کیرانوی یہ علمی رنگ کی تفسیر ہے جسے موجودہ دور کے حالات وضروریات کے مطابق لکھا گیا ہے (یہ تفسیر بارہ جلدوں میں ہے، آیت کا ترجمہ سلیس اور شگفتہ زبان میں ہے، اس تفسیر کے کل صفحات ۱۶۵۰ ہیں، مکتبہ تھانوی دیوبند سے شائع ہوئی ہے)(اردو تفاسیر ص ۶۲)

تفسیر خزائن العرفان سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (۱۹۴۸ء) یہ تفسیر امام احمد رضا قادری کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کے حاشیہ پر برابر شائع ہو رہی ہے۔

تفسیر درس قرآن محمد ظفیر الدین مفتاحی یہ تفسیر ۶ ضخیم جلدوں میں ہے، ادارہ درس قرآن دیوبند سے شائع ہوچکی ہے، پانچ جلدیں محمد ظفیر الدین نے لکھی جب کہ چھٹی جلد قاری اخلاق حمد صدیقی کے نوک قلم سے منظر عام پر آئی ہے۔(اردو تفاسیر ص ۶۱

تفسیر ذوالفقار خانی (ناتمام) عبد الباسط بن رستم علی قنوجی (م۱۸۰۸ء)(تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۲)

تفسیر ربح سامانی سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (صحائف اشرفی اول ص ۱۱۷)

تفسیر رحیمی امیر اسماعیل سید خاں (بعہد نظام شاہ ۱۰۲۶ھ کے بعد) (قرآن

مجید کی تفسیریں ص ۴۳۰)

تفسیر شاہ شاہ محمد (یہ تفسیر خدابخش پٹنہ میں محفوظ ہے)

تفسیر شاہ سعید اللہ میر سید سعید اندرابی فارسی زبان میں قرآن حکیم کا یہ مکمل ترجمہ اور تفسیر ہے اس تفسیر وترجمہ کا یہ تاریخی نام ہے (۱۲۶۶ھ)(اکادمی مخطوطات کلچرک اکادمی کشمیر ص ۶۵)

تفسیر رؤ فی شیخ رؤف احمد مجد دی رامپوری (یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے تیرہویں صدی کی تصنیف ہے۔ ۱۲۷۲ھ میں طبع ہوئی۔

تفسیرزھراوین (سورۂ اور سورۂ آل عمران کی تفسیر ہے) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)(تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم ص ۴۰۵)

تفسیر صغیربه طرز جلالین عبد اللہ محمد بن علی اصغر رستم علی قنوجی (م ۱۱۷۸ھ) بہت ہی مختصر اور سادہ انداز میں قرآن مجید کی تفسیر ہے کاکوری لکھنؤ کی کاظمیہ لائبریری میں اس تفسیر کے ساڑھے چار پارے موجود ہیں تفسیر میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ عبارت مشکل اور طویل نہ ہو جائے۔ (الاعلام ج۶ ص ۹۴)

تفسیر عثمانی شبیر احمد عثمانی دیوبندی دار التصنیف لمیٹڈ کراچی

تفسیر غریب نجف علی جھجھری بن محمد عظیم الدین (م ۱۸۸۱ء)(تذکرہ علمائے ہند ص ۵۱۵)

تفسیر فتح الخبیر شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)

تفسیر فریدی (نامکمل) محمد حسین مطبوعہ ۱۳۱۴ھ

تفسیر فیض الکریم قاضی بدر الدولہ (م ۱۲۸۰ھ) مصنف کا دوران تصنیف ہی انتقال ہو گیا بعد میں اس کی تکمیل مصنف کے فرزند محمد سعید نے کی)

تفسیر فیض الکریم صبغۃ اللہ (۱۲۸۰ھ) یہ تفسیر انہوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں لکھی یہ تفسیر تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل ہے اس کی ابتدائی چند جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۲۳۶)

تفسیر القرآن الکریم قاضی محمد معظم نابھوی (۱۱۵۸ھ) (الاعلام ج۶ ص ۳۶۱)

تفسیر قرآن کریم حاجی عبد الوہاب بخاری (م ۹۳۲ھ/ ۱۵۲۵ء) یہ قرآن مجید کی عجیب وغریب تفسیر ہے جس میں پورے قرآن مجید کی تفسیر رسول اللہ کی نعت ومنقبت اور آپ ﷺ کے ذکر وتذکرہ پر مشتمل ہے اس تفسیر کا کوئی نسخہ دستاب نہیں اس کے کچھ اقتباسات کا ذکر اخبار الاخیار میں ملتا ہے (تذکرہ علمائے ہند ۳۳۴)

تفسیر القرآن بکلام الر حمان مولانا ثناء اللہ امرتسری جب اس تفسیر کی اشاعت ہوئی تو کچھ اہل علم نے اس پر اعتراض کیا اور اس کی تر دید میں ایک رسالہ اربعین کے نام سے شائع کیا آیتوں کی تفسیر بیان کر تے وقت اس مفہوم کی یا اس سے مشابہ دوسری آیتیں نقل کر دی ہیں لیکن تشریح اور وضاحت نہ ہو نے کی وجہ سے کہیں کہیں مطلب اچھی طرح واضح نہیں ہو پایا ہے۔ (عر بی مفسرین ص ۱۰۷)(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۳۰۴ و الاعلام جلد ۸ ص ۱۰۶)

تفسیر قرآن القرآن بالبیان شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۸ء) یہ تفسیر عر بی زبان میں ہے۔ اختصار میں تفسیر جلالین کی ہم پایہ سمجھی جاتی ہے۔اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں ہے۔ ۱۲۹۰ھ میں میرٹھ سے مطبع احباب سے شاہ رفیع الدین کے تر جمہ قرآن کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔

تفسیر القرآن شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ/ ۱۵۹۵ھ) یہ قرآن کریم کی ایک نامکمل تفسیر ہے اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ رمضان ۱۰۷۱ھ بقلم روح اللہ بن نذیر بیگ ذخیرہ شیرونی پنجاب یو نیورسٹی لا ہور میں موجود ہے (تذکرہ مفسرین ہند ص ۸۳)

تفسیر القرآن ملا شاہ بدخشی (م ۱۰۷۲ھ) یہ قرآن کی ایک نامکمل تفسیر ہے اور انتہا ئی عجیب وغریب ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول خَتَمَ اللّٰہ عَلیٰ قُلُوْبِھِم وَعَلیٰ سَمْعِھِمْ اولیاء اللہ کے بارے میں ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیا اللہ کے دلوں پر مہر لگادی ہے تا کہ اس میں شیطانی خیالات اور نفسانی وسوے نہ داخل ہوسکیں (عر بی مفسرین ص ۱۱۵)

تفسیر قرآن شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی (مدفون ،گلبر گہ) یہ تفسیر متصوفانہ رنگ میں ہے۔ اس میں توضیحات تصوف کی روشنی میں کی گئی ہیں۔

تفسیر القرآن شیخ نعمت اللہ بن عطاء اللہ نا رنولی فیروز پوری (یہ تفسیر ۱۰۷۰ھ میں لکھی گئی ہے اور جلالین کے طرز پر ہے

تفسیر القرآن (چار جلدیں) محمد سعید اسلمی مدراسی (م ۱۸۵۵ء) فارسی زبان میں ہے (تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۰)

تفسیر قرآن بطرز جلالین شیخ محمد بن جعفر گجراتی (م ۱۰۱۱ء) (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

تفسیر القرآن منعم خاں (وفات ۱۲۰۱ھ)

تفسیر القرآن محمد ابوالمجد محبوب عالم احمد آبادی گجراتی (م ۱۶۹۹ء) (تذکرہ علمائے ہند ص ۴۷۴)

تفسیر القرآن محمد معظم ساکن نبہ (م ۱۷۴۵ء) یہ تفسیر سکھوں کے غلبہ میں جل گئی (تذکرہ علمائے ہند ص ۴۷۱)

تفسیر القرآن براویت اهل البیت شیخ محمد بن جعفر حسینی گجراتی ۔بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اس مصنف کی ایک اور بھی تفسیر ہے جو جلالین کے طرز پر ہے۔

تفسیر القرآن ملا شاہ بدخشی (۱۰۷۲ھ) یہ تفسیر شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر القرآن فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ) عادل شاہ نے ان کو دکن بلایا یہاں تفسیر تصنیف کی پھر اکبر بادشاہ نے فتح پور سیکری بلا کر صدارت عظمیٰ کا منصب عطا فرمایا۔

تفسیر القرآن (عربی) شاہ اہل اللہ بن عبد الرحیم عمری دہلوی

تفسیر القرآن شیخ ولی اللہ شاعر دہلوی

تفسیر القرآن شائق احمد عثمانی بھاگلپوری (یہ سورہ نباء سے سورہ ناس تک کی تفسیر ہے ۱۹۱۷ء میں مطبع رحمانیہ مخصوص پور مونگیر سے طبع ہو چکی ہے (اردو تفاسیر ص ۱۲۴)

تفسیر القرآن جلال الدین حیدر آگرہ

تفسیر القرآن (فارسی) سید ناصر الدین محمد ابوالمنصور دہلوی (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۰۸)

تفسیر قرآن (فارسی) عبد الواجد بن کمال الدین سنبھلی (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

تفسیر قرآن هو الهدیٰ والفرقان سید احمد خاں دہلوی (یہ تفسیر صرف سورہ نحل تک چھ

جلدوں میں ہے۔ سر سید احمد خاں نے جو تفسیر قرآن میں اپنی رائے سے قرآنی مفاہیم کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے جس کے سبب بعض علماء نے ان پر کفر کے فتوے لگائے ہیں۔

تفسیر قرآن مولوی ظہور علی بن محمد حیدر لکھنوی (م ۱۲۷۵ھ)

تفسیر القرآن الکریم قاضی نور الحق بن منعم رامپوری (م ۱۲۲۳ھ) یہ تفسیر نواب فیض اللہ کے حکم سے لکھی گئی۔

تفسیر القرآن (فارسی) محمد اشرف بن نعمت اللہ لکھنوی

تفسیر القرآن حسن بن محمد بن حسین معروف نظام نیشاپوری (م ۷۳۰ھ) یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔

تفسیر القرآن (فارسی) ملا خیر محمد پشاوری (یہ تفسیر سلطان عالم گیر کے حکم سے لکھی گئی۔)

تفسیر القرآن محمد وارث رسول نما بنارسی (م ۱۱۶۶ھ)

تفسیر قادری ترجمۂ حسینی (اردو) مولوی فخر الدین لکھنوی

تفسیر قرآن مجید میر کلاں محدث اکبر آبادی (م ۱۶۰۵ء) (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۰۴)

تفسیر کلام الرحمان غلام محمد یہ ایک نامکمل تفسیر ہے اس مختصر تفسیر میں صوفیانہ رنگ بہت نمایاں ہے، اشعار کی زیادتی کی وجہ سے اس کا تفسیری رنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔ (اردو تفاسیر ص ۱۱۷)

تفسیر لطیفی محی الدین سید عبد اللطیف ذوقی (م ۱۱۹۴ھ) یہ تفسیر عبد الکریم ابوالقاسم قشیری کی لطائف الاشارات کی مانند ہے لیکن دونوں کے طرز میں فرق ہے لطائف الاشارات عربی میں ہے اور تفسیر لطیفی فارسی ہے (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۱۸۱)

تفسیر ماجدی عبد الماجد دریا آبادی (م ۱۹۷۷ء) اس کی تکمیل ۱۹۴۴ء میں ہوئی یہ تفسیر چار جلدوں میں ندوۃ العلماء لکھنو سے طبع ہو چکی ہے (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۳۴۶)

تفسیر محمدی شیخ حسن محمد احمد آبادی گجرات (م ۹۸۲ھ / ۱۵۷۵ء) یہ ایک گراں قدر عربی زبان میں تفسیر ہے ایک سال کی مدت میں مکمل ہوئی آیتوں کے درمیان ربط کا

اہتمام اس تفسیر کی بنیادی خصوصیت ہے ۔ (تذکرہ علمائے ہند ص ۴۷۳)

تفسیر مرادی شاہ مراد اللہ انصاری یہ بارہویں صدی ہجری کی تصنیف ہے اور اردو کی سب سے پہلی تفسیر ہے ۔ شاہ صاحب سلسلہ نقشبندیہ میں مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت تھے اس کی پہلی اشاعت کلکتہ میں ۱۲۴۷ھ میں ہوئی ۔ (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۱۹۲)

تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مصنف نے قرآن مجید کی مکمل تفسیر دس جلدوں میں لکھی اور اپنے پیر ومرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے نام پر تفسیر مظہری اس کا نام رکھا ۔ اس کتاب میں انہوں نے ضروری تفسیر کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حنفیوں کے نقطہ نظر کو مدلل طور پر پیش کیا ہے ۔ (عربی مفسرین ص ۹۸)

تفسیر ملا شاہ ملا شاہ (یہ تفسیر قرآن مجید کی چند سورتوں کی تفسیر ہے اس کا سال تکمیل ۱۰۵۷ھ ہے (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۱۲۸)

تفسیر معالم الاسرار المعروف تفسیر حضرت شاہی حسن بن کرامت علی بن رستم علی امروہوی (م ۱۳۲۲ھ)

تفسیر ملتقط شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسو دراز (م ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) اس تفسیر کا باقاعدہ ان کی مجلس میں درس ہوتا تھا ۔ ان کے فرزند سید محمد اکبر نے اس کی شرح بھی لکھی تھی مگر وہ اب نایاب ہے اس کی دو جلدیں انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں اس کا مکمل نام ملتقط المعالم فی التفسیر ہے ۔ (نفس مصدر ص ۲۳)

تفسیر مرتضوی (فارسی) شیخ زین الدین شیرازی (یہ نواب مرتضی خاں بخاری کے حکم سے ۱۰۱۶ھ میں لکھی گئی ۔)

تفسیر محمدی شیخ فتح محمد سیدانوی

تفسیر محمدی شیخ حسن گجراتی (م ۹۸۲ھ)

تفسیر محمدی عیسیٰ بن قاسم (یہ تفسیر بھی انوار الاسرار کے مصنف کی لکھی ہوئی ہے انھوں نے یہ تفسیر اپنے بیٹے فتح محمد کے لئے لکھی ۔ اس لئے اس کا نام تفسیر محمدی رکھا گیا)

تفسیر مختصر شیخ جمال الدین گجراتی (م ۱۱۲۴ھ)

تفسیر مختصر کلام اللہ شیخ نور الدین احمد آبادی گجراتی (م ۱۶۱۵ء)(تذکرہ علمائے

ہندص ۵۳۸)

تفسیر مصطفوی (بحر العلوم الاسلامیہ) غلام مصطفیٰ ابن محمد اکبر تھانیسری الدھلوی یہ فارسی تفسیر ۱۱۹۲ھ کے دوران لکھی گئی (فہرست رضا لائبریری رام پورص ۳۷)

تفسیر معینی سید رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ)(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

تفسیر موضح القرآن شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی (بعض لوگوں نے اردو زبان میں سب پہلے لکھی جانے والی تفسیر اسی کو لکھا ہے ۔)

تفسیر المواھب شیخ محمد صالح بن محمد شریف خیر آبادی غلام علی امروہوی (فہرست نسخہ ہائے خطی رضا لائبریری رام پورص ۳۳)

تفسیر مواھب الرحمان سید امیر علی ملیح آبادی نو ہزار صفحات پر مشتمل ہے پہلی اشاعت مطبع نول کشور لکھنو سے ہو چکی ہے مصنف نے ترجمہ تحت اللفظی کیا ہے اور ابتدائی بیسویں صدی کی اردو زبان استعمال کی ہے (اردو تفاسیر ص ۳۸)

تفسیر نصیری شیخ جمال الدین چشتی عرف جمن (م ۱۱۲۴ھ)

تفسیر نصیری شیخ جمال الدین گجراتی (یہ شیخ جمال الدین کی دوسری تفسیر ہے ۔)

تفسیر نظامی نظام الدین بن عبد الشکور تھانیسری (م ۱۶۱۵ء) (تذکرہ علمائے ہندص ۵۲۵)

تفسیر نعیمی (اشرف التفاسیر)احمد یار خاں گجراتی (۱۹۷۱ء) (۱۲ جلد) یہ مصنف کے درس کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے ۱۹ سال کی مدت میں ۱۳۶۳ھ میں مکمل کیا تھا ، اس تفسیر میں عام فہم سادہ اور دلنشین اردو زبان استعمال کی گئی ہے ترجمہ تحت اللفظی ہے ۔ اس میں تفسیر صوفیانہ کے عنوان سے جو تفسیر کی ہے اس میں بعض عجیب ولطیف نکات سامنے آئے ہیں۔ بہت تفصیلی تفسیر ہے اس کی متعدد جلدیں شائع ہو چکی ہیں تمام جلدوں کی اشاعت ابھی نہیں ہو سکی ہے ۔ یہ ایک عمدہ تفسیر ہے جو عوام وخواص دونوں کے لئے مفید ہے) (اردو تفاسیر ص ۵۷)

تفسیر نعمانی (حبیب التفاسیر) محمد حبیب اللہ نعمانی (م ۱۹۵۴ء)

تفسیر نور النبی شیخ حسین بن خالد ناگوری (م ۱۴۹۵ء)(یہ تفسیر بھی چند جلدوں پر مشتمل ہے ،نحوی تراکیب کی روشنی میں معانی کی توضیح کی گئی ہے ،قرآن کے ہر جز سیپارے کو علاحدہ

لکھا ہے۔)(تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۵)

تفسیر نور بخشی سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی(صحائف اشرفی اول ص ۱۱۷)

تفسیر نور العرفان احمد یار خاں نعیمی پیر بھائی کمپنی لاہور ۱۳۷۷ھ

تفسیر نور القلوب محمد حیات (تفسیر کے کل صفحات ۸۸۰ ہیں، پہلی بار ۱۳۷۳ھ میں مطبع مجیدی کانپور سے شائع ہوئی ہے)

تفسیر وحیدی وحید الزماں خاں المخاطب نواب وقار نواز جنگ(م ۱۳۳۹ھ) شاگرد مولانا لطف اللہ علی گڑھی۔ موضح الفرقان مع تفسیر وحیدی ۹۱۲ صفحات پر مشتمل ہے تفسیر جامعہ ہمدرد کی لائبریری میں موجود ہے۔ یہ تفسیر مکمل طور پر مسلک اہل حدیث کی ترجمان ہے اس میں چوں کہ حدیث کا بے حد استعمال ہے اس لئے تفسیر القرآن بالقرآن سے زیادہ تفسیر القرآن بالحدیث ہے (اردو تفاسیر بیسویں صدی میں ص ۱۹)

تفسیر وھابی عبد الصمد بن نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبد الوہاب خاں نصرت جنگ (م۱۰۸۷ھ) یہ تفسیر دکنی زبان میں ہے۔

تفسیر ھدایت القرآن سعید احمد پالنپوری (یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے دیوبند سہارنپور سے شائع ہو چکی ہے، کتاب پر کوئی سن اشاعت درج نہیں۔(اردو تفاسیر ص ۱۳۷)

تفسیر غرائب الرحمان (فارسی)محمد سعید احمد مدراسی(م ۱۲۷۲ھ) اس کی طباعت ۱۲۶۱ھ میں ہو چکی ہے۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔

تقریب القرآن عبد الوہاب خاں رام پوری ،مصنف نے آیات قرنیہ کا ترجمہ تحت اللفظ میں کیا ہے جس کو محاورے سے قریب کرنے کے لئے قوسین کا استعمال کیا گیا ہے (یہ پورے قرآن کی تفسیر ہے مگر اشاعت صرف سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ہوسکی ہے۔ (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۳۱۸)

تکملہ فتح العزیز شیخ حیدر علی فیض آبادی (یہ تکملہ کئی ضخیم جلدوں میں ہے مصنف نے یہ تکملہ بھوپال کی سکندر بیگم کے حکم سے بھوپال میں ہی رہ کر لکھا ہے۔)

تفصیل البیان فی مقاصد القرآن سید ممتاز علی دیوبندی دار الاشاعت پنجاب لاہور

تفہیم القرآن سید ابو الاعلیٰ مودودی اس تفسیر کو ۶ جلدوں میں مرکزی مکتبہ اسلامی

چتلی قبر دہلی نے ۱۹۵۸ء میں شائع کردیا ہے تفسیر میں جماعت اسلامی کے عقائد ونظریات کی جھلک جابہ جا ملتی ہے کہیں کہیں ایسی بات بھی کہہ گذرتے ہیں جو تحقیقی معیار پر پوری نہیں اترتی۔(اردو تفاسیر ص ۶۹)

تلخیص البیان ظفر احمد تھانوی (م ۱۲۹۴ھ) یہ اشرف علی تھانوی کے تفسیر بیان القرآن کی تلخیص ہے تھانہ بھون سے شائع ہوئی ہے۔

تنقیح البیان (جواب تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں) سید ناصر الدین محمود ابو المنصور دہلوی (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۰۸)

تیسیر الرحمان لبیان القرآن (تین جلدیں) محمد لقمان سلفی (اس کی اشاعت علامہ ابن باز اسلامک سینٹر نئی دہلی سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوچکی ہے۔

ثواقب التنزیل فی انارۃ التاویل علی اصغر بن عبد الصمد قنوجی (م ۱۱۴۰ھ) اس تفسیر کا قلمی نسخہ رام پور کی رضا لائبریری میں ہے۔ اس میں کل نوے صفحات ہیں۔ یہ تفسیر نامکمل ہے اس تفسیر میں حدیثوں سے بھی مثالیں اور اقوال پیش کئے گئے ہیں اور دوسری تفسیر کے حوالے بھی ملتے ہیں، یہ تفسیر جلالین کی طرح مختصر ہے۔

جواھر القرآن فی بیان معانی الفر قان شیخ ابو بکر اسحاق بن تاج ملتانی (م ۷۳۶ھ/ ۱۳۳۵ء) ہندوستان کے ابتدائی مفسرین میں شمار کئے جاتے ہیں اصل تفسیر کا پتا نہیں چلتا البتہ اس تفسیر کا خلاصہ جسے ابن التاج نے خود تیار کیا تھا برلن کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

جامع التفاسیر مولوی قطب الدین خان بہادر دہلوی بن محی الدین دہلوی (م ۱۸۶۲ء) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ محمد اسحاق کے شاگرد تھے۔(الاعلام ج ۷ ص ۴۲۶) مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۳ھ

چراغ ابدی (۱۲۲۱ھ)عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آبادی (یہ پارہ عم کی تفسیر ہے ہندوستان میں دکن کو یہ فخر حاصل ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی تفسیر اردو میں دکن میں لکھی گئی)

حمائل التفاسیر (تفسیر القرآن بالقرآن) عبد الحکیم مطبع عزیزی تراوڑ کرنال ۱۹۰۶ء

خلاصۃ التفاسیر محمد خلیل خاں برکاتی مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ سندھ

خلاصۃ التفاسیر (اردو) مولوی فتح محمد تائب لکھنوی (یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے

۔)مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۱۰ھ

الخلافة الکبریٰ (تفسیرا لقرآن فی معارف القرآن)خواجہ عبد الحئی فاروقی (یہ جامعہ ملیہ میں پروفیسر تھے علماء کو ان کی تفسیر سے اختلاف ہے)فیض عام پریس علی گڑھ سے طبع ہو چکی ہے ۔

روح الایمان فی تشریح آیات القرآن محمد فتح الدین ازبر (یہ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر ہے افضل گنج حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۶ھ میں طبع ہو چکی ہے اس تفسیر میں سلف وخلف کے حوالوں کے ساتھ ان کی تفاسیر سے بھر پور استفادہ کیا گیا ہے۔ ۔(اردو تفاسیر ص ۱۲۶)

زیب التفاسیر (فارسی)صفی الدین ارد بیلی کشمیری (یہ تفسیر کا ترجمہ ہے جو زیب النساء کے حکم سے مصنف نے کیا ہے۔)

زبدةالتفاسیر شیخ معین الدین بن خاوند کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) یہ ایک مکمل تفسیر ہے اس تفسیر کے تین نسخوں کا پتا چلتا ہے مصنف نے اپنی تفسیر میں دوسرے مفسرین کے حوالے اور اقوال نہیں دئے ہیں بلکہ خود ہی مختصر انداز میں مطالب بیان کر دئے ہیں (عربی مفسرین ص ۷۹)

زبدة التفاسیر للقدماء المشاهیر شیخ الاسلام بن قاضی عبد الوہاب گجراتی (م۱۱۰۹ھ)تفسیر میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے چھوٹے چھوٹے جملوں میں تفسیر لکھی گئی ہے آیتوں کے مطالب آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔رام رضا لائبریری میں اس تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے ۔ (عربی مفسرین ص ۸۳)

زبد ة التفاسیر شیخ جان محمد لاہوری

زبدة البیان فی تفسیر القرآن المقلب بالکریمی ، کریم اللہ بن لطف اللہ دہلوی (م۱۲۹۱ھ)(فہرست رضا لائبریری ص ۴۰)

زبدة التفاسیر ملا فتح اللہ کاشانی (یہ عربی زبان مین مکمل قرآن کریم کی تفسیر ہے) تحقیقات اسلامی ص ۱۹

ذریعة النجات محمد ہاشم مخطوطہ جامعہ ہمدرد

سواطع الالهام شیخ ابو الفیض فیضی (۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۵ء) یہ تفسیر غیر منقوط الفاظ میں لکھی گئی ہے جس سے عربی زبان پر مصنف کی غیر معمولی قدرت اور اس کی اعلیٰ لیاقت وذہانت کا اندازہ ہو

تا ہے ۔ یہ تفسیر ۱۳۰۶ھ میں نول کشور پریس لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے اس کی دو جلدیں ہیں ۔بلا شبہ یہ ایک ہندی عالم کا حیرت انگیز علمی کار نامہ ہے۔فصاحت وبلاغت میں جس کی نظیر نہیں ملتی (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۷۹)

سید التفاسیر (تفسیر اشرفی) سید محمد مدنی میاں (یہ تفسیر تین جلدوں میں مدنی آفسیٹ پرنٹرز کرچن گجرات سے طبع ہو چکی ہے ۔ باقی جلدیں زیر قلم ہیں ،زبان صاف شستہ ہے ایجاز کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے ۔

شرح القرآن معینی خواجہ خاوند معین الدین کشمیری نقشبندی(م ۱۰۸۵ھ) یہ مخطوطہ سعید یہ لائبریری ٹونک میں ہے ۔

عام فهم تفسیر خواجہ حسن نظامی(م) یہ ایک مکمل تفسیر ہے اس کے کچھ اجزا جامعہ ہمدرد کی لائبریری میں ہیں ۔ اس تفسیر میں انتہائی آسان وسادہ طریقہ اپناتے ہوئے کم سے کم الفاظ میں کلام ربانی کی تفسیر کی گئی ہے اور جگہ جگہ قوسین کا استعمال کر کے مفہوم کو کھول کر واضح کیا گیا ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۴ء میں طبع ہو چکا ہے ۔ (اردو تفاسیر ص ۲۸)

عرفان القرآن سلطان حسن سنبھلی(سورہ فاتحہ سے سورہ نحل تک چودہ پاروں کی تفسیر ہے ،مکتبہ عرفان محلّہ پادری ٹولہ آگرہ سے طبع ہو چکی ہے ، اس تفسیر میں القرآن بالقرآن کے طرز کو اختیار کیا گیا ہے ۔(اردو تفاسیر ص ۱۲۱)

عمدة البیان عمار علی رئیس سونی پت (۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء) یہ تفسیر سر سید کی تفسیر کی رد میں لکھی گئی ہے دہلی سے ۱۳۰۷ھ میں اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں ۔

غاية البیان فی تاویل القرآن (اردو) حکیم محمد حسن امروہوی (غالباً م ۱۸۹۹ء) (یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے سنہ تصنیف ۱۳۰۵ھ ہے پہلی مرتبہ سید المطابع امروہہ سے ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوائی ہے ،تفسیر آمیز ترجمہ ہے ،بعض مقامات پر تفسیر جزء ترجمہ بنادیا گیا ہے) اس مصنف کی ایک دوسری تفسیر لمعات الاسرار کے نام سے سطور بالا میں گذر چکی ہے، ان کی تمام کوشش اس بات پر تھی کہ قرآن مجید اور بائبل میں تطبیق کی جائے ۔(اردو تفاسیر بیسویں صدی میں ص ۱۱)

غرائب القرآن ورغائب الفرقان، نظام اعرج (یہ نظام اعرج نیشاپوری کی سب سے اہم تصنیف ہے اس کی شروعات نیشاپور میں ہوئی مگر اس کی تکمیل ہندوستان کے صوبہ دکن دولت آباد

میں ۷۳۰ھ/ ۱۳۳۰ء کے دوران ہوئی اس تفسیر کے متعدد نسخے ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔ (نفس مصدر ص ۱۰)

فتح الر حمٰن بتر جمة القرآن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی(م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء)(یہ قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ ہے اور اس میں تفسیری حواشی لکھے ہیں یہ ترجمہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے)

فتح العزیز (فارسی)شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی نے یہ تفسیر شدت مرض اور ضعف کی حالت میں لکھی یہ تفسیر کئی بڑی جلدوں میں تھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ضائع ہوگئی جو رہ گئی اس کے دو حصے ہیں پہلا حصہ شروع قرآن سے آیت و ان تصومو اخیر لکم تک اور دوسرا حصہ شروع سورہ ٔملک سے آخر قرآن تک ہے ۔ یہ تفسیر ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء) کے آس پاس کلکتہ سے شائع ہوئی نہایت معتبر و مستند تفسیر ہے ۔(الاعلام ج ۷ ص ۳۰۳)

فتح البیان فی مقاصد القرآن (عربی) سید صدیق حسن قنوجی بھوپالی (یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے اور شوکانی کی تفسیر فتح القدیر کا خلاصہ ہے ۔لیکن یہ نری تلخیص نہیں بلکہ اس میں مدارک اور خازن سے اضافہ کیا گیا ہے۔ الفاظ کے معانی ،بیان قرآت ،اسباب نزول ،مسائل فقہیہ ،غرض تمام پہلوؤں کا اضافہ کیا گیا ہے ۔)(عربی مفسرین ۱۰۳)

فتح المنان فی تفسیر القرآن (اردو) مولوی عبد الحق بن محمد میر دہلوی (یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے ،تفسیر حقانی سے مشہور ہے غالباً ۱۹۰۰ء میں وفات ہوئی)

فیض الرحمٰن یعقوب الرحمٰن دیوبندی (م ۱۹۵۲ء)

الفرقان فی معارف القرآن خواجہ محمد عبد الحیٔ فاروقی (اس نام سے مختلف سورتوں کی تفاسیر کو الگ الگ جلدوں میں متعدد پبلشنگ اداروں سے شائع کیا گیا ہے۔مصنف اپنی تفسیر میں جمہور اہل سنت کا مسلک اختیار کرتے ہیں اور ائمہ مجتہدین سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں ،یہی سبب ہے کہ آپ کی تفسیر اہل سنت والجماعت کے نظریات کی ایک کڑی نظر آتی ہے۔(اردو تفاسیر ص ۱۳۰)

کاشف الحقائق وقاموس الدقائق محمد بن احمد شریحی ماریکلی گجرات (م ۶۸۴ھ/ ۱۲۸۵ء) شاگرد رشید مولانا کمال الدین زاہد ،یہ ہندوستان میں لکھی جانے والی سب سے پہلی تفسیر ہے ۔ از اول تا آخر نہایت فصیح عربی زبان میں ہے اس کا ایک عمدہ اور نادر مکمل نسخہ مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی کے کتب خانے میں موجود ہے(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۵۴)

کمالین شرح تفسیر جلالین سلام اللہ بن شیخ الاسلام دہلوی یہ شرح ۱۲۸۷ھ میں طبع ہوچکی ہے۔

لطائف التفاسیر ابو نصر احمد سیف الدین زاہد دوراجکی (م ۵۴۰ھ)(فہرست نسخہ ہائے خطی جامعہ ہمدرد ص ۸)

لوامع التنزیل وسواطع التاویل (فارسی) ۱۲ جلدیں سید ابوالقاسم لاہوری (م ۱۳۲۴ھ)

لمعات الاسرار (فارسی) شیخ محمد حسن امروہوی

منبع نفائس السعیدی شیخ مبارک بن شیخ نظر (م ۱۰۰۱ء) چار جلدیں

مجمع البحرین شیخ طاہر بن یوسف سندھی، بر ہان پوری (یہ تفسیر بھی تصوف کے طرز پر لکھی گئی ہے۔)

مختصر المدارک شیخ طاہر بن یوسف سندھی (یہ تفسیر مدارک کا خلاصہ ہے۔

مصباح العاشقین بہاء بن محمود بن ابراہیم نبیرہ قاضی حمید الدین ناگوری یہ ایک صوفیانہ تفسیر ہے، صوفی حمید الدین ناگوری کے افادات پر مشتمل ہے (قرآن کی تفسیریں ص ۶۱)

مطالب القرآن (ناتمام) نذیر احمد خاں، الناظر پریس چوک لکھنؤ

معارف القرآن محمد شفیع دیوبندی (اس کی اشاعت آٹھ جلدوں میں بیت الحکمت دیوبند سے ۱۹۸۲ء میں ہوچکی ہے۔ اس تفسیر میں عصر حاضر کے اہم مسائل کو اہمیت دی گئی ہے تا کہ وقت کی ضرورت پوری ہو سکے۔ متن قرآن کے ترجمے میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود الحسن کے ترجموں پر اعتماد کیا گیا ہے۔(اردو تفاسیر ص ۹۶)

معارف القرآن محمد ادریس کاندھلوی مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۳۲۰ھ میں یہ تفسیر لکھنی شروع کی ۱۳۸۲ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔

مواھب الرحمٰن (اردو) سید امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی (م ۱۳۳۷ھ) یہ تفسیر ۳۰ جلدوں میں ہے۔ (الاعلام ج ۸ ص ۸۵)

منبع المعانی ومطلع شموس المثانی شیخ مبارک بن خضر ناگوری (م ۱۰۰۱ھ) یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں ہے سید تقی صاحب مرحوم لکھنو کے کتب خانہ میں موجود ہے سورت کی تفسیر لکھنے

سے پہلے ہی مصنف اس سورت کا مضمون بیان کر دیتے ہیں ۔

منهج الصادقين فی الزام المخالفين ملا فتح اللہ کاشانی (یہ تفسیر ابو الحسن شعرانی اپنے عالمانہ مقدمہ کے ساتھ دو جلدوں مرتب کئے ہیں متعدد بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے (تحقیقات اسلامی ص ۱۷)

معدن الجواهر ولی اللہ فرنگی محلی بن حبیب اللہ انصاری (م ۱۲۷۰ھ) اس تفسیر کو لکھتے وقت مصنف نے قرآن وحدیث کے ذاتی علم کے ساتھ ہر مکتب فکر کے علماء کی تفاسیر کو سامنے رکھا اور دستیاب شدہ ہر قابل ذکر سے استفادہ کیا ۔(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۲۲۳)

مفتاح القرآن شبیر احمد ازہر میرٹھی ۲۱ سال کی مدت مین اس تفسیر کی تکمیل ہوئی ۔ ۱۹۶۹ء میں اس کی طباعت ہو چکی ہے ۔تفسیر کے سلسلے میں تفسیر القرآن بالقرآن کے طرز کی پیروی کرتے ہیں ۔ ترجمہ بامحاورہ اور آسان ہے ۔(اردو تفاسیر ص ۱۰۹) اس ایک نسخہ جامعہ ہمدرد کی لائبریری میں موجود ہے۔

منهج الصادقين حکیم فتح اللہ شیرازی (م۹۹۷ھ)(قرآن مجید کی تفسیریں ص۴۲۹)

محكم التنزيل (عربی)سید محمد حکم بن محمد بن علم اللہ حسنی رائے بریلوی

نظم الجواهروند الفرائد (فارسی)سید محمد ولی اللہ بن احمد علی حسینی فرخ آبادی (م۱۲۴۹ھ)(یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے ۔) اس کا نسخہ جامعہ ہمدرد میں ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۲۳۶ھ ہے۔

نظام القرآن وتاويل الفرقان حمید الدین فراہی(م۱۳۳۹ھ) اس نام سے فراہی صاحب نے عربی میں تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو مکمل نہ ہوسکی متفرق سورتوں کی مطبوعہ تفسیریں اس کا حصہ ہیں ۔ اس تفسیر میں عربی اسالیب ادب کے پسندیدہ ترین نمونے ہیں ۔

نعمت عظمیٰ نور الدین عالی ،نعمت خاں

نكات القرآن فی تفسير القرآن محمد علی ایم اے حمیدیہ اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۶ء

نقد الدور مظہر حسن جے پوری مطبوعہ

نهايات البيان فی مقاصد القرآن محمد حسین لکھنوی ۔مطبع احمدی لکھنؤ

ھدایت القرآن محمد عثمان کاشف الہاشمی (م ۱۹۹۵ء) یہ تفسیر مکتبہ شہاب دیوبند سے طبع ہو چکی ہے، یہ تفسیر ان لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے جو معمولی اردو جانتے ہیں اور قرآن پاک سمجھنے کا شوق رکھتے ہیں (اردو تفاسیر ص ۶۰)

ھلالین شرح تفسیر جلالین ابو البرکات رکن الدین معروف مولوی تراب علی لکھنوی (م ۱۸۶۴ء) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۸)

قرآن کریم کے بعض اجزا کی تفاسیر

آسان تفسیر عبد الحیٔ (یہ پارہ عم کی تفسیر ہے مکتبہ الحسنات رام پور نے ۱۹۸۱ء میں شائع کردی ہے۔

آیات السائلین عنایت اللہ اثری مطبوعہ ۱۳۴۸ھ

ازالۃ الغین عن قصۃ ذی القرنین سرسید احمد خاں دہلوی

الازھار الفائحہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ شیخ محمد حسین بیجا پوری

اسرار سورۃ الفاتحہ ملا خیر محمد پشاوری

اسرار التنزیل فی تفسیر سورۃ الفیل عبد البصیر آزاد سیوہاروی ۱۳۵۰ھ میں طبع ہوئی۔

برھان الھدیٰ فی تفسیر الرحمان علی العرش استویٰ مولوی نصیر الدین برہان پوری (م ۱۸۷۵ء) تذکرہ علمائے ہند ص ۵۲۱)

تتمہ ینابع الانوار ابراہیم سید محمد بن تقی ۱۳۰۷ھ قلمی نسخہ رام پور میں ہے۔

الترقیم فی قصۃ اصحاب الکھف والرقیم سرسید احمد خاں دہلوی

تحصیل الغنائم والبرکات تفسیر سورۃ والعادیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)

تذکیر بسورۃ الکھف مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) سورہ کہف کی یہ تفسیر پہلی بار حیدر آباد دکن سے طبع ہوئی پھر بلوچستان پاکستان سے طبع ہوئی۔(اردو تفاسیر ص ۱۶۷)

تذکیر القرآن محمد یوسف اصلاحی (یہ سورۂ یٰس اور سورہ والصّف کی تفسیر ہے مکتبہ

ذکریٰ رام پور سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہو چکی ہے

تفسیر ام الکتاب احمد سعید خاں (یہ تفسیر ۱۳۵۰ھ میں مکمل ہوئی اور ۲۱۶ صفحات پر مشتمل محبوب المطابع برقی دہلی سے طبع ہوئی ۔

تفسیر سورہ اخلاص حمید الدین فراہی (یہ مولانا حمید الدین فراہی کے سلسلہ جزوی تفاسیر میں سورہ اخلاص ہی وہ واحد تفسیر ہے جسے انہوں نے اردو زبان میں تحریر کی ہے ۔ یہ تفسیر شائع ہو چکی ہے ،) (اردو تفاسیر ص ۱۷۶)

تفسیر آیۃ المتعۃ غلام حسین رام پوری (فہرست نسخہ ہائے خطی رضا لائبریری رام پور ص ۲۲)

تفسیر بسم اللہ عبد الحلیم لکھنوی (۱۸۷۰ء) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۲)

تفسیر بسم اللہ (مختصر البیان فی تفسیر تسمیۃ القرآن) قادر علی قادری عظیم آبادی (یہ تفسیر جامعہ ہمدرد میں ہے)

تفسیر سورۂ بلد محمد ابراہیم رضا بریلی (م ۱۹۶۵ء)(مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۱۲۱)

تفسیر پارۂ عم قاضی کبیر چاند پوری (فہرست نسخہ ہائے خطی رضا لائبریری رام پور ص ۳۵)

تفسیر غرائب القرآن فتح محمد بن حافظ محمد شریف اس کا قلمی نسخہ آصفیہ حیدر آباد میں ہے ۔

تفسیر احسن القصص سید علی محمد (مطبوعہ)

تفسیر سورۂ اعراف شیخ غلام نقشبند لکھنوی (۱۱۲۶ھ)

تفسیر سورۃ الرحمان محمد حیات القادری (فہرست نسخہ ہائے خطی رضا لائبریری رام پور ص ۳۵)

تفسیر رفیعی (تفسیر سورۃ البقرۃ) شاہ رفیع الدین دہلوی مطبع نقشبندی دہلی ۱۲۷۲ھ

تفسیر سورۃ الفاتحہ شیخ عبد الحکیم سیالکوٹی (رام پور کے کتب خانہ میں اس تفسیر کا نسخہ ہے)

تفسیر سورۃ الفاتحہ محمد عاشقین عبد اللہ بھائی (م ۱۱۸۷ھ) اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے

تفسیر سورۃ الفاتحہ محی الدین احمد (یہ تفسیر ۳۰۸ صفحات پر مشتمل کریمی پریس لاہور سے ۱۳۴۰ھ میں شائع ہو چکی ہے۔(اردو تفاسیر ص ۱۳۳)

تفسیر سورۃ الفاتحہ (اردو) مولوی اکرام الدین دہلوی

تشریح سورۂ فاتحہ عبد الخبیر صادق پوری (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۳۱۶)

تفسیر سورۃ الفاتحہ (اردو) مولوی لطیف اللہ لکھنوی (اس تفسیر کا اصل نام ''مظہر العجائب'' ہے، (تذکرہ علمائے ہند ۴۴۴)

تفسیر فاتحۃ الکتاب لطف اللہ بنگالی (۱۲۹۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے)

تفسیر سورۃ الفاتحہ محمد نور الحق بن انوار الحق دہلوی اس کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے

تفسیر سورۃ الفاتحہ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی (م ۱۱۸۷ھ) یہ رسالہ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

تفسیر سورۂ فاتحہ سید محمد کالپوی (م ۱۰۷۱ء) تاریخ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۳۱۹

تفسیر سورۂ فاتحہ شاہ برکت اللہ مارہروی (م ۱۹۶۵ء) تاریخ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۳۴۰

تفسیر سورۂ فاتحہ محمد بن سعید حسینی (فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ص ۴)

تفسیر سورۃ الفاتحہ مرزا ابو الفضل ''مصنف نے عبادت اور غایت'' کے نام سے ۸۳ صفحات پر مشتمل سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی ہے جسے کتابستان بیلی روڈ الہ آباد نے ۱۹۳۰ء میں شائع کر دیا ہے۔(اردو تفاسیر ص ۱۳۹)

تفسیر الرحمانی للسبع المثانی شیخ نور الدین (م ۱۱۲۷ھ)

تفسیر الربانی علیٰ سورۃ البقر شیخ نور الدین (م ۱۱۲۷ھ)

تفسیر نورانی للسبع المثانی شیخ نور الدین محمد صالح احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ)

تفسیر سورۃ عبس حمید الدین فراہی ،دائرہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ

تفسیر سورہ بقرہ شیخ نور الدین محمد صالح احمدآبادی(م ۱۱۵۵ھ)

تفسیر سورۃ الکوثر مرزا جان (شمس الدین حبیب اللہ) دہلوی(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۱۰۵)

تفسیر سورۃ الکھف سلطان حسن سنبھلی (۲۱۱ صفحات پر مشتمل مطبع رحیمی بمبئی سے ۱۹۵۲ء میں شائع ہوچکی ہے۔(اردو تفاسیر ص ۱۳۸)

تفسیر سورہ مزمل ومدثر بشیر احمد لدھیانوی (یہ تفسیر مصنف کے استاد مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار پر منحصر ہے بیت الحکمت لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔(اردو تفاسیر ص ۱۵۴)

تفسیر سورہ یوسف شیخ صفدر علی فیض آبادی (الاعلام ج۷ ص ۲۴۸)

تفسیر سوہ یوسف سید محمد بن ابوسعید حسینی کالپوی

تفسیر سورہ یوسف شیخ غلام نقشبند لکھنوی (۱۳۲۶ھ)

تفسیر سورہ یوسف علی عباس خاں رام پوری ۱۲۹۸ھ اس کا قلمی نسخہ رام پور میں ہے۔

تفسیر سورہ یوسف (اردو) مولوی اشرف علی

تفسیر سورہ یوسف سلطان قلی جونپوری (الاعلام ج۶ ص ۱۰۶)

تفسیر سورہ یوسف میر سید محمد کالپوی (م ۱۶۶۰ء)تاریخ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۳۱۹

تفسیر سورہ یوسف محمد احسن معروف بہ حافظ دراز (۱۸۸۷ء)

تفسیر سورہ یوسف احمد سعید دہلوی ،دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی

تفسیر سورہ یونس سید مرتضیٰ بلگرامی تلمیذ شاہ ولی اللہ دہلوی

تفسیر سورہ یونس احمد سعید دہلوی ، دینی بک ڈپو اردو بازار ، دہلی

تفسیر سورۃ العصر (اردو) سید محمد شاہ بن سید حسن شاہ محدث رامپوری

تفسیر سورۂ عم محمد رحیم الدین پرنسپل عثمانیہ کالج گلبرگہ (یہ تفسیر ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور گلبرگہ سے شائع ہوچکی ہے)

تفسیر الجزء الآخر (پارۂ عم) (اردو) مولوی ابراہیم بن عبد العلی آروی

تفسیر الجزء الآخر من القرآن ابراہیم بن عبدالرحیم السندھی (۱۳۱۹ھ) الاعلام جلد ۸ ص ۱۳)

تفسیر آیات الموارث شیخ محمد معین الدین بن محمد مبین انصاری

تفسیر سورہ محمد شیخ غلام نقشبند لکھنوی (۱۳۲۶ھ)

تفسیر آیت و لکم فی الحیاۃ قصاص مولوی امین اللہ بن سلیم اللہ عظیم آبادی

تفسیر سورۃ الشعراء (نامعلوم) اس تفسیر کا اصل نام "تقبیح الشعراء الغاوین وتحسین الفقراء من آل یا سین" ہے۔

تفسیر سورۃ الملک شیخ غلام مرتضٰی شاہجہان پوری

ترجمہ سورۃ البروج عبد الحق

تفسیر السمٰوات سرسید احمد خان دہلوی

تفسیر الجن والجان علیٰ ما فی القرآن سرسید احمد خاں دہلوی

تفسیر سورۂ رحمٰن شیخ غلام نقشبند لکھنوی (م ۱۳۲۶ھ)

تفسیر سورہ بقرہ عبد العزیز ہزاروی (۱۹۷۳ء)

تفسیر الجزء الآخر من القرآن شیخ صوفی حمید الدین ناگوری

تفسیر بسم اللہ قادر علی قادری مطبع قادریہ کلکتہ سے ۱۲۸۰ھ طبع ہوئی

تفسیر خدا کی نعمت (پارۂ عم کی تفسیر) مراد اللہ انصاری مطبوعہ ۱۲۶۴ھ

تفسیر سورۃ الکوثر مرزا جان دہلوی (م ۹۹۴ھ)

تفسیر سورۂ یس زاہد القادری (یہ تفسیر دار الاشاعت دہلی سے ۱۳۴۹ھ میں شائع ہوچکی ہے)

تفسیر سورۂ یٰسٓ محمد حبیب اللہ نعمانی (۱۹۵۴ء)

تفسیر سورۂ یٰسٓ غلام مصطفیٰ کشمیری اس تفسیر کی تکمیل ۱۲۹۴ھ میں ہوئی۔

تفسیر سورۂ یٰسٓ سید عزیز حسن بقائی اردو بازار دہلی

تفسیر سورۂ یٰسٓ سید ظہور احمد شاہجہان پوری (یہ تفسیر ۶۴ صفحات پر مشتمل دار الاشاعت دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر سورۂ یونس سید مرتضیٰ بلگرامی شاگرد شاہ ولی محدث دہلوی

تفسیر سورۃ والضحیٰ محمد حبیب اللہ نعمانی (۱۹۵۴ء)

تفسیر سورۂ والضحیٰ محمد احسن معروف بہ حافظ دراز (۱۸۸۷ء)

تفسیر سورہ والضحیٰ محمود بن ابراہیم مرید شیخ حمید الدین ناگوری (فہرست نسخہ ہائے خطی رضا لائبریری رام پور ص ۲۲)

تفسیر سورۂ ویل للمطففین سید اولاد حسن قنوجی (م ۱۲۵۳ھ)

تفسیر سورۃ الاعلیٰ (الکلام الاعلیٰ فی تفسیر سورۃ الاعلیٰ باحادیث المصطفیٰ) مشتاق احمد حنفی امیٹھوی

تفسیر فاتحۃ الکتاب لطف اللہ بنگالی (۱۲۹۰ھ کے قبل کی تصنیف ہے)

تفسیر غنی محمد عبد الغنی (یہ قرآن کریم کے پہلے پارے کی تفسیر ہے برقی پریس دہلی سے طبع ہو چکی ہے)

تفسیر وجیز شاہ عبد الحکیم دہلوی (م ۱۲۹۳ھ)

تفسیر میزان الادیان (مقدمہ وتفسیر سورہ فاتحہ) محمد دیدار علی شاہ (۱۹۳۵ء)

تفسیر یوسفی (تفسیر سورہ یٰسٓ) محمد یوسف اس کی طباعت ۱۹۱۲ء میں مطبع مصطفائی ممبئی سے ہو چکی ہے، یہ ایک صوفیانہ طرز کی تفسیر ہے جس میں محمد یوسف صاحب نے کرامات وفضائل ومناقب بزرگان دین کے ذریعہ عبادت کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، طرز بیان عام وسادہ ہے (اردو تفاسیر ص ۱۲۰)

تفسیر سورۂ یونس مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (م ۱۷۹۰ء) تذکرہ علمائے ہند ص ۴۹۳)

تعلیقات جلالین فیض الحسن سہارنپوری۔ اس کی طباعت ۱۲۸۷ھ میں ہو چکی ہے۔

تعلیم القرآن محمد عبد الرحیم (یہ سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے جو سولہ صفحات پر مشتمل حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔)

تیسیر التفسیر محمد ہاشم حسینی بن امیر قاسم (۱۰۶۱ھ) اس تفسیر کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں موجود ہے

تیسیر الکلام ہدایت اللہ (م ۱۳۰۰ھ) قاضی محمد اسماعیل نقشبندی کے شاگرد تھے۔

تیسیر القرآن محمد عبد الوحید فتح پوری (یہ پارۂ عم یتسائلون کی تفسیر ہے کتب خانہ قاسمیہ فتح پور یوپی سے شائع ہو چکی ہے۔

الجمال وکمال محمد سلیمان سلمان منصور پوری یہ سورہ یوسف کی تفسیر ہے جو ۱۹۴۱ء میں لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

خلاصة التفاسیر محمد حسین بن محمد باقر الطبیب اس کا قلمی نسخہ رام پور میں ہے

خلق الا نسان علیٰ مافی القرآن سرسید احمد خاں

الدرر المکنون فی تفسیر الماعون قاضی عبد الصمد صارم، یہ تفسیر ۱۳۵۴ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

درر التنظیم فی تر تیب القرآن الکریم شیخ منور الدین بن عبد الحمید (م۱۰۱۱ء) (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

ذیل تفسیر فتح العزیز مصنفہ شاہ عبد العزیز دہلوی۔ حیدر علی فیض آبادی (م ۱۲۸۵ھ)

روح القرآن عبد السلام قدوائی (یہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر ہے۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے ۴۰۳ صفحات پر مشتمل نئی دہلی سے ۱۹۷۹ء میں شائع کر دی ہے۔

روح ایمان فی تشریح آیات القرآن محمد فتح الدین ازہر (حیدر آباد دکن ۱۳۳۶ھ)

الرسالہ فی التفسیر محمد الکریمی (اس کا قلمی نسخہ خدا بخش میں ہے)

شجرة الطور فی شر ح آیة النور محمد علی بن ابی طالب بن عبد اللہ (یہ آٹھ صفحات کا رسالہ ہے اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

شرح صدور تفسیر آیت نور شیخ عبد الحق محدث دہلوی(م ۱۰۵۲ھ)(زاد المتقین ص ۶۳)

الفتح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی ابو بکر محی الدین عبد القادر (م ۱۰۳۸ھ)

فتح المقدر فی سورۃ المدثر محمد نور الحق العلوی (یہ تفسیر ۱۹۳۱ء میں چھپ چکی ہے)

الفوز العظیم محمد عبد الجلیل (یہ سورہ یس، سورہ الصفات کی تفسیر ہے مطبع اقبال حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۴ھ طبع ہو چکی ہے (اردو تفاسیر ص ۱۲۳)

فیض الرحمان یعقوب الرحمان عثمانی (یہ تعوذ اور سورہ فاتحہ کی مختصر تفسیر فیض الرحمان کے نام سے فیض القرآن دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔)

القول الانور شرح سورۃ الکوثر سید شاہ خضر حسینی کرناٹک (م ۱۰۰۵ھ)

الکھف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عبد الکریم بن سبط شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۷۹۹ھ) یہ تفسیر دائرۃ المعارف العثمانیہ سے شائع ہو چکی ہے۔

کاشر تفسیر محمد نور الدین قاری بن علامہ صدر الدین مرحوم (کشمیری زبان میں یہ پارۂ عم کی تفسیر اور اس کا ترجمہ ہے۔

کاشف الا سرار (فارسی) قطب الدین بن غلام یحییٰ لکھنوی (یہ بھی سورۂ یوسف کی تفسیر ہے)

الکلام القدسی فی تفسیر آیت الکرسی عبد الحمید بن عبد الحلیم لکھنوی

الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ ھ) امام احمد رضا خاں قادری کے والد ماجد تھے۔ یہ تفسیر مکتبہ رضا بریلی سے ۱۳۹۵ھ میں طبع ہوئی۔(الاعلام ج۷ ص ۵۵۸) سورہ الم نشرح آٹھ آیات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر میں اتنی ضخیم کتاب ابھی تک تصنیف نہیں کی گئی یہ کتاب انہوں نے عوام الناس کے فائدے کے لئے لکھی ہے تا کہ عوام اس کو پڑھ کر گمراہیت اور لادینیت سے نجات پاسکیں (مولانا نقی علی خاں حیات وخدمات ص ۱۲۰)

المقام المحمود (تفسیر جزءِ عم) عبید اللہ سندھی، انٹرنیشنل بل کار پوریشن حیدر آباد سے طبع ہو چکی ہے۔

الناس المصل فی تفسیر سورۃ المزمل محمد نور الحق العلوی (یہ تفسیر ۱۹۳۰ء میں شائع ہو چکی ہے)

نتائج الحرمین احمد بن عبد الاحد فاروقی نقشبندی (یہ سورۂ فاتحہ اور کلمہ حمد کی تفسیر

ہے یہ کتاب مسجد حرام میں رمضان المبارک کے مہینہ میں بحالت اعتکاف اپنے پیر ومرشد سید آدم حنفی کی ایماء پر لکھی اس لئے اس کا نام نتائج الحرمین رکھا گیا اس کا زمانۂ تالیف ۱۰۵۲ھ ہے۔)(اکادمی مخطوطات کلچرل اکادمی کشمیر ص ۸۴)

نور الانوار (تفسیر بسم اللہ) شیخ احمد بن محمد نبھانی (الاعلام ج ۷ ص ۲۹)

نور مبین تفسیر سورہ یس سید احمد عسکری قنوجی (یہ تفسیر ۱۳۲۱ھ میں فخر المطابع لکھنو سے طبع ہو چکی ہے، آسان وعام فہم تفسیر ہے) (اردو تفاسیر ص ۱۱۸)

نور الحق فی تفسیر سورۃ العلق محمد نور الحق العلوی (یہ تفسیر ۱۹۳۰ء میں جالندھر سے شائع ہو چکی ہے)

واضح البیان فی تفسیر ام القرآن محمد ابراہیم میر سیال کوٹی (یہ سورہ فاتحہ کی تفسیر ۱۹۳۵ء میں مکمل ہوئی، اس میں جو طرز تحریر اختیار کیا ہے وہ گذشتہ صدی کا ہے اس لئے عام قاری کو پوری طرح فیضیاب ہونے میں دشواری آتی ہے۔(اردو تفاسیر ص ۱۵۸)

قرآن کریم کے اردو تراجم

اکسیر اعظم (ترجمہ قرآن) احتشام الدین مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ) الاعلام ج ۸ ص ۲۳)

البیان لتراجم القرآن عبد اللہ چھپروی کلکتوی (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۲۴۴)

تبویب القرآن نواب وحید الزماں

ترجمۃ القرآن حسن بن محمد علقمی مشہور بہ نظام نیشا پوری ثم دولت آبادی (یہ ترجمہ ۷۳۰ھ میں کیا لیکن یہ ترجمہ عربی تفسیر غرائب القرآن کے ساتھ شائع ہوا اس لئے زیادہ شہرت نہ حاصل کر سکا۔

ترجمۃ القرآن شیخ مجیب اللہ الہ آبادی (۱۰۵۸ء)(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

ترجمۃ القرآن عبد الدائم جلالی بن سید عبد القیوم رامپوری (ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود بامحاورہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے)

تر جمة القرآن (عنایت رسول کی) سید شاہ حقانی مارہروی (شاہ حقانی کا یہ ترجمہ تفسیر حقانی کے ساتھ لکھا گیا۱۲۰۶ ھ میں اس کی تکمیل ہوئی ، اس کا قلمی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں محفوظ ہے خانقاہ کے سجادہ نشین پروفیسر محمد امین نے ۸۹۵ صفحات پر مشتمل شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن ۔ ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ کے نام سے شائع کر دیا ہے ۔

تر جمه نامعلوم الاسم اردو دکنی مترجم نا معلوم (یہ ترجمہ مخطوطہ ہے کتب خانہ حیدرآباد میں اس کا اندراج ہے)

تر جمه قرآنؑ اجتما عی شاہ عالم کے دور میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی سر پرستی میں چند علماء نے پورے قرآن کا ترجمہ کیا یہ ترجمہ ۱۸۱۲ھ میں ہوا ۔ جن علماء نے اس ترجمہ میں حصہ لیا ان کے اسماء اس طرح ہیں ۔ امانت اللہ ، میر بہادر علی ،فضل علی ، کاظم علی ، حافظ غوث علی یہ ترجمہ صرف سورۂ فیل سے آخر دس سورتوں کا طبع ہوا ہے باقی ابھی مخطوطہ ہے)

تر جمهٔ قرآن حکیم شریف حسین خاں دہلوی (مصنف نے یہ ترجمہ شاہ عالم کی ایما سے لکھا،زبان صاف ستھری ہے)

تر جمهٔ روٴ فی شاہ رؤف احمد مجددی شاہ رؤف احمد نے ۱۲۳۹ ھ کو یہ ترجمہ مع تفسیر شروع کیا اور ۱۲۴۸ ھ میں ختم کیا اس ترجمہ کو مطبع فتح الکریم بمبئی نے ۱۳۰۵ ھ میں طبع کیا ۔

تر جمه فوا ئد بهیه شاہ بابا قادری حیدرآبادی (یہ ترجمہ مخطوطہ ہے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے سات سال کی مدت میں ۱۲۴۷ ھ میں مکمل ہوا اس ترجمے میں تشریحی الفاظ تفسیر کے طور پر شامل کر دئے گئے ہیں)

تر جمهٔ قرآن خواجہ حسن نظامی دہلوی (اس ترجمہ کا نام عام فہم تفسیر ہے اور حقیقت میں اس کا بیشتر حصہ تفسیری ہے ،قرآنی عبارت کے نیچے شاہ رفیع الدین دہلوی کا لفظی ترجمہ ہے پھر اس کے نیچے خواجہ حسن نظامی کا ترجمہ ہے ۔ ترجمہ کے درمیان قوسین کے وسط میں لمبی تشریح بھی ہے جو بجائے حاشیہ کے قوسین کے درمیان لکھ دی گئی ہے ۔ تیسوں پاروں کا ترجمہ تیس اجزاء میں ملا واحدی کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے)

تر جمهٔ قرآن یعقوب حسن نے مضمون کے لحاظ سے آیات قرآنی کی تبویب کر کے

نزو لی تر تیب کے موا فق قرآن کو دو جلدوں میں پیش کیا تھا اور اسی تر تیب کے موا فق تر جمہ بھی کیا تھا۔ تر جمہ مولف کا اپنا نہیں بلکہ مختلف تر جمہ قرآن کو سا منے رکھ کر مرتب کیا تھا۔ یہ تر جمہ مع کتا ب الہدیٰ مدراس میں ۱۳۴۳ ھ میں طبع ہوا تھا۔

تر جمہٴ قرآن محمد میمن جو نا گڈھی مسلک اہل حدیث کے مطا بق یہ تر جمہ پہلے مترجم نے قسط وار اپنے اخبار محمدی دہلی میں شائع کر ایا۔ پھر نور محمد کا رخانہ تجارت کتب کرا چی نے ہر پارہ کو علیحدہ کر کے مستقل کتا بی شکل میں طبع کیا۔

تر جمہ ٴ قرآن احمد حسن ند وی مترجم نے مختلف مستند تر اجم کو سا منے رکھ کر ایک سہل بامحا ورہ تر جمہ کر نے کی کوشس کی ہے، مطبع تیغ بہادر لکھنؤ نے ۱۳۵۶ ھ میں تفسیر بیا ن القرآن کے ساتھ شا ئع کیا ہے۔

تر جمہ ٴ قرآن محمد باقر فضل اللہ خیر آبادی یہ تر جمہ حیدر آباد میں آغا حیدر کے کتب خانہ میں موجود ہے، عر بی متن کے نیچے تر جمہ سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔

تر جمہٴ قرآن عبد المجید دہلوی یہ تر جمہ پارہ عم کے آخری ربع یعنی سورہ اقراء سے سورہ الناس تک ہے ۱۳۲۱ ھ میں مطبع انصاری دہلی سے طبع ہوا ہے

تر جمہ ٴ قرآن فتح محمد جا لندھری یہ تر جمہ ۱۳۲۵ ھ میں رفا ہ عام پریس سے طبع ہوا ہے۔ تر جمہ کا نام فتح المجید ہے اردو میں حضرت شاہ عبد القادر اور مولا نا احمد رضا خاں قادری کے تر جمے کے بعد سب سے زیادہ اسی تر جمہ کو شہرت ملی زبان سلیس اور انداز بیان عام فہم ہے۔

ترجمہٴ قرآن احمد سعید دہلوی (یہ تر جمہ مو تمر المصنفین دہلی کے زیر اہتمام ۱۳۸۲ھ میں دو جلدوں میں شا ئع ہوا ہے۔)

ترجمہٴ قرآن فر مان علی لکھنؤ اس تر جمہ کا نام کلام اللہ ہے۔

تر جمہٴ قرآن عاشق الٰہی میرٹھی یہ تر جمہ ۱۳۲۰ ھ میں طبع ہوا

تر جمۃ القرآ ن وحید الزماں بن مسیح الزماں لکھنوی

تر جمۃ القرآن عبد الحق بن محمد میر دہلوی

ترجمہٴ قرآن نظام الدین نو تنوی (تر جمہ اور مترجم دونوں غیر معروف ہیں ۱۳۲۵ ھ میں نولکشور لکھنؤ سے طبع ہوا ہے

ترجمۂ قرآن حسین علی خاں (یہ ترجمہ حیدرآباد سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن عبداللہ ہوگلوی (''بنگال میں اردو'' ص ۲۸۷ کے مطابق یہ ترجمہ ۱۲۴۵ھ میں لکھا گیا)۔

ترجمۂ قرآن فیروز الدین سیالکوٹی (''رسالہ جامعہ دہلی مارچ ۱۹۳۰ء کے مطابق یہ ترجمہ ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن نجم الدین سیوہاروی (یہ ترجمہ ۱۳۲۵ھ میں مطبع فیض بخش فیروز پور سے شائع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن ظہیر الدین بلگرامی (فہرست کتب برٹش میوزیم لندن کے مطابق یہ ترجمہ ۱۲۹۰ھ میں طبع ہوا۔

ترجمۂ قرآن ابو محمد صالح حیدرآبادی (یہ ترجمہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع اہل سنت مرادآباد سے طبع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن شیخ محمد علی (یہ ترجمہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع اثناعشری دہلی سے طبع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن عبدالمقتدر بدایونی

ترجمۂ قرآن حکیم یٰسین شاہ (یہ ترجمہ ۱۳۵۴ھ میں دین محمدی پریس لاہور سے طبع ہوا ہے)

ترجمۂ قرآن آغا رفیق بلند شہری (یہ ترجمہ ۔'' اعجاز' کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں قدسی پریس دہلی سے طبع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن مرزا احمد علی (یہ ترجمہ کتب خانہ حسینیہ کی طرف سے ۱۳۷۴ھ میں شائع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن مع تفسیر مولوی فیروز الدین روحی (یہ ترجمہ تیس پاروں میں الگ الگ ۱۳۶۹ھ میں شائع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن افضل محمد اسمٰعیل قادری (یہ ترجمہ'' چراغ ہدایت'' کے نام سے ۱۳۷۱ھ میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن زیرک حسین رضوی (یہ ترجمہ حیدرآباد سے طبع ہو چکا ہے۔)

ترجمۂ قرآن۔ قاری نصیر الدین (اول، دوسرے اور تیسویں پارہ کا ترجمہ اعجاز محمدی پریس آگرہ سے چھپ چکا ہے۔)

ترجمۂ قرآن ابو الفضل احسان اللہ عباسی (یہ ترجمہ متن قرآنی کے بغیر تنہا مطبع حکیم برہم گورکھپوری سے شائع کیا گیا۔)

ترجمۂ قرآن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی

ترجمۂ قرآن حافظ نذیر احمد دہلوی

ترجمۂ قرآن محمد عتیق فرنگی محلی مطبوعہ کراچی ۱۳۷۱ھ

ترجمۂ قرآن شریف مع آسان تفسیر محمد مظہر اللہ دہلوی اقبال پرنٹنگ پریس ۱۳۶۱ھ اس کی طباعت دہلی سے بھی ۱۹۴۳ء میں ہو چکی ہے (حیات مظہری ص ۵)

ترجمۂ قرآن محمد نعیم دہلوی مکتبہ شرکت علیم ملتان

روح القرآن عبد السلام قدوائی مطبوعہ ۱۹۸۰ء

فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن (فارسی) شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ) (الاعلام ج۶ ص ۴۲۰)

فیوض القرآن حامد حسن بلگرامی

کنز الایمان شاہ احمد رضا قادری (م ۱۹۲۰ء) (ترجمہ لفظی مگر بامحاورہ ہے اس میں عظمت خدا اور عظمت نبی کا بھرپور لحاظ، رکھا گیا ہے، زبان وبیان سادہ ہے اور علمی وفنی اصطلاحات کی تسہیل کی گئی ہے، اس میں شک نہیں کہ ان تراجم قرآن میں جو براہ راست متن قرآن سے اردو زبان میں منتقل ہوئے ہیں ان میں یہ ترجمہ ممتاز ہے۔اس ترجمہ قرآن کے متعدد زبانوں میں بھی ترجمے ہو چکے ہیں، ہند وپاک سے اس ترجمہ کے سیکڑوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں) (کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن ص ۵۱۲)

مراۃ القرآن محمد قطب الدین امروہوی ۱۲۹۷ھ اس کا قلمی نسخہ رام پور میں ہے۔

قرآن کریم کے بعض اجزا کے تراجم

ترجمہ قرآن نامعلوم الاسم (یہ ترجمہ صرف سورہ یس کا ہے جسے راجہ مہروک والئی کشمیر کی درخواست پر امیر عبد اللہ بن عمر حاکم سندھ کے لئے کسی عالم نے کیا تھا مشہور سیاح ابن شہر یار نے اس کو سورۂ یٰسین کی مکمل تفسیر بھی لکھا ہے۔

ترجمۂ قرآن تہور علی شاہ (یہ صرف پارۂ عم کا ترجمہ ہے مگر ابھی غیر مطبوعہ ہے کتب خانہ امین منزل حیدرآباد میں موجود ہے۔

ترجمۂ قرآن شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی (یہ ترجمہ صرف پارۂ عم کا ہے تفسیر مرادی کے ساتھ پہلی بار ۱۲۴۷ھ میں طبع ہوا ہے اس کے بعد متعدد بار شائع ہونے کا شرف حاصل ہو چکا ہے، اس کی تصنیف ۱۱۸۵ھ میں ہوئی)

ترجمۂ قرآن نواب قطب الدین خاں تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی (یہ ترجمہ سورہ احزاب سے سورہ طارق تک ہے سال ترجمہ ۱۲۷۶ھ ہے۔ اس ترجمہ کے آخر تک کی تکمیل مترجم کے شاگرد مولوی عبد القادر نے کی۔ یہ ترجمہ جامع التفاسیر کے ذیل میں ہے ۱۲۸۳ھ میں مطبع نظامی کانپور سے طبع ہو چکا ہے)

ترجمۂ قرآن شائق احمد عثمانی (صرف پارۂ عم کا ترجمہ ہے ۱۲۳۶ھ میں مطبع رحمانیہ مونگیر بہار سے طبع ہوا ہے۔

ترجمۂ قرآن عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی یہ ترجمہ صرف دو پاروں کا ہے ہر ترجمہ کی جلد علیحدہ ہے شیخ الطاف الرحمٰن قدائی نے الطاف الرحمٰن تفسیر القرآن کے ساتھ نامی پریس لکھنؤ میں ۱۳۴۳ھ میں چھپوا کر شائع کیا۔

قرآن حکیم کے تراجم مع تفاسیر وحواشی

اشرف البیان مع تفسیر اظہار العرفان فارسی ترجمہ سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کا ہے اس فارسی ترجمہ کو اردو قالب میں محمد ممتاز اشرفی نے منتقل کیا ہے، یہ تفسیر جامعیت کے لحاظ سے قابل تعریف ہے کیوں کہ یہ تفسیر مستند کتب تفاسیر، کتب احادیث، اور دیگر قابل اعتبار کتابوں کا بہترین خلاصہ ہے اس بنا پر یہ اہل علم اور عوام دونوں کے لئے مفید ہے۔ مخدوم

اشرف اکیڈمی کراچی سے ۲۰۰۸ء میں اس کی طباعت ہو چکی ہے۔

بصیرۃ الایمان انتخاب قدیری (یہ قرآن حکیم کا توضیحی ترجمہ ہے جس کی اشاعت ہو چکی ہے)

ترجمہٴ فیض الکریم مع تفسیر یہ ترجمہ جنوبی ہند کے چار مدراسی علماء نے ایک سوسال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ ابتدا سے سورہ نسا تک پہلا حصہ قاضی صبغۃ اللہ مدراسی نے دوسرا حصہ مفتی محمد سعید نے اور باقی دونوں حصے مفتی محمود اور مولوی ناصرالدین نے لکھے۔ حصہ اول دو بار شائع ہوا پہلی مرتبہ ۱۲۷۷ھ میں کسی نامعلوم الاسم مطبع میں چھپا، دوسرا ایڈیشن مطبع عزیزی نے چھاپا پھر وہی حصہ تیسری بار مطبع فیض الکریم حیدرآباد سے شائع ہوا، باقی حصے ابھی طبع نہیں ہوئے۔

ترجمہ مع تفسیر قادری۔ فخر الدین قادری یہ ترجمہ واعظ کاشفی کے فارسی ترجمہ کی طرح اردو زبان میں ہے۔ پہلی مرتبہ یہ ترجمہ لکھنؤ میں ۱۳۰۰ھ میں طبع ہوا پھر مختلف مطبع والوں نے اسے چھاپا۔

ترجمہ مع تفسیر اکسیر اعظم محمد احتشام الدین مرادآبادی یہ ترجمہ کئی جلدوں میں ہے پہلی جلد ۱۳۰۳ھ میں اور بارہویں جلد ۱۳۱۶ھ میں مطبع احتشامیہ مرادآباد سے طبع ہوئی۔

ترجمہ مع تفسیر حقانی عبدالحق حقانی دہلوی یہ ترجمہ آٹھ جلدوں میں ہے اس کی سات جلدیں ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۱۳ھ تک مطبع مجتبائی دہلی میں اور آٹھویں جلد جو صرف پارۂ عم پر مشتمل ہے ۱۳۱۸ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوئی۔ اس کا اصل نام تفسیر فتح المنان ہے۔

ترجمہ مع خلاصۃ التفاسیر فتح محمد تائب لکھنوی (م ۱۳۴۲ھ) یہ ترجمہ چار جلدوں میں ہے مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۱۱ھ کے درمیان طبع ہوا ہے

ترجمہ درس قرآن درس قرآن بورڈ لاہور (یہ ترجمہ روز کے اسباق کا مجموعہ ہے اول لفظی ترجمہ کیا گیا ہے، پھر لفظی ترجمہ کے نیچے آسان عبارت اور عام فہم الفاظ میں قرآن کریم کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، ہر صفحہ کا عنوان مستقل ہے۔ درس قرآن بورڈ سے اس کی متعدد جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ترجمۃ القرآن مع تفسیر مواھب الرحمٰن سید امیر علی مترجم فتاویٰ عالمگیری یہ ترجمہ دس ضخیم جلدوں ہے ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۱۹ھ کے دوران مطبع نول کشور لکھنؤ طبع سے ہوا ہے۔

ترجمۂ قرآن مع حواشی نذیر احمد دہلوی یہ ترجمہ مع حواشی کے پہلی بار ۱۳۱۷ھ اور دوسری بار ۱۳۱۹ھ میں مطبع انصاری دہلی سے طبع ہوا۔

ترجمہ مع تفسیر وحیدی وحید الزماں حیدر آبادی یہ ترجمہ قرآن حواشی کے ساتھ ہے جسے تفسیر وحیدی سے موسوم کیا گیا ہے ۱۳۲۳ھ مین مطبع القرآن والسنہ امرتسر سے طبع ہوا ہے۔

ترجمۂ قرآن مع تفسیر انشاء اللہ ،مولوی انشاء اللہ اخبار وطن کے ایڈیٹر تھے انھوں نے آسان انداز میں قرآن کا ترجمہ اور تشریح کی ہے ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوا ہے۔

قرآن مجید کا اردو ترجمہ وتفسیر عبد الصمد بن عبد الوہاب خان یہ ترجمہ قرآن چار جلدوں میں ہے ۱۶۳۲ صفحات پر مشتمل ہے ۱۸۷۰ء میں طبع ہوئی اس کا ایک نسخہ آصفیہ حیدر آباد میں ہے۔

ترجمۂ قرآن مع احسن التفاسیر محمد احسن تعلقدار (یہ ترجمہ سات جلدوں میں قدیم اردو زبان میں ہے ۱۳۲۷ھ میں مطبع افضل المطابع دہلی سے طبع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن مع تفسیر ثنائی ثناء اللہ امرتسری (یہ ترجمہ سات جلدوں میں ہے ۱۳۲۵ھ میں مطبع اہل حدیث امرتسر سے طبع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن مع حواشی فیروز الدین لاہوری (اس ترجمہ کا نام تسہیل القرآن خلاصہ موضح القرآن ہے ۱۳۶۲ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔)

ترجمۂ قرآن مع تفسیر (تفسیر ماجدی) مولانا عبد الماجد دریا بادی (یہ ترجم بقول مترجم ۷۵ فی صد مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ سے ماخوذ ہے، ترجمہ میں جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے افکار کو پیش نظر رکھا گیا ہے، تفسیر حاشیہ پر اور اردو ترجمہ بین السطور ہے پہلی بار یہ ترجمہ ۱۳۶۳ء میں طبع ہوا ہے۔)

ترجمۂ قرآن مع تفسیر تبیان القرآن غلام وارث (یہ ترجمہ بقول مصنف موجودہ زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، علوم جدیدہ سے واقف لوگ اگر ذہنی خلجان میں مبتلا ہوں تو ان کے شکوک وشبہات کو مختصر اور سادہ الفاظ میں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس تفسیر میں بعض الفاظ کے دو معنیٰ لکھ دئے گئے ہیں ایک اوپر اور دوسرا اس کے نیچے۔)

تفسیر قرآن کریم سلامت اللہ رام پوری

تفسیری حواشی قرآن مجید مرزا محمد امراؤحیرت دہلوی (م ۱۹۲۸ء) یہ تفسیر پہلی مرتبہ ۱۹۰۱ء میں مطبع کرزن پریس دہلی سے شائع ہو چکی ہے ۔(اردو تفاسیر ص ۱۸۰)

تفسیر القرآن حکیم شریف احمد خاں (م ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء) یہ قرآن حکیم کا پہلا تشریحی ترجمہ ہے

جواهر الصمديه عبد الصمد دہلی اس ترجمہ میں جملہ سورتوں کو مضامین کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے ساتھ ہی مختصر تفسیر بھی ہے ۔

غرائب القرآن ڈپٹی نذیر احمد(یہ ترجمہ دہلی کی ٹکسالی با محاورہ زبان کا بہترین نمونہ ہے لیکن اس پر ہمیشہ یہ اعتراض کیا گیا کہ اس میں بعض مقامات پر وہ سوقیانہ محاورات استعمال کئے گئے ہیں جو قرآن مجید کے تقدس کے منافی ہیں)

کشف الرحمان احمد سعید دہلوی (م ۱۹۶۰ء)قرآن مجید کا بین السطور ترجمہ ''کشف الرحمان''،مختصر تفسیر''تیسیر القرآن'' اور اسی کے ساتھ مفصل تفسیر'' تسہیل القرآن'' مولانا احمد سعید دہلوی کی اٹھارہ سالہ محنت اور غور وفکر کا نتیجہ ہے ، یہ تفسیر کوچہ چیلان دہلی سے ۱۹۶۲ء میں طبع ہو چکی ہے ۔(اردو تفاسیر ص ۱۸۵)

موضحة القرآن مولانا وحید الزماں (ترجمہ کے ساتھ تفسیر بھی شائع ہوئی ہے ترجمہ بامحاورہ ہے لفظی نہیں)

موضح القرآن شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۲۳۰ھ)طبع ثانی کلکتہ ۱۸۳۷ء نہایت مستند ترجمہ ہے ۔ترجمہ وحواشی دونوں ساتھ مین طبع ہوئے ہیں۔

موضح القرآن مولانا محمود حسن دیو بندی (م ۱۳۳۹ھ) (یہ ترجمۂ قرآن ۱۳۴۲ھ میں مدینہ پریس بجنور سے طبع ہوا۔مترجم کی وفات کے بعد حوشی از ابتدا تا سورۂ نسا مصنف کے قلم سے اور سورۂ نساء سے آخر تک مولوی شبیر احمد عثمانی کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ ترجمہ قرآن کوئی جدید ترجمہ نہیں ہے بلکہ یہ ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر کا ترجمہ ہے جس میں مولانا محمود الحسن نے زبان ومحاورات کا لحاظ رکھتے ہوئے مناسب پیوند کاری کی ہے ۔

حاشيه انوار القرآن غلام نقشبند لکھنوی م(۱۱۲۶ھ) ان کی ایک اور تفسیر بھی ہے جس کا ذکر سطور بالا میں گذر چکا ہے۔

قرآن حکیم کے منظوم تراجم وتفاسیر

تفسیر سنا خواجہ سناء اللہ خراباتی (م ۱۸۸۰ء) چار ہزار اشعار پر مشتمل مختلف آیات قرآنیہ کی منظوم تفسیر ہے)

ترجمۂ قرآن آغا شاعر قزلباش (یہ ترجمہ منظوم پہلے اور دوسرے پارے کا ترجمہ "افصح الکلام" کے نام سے حیدرآباد اور لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔)

ترجمۂ قرآن مرزا ابراہیم بیگ چغتائی (یہ ترجمہ مکمل منظوم ہے آگرہ میں ۱۹۳۴ء کے قریب لکھا گیا ہے)

ترجمہ قرآن اثر زبیری لکھنوی (یہ ترجمہ بھی منظوم ہے "سحر البیان" کے نام سے پارۂ عم کا ترجمہ ۱۳۷۵ھ میں طبع ہو چکا ہے۔) یہ تفسیر جامعہ ہمدرد میں موجود ہے۔

تفسیر قرآن اردو قاضی عبد السلام بن عبد الحق بدایونی عباسی (یہ منظوم تفسیر ۱۲۴۴ھ کی تصنیف ہے کل اشعار کی تعداد دو لاکھ ہے مطبع نول کشور نے شائع کیا ہے (مردان خداص ۴۵۸)

تفسیر القرآن (منظوم) شائق احمد بھاگلپوری پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۱۷ء (اس کا نسخہ جامعہ ہمدرد میں ہے)

تفسیر القرآن (منظوم) شیخ غلام مرتضیٰ بن تیمور الہ آبادی

زاد الآخرت قاضی عبد السلام عباسی (م ۱۲۸۹ھ) قرآن حکیم کی منظوم تفسیر ہے۔

تفسیر سورۂ بقرہ شیخ نور الدین احمد آبادی گجراتی (م ۱۶۹۷ء) یہ منظوم تفسیر ہے تیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۳۸)

تفسیر سورۃ البروج (منظوم) عبد الحق

تفسیر پارۂ عم (منظوم) نور محمد جھجھر (فہرست نسخہ ہائے خطی رضا لائبریری رام پور ص ۳۵)

تفسیر دل پذیر سورہ فاتحہ (منظوم، پنجابی) محمد دلپذیر لاہور (اس کا نسخہ جامعہ

ہمدرد میں ہے)

تفسیر سورہ یوسف(منظوم)شاہ غلام مرتضٰی جنون الہ آبادی (فہرست نسخہ ہائے خطی رضا لائبریری رام پورص ۳۷)

تفسیر سورہ ٔ یوسف منظوم (اردو)مولوی محمد اشرف کا ندھلوی

تفسیر محمدی مبارک اللہ (یہ ترجمہ پنجابی زبان میں منظوم ہے اس کی پہلی جلد ۱۲۸۸ھ میں چھپ چکی ہے)

التفسیر النورانی للسبع المثانی شیخ نور الدین احمد آبادی (م ۱۶۹۷ء)یہ منظوم تفسیر ہے بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے (تذکرہ علمائے ہندص ۵۳۸)

قرآن سحر البیان (نامکمل) زبیر لکھنوی مالیر کوٹلہ پنجاب(یہ نسخہ جامعہ ہمدرد میں ہے)

قرآن منظوم مع فرہنگ وتفسیر (ناتمام)محمد سمیع اللہ اسد عرفان پبلیکیشن کلکتہ سے شائع ہو چکا ہے (یہ تفسیر جامعہ ہمدرد میں ہے)

نظم الجواھر ولی اللہ بن مفتی سید احمد علی حسنی (م۱۲۴۹ھ)

نظم المعانی ترجمہ کلام ربانی مطیع الرحمان خادم علی گڈھی (یہ ترجمہ شاعر نے براہ راست قرآن کریم سے نہیں کیا ہے بلکہ مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر منظوم کیا ہے اصل ترجمہ بین السطور کے بجائے حاشیہ پر لکھ دیا گیا ہے ، زاد الآخرۃ پہلا منظوم ترجمہ ہے اور دوسرا منظوم ترجمہ نظم المعانی ہے اس منظوم ترجمہ میں کچھ شاعرانہ بے اعتدالیاں بھی ہیں ،مطبع مفید عام آگرہ سے طبع ہوا ہے ۔

وحی منظوم عاشق حسین سیماب اکبر بادی ،سیماب اکیڈمی کراچی سے ۱۹۸۱ء میں اس کی طباعت ہو چکی ہے (یہ تفسیر جامعہ ہمدرد میں ہے

عیسائی علماء کے قرآنی تراجم

ترجمہ ٔ قرآن پادری عماد الدین (یہ ترجمہ امرتسر سے ۱۲ ۱۳ھ میں طبع ہو چکا ہے ۔)

ترجمہ ٔ قرآن امریکن مشن (یہ ترجمہ ۱۲۶۰ھ میں پیغام دہلی سے طبع ہو چکا ہے ۔)

ترجمہ ٔ قرآن (اردو)یتھو ڈیسٹ مشن پریس ۱۹۰۰ء یہ ترجمہ بلامتن ہے اور رومن حروف میں چھپا ہے

ترجمہ ٔ قرآن پادری احمد شاہ عیسائی (مترجم نے اپنے مذہبی نقطہ ٔ نظر کے مطابق قرآن کا ایک ہندی ترجمہ ۱۹۱۵ء میں راج پورہ ضلع دہرا دون سے شائع کیا۔ یہ ترجمہ بغیر متن کے ہے۔)

ترجمہ ٔ قرآن امام الدین مسیحی امرتسری (م ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء) یہ ترجمہ رومن رسم الخط میں شائع ہوا۔

شیعی علماء کے قرآنی تراجم وتفاسیر

احسن الحدائق مولوی صفدر علی بن حیدر علی (یہ سورہ ٔ یوسف کی تفسیر ہے ہر شیعی مسلک کا ترجمان ہے۔

انوار القرآن راحت حسین یہ تفسیر نئے تقاضوں کو پورا کرتی ہے تاہم زبان کی حد تک اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۳۶۸)

ترجمہ ٔ قرآن مولانا ذیشان حیدر جوادی (یہ ترجمہ بامحاورہ زبان وبیان کے اعتبار سے صاف، سلیس شائستہ اور عام فہم ہے اور خاص بات یہ ہے کہ عقائد مسلک کے باوجود علمائے اہل سنت کی کتابوں کے حوالے بھی اس میں درج کئے گئے ہیں۔

ترجمہ ٔ قرآن مع حواشی مولانا سید علی نقی (یہ ترجمہ بھی مسلک شیعیت کا ترجمان ہے مگر نامکمل ہے سات جلدوں پر مشتمل ہے۔تفسیر کے دوران مصنف اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کرتے ہیں نیز ایسی روایات واقوال جن سے انہیں اتفاق نہیں ہوتا اپنے دلائل کے ساتھ غلط ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں) (اردو تفاسیر ص ۷۹)

ترجمہ ٔ قرآن مع تفسیر عمدۃ البیان سید عمار علی مجتہد شیعی تین جلدوں میں قرآن کا ترجمہ ومکمل تفسیر ہے) (یہ ترجمہ شیعی نقطہ ٔ نظر کے عین مطابق ہے ۱۳۲۲ھ میں مطبع یوسفی دہلی سے طبع ہوا ہے۔

ترجمہ ٔ قرآن ملا فتح اللہ کاشانی شیعی (یہ ترجمہ ۱۳۱۲ھ میں مطبع اعجاز محمدی آگری سے طبع ہوا)۔تحقیقات اسلامی علی گڑھ ص ۱۹)

ترجمہ ٔ قرآن نواب محمد حسین قلی خاں (یہ ترجمہ مع توضیح شیعی نقطہ ٔ نظر کا ترجمان ہے ۱۳۰۲ھ میں مطبع حسینی اثناعشری لکھنؤ سے طبع ہوا ہے۔

تر جمة القرآن سید علی بن دیدار علی شیعی لکھنوی (شیعی مسلک کا تر جمان تر جمہ ہے)

تر جمة القرآن (مقبول تر جمه) مقبول احمد شیعی دہلوی (یہ تر جمہ نواب حامد علی خاں والئ رامپور کے حکم سے کیا گیا، یہ تر جمہ بھی مسلک شیعیت کا تر جمان ہے)

تر جمهٔ اصفهانی شیخ محمد اصفہان مغل شیعی (یہ تر جمہ بھی شیعی مسلک کا تر جمان ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۲۸ھ اور دوسرا ایڈیشن ۱۳۴۶ھ میں مصطفوی پریس بمبئی شائع ہو چکا ہے۔ اس کی زبان گجراتی ہے۔

تر جمهٔ قرآن مع حواشی فرمان علی (یہ تر جمہ مسلک شیعیت کا تر جمان ہے اس کا تاریخی نام'' کلام اللہ تر جمہ فرمان علی'' پہلی بار مطبع نظامی سے ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوا ہے انتہائی سلیس اور با محاورہ تر جمہ ہے۔

ترجمهٔ قرآن مع مختصر تفسیر حاجی غلام علی حاجی اسماعیل بھاونگری (یہ تر جمہ و تفسیر شیعی خیالات ونظریات کا تر جمان ہے ۱۹۰۱ء میں مطبع اثنا عشری احمد آباد سے شائع ہوا ہے۔)

تفهیم القرآن محمد صادق، اس تفسیر میں منقول پر زور دیا گیا ہے جو اس عہد کی ضرورت تھی، یہ تر جمہ مصنف کے عربی ادب اور اردو زبان دونوں پر مہارت کا ثبوت ہے (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۳۶۹)

تفسیر قرآن (فارسی) یاد علی حسینی شیعی نصیر آبادی (م ۱۲۵۲ھ) (یہ تفسیر شیعی نقطہ نظر کی مکمل تر جمان ہے)

تفسیر سورهٔ یوسف راجہ امداد علی شیعی کنتوری (یہ تفسیر بے نقط ہے)

تفسیر آیت تطهیر ناصر حسین شیعی جو نپوری (یہ تفسیر بھی شیعی نقطہ نظر کی تر جمان ہے)

تقریب الافهام فی تفسیر آیات الاحکام محمد قلی شیعی کنتوری

توضیح مجید فی تنقیح کلام الله الحمید سید علی مجتہد (۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء) (یہ قرآن حکیم عام فہم تر جمہ اور سادہ وسلیس زبان میں تفسیر ہے جو لکھنؤ سے بہ عہد امجد علی شاہ مطبع بادشاہی ۱۲۵۳ھ طبع ہو چکا ہے۔

حب شغب یا فیض غیب عبد الاحد بن امام علی الہ آبادی (یہ پارۂ عم کی تفسیر ہے جس میں تمام حروف منقوط استعمال کئے گئے ہیں ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء

میں الہ آباد سے طبع ہوئی ہے۔

خلاصۃ التفاسیر محمد علی ۹۶۸ صفحات پر مشتمل یہ تفسیر مطبع اثنا عشری دہلی ۱۹۲۹ء میں طبع ہو چکی ہے۔شیعی عقائد کی ترجمانی کرنے والی کتاب ہے ،جن آیات سے اثنا عشری اماموں کی عظمت وفضیلت ثابت ہوتی ہے ان کی مصنف نے تفصیل سے حواشی میں تشریح کردی ہے۔(اردو تفاسیر ص ۳۶)

ذریعة الأخرة سیدذاکر علی شیعی جونپوری (یہ قرآن حکیم کے بعض اجزا کی تفسیر پر مشتمل ہے)

روائع القرآن فی فضائل امناء الر حمان محمد عباس (یہ تفسیر لکھنؤ سے ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۱ء میں طبع ہوئی ہے۔)

عمدة البیان عمار علی۔ یہ تفسیر انہوں نے تین جلدوں میں لکھی اس میں منقولات پر زیادہ زور دیا گیا ہے(قرآن مجید کی تفسیرین ص ۳۶۸)

لوامع التنزیل وسواطع التاویل (فارسی)سید ابوالقاسم بن حسین شیعی کشمیری ثم لاہوری(م۱۹۰۹ء) (یہ تفسیر نامکمل چھوڑ کر مصنف وفات پا گئے اس کے بعد ان کے بیٹے نے اس تفسیر کو مکمل کرنے کی کوشس کی تھی مگر کیا ہوا کہیں اس کی صراحت نہیں ملتی۔

قرآن کریم کے قادیانی تراجم

بیان القرآن مولانا محمد علی قادیانی(یہ ترجمۂ قرآن تین جلدوں میں ہے اس کے اردو ترجمہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے انہوں نے یہ ترجمہ انگریزی زبان میں کیا تھا جو کافی مقبول ہوا)

ترجمۂ قرآن شیخ محمد یوسف قادیانی (یہ ترجمہ ''ہندی انواد'' کے نام سے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیان اسٹار پریس امرتسر سے طبع ہوا، یہ ترجمہ بھی بغیر عربی متن کے ہے۔)

ترجمۂ قرآن مع تفسیر طویل مرزا بشیر الدین بن مرزا غلام احمد قادیانی (یہ ترجمہ تفسیر قادیانی عقائد کا اجمالی ترجمان ہے، یہ ترجمہ ۱۳۷۵ھ میں ربوہ پاکستان سے شائع ہوا ہے۔) (کنز الایمان اور معروف تراجم ،ص)

ترجمہ قرآن حکیم نور الدین قادیانی جانشین اول مرزا غلام احمد قادیانی (یہ ترجمہ قا

دیانی مسلک کا ترجمان ہے ۱۳۲۸ھ میں مطبع خیر خواہ اسلام پریس آگرہ سے طبع ہو چکا ہے۔)

ترجمة القرآن محمد علی مرزائی لاہوری (یہ ترجمہ قادیانی مسلک کا ترجمان ہے)

ترجمۂ قرآن میر محمد اسحاق (یہ ترجمہ قادیانی مسلک کا ترجمان ہے، مطبع احمدیہ قادیان سے طبع ہوا ہے)

ترجمۂ قرآن شیر علی، ربوہ سے ۱۹۵۵ء میں اس کی طباعت ہو چکی ہے۔

ترجمہ قرآن مالک غلام فرید، پہلی ربوہ سے ۱۹۶۹ء میں اس کی طباعت ہو چکی ہے۔(ترجمات معانی القرآن الانجلیزیة ص ۱۰۳)

قرآن کریم کے انگریزی وفرانسیسی تراجم

ترجمة القرآن ڈاکٹر عبدالحلیم خاں پٹیالوی (یہ ترجمہ ۱۹۰۵ء میں پٹیالہ سے شائع ہوا)

ترجمۂ قرآن امام الدین مسیحی امرتسری (م ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء) یہ ترجمہ رومن رسم الخط میں شائع ہوا۔

ترجمۂ قرآن سید جمال الدین اسلم یہ کنز الایمان کا ترجمہ ہے ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

ترجمۂ قرآن عبدالماجد دریاآبادی (یہ ترجمہ ۱۹۴۱ء میں لاہور سے طبع ہوا)

ترجمۂ قرآن مرزا ابوالفضل (پہلی بار یہ ترجمہ ۱۹۱۱ء میں الہ آباد سے طبع ہوا)

ترجمۂ قرآن مرزا حیرت دہلوی (یہ ترجمہ انہوں نے مستشرقین کی مدد سے ۱۹۱۶ء میں تیار کیا)

ترجمۂ قرآن عبداللہ یوسف علی (پہلی بار یہ ترجمہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا)

ترجمۂ قرآن س،م، الف، جعفری (یہ شملہ سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہو چکا ہے)

ترجمہ قرآن علی احمد خاں جالندھری (یہ ترجمہ لاہور سے پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء میں طبع ہو چکا ہے)

ترجمۂ قرآن س، ف، میر احمد علی ۱۹۶۴ء میں اس کی تکمیل ہوئی، اب تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ترجمۂ قرآن طارق عبد الرحمان وضیاء الدین گیلانی ۱۹۶۶ء میں اس کی تکمیل ہوئی اس کی طباعت ہوچکی ہے۔

ترجمۂ قرآن م، ح، شاکر ۱۹۶۸ء میں اس کی تکمیل ہوئی شیعی افکار کی جابجا نمائندگی ملتی ہے چار مرتبہ اس کی طباعت ہو چکی ہے۔

ترجمۂ قرآن محمد اکبر یہ ترجمہ مع تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے پہلی مرتبہ لاہور سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ترجمۂ قرآن پیر صلاح الدین، یہ ترجمہ کراچی سے ۱۹۷۱ء میں طبع ہو چکا ہے۔

ترجمۂ قرآن اطہر حسین، کراچی سے ۱۹۷۴ء میں طبع ہو چکا ہے۔

ترجمۂ قرآن محمد حسن وسید احمد عثمانی (یہ ترجمہ ۱۹۹۱ء میں کراچی سے طبع ہو چکا ہے)

ترجمۂ قرآن بشیر احمد محی الدین کیرلا، اس ترجمہ کا آغاز مترجم نے ۱۹۷۶ء میں تقریباً بیس سال میں اس کی تکمیل ہوئی پہلی بار اس کی طباعت مطبع لاہوتی سے ۲۰۰۳ء میں ہو چکی ہے۔

ترجمۂ قرآن خادم رحمان نوری، پہلی بار اس کی اشاعت شیلانگ سے ہو چکی ہے۔

ترجمۂ قرآن فریدہ خانم دہلی (ترجمات معانی القرن الانجلیزیة ص ۱۰۱)

ترجمۂ قرآن عبد الرزاق کیرلا

ترجمۂ قرآن (فرانسیسی) ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی

تیلگو زبان میں قرآنی کریم کے تراجم وتفاسیر

ترجمۂ قرآن نرائن راؤ (۱۵ سال میں اس ترجمہ کی تکمیل ۱۹۳۰ء میں ہوئی

ترجمۂ قرآن وکٹا رمن مدراس

ترجمۂ قرآن مع تفسیر مولانا عبد الغفور کرنولی (یہ ترجمہ تفسیر کے ساتھ دو جلدوں میں مکمل ہے، پہلی بار اس تفسیر کے تین پارے ۱۹۴۱ھ میں شائع ہوئے۔ پھر نواب مقصود جنگ کے مقدمہ کے ساتھ مکمل تفسیر دو جلدوں میں ۱۹۴۹ء میں طبع ہوئی، دوسرا ایڈیشن مصنف نے خود انصاری

پرنٹرس وجے واڑہ سے ۱۹۶۳ء میں طبع کرواکر شائع کیا۔

سنسکرت میں قرآن کریم کے تراجم

ترجمۂ قرآن ستیہ دیو ورما سنسکرت میں پہلا ترجمہ قرآن اس مترجم کے قلم سے ۱۹۹۰ء میں منظر عام پر آیا (ترجمات معانی القرآن الانجلیزیۃ ص ۸۵)

ترجمۂ قرآن نامعلوم (یہ ترجمہ ۶۱۶ صفحات پر مشتمل رزاقی پریس کانپور سے طبع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن ایچ گنڈے راؤ (یہ ترجمہ چند پاروں پر مشتمل ہے مگر ابھی طبع نہیں ہوسکا ہے۔)

گورمکھی میں قرآن حکیم کے تراجم

ترجمۂ قرآن شیخ محمد یوسف قادیانی

کنڑ میں ترجمۂ قرآن کریم

ترجمۂ قرآن دار الاشاعت بنگلور (مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ قرآن کو دار الاشاعت بنگلور نے ۱۹۶۶ء میں طبع کرکے شائع کیا۔)

سندھی میں قرآن حکیم کے تراجم

ترجمۂ قرآن عزیز اللہ المقلوی (یہ ترجمۂ قرآن ۱۸۷۵ء میں بمبئی سے طبع ہوا)

ترجمۂ قرآن محمد صدیق عبدالرحمان (یہ ترجمہ بھی ۱۹۷۹ء میں بمبئی سے طبع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن مولانا الحاج احمد ملاح (یہ سندھی ترجمہ منظوم ہے ساتھ میں عربی متن بھی شامل ہے یہ قرآن مجید کا پہلا مکمل منظوم ترجمہ ہے)

پنجابی میں قرآن حکیم کے تراجم وتفاسیر

ترجمۂ قرآن ہدایت اللہ غلزئی (یہ ترجمہ ۱۸۸۷ء میں لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔)

ترجمۂ قرآن شمس الدین بخاری (۱۸۹۴ء میں یہ ترجمہ امرتسر سے طبع ہو

چکا ہے۔)

ترجمۂ قرآن فیروزالدین (یہ ترجمہ ۱۹۰۳ء میں امرتسر سے طبع ہو چکا ہے۔)

تفسیر سورۂ یوسف مولوی غلام رسول

تفسیر سورۂ والضحیٰ عبدالستار

مرہٹی زبان میں ترجمۂ قرآن کریم

ترجمۂ قرآن حکیم صوفی میر یعقوب خاں (یہ ترجمہ قرآن براہ راست اصل عربی متن سے مرہٹی میں کیا گیا ہے۔عربی متن اس میں شامل نہیں ہے، بمبئی سے طبع ہو چکا ہے۔)

تمل میں ترجمۂ قرآن کریم

ترجمۂ قرآن نامعلوم (یہ ترجمہ اسلامک پبلشنگ ہاوس بنگلور سے طبع ہو چکا ہے۔)

کشمیری میں ترجمہ قرآن کریم

ترجمہ قرآن یوسف شاہ میر واعظ کشمیری (۱۳۸۶ھ)

ترجمہ وتفسیر محمد نورالدین قادری (سال ترجمہ ۱۹۲۸ء) (اکادمی مخطوطات کلچرل اکادمی کشمیر ص ۷۸)

قرآن حکیم کے گجراتی تراجم و تفاسیر

ترجمۂ قرآن عبد القادر بن لقمان (یہ سب سے پہلا گجراتی ترجمہ ہے جو ۱۸۷۹ء میں بمبئی سے شائع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن حافظ عبدالرشید (یہ ترجمہ دہلی میں ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن مع مختصر حوشی احمد بھائی سلیمان جمعانی (اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن بغیر متن کے بمبئی سے شائع ہوا دوسرا ایڈیشن حبیب میموریل کراچی نے متن کے ساتھ شائع کیا۔)

ترجمۂ قرآن صوفی پیر محمد یعقوب چشتی صابری (یہ ترجمہ بغیر متن کے ۱۹۲۵ء میں خلافت پریس بمبئی سے شائع ہوا ہے

ترجمۂ قرآن عزیز اللہ خطیب گودہری (یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر

کے ترجمہ کے عین مطابق ہے ۔عربی متن گجراتی رسم الخط میں ہے اردو ترجمہ گجراتی حروف میں لکھا گیا ہے فیض پبلشر نے شائع کیا ہے ۔)

ترجمہ ٔ قرآن مع مختصر حواشی مولانا شمس الدین بڑودی (یہ ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ سے اور تفسیر مولوی شبیر احمد عثمانی کی تفسیر سے مستفاد ہے ۔اس کے مترجم مولوی شمس الدین ہیں لیکن اس کی اشاعت عبد الرحیم صادق کے نام سے ہوئی ہے۔)

ترجمہ ٔ قرآن نامعلوم (یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ نصف صدی قبل شمالی گجرات سے لیتھو پریس سے چھپا)۔

ملیالم میں قرآن کریم کے تراجم

ترجمہ ٔ قرآن ایس ایم کرشنا راؤ، کوچین

تر جمہ ٔ قرآن مع تفسیر نامعلوم (یہ تفہیم القرآن کا ترجمہ ہے اسلامک پبلشنگ ہاؤس کالی کٹ نے شائع کیا ہے ۔

ترجمہ ٔ قرآن مع تفسیر مولانا سی ، این احمد باقوی (یہ ترجمہ ٔ قرآن انصاری بک ڈپو کالی کٹ نے شائع کیا ہے۔)

ترجمہ ٔ قرآن متنیصیرل ایم کایا کتیّ یہ ترجمہ کیامو کالم سے ۱۹۷۰ء میں طبع ہو چکا ہے ۔

بنگلہ زبان میں قرآن کریم کے تراجم

ترجمہ ٔ قرآن مجلس علماء (یہ ترجمہ گریش چندرسین نے نظر ثانی کے بعد ۱۸۸۲ء میں کلکتہ سے شائع کیا ۔)

تر جمہ ٔ قرآن گولڈ سیک (یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۰۸ ء میں اور دوسری بار ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا ۔)

ترجمہ ٔ قرآن نعیم الدین و غلام سرور (یہ ترجمہ ۱۸۹۹ ء میں طبع ہوا ۔)

تر جمہ ٔ قرآن نامعلوم (حضرت شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کو بنگالی زبان میں منتقل کر کے شائع کردیا گیا ہے ۔)

تر جمہ ٔ قرآن غلام اکبرعلی ،۱۸۶۸ء میں مترجم نے اس ترجمہ کا آغاز کیا یہ ترجمہ

تین اجزا پر مشتمل ہے۔

ہندی زبان میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر

تر جمه قرآن مرزا کاظم علی جوان ، مولوی امانت اللہ شیدا ، میر بہادر علی حسینی (درج بالا لوگوں نے یہ تر جمہ قرآن مکمل کیا جو ۵۰۰ صفحات پر مشتمل تھا لیکن اس تر جمہ قرآن کو قبول عام نہ ہو سکا)

تر جمهٔ قرآن (من موہن کی باتیں) مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی (اس تر جمہ کے تعلق سے اہل علم کا خیال ہے کہ اس سے پہلے ہندی زبان میں اتنا اچھا تر جمہ قرآن منظر عام پر نہیں آیا غالباً یہ وہی تر جمہ قرآن ہے جو آپ کبھی کبھی درس قرآن بھی دیتے تھے ان درسوں کا تر جمہ مولوی تجمل حسین بہاری نے ناگری رسم الخط میں لکھ دیا اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے ۱۳۴۱ھ میں اسے طبع کرایا۔)

تر جمه قرآن بلا متن قرآن نواب حاجی محمد قلی خاں کانپوری (یہ تر جمہ بلا متن کے مترجم نے ۱۳۰۴ھ میں لکھنؤ سے شائع کرایا۔

تر جمهٔ قرآن مولانا محفوظ الرحمان نگرامی (مترجم نے چند پاروں کا تحقیقی تر جمہ کیا جب آنکھوں سے معذور ہو گئے تو کسی پنڈت کو بلوا کر املا کرانے لگے ۱۹۴۳ء میں مترجم کی وفات ہوگئی اور تر جمہ نا تمام رہا۔)

تر جمهٔ قرآن قاضی عابد علی بلہوری (یہ نصف قرآن کا ترجمہ ہے قسط وار کانپور کے کسی ماہنامہ میں شائع ہو چکا ہے۔)

تر جمهٔ قرآن مع تفسیر خواجہ حسن نظامی (خواجہ حسن نظامی نے پہلے تو صرف سورہ بقرہ کا ترجمہ کیا اس کے بعد ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک سات سال کے اندر قرآن کا ترجمہ اور تفسیر دونوں مکمل کیا متن قرآن کے سامنے ڈپٹی نذیر احمد کے اردو تر جمہ کو دیو ناگری رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔حاشیہ پر خود خواجہ صاحب نے اپنا ترجمہ اور تفسیر نومسلم پنڈت اور غیر مسلم علما کی مدد سے ہندی میں منتقل کر دیا ہے۔نو سو صفحات پر مشتمل یہ تر جمہ ہندوستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس دہلی سے طبع ہوا ہے۔

تر جمهٔ قرآن مولانا صدر الدین (یہ تر جمہ صرف ایک پارہ کا ہے جس کا نام

''پوتر قرآن'' ہے ۱۹۵۵ء میں یہ ترجمہ جماعت اسلامی ہند کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ ترجمہ کے ساتھ کچھ مختصر حواشی بھی ہندی میں لکھے گئے ہیں۔)

ترجمۂ قرآن ابومحمد امام الدین رام نگری (یہ ترجمہ صرف اول اور آخری پارے کا ہے ۱۹۵۸ء میں پہلی بار متن کے ساتھ قرآن ساہتیہ سدن رام نگر سے شائع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن ونود بھاوے جانشین مسٹر گاندھی (ونود بھاوے نے چارسوعنوانات کا قرآن سے انتخاب کیا اور ہرعنوان کے تحت پوری آیت یا آیت کے کسی ٹکڑے کا پہلے تو مراٹھی زبان میں ترجمہ لکھا ہے پھر مراٹھی زبان سے ہندی، انگریزی، اردو اور عربی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ انگریزی ترجمہ کا نام'' اے سنس آف قرآن'' اور عربی اور اردو ترجمہ کا نام'' روح القرآن'' ہے۔ یہ تمام ترجمے اکھل سرسیوا سنگھ پرکاش راج گھاٹ کاشی میں چھاپے گئے۔)

ترجمۂ قرآن ستیہ دیو جی، یہ ترجمہ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے کچھ اجزا پر مشتمل ہے۔ وارانسی سے ۱۹۱۴ء میں طبع ہو چکا ہے۔(ترجمات معانی القرآن الانجلیزیة ص ۷۷)

ترجمۂ قرآن مع مختصر حوشی مولانا احمد بشیر اور غلام محمد قریشی (یہ ترجمہ دو مترجمین کی مدد سے وجود میں آیا۔ مترجم کے پیش لفظ کے بعد ایک مقدمہ بعنوان'' قرآن شریف پر ایک نظر'' نند کمار اوستھی نے لکھا ہے۔ یہ ترجمہ پربھاکر ساہتیہ لوگ رانی کٹرہ لکھنؤ کے زیر اہتمام ۱۹۴۷ء کے قریب بھارگو پریس امین آباد لکھنؤ سے طبع ہوا۔)

ترجمۂ قرآن عبد الحئ (یہ ترجمہ محمد فاروق خان سلطانپوری اور مسٹر عبد الحئ کی کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے اس ترجمہ کے کچھ حصے ۱۹۶۶ء میں طبع ہو چکے ہیں۔)

آیات احکام کی تفسیر

تفسیر احمدی شیخ احمد بن ابوسعید صالحی امیٹھوی (مسلک احناف کے مطابق یہ پانچ سو آیات احکام کی تفسیر ہے

تفسیر آیات الاحکام (اردو) شیخ عبد العلی نگرامی (م۱۲۹۶ھ)(الاعلام ج۷ ص ۳۰۹)

تفسیر آیات الاحکام سید علی بن دیدار علی مجتہد شیعی لکھنوی (شیعی مسلک کی

ترجمان)۔

تفسیر آیات الاحکام شیخ ناصر بن یحییٰ عباسی الہ آبادی (م ۱۱۶۳ھ) (الاعلام ج۶ ص ۳۶۸)

تفسیر آیات الاحکام سید انور علی

تقریب الافہام فی تفسیر آیات الاحکام محمد قلی کنتوری (م ۱۲۶۰ھ) (الاعلام ج۷ س ۵۰۴)

نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ)

تفاسیر قرآن کریم کی ہندوستانی شروح وحواشی وتعلیقات وتراجم

برہان الھدیٰ فی تفسیر الرحمٰن علی العرش استویٰ نصیر الدین بر ہانپوری (م ۱۲۹۳ھ) (الاعلام ج۷ ص ۵۵۰)

تفسیر سورۂ اعراف شیخ غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنوی (یہ تفسیر بیضاوی کے دو قدیم حاشیوں پر تشریحی نوٹ کا مجموعہ ہے۔

تحریم الحرام فی تفسیر مااحل لغیر اللہ محمد ظاہر بریلوی (م ۱۲۷۸ھ) (الاعلام ج۷ س ۴۸۷)

ترجمہ تفسیر ابن کثیر محمد میمن جوناگڑھی، مطبع نور محمد اصح المطابع کراچی

تر جمہ تفسیر مظہری سید عبد الدائم جلالی، مطبع ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۹۸۰ء

تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) اس میں بیضاوی کی تفسیر پر جرح اور تنقید ہے (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۸)

تعلیقات تفسیر بیضاوی شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ھ) (الاعلام ج۶ ص ۳۳۶)

تعلیقات تفسیر بیضاوی عبد الحکیم لکھنوی (م ۱۲۸۶ھ) (الاعلام ج۷ ص ۲۷۳)

تعلیقات تفسیر بیضاوی مصلح الدین لاری (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

التقریر الحاوی فی حل تفسیر البیضاوی سید فخر الدین (یہ تقریر تین اجزا میں مکتبہ فخریہ دیوبند سے شائع ہوچکی ہے کل صفحات ۵۶۰ ہیں)

تنویر المقیاس علی تفسیر ابن عباس (اردو ترجمہ)عبد الرحمٰن کاندھلوی (م ۱۳۹۴ھ)

ترجمہ تفسیر مدارک انظر شاہ کشمیری (موصوف ایک عرصہ تک دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث رہے ہیں ۔

جمالین حاشیہ تفسیر جلالین میر کلاں محدث اکبر آبادی (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۰۵)

حاشیہ تفسیر احمدی محمد مصطفٰے رضا خاں قادری بریلی (م ۱۹۸۱ء)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ عیسیٰ بن عثمان سندھی برہان پوری

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ صبغۃ اللہ بن روح اللہ حسینی گجراتی (۱۰۱۵ء

حاشیہ تفسیر بیضاوی عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ)(تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۱)

حاشیہ تفسیر بیضاوی عبد السلام اعظمی دیوی(۱۰۳۹ء)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ یعقوب ابو یوسف سیانی لاہوری

حاشیہ تفسیر بیضاوی مفتی شرف الدین اعظمی لکھنوی

حاشیہ تفسیر بیضاوی عبد الحکیم بن عبد الرب انصاری

حاشیہ تفسیر بیضاوی شاہ احمد رضا خاں قادری(م ۱۹۲۱ء)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ حسن بن محمد گجراتی

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ نور الدین احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ)

حاشیہ تفسیر بیضاوی پیر محمد ہاشم بن محمد قاسم استاذ اورنگ زیب

حاشیہ تفسیر بیضاوی مولانا یعقوب بنیای عباسی (۱۰۹۸ھ)

حاشیہ تفسیر بیضاوی قاضی نور اللہ شوستری اثنا عشری (م ۱۰۱۹ھ) جہانگیر

کے حکم سے یہ حاشیہ لکھا گیا اس کا قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور میں ہے۔

حاشیہ الکشاف سید محمد بن یوسف حسینی دہلوی (یہ حاشیہ پانچ پاروں پر مشتمل ہے)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۱۹۱۱ء) مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ میں اس کا نسخہ ہے۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی سید جار اللہ الہ آبادی (م ۱۱۱۰ھ) (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

حاشیہ تفسیر بیضاوی امان اللہ بنارسی (م ۱۱۳۲ھ) (الاعلام ج ۶ ص ۴۴)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شرف الدین منیری بہار (م ۱۱۳۳ء) (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ نور الدین صالح (م ۱۱۵۵ھ)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ محمد طاہر بن خوب اللہ

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ شمس الدین شطاری بیجاپوری (م ۹۸۶ء)

حاشیہ تفسیر بیضاوی ملا عبد السلام لاہوری (م ۱۰۳۷ھ) اسے تفسیر زیراوین بھی کہا جاتا ہے۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی ملا عبد السلام دیوی (م ۱۰۳۹ھ)

حاشیہ تفسیر بیضاوی محمد یوسف حنفی فرنگی محلی (م ۱۲۸۶ھ)

حاشیہ تفسیر بیضاوی عبد الرحمٰن امروہوی (م ۱۳۶۷ھ) مصنف مولوی قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ جمال الدین بن رکن الدین چشتی عرف جمن گجرات (م ۱۱۲۴ھ) (الاعلام ج ۶ ص ۴۶)

حاشیہ تفسیر بیضاوی محمد احمد اکبر آبادی (م ۱۵۷۴ء) (تذکرہ علمائے ص ۴۷۳)

حاشیہ تفسیر بیضاوی شیخ نور الدین احمد آبادی گجراتی (م ۱۶۹۷ء) شروع

حصے کی تفسیر ہے (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۳۸)

حاشیہ تفسیر جامع البیان شیخ محمد بن عبد اللہ غزنوی (م ۱۲۹۶ھ)(الاعلام ج۷ ص ۴۵۸)

حاشیہ تفسیر مہائمی وجیہ الدین گجراتی (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

حاشیہ تفسیر مدارک شیخ جمال الدین ولد رکن الدین گجراتی (م ۱۱۲۴ھ)

حاشیہ عنایت القاضی شاہ احمد رضا خاں قادری

حاشیہ معالم التنزیل شاہ احمد رضا خاں قادری

حاشیہ مدار اک التنزیل الہ داد جونپوری (م ۱۰۷۰ھ)

حاشیہ الدر المنثور شاہ احمد رضا خاں قادری

حاشیہ تفسیر خازن شاہ احمد رضا خاں قادری

حواشی کشاف محمد یوسف حسنی بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ

حاشیہ تفسیر حسینی شیخ جمال الدین بن رکن الدین گجراتی (م ۱۱۲۴ء)

حاشیہ تفسیر محمدی شیخ جمال الدین بن رکن الدین گجراتی(م ۱۱۲۴ء)

خلاصہ تفسیر مدارک طاہر بن یوسف سندھی (م ۱۰۰۴) (قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

خلاصہ تفسیر عزیزی بہادر علی دہلوی (فہرست رضا لائبریری رام پور ص ۳۸)

زلالین شرح جلالین مولوی ریاست علی شاہجہانپوری (م ۱۳۴۹ھ)(الاعلام ج۸ ص ۱۶۹)

زھراوین (تفسیر سورہ بقرہ وآل عمران) شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ) (الاعلام ج۶ ص ۴۲۰)

شرح تفسیر بیضاوی شیخ عبد اللہ دہلوی (م ۱۰۷۴ھ)

شرح تفسیر بیضاوی سید طیب بن عبد الواحد بلگرامی (۱۰۶۶ء)(قرآن مجید کی تفسیریں ص ۴۲۹)

شرح تفسیر بیضاوی معین الدین امروہوی (م ۱۹۸۸ء) مفتی اعظم اور

ان کے خلفاء س ۵۶۰)

الکمالین شرح جلالین شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام دہلوی

کنز الدارین شرح جلالین (سورۃ البقرہ) شاہد علی مصباحی سدھارتھ نگر۔ مصنف نے اس شرح کا آغاز اس وقت کیا جب وہ جامعہ فیضان اشفاق ناگور راجستھان میں مدرس تھے اور اس کے ایک حصہ کی تکمیل بھی وہیں فرمائی۔ مگر اس کی اشاعت دار الفکر بہرائچ سے ۲۰۱۰ء میں ہوئی جہاں وہ اس وقت مدرس ہیں۔

معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل (تفسیر عزیزی) عبد اللہ خاں عزیزی بلرام پور (تفسیر مدارک کا جوحصہ درس نظامی میں شامل ہے مصنف نے طلبہ کی سہولت کے پیش نظر انہیں سورتوں کی شرح کی ہے۔ مصنف نے برسوں اسی کا درس دیا ہے اس لئے ان کی یہ شرح کئی خوبیوں کی حامل ہے۔ یہ شرح نہ یہ کہ صرف حشو زوائد سے پاک ہے بلکہ علم کا مخزن بھی ہے۔ المجمع العزیزی روناہی فیض آباد سے ۲۰۰۴ء میں طبع ہوئی ہے۔ مصنف اس وقت دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی میں مدرس اول ہیں۔

مواھب الجلیل لتجلیة مدارک التنزیل (تاریخی نام) محمد احمد مصباحی (سورۂ کہف سے سورۂ فرقان تک کی عربی زبان میں تفسیر ہے، درس نظامی کے طلبہ کی سہولت کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔ ۲۰۱۰ء میں اشاعت ہو چکی ہے۔

نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام سید صدیق حسن بن اولاد حسن قنوجی (فقہاء محدثین کے نقطۂ نظر سے آیات قرآنی کی تشریح وتوضیح۔)

ھلالین مولوی تراب علی لکھنوی (جلالین کے آخری پاروں کی شرح ہے)

مصادر و مآخذ:

اردو تفاسیر (کتابیات) جمیل نقوی مقتدری قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۲ء

اردو تفاسیر (بیسویں صدی میں) شاہد علی کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۱ء

الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام عبد الحئی رائے بریلوی رائے بریلی ۱۹۲۲ء

اکادمی مخطوطات (توضیحی فہرست) محمد ابراہیم، کلچرل اکیڈمی کشمیر ۱۹۸۶ء

تاریخ دعوت وعزیمت ابوالحسن علی ندوی لکھنؤ ۱۹۸۴ء
تاریخ مشائخ قادریہ رضویہ عبدالمجتبیٰ رضوی بنارس ۱۹۸۹ء
تبیان الراسخ (تاریخ التفسیر) قاضی عبدالصمد صارم دہلی ۱۳۵۵ھ
تحقیقات اسلامی (سہ ماہی مجلّہ) ادارہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ جولائی ستمبر ۲۰۱۰ء
تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت لاہور اقبال احمد فاروقی لاہور ۱۹۸۷ء
تذکرہ مشائخ قادریہ جلد دوم غلام یحییٰ انجم دہلی ۲۰۰۱ء
تذکرہ اکابر اہل سنت (پاکستان) عبدالحکیم شرف قادری لاہور
تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ) رحمٰن علی ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء
تذکرۂ مفسرین ہند محمد عارف اعظمی عمری دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۵ء
ترجمات معانی القرآن الانجلیزیۃ اورنگ زیب اعظمی ،مکتبہ التوبہ، ریاض ۲۰۰۹ء
التفسیر والمفسرون محمد حسین الذہبی القاھرہ ۲۰۰۳ء
حیات مظہری مسعود احمد کراچی ۱۹۷۴ء
الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ: شیخ احمد رضا خاں قادری رضا برقی پریس سوداگراں ۱۳۲۶ھ بریلی
زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین شیخ عبدالحق دہلوی ترجمہ مسعود انور علوی ،کاکوری ۲۰۰۹ء
سوانح اعلیٰ حضرت بدرالدین احمد رضوی رضا اکیڈمی بمبئی ۲۰۰۲ء
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (حیات وخدمات) علیم اشرف خاں دہلی ۲۰۰۱ء
صحائف اشرفی سید محمد علی حسین اشرفی ممبئی ۱۹۹۶ء
فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نو مرکز تحقیقات فارسی رائزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران دہلی نو ۱۹۹۹ء
فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانۂ جامعہ ہمدرد نئی دہلی مرکز تحقیقات فارسی رائزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی ۱۹۹۹ء
فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی کتاب خانہ رضا رام پور جلد اول ۱۹۹۴ء
قرآن کریم کے اردو تراجم ڈاکٹر احمد ضیاء مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۸۷ء

قرآن مجید کی تفسیریں (چودہ سو برس میں) روداد سیمینار خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ۱۹۹۵ء
کتابیات فراہی ظفر الاسلام ادارہ علوم القرآن سرسید نگر علی گڑھ ۱۹۹۱ء
کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن مجید اللہ قادری کراچی ۱۹۹۹ء
مردان خدا ضیاء علی خاں بدایونی بدایوں ۱۹۹۰ء
مولانا نقی علی خاں حیات اور دمات ڈاکٹر محمد حسن کراچی ۲۰۰۵ء
مولانا سلامت اللہ رام پوری سید شاہد علی رام پوری، رام پور ۱۹۹۲ء
مولانا حشمت علی لکھنوی غلام یحییٰ انجم دہلی ۱۹۹۲ء
مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفاء شہاب الدین بریلی ۱۹۹۰ء
ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں محمد سالم قدوائی مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۱۹۷۳ء

ꕥ♦ꕥ

برصغیر ہندو پاک میں امامیہ علماء کی تفسیریں

سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

اگر ترجمہ کو تفسیر کہیں تو کوئی حرج نہیں ہوگا، کیونکہ ترجمہ ہو یا حاشیہ کی تصنیف یا آیتوں کی علیحدہ شرح یا شرح مکمل، حقیقت میں ان سب کو تفسیر کی مختلف روش شمار کیا جاسکتا ہے۔ اگر ترجمہ، لفظ بہ لفظ ہوتو اس سے عبارتوں کے معانی اور اصل الفاظ کو واضح کیا جاسکتا ہے اور اگر ترجمہ سادہ الفاظ اور مفہوم پر مبنی ہوتو وہ معمولی الفاظ پر مبنی تفسیر کا حصہ کہلاتا ہے۔

کسی بھی زبان میں کوئی بھی کام، ترجمہ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر تحقیق ومطالعہ کے بعد کسی خاص عنوان پر شرح وتفسیر کا کام شروع ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے مختصر تعارف کے ذریعہ سبھی طرح کی تفسیروں پر اشارہ اور روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کام کا مقصد ہے کہ قرآن کی بابت، شعبوں کا والہانہ لگاؤ اور اہل دانش وبصیرت حضرات کی زحمتوں کو سند، اور ذرائع وآخذ کی صورت میں محفوظ رکھا جاسکے۔

برصغیر ہندوستان میں، جن لوگوں نے اس سلسلہ میں کام کیا ہے ان کا مقصد صرف خدا کی خوشنودی اور دین کی خدمت رہا ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے ناموں اور تفصیلات کے ذکر سے گریز کیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ اجر خداوندی سے محروم ہوجائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ترجموں اور تفسیروں کی ایک کثیر تعداد وطباعت واشاعت سے رہ گئی اور اگر کچھ شائع بھی ہوئیں تو ان میں مترجم یا مفسر کا نام اور سال کا ذکر نظر نہیں آتا، بہر حال، یہ فہرست ارباب دانش وبصیرت حضرات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، البتہ یہ توقع کی جاتی ہے کہ تحقیق ومطالعہ کے بعد حقیر کو اپنے گرانقدر نظریات اور سودمند معلومات سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ اس بحث کو مکمل کیا جاسکے۔

انگریزی زبان میں قرآن کا ترجمہ اور تفسیریں۔

۱۔ عماد الملک سید حسین بلگرامی (متوفی ۱۳۴۴ھ۔ق) کا ترجمہ ۱۹۳۰ء میں بغیر عربی عبارت کے شائع ہوا۔

۲۔ بادشاہ حسین بن فدا حسین سیتاپوری (متوفی ۱۳۵۶ھ۔ق) نے تقریباً نصف قرآن کا ترجمہ مع دیباچہ وحاشیہ، شائع کروایا۔

اس کا دیباچہ اور سورہ بقرہ کا ترجمہ دو جلدوں پر مشتمل تھا جو ۱۳۵۰ء میں لکھنؤ کے مؤید العلوم مدرستہ الواعظین کے ذریعہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

بادشاہ حسین کے بعد نجم العلماء سید نجم الحسن نے اسی ترجمہ کو قاضی سید افتخار حسین کے ذریعہ مکمل کیا۔سید افتخار حسین کی ۱۳۷۱ھ۔ق میں وفات ہوئی۔ اس کا مکمل ترجمہ لکھنؤ کے مدرستہ الواعظین میں محفوظ ہے۔

۳۔ حجۃ الاسلام باقر علی خان لکھنوی نجفی (متوفی ۱۳۷۶ھ۔ق) نجف اشرف میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد لندن تشریف لے گئے اور واپسی کے بعد قرآن مجید کے ترجمہ اور حاشیہ نویسی کا کام شروع کیا۔ (اس مقالہ میں مصنف کی حاشیہ نویسی سے مراد قرآن میں موجود حاشیہ کی وضاحت ہے نہ کہ مطبوعہ حاشیہ پر نکتہ چینی اور اس پر اعتراض) اور اس کا ترجمہ تقریباً پورا ہوگیا تھا تبھی ۱۹۴۷ء میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ تشدد کی آگ بھڑک اٹھی، اور یہ ترجمہ ہندوستان کے مشرقی پنجاب میں ضائع ہوگیا۔ انہوں نے ۱۳۷۶ھ۔ق میں پاکستان کے میانوائی میں وفات پائی۔

۴۔ سید اقبال لاہوری، جہاں تک میری یادداشت ہے، انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ اور حاشیہ نویسی کا کام پانچویں پارہ تک انجام دیا تھا کہ ۱۹۶۲ء میں رحلت کر گئے اور مذکورہ ترجمہ ان کی ذاتی لائبریری میں رکھا ہوا تھا۔

۵۔ پروفیسر عسکری (متوفی ۱۹۷۲ء) کا ترجمہ قرآن ، جسے سیٹھ محمد علی مجیب نے ۱۹۵۶ء میں اپنے نام سے شائع کرایا، مذکورہ ترجمہ عربی عبارت اور مترجم کا نام ذکر کئے بغیر شائع ہوا۔ اس ترجمہ کے پہلے صفحہ پر حاشیہ بذریعہ م۔ج۔شاکر کی عبارت تحریر کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ قرآن کی عبارت کے ساتھ تہران سے اور پھر نظر ثانی کے بعد قم سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ اس مفصل تفسیر کا ترجمہ، حاشیہ اور پیش لفظ ، پروفیسر میر احمد علی وفاخانی اور مولانا آغا میرزا مہدی پویا کی شرح کی بنیاد پر ہے۔

آغا پویا نے ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۹۳ھ اور میر احمد علی نے ۲۱ رمضان ۱۳۹۶ء میں وفات پائی۔ یہ تفسیر ۱۹۶۴ء میں خلیلی کے ذریعہ کراچی سے شائع ہوچکی ہے۔

۷۔ عربی میں تحریر شدہ علاّمہ سید محمد حسین طباطبائی (متوفی ۱۴۰۳ھ۔ق) کی تفسیر المیزان کا انگریزی ترجمہ مرحوم مولانا سعید اختر کے ذریعہ چار جلدوں تک انجام پایا، جو تہران سے شائع ہو چکا ہے۔

اُردو زبان میں قرآن کے ترجمے اور تفسیریں

☆ ''توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید'' دو جلدوں پر مشتمل لکھنؤ سے شائع شدہ، طباعت کی تاریخ ۱۲۵۳ھ۔ ق/مطابق ۱۸۷۳عیسوی ہے۔

☆ حامد حسن قادری نے اپنی قرآن کی پہلی تفسیر جو اردو میں تھی، حکیم محمد شریف خان متوفی ۱۲۲۲۔ھ/مطابق ۱۸۰۷عیسوی کے نام منسوب کی جو شیعہ تھے۔

☆ مولف: سید علی بن غفران مآب سید دلدار علی، (متوفی ۱۲۵۶ کربلا معلیٰ) توضیح مجید عارفانہ اور صوفیانہ تفسیر ہے جس میں جمل کی بنیاد پر محمد وآل محمد کے فضائل ومناقب پر مبنی بحث، متعلقہ آیتوں کی تفسیر کے ساتھ، شائع ہوئی جس میں کاتب اور کتابت کی بے شمار غلطیاں مشہود تھیں۔

☆ ترجمہ اور حواشی، مطبوعہ لکھنؤ، جس میں تاریخ کا ذکر نہیں ہے۔ یہ مطبوعہ ظاہری طور پر پہلا، نسخہ تھا جو شیعوں کا مطبوعہ ترجمہ شمار ہوتا تھا۔ افسوس کہ اس کا ابتدائی صفحہ نہیں تھا اس لئے مترجم یا حاشیہ لکھنے والے کا نام معلوم نہ ہوسکا البتہ حاشیہ کے آخر میں خصوصی علامت ''ام'' دیکھنے کو ملتی ہے، ممکن ہے اس نشانی کا مطلب امداد علی ہو شیعہ علماء کی تاریخ وتذکرہ میں امداد علی کا نام تین جگہ ذکر ہوا ہے۔

(الف) میر امداد علی، علاقہ مظفر نگر کے عالم وخطیب ہیں جو دہلی سے لکھنؤ آئے۔ انہوں نے وہاں کے عالموں سے فیض حاصل کیا اور سید العلماء مولانا سید حسین کی شاگردی اور فن خطابت کی وجہ سے حاکم وقت کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ انہیں لکھنے کا بہت شوق تھا ان کو تحریر وتقریر میں عبور حاصل تھا۔ ان کی مشہور تصنیف بحر المصائب ہے جو پہلی مرتبہ اودھ کے درباری پریس کے ذریعہ شائع ہوئی۔ اس کے بعد بارہا مختلف ناشروں کے ذریعہ شائع ہوتی رہی موصوف نے قرآن کا ترجمہ اور حاشیہ بھی تحریر کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ نسخہ ان ہی کا ہو۔

(ب) راجہ امداد علی خان بن رحمان بخش کنتوری، حکیم سید علی کنتوری عالم ومفسر اور عربی زبان وادب کے ماہر واستاد مولانا اعظم علی (متوفی ۱۲۹۲ھ۔ ق) کے شاگرد تھے ''تذکرہ بے بہا'' میں ان کے نام سے کئی کتابیں ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً منہج السداد نامی قرآن مجید کی تفسیر اور بغیر نقطہ کی سورۂ یوسف کی تفسیر جو عربی میں لکھی گئی ہے۔

اس کے علاوہ خطبۂ شقشقیہ کی شرح اور مقامات حریری وغیرہ کی شرح کا نام لیا جاسکتا ہے۔

البتہ یہ معلوم نہیں ہے کہ تفسیر، عربی، فارسی یا اردو کن زبانوں میں لکھی گئی ہے۔

(ج) حاج میرزا امداد علی آپ کے بارے میں پروفیسر مسعود حسین ادیب مرحوم لکھتے ہیں:
ثابت نامہ نوطرز نامی قلبی نسخہ کے پیش لفظ میں جو (امداد علی) کی لائبریری میں موجود تھا۔ یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

یہ گنہ گار بندہ پوری زندگی، پورے ذوق وشوق کے ساتھ، تفسیر وحدیث اور تاریخی کتابوں کے مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وترجمہ میں سرگرم رہا ہے۔ زیادہ تر کتابیں، اردو میں تصنیف کی ہیں۔ ملا فتح اللہ مغفور نے تفسیر منہج الصادقین'' فارسی میں تصنیف کی اور میں نے اس کا ترجمہ ہندی میں کیا۔ دوسری کتابیں، جیسے چہاردہ نور، مسیّب نامہ اور مختارنامہ کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ کچھ دوستوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ فارسی میں تحریر کردہ ثابت نامہ جو کہ مختار کے بیٹے امیر ثابت کے شرح حال پر مبنی ہے اردو میں ترجمہ کروں۔ امجد علی شاہ کے دور میں اس کا ترجمہ ۱۲۵۹ھ۔ق میں مکمل ہوا (نذر ذاکر صفحہ ۴۲)

مذکورہ ترجمہ جو ۱۸۴۳ اور ۱۸۴۵ عیسوی کے درمیان شائع ہوا ہے ممکن ہے کہ انہی کا ہو، مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مطلع انوار (مصنف کی تصنیف، مطبوعہ کراچی) اور اس کے ذیل میں ''امداد علی'' کی شرح حال اور ''شاہان اودھ کا علمی وادبی ذوق ضمیمہ کی شکل میں ذاکر کی نذر دہلی مطبوعہ، کا مطالعہ کریں۔

☆ قرآن کی عبارت کے ساتھ اردو ترجمہ، مترجم اور کاتب کی پہچان نہیں ہے۔ یہ نسخہ لاہور کی پنجاب یونیورسٹی میں محفوظ ہے اس نسخہ کا مترجم شیعہ ہے۔

☆ قرآن مجید مع ترجمہ وحاشیہ اس کے ابتدائی صفحہ پر ۱۲۹۷ھ۔ کی تاریخ درج ہے۔ یہ ترجمہ سید علی حسن خان کے زیر اہتمام عمدۃ المطابع امروہہ پریس سے شائع ہوا ہے (امروہہ شہر کا نام ہے آخری صفحہ پر یہ عبارت لکھی ہے)۔

''للہ الحمد وانشاء جو خالق ارض وسماء ہے'' ہے کا لفظ عبارت میں نہیں ہے اضافہ کیا گیا ہے۔ مبارک گھڑی میں قرآن مجید، فرقان حمید، ترجمہ شدہ اور محشی الامذہب امامیہ، خاک روگنہ گار رحیم بخش، برتر امروہوی کے ذریعہ نقل کیا گیا اور مطبع کے مالک نیز امروہہ میں واقع عمدۃ المطابع اور رسالۂ دانش کے مہتمم ومنتظم جناب سید علی خان صاحب کے زیر نگرانی طبع ہوا جسے قرآن مبین کے مؤمن قاریوں کو ہدیہ کیا گیا''

راقم نے اپنی طرف سے تاریخ رقم کی ہے۔

برتر کتاب خالق اکبر بہ روز شد مطبوع بحر درود وثواب عظیم شد
بودم بہ فکر سال کہ آمد ندای غیب تاریخ طبع خوب کتاب کریم شد
۱۳۰۱ ہجری

یہ نسخہ، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کی مجید یہ لائبریری میں مولانا مسرور صاحب کے پاس موجود ہے اور مذکورہ معلومات ،مولانا موصوف سے ہم کو حاصل ہوئی ہیں مترجم اور حاشیہ لکھنے والے کے نام کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔

☆ تنویر البیان ، ترجمہ تفسیر خلاصۃ المنہج

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۹۵عیسوی میں لکھنؤ سے مولانا محمد حسین عرف علن تاریخ وفات ۱۳۲۵ ہجری ، کے حکم پر اور پھر آگرہ میں ۱۹۰۴ عیسوی کو شائع ہوئی اور میرا یہ خیال ہے کہ اس کا ترجمہ حاجی میرزا امداد علی نے کیا ہوگا۔

☆ عمدۃ البیان ، تصنیف مولانا الحاج سید عمار علی سونی پتی ، فاضل لکھنوی، متوفی ۔ ۱۳۰۴ ھ، ق یہ تفسیر ۔ ۱۳۰۴ ھ ق اور ۱۳۰۷ ھ۔ق کے درمیانی برسوں میں پہلی مرتبہ شائع اور اس کے بعد بھی کئی مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہے۔

☆ ترجمۂ قرآن : منسوب نواب حاج محمد قلی خان کانپوری ، یہ ترجمہ ادبی شاہکار ہے جس کو اس زمانے میں لوگوں نے بہت پسند کیا۔ یہ ترجمہ عربی عبارت کے بغیر ۱۳۲۰ ہجری قمری / ۱۸۸۹ عیسوی میں لکھنؤ کے اثنا عشری پریس کے ذریعہ شائع ہوا۔

☆ ترجمہ مع حواشی وفہرست منجانب مولانا سید فرمان علی ممتاز الافاضل تاریخ وفات ۱۳۳۴ھ۔ ق یہ ترجمہ عوام کے درمیان زیادہ مقبول ہوا اور متعدد مرتبہ عربی عبارت کے ساتھ شائع ہوا۔ مولانا نجم الحسن کراروی اور ابن الحسن رضوی کی نظر ثانی کے بعد ۱۹۷۰ عیسوی میں کراچی میں بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

☆ ترجمہ مع حواشی ودیباچہ ، منجانب مولانا مقبول احمد دہلوی تاریخ وفات ۱۳۴۰ ھ،ق مطابق ۱۹۲۱ عیسوی یہ ترجمہ درحقیقت اردو زبان میں شیعہ تفسیر کا شاہکار شمار کیا جاتا ہے ،مگر مفتاح الآیات کے نام سے ضمیمہ اور پیش لفظ کے ساتھ الگ الگ حصوں میں شائع ہوا ہے۔ اب تک

ہندوستان اور پاکستان میں متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔

☆ آثار حیدری ، امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر کا ترجمہ جو سید شریف حسینی متوفی ۱۳۶۱ھ۔ ق (ابن امام علی) متوطن صوبۂ پنجاب کے شہرانبالہ میں واقع بہریلی علاقہ کے باشندے ہیں، انجام پایا۔

☆ ترجمہ وحواشی :منجانب شیخ محمد علی تاریخ وفات تقریباً ۱۹۴۷ء یہ ترجمہ حاشیہ کے ساتھ دہلی سے شائع ہوا ہے۔

☆ ترجمہ وحواشی ، منجانب سید زیرک حسین امروہوی ،ملا فاضل مناظر، متوفی تقریباً ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ عیسوی ، آیات کی تاثیرات جمل ماب اورتعویذ وغیرہ کا ذکر ہوا ہے۔

☆ ترجمہ وحواشی: میرزا احمد علی امرتسری(ارتسی : صوبۂ پنجاب کا ایک شہر) تاریخ وفات ۱۹۷۰ عیسوی مطبوعہ لاہور۔

☆ تفسیر المتقین ، ترجمہ وحواشی منجانب سید امداد حسین کاظمی متوفی ۱۹۷۵ء موجودہ مصنف کے پیش لفظ کے ساتھ لاہور میں کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ترجمہ نہایت عمدہ اور حاشیہ مناسب ہے۔

☆ قرآن کریم مع تفسیر توضیح القرآن ،منجانب الحاج سید مجاہد حسین۔ موصوف نے اس تفسیر کی تصنیف میں بہت محنت کی اور اسے تقریباً ایک متوسط درجہ کی تفسیر بنادیا۔ یہ تفسیر ۱۹۷۲ عیسوی میں کراچی سے شائع ہوئی اور مترجم کا انتقال تقریباً ۱۹۸۰ عیسوی میں ہوا۔

☆ ترجمہ وحواشی قرآن ، منجانب استاد وعلامہ مولانا سید محمد صادق لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ ادبیات کے پروفیسر کی یہ تفسیر علم وادب کا شاہکار ہے، مولانا محمد صادق نے رجب المرجب کے مہینہ اور ۱۴۰۴ھ۔ میں رحلت فرمائی۔

☆ انوار النجف منجانب مولانا حسین بخش جارا۔(بمقام جارا صوبہ ڈیرہ اسماعیل خان پاکستان ڈیرہ اسماعیل خان مغربی پاکستان میں واقع ہے) موصوف کی علمی کاوش پر مبنی تفسیر زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے۔

☆ تفسیر قرآن ، منجانب ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن امروہوی ، یہ تفسیر بہت ہی فصیح وبلیغ اور رواں لفظوں میں لکھی گئی ہے۔ اب تک اس کی تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور باقی کراچی میں زیر طبع ہیں۔

☆ تفسیر قرآن ۔تصنیف سید العلماء مولانا الحاج سید علی نقی لکھنوی کچھ عرصہ قبل، قرآن کی تفسیر تحریر کی تھی جو اردو اور عربی میں تھی اور شائع بھی ہوچکی ہے، اس کے بعد سورۂ الحمد اور سورہ البقرہ کی تفسیر شائع کی۔ حال حاضر میں یہ تفسیر مکمل ہوچکی ہے اور اس کی تین جلدیں سرینگر کشمیر سے شائع ہوچکی ہیں اور باقی طباعت کے مراحل میں ہیں۔

☆ تفسیر رضی۔ نامکمل تحریر منجانب مولانا سید محمد رضی زنگی پوری (متوفی ۱۳۷۰ ھ۔ق) نواب رام پور، مرحوم رضا علی خان کی سفارش پر ایک تالیفی وتصنیفی کمیٹی تشکیل پائی جس میں مرحوم حافظ کفایت حسین، خطیب اعظم الحاج شید محمد دہلوی، حجۃ الاسلام مولانا سید محمد داؤد زنگی پوری، شامل تھے، انہیں ایک مکمل تفسیر فراہم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی، تاہم افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کمیٹی کی سرگرمی کے شروع ہوتے ہی ہندوپاک کی علحدگی اور دونوں ملکوں کی خودمختاری کے اعلان کے بعد قتل وکشت کا بازار گرم ہونے کے باعث، نواب کی علاقائی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور تصنیفی کمیٹی بھی اپنا وجود کھوبیٹھی، لیکن مولانا محمد رضی کی کوشش جاری رہی، تاہم ان کی علالت کی وجہ سے یہ تفسیر نامکمل رہ گئی، البتہ ہندوستان کے شہر بنارس میں واقع جواد یہ عربی کالج کے مورث اعلیٰ مشہور عالم دین مرحوم مولانا سید ظفر الحسن نے اس کو شائع کیا۔

☆ انوار القرآن۔ بزرگ عالم دین حجۃ الاسلام سید راحت حسین ہندوستان کے صوبۂ بہار کے گوپالپور کے باشندے ہیں، انہوں نے اس تفسیر کی گیارہ جلدیں مکمل کرلیں تھیں، مگر ۱۳۷۴ھ۔ق میں داعی اجل کو لبیک کہنے کے سبب یہ تفسیر مکمل نہ ہوسکی۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا سید علی (متوفی ۱۴۰۰ھ۔ق) نے اس کام کو جاری رکھتے ہوئے ابتداء میں سورۂ الفاتحہ، البقرہ اور آل عمران کی تفسیر تمہید کے ساتھ شائع کی اور پھر اس تفسیر کو تئیس جلدوں میں مکمل کیا۔

☆ تفسیر قرآن ۔منجانب حجۃ الاسلام مولانا سید حیدر حسین نکہت لکھنوی (متوفی ۱۳۹۰ھ۔ق) سادہ اور رواں زبان میں تحریر کی یہ تفسیر سورۂ الدخان تک مکتوب ہے جو مصنف کے ہاتھوں تحریر کردہ ہے۔ یہ نسخہ کراچی میں مولانا سید ابن حسن کربلائی کے پاس محفوظ ہے۔

☆ ترجمۂ تفسیر مجمع البیان طبرسی ۔ڈاکٹر سید محمد حبیب الثقلین (کراچی) کی یہ تخلیق دو جلدوں تک مکمل ہوچکی ہے۔ البتہ مترجم نے وجوہات اعراب کی بحث سے گریز کیا ہے۔

☆ انعام عظیم ۔راقم الحروف نے یہ تفسیر شروع کی ہے اور بحمد اللہ سورۂ حمد، سورہ بقرہ، سورہ

روم اور سورۂ حجرات کی تفسیر مکمل ہوچکی ہے۔

سندھی زبان میں تفسیر قرآن

ضیاء الایمان تفسیر القرآن ۔منجانب محمد خان لغاری (متوفی ۱۹۴۰ عیسوی) یہ تفسیر دوجلدوں پر مشتمل ہے، جسے صوبۂ سندھ سے شائع کیا جاچکا ہے۔

گجراتی زبان میں تفسیر قرآن۔

قرآن مجید کا ترجمہ وحاشیہ ۔منجانب حاج غلام علی اسماعیل (متوفی ۱۹۴۶ عیسوی) گجرات کے شہر بھاؤنگر سے شائع ہوچکی ہے ۔موصوف کی گجراتی زبان میں تخلیقات زیادہ ہیں۔

قرآن کا اردو میں منظوم ترجمہ

۱۔قرآن کا مکمل منظوم ترجمہ، منجانب مرحوم شاعر جناب قزلباش دہلوی

۲۔قرآن کا مکمل منظوم ترجمہ منجانب شمیم الحسن (زندہ)

دونوں ترجمے، رسالہ کی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کا پشتو ترجمہ ۔صوبۂ کوہاٹ کے پایان علاقہ کے باشندے، سید جعفر حسن استرزئی کے ذریعہ انجام پایا ہے۔ جسے پاکستان کے شہر پیشاور سے طبع کیا گیا۔

فارسی میں قرآن کی تفسیر

۱۔تفسیر سید حسین خوانساری کے شاگرد، علی رضا تجلی بن کمال الدین حسین اردکانی شیرازی، تیرہویں صدی (۱۲۱۸ھ) کے اس تفسیر کے مصنف کے بارے میں احمد علی سند یلوی نے مخزن الغرائب میں لکھا ہے۔'' یہ تفسیر سادہ فصیح اورواضح لفظوں میں لکھی گئی ہے جو علماء کے درمیان مقبول اور رائج ہے۔''

علی رضا شیرازی، شاہجہاں کے دور میں ہندوستان آئے اور امیر الأمراء علی مروان خان کے بیٹے نواب ابراہیم خان کے بچوں کے معلم ومربی ہوگے۔ انہوں نے دہلی میں اپنے قیام کے دور میں تفسیر کے علاوہ اور بھی بہت سے کتابیں تحریر کیں، موصوف فقیہ وقاضی بھی تھے، وہ شہید ثالث نور اللہ کی شہادت کے بعد ہندوستان میں شیعوں کی مرجعیت کے عہدے پر فائز ہوئے مگر زندگی کے

آخری لمحات میں شیراز واپس چلے گئے اور تقریباً ۱۸۸۵ ھ۔ میں رحلت فرمائی۔

۲۔ بحر المعانی زبدۃ بحر المعانی

منجانب محمد بن احمد خواجگی بن بن عطاء اللہ شیرازی ،نظام شاہ دکن کے زمانے میں ہندوستان آئے اور بیجاپور میں قیام کیا۔موصوف ، ماہر فلسفۂ وکلام ،خواجہ جلال محمد کے شاگرد اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی ، جونپوری کے استاد تھے،آپ کی یہ تفسیر بہت ہی مفصل ہے جس میں معقولات پر بحث کی گئی ہے۔کچھ لوگ اس تفسیر کو مجمع البیان کا خلاصہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ زیب تفاسیر ۔مصنف صفی بن ولی قزوینی (جائے پیدائش کربلا، ۱۰۲۹ ھ۔ق) حسب فرمائش زیب النساء (متوفی ۱۱۱۳ھ۔ق/ ۱۷۰۱عیسوی) ۱۰۷۷ھ۔ق میں اڑتالیس سال کی عمر میں دہلی میں شروع کیا اور آٹھ سال کے عرصہ میں نوجلدوں میں اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا اور اس کی آخری جلد سے جو ۱۰۸۷ھ،ق میں مکمل ہوئی۔واضح ہوتا ہے کہ اس تفسیر کا زیادہ تر حصہ کشمیر میں انجام پایا ، اس تفسیر کے مأخذ وذرائع حسب ذیل ہیں۔تفسیر نیشاپوری تفسیر فخر الدین رازی ، جواہر التفسیر کاشفی ،تفسیر بیضاوی،تفسیر بحر مواج،تفسیر کشاف کچھ لوگوں نے اس تفسیر کو زبدۃ التفاسیر کا نام دیا ہے۔

۴۔ نخبۃ التفاسیر: تصنیف محمد کاظم بن عبد الحکیم ، تاریخ تکمیل ۱۱۴۹ھ،ق۔اس کی تاریخ کتابت ۱۱۴۸ ہے۔اس کا ایک نفیس اور نہایت ہی عمدہ نسخہ مصنف کی مہر کے ساتھ کتاب خانہ دانش ، انارکلی ، لاہور میں رکھا ہے ۔ یہ تفسیر ہندوستان میں تحریر کردہ ہے ، تاہم مصنف کی شرح زندگی کے بارے میں کوئی آگاہی نہیں ہے۔

۵۔ تفسیر قرآن: منجانب سید نجف علی نونہروی (شاگردغفران مآب مولانا دلدار علی) متوفی ۱۲۶۱ھ۔ق

۶۔لوامع التنزیل وسواطع التاویل ۔منجانب حجۃ الاسلام سید ابو القاسم حائری مرحوم ، جلد اول سے جلد تیرہ تک اور تیرہ سے ستائیسویں حصہ تک ، سید علی حائری مرحوم کی تصنیف ہے۔اس تفسیر کا مکمل مجموعہ قم ایران میں آیت اللہ مرعشی نجفی کی لائبریری میں محفوظ ہے،یہ تفسیر برصغیر

کی ان جملہ گرانقدر فارسی تفسیروں میں سے ایک ہے، جسے جلد اول کی شکل میں پیش کیا گیا ہے ۔ یہ تفسیر عبقات الانوار اور فخر الدین رازی کی تفسیر کی طرز پر تحریر کردہ ہے۔

مولانا ابو القاسم حائری اور ان کے صاحب زادے شمس العلماء سید علی حائری نے تفسیر کی کتابوں کے بہت ہی گرانقدر اور عمدہ شہ پارے تصنیف کئے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ تفسیر کی تصنیف میں بہت زیادہ تکلیف اٹھائی ہے۔ لوامع التنزیل وافر معلومات ، شیعہ مخالف سوالوں کے جواب اور عیسائی وغیر عیسائی قرآن عیسائی معترضین کے جواب پر مشتمل ہے۔لوامع التنزیل کی اشاعت پر عراق وایران کے علماء نے خیر مقدم کے ضمن میں اس دور کے علماء اور محقق حضرات نے قابل قدر توجہ دی نیز اس موضوع پر گرانقدر تبصرے بھی تحریر وتشہیر کئے۔لوامع التنزیل ۔ ۲۱ جلدوں پر مشتمل ہے اسے لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔ مولانا ابو القاسم حائری کی تاریخ وفات ۱۳۲۴ ھ، ق اور مولانا سید علی حائری کی ۱۳۵۰ ھ۔ق ہے۔

قرآنی سورتوں کی تفسیریں

۱۔ ینابیع الانوار، دو حصوں میں دو جلد، بصورت بحث ومباحثہ، اور فخر الدین رازی کے جواب میں قلمی نسخہ ،لکھنؤ کے ممتاز العلماء لائبریری میں موجود ہے،تصنیف سید محمد تقی بن سید العلماء سید حسین لکھنوی ،تاریخ وفات ۱۲۹۱ھ،۔مذکورہ کتاب کی تیسری جلد بھی جسے محمد ابراہیم بن محمد تقی متوفی۔۱۳۰۷ھ) نے تحریر کیا ہے جو مذکورہ لائبریری میں موجود ہے۔

۲۔تفسیر سورہ الاخلاص ،قلمی مصنف ،سید ابو المعالی ابن سید نوراللہ شوشتری الشہید ، تاریخ وفات ۱۰۶۴ھ۔

۳۔روائح القرآن فی فضائل امناء الرحمٰن تصنیف مفتی سید محمد عباس ، تاریخ وفات، ۱۳۰۶ھ،موصوف نے دیگر دو کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔

۱۔تفسیر سورہ ق۔قلمی ۔۲ تفسیر سورہ رحمٰن ،قلمی

۲۔مصباح البیان فی تفسیر سورۂ الرحمٰن ،قلمی ،مصنف سید محمد محسن زنگی پوری تاریخ وفات۔۱۳۲۵ھ۔ق

۵۔تفسیر سورہ ہل اتی ،قلمی ،مصنف تاج العلماء سید علی محمد ، تاریخ وفات ۱۳۱۲ھ۔ق

۶۔تفسیر سورۂ یوسف قلمی ،تصنیف راجہ امداد علی خان فرزند رحمان بخش (متوفی۔۱۲۹۲)ھ۔ق

فارسی۔ ا۔تفسیر سورہ الحمد۔قلمی ۲۔تفسیر سورہ البقرہ۔قلمی

۳۔تفسیر سورہ الدھر۔قلمی

۴۔تفسیر سورہ الاخلاص ،قلمی تصنیف ،سید العلماء سید حسین بن غفرانمآب دلدادر علی ، تاریخ وفات ۱۲۷۳ھ۔

۵۔کشف الغطاء فی تفسیر سورہ ھل اتی شائع ہوچکی ہے۔

۶۔سراکبر: تفسیر سورۂ والفجر ،مطبوعہ لدھیانہ ہندستان ،تصنیف ارسطوجاہ سید رجب علی شاہ مقیم جگراون لدھیانہ۔

۷۔تفسیر سورہ الحمد، قلمی لکھنو کے مدرسۃ الواعظین کی لائبریری میں موجود ہے، تصنیف حجۃ الاسلام سید محمد تقی بن سید محمد ابراہیم ،تاریخ وفات ۱۳۴۱ھ۔ق

۸۔تفسیر سورہ الحمد تصنیف۔ علامہ شیخ عبد العلی تہرانی ہروی لاہوری ، تاریخ وفات ۱۳۲۵ھ۔ق

۹۔ ازھار التنزیل وجوہ سورۂ قرآنیہ قلمی ،مصنف سید محمد زنگی پوری ،متوفی ۱۳۲۵ھ۔ق

۱۰۔راہ صور ،تفسیر فاتحہ الکتاب

۱۱۔تفسیر سورہ الحجرات ، انوار الآیات میں ضمیمہ کی شکل میں طباعت ہوئی ہے۔

۱۲۔تفسیر دس سورہائے قرآن (چھوٹی) مطبوعہ لاہور ،مصنف سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

سورہ یوسف کی تفسیریں:

الف: فارسی

ا۔منجانب صفدرعلی بن حیدرعلی رضوی (قلمی) ۱۲۹۱ھ۔ ق۔اس کا قلمی نسخہ حاجی سید علی اکبر رضوی ، کراچی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔موصوف نے پیش لفظ میں ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب امجد علی شاہ کے دور میں لکھی گئی ہے۔

۲۔انوار یوسفیہ : (قلمی) تصنیف مفتی سید محمد عباس۔

۳۔ظل ممدود: (قلمی) تفسیر سورۂ ھود، کہف اور یوسف ،تصنیف محمد ابراہیم فردوس مکان بن سید محمد تقی (متوفی۔ ۱۳۰۷ھ) یہ کتاب ممتاز العلماء لائبریری میں محفوظ ہے۔

ب: اردو

۱۔تفسیر سورۂ یوسف ۔مصنف علی اکبر فرزند سلطان العلماء سید محمد لکھنوی (متوفی ۱۳۲۷ھ) مطبوعہ لکھنؤ

۲۔تفسیر سورۂ یوسف : (قلمی) تعداد صفحات ۵۵۲،تصنیف : سید محمد تقی بن محمد ابراہیم۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مدرستہ الواعظین لکھنؤ کی لائبریری میں موجود ہے۔

۳۔ ابواب المصائب ،مطبوعہ

تفسیر سورہ یوسف ، امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعات سے ربط دیا گیا ہے۔
مصنف : میرزا سلامت علی دبیر لکھنوی متوفی ۱۲۹۲ھ۔ق
میں نے اس تفسیر کے بارے میں ایک تفصیلی مقالہ تحریر کیا ہے جو دبیر کی یاد میں لاہور سے شائع ہونیوالے پیام عمل میگزین میں شائع ہوا ہے۔

پ: عربی:

۱۔ احسن القصص مطبوعہ ۱۳۰۵ ھ۔ ہندوستان ،صوبہ بہار میں واقع عظیم آباد ،تصنیف تاج العلماء وسید علی محمد تاریخ وفات ۱۳۱۲ھ،ق

تفسیر آیات:

الف۔عربی (عربی زبان میں قرآنی سورتوں کی تفسیر)

۱۔ انس الوحیدی فی آیت العدل والتوحید (قلمی)

۲۔تفسیر ''فمن یرد الله ان یهدیه یشرح صدره للاسلام'' (قلمی)

۳۔تفسیر اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' (قلمی)

۴۔تفسیر آیت التطہیر ،مطبوعہ

مذکورہ کتابیں لکھنؤ میں ناصر الملت کی لائبریری میں موجود ہیں ،تصنیف شہید ثالث نور اللہ شوستری ،تاریخ شہادت ۱۰۱۹ھ،ق آگرہ ہندوستان

۵۔تفسیر ''اَللّٰهُ نُوْرُالسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْض '' مطبوعہ ،لاہور، تصنیف عبد العلی تہرانی تاریخ وفات ۱۳۴۱ ھ۔لاہور

۶۔تفسیر اَللّٰهُ نُوْرُالسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْض''،قلمی تصنیف محمد علی طبلسی ،حیدر آبادی تاریخ وفات

تقریباً ۱۳۳۱ھ

۷۔تفسیر ''اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه '' تالیف علامہ غلام حسین کنتوری تاریخ وفات ۱۳۳۷ھ،ق

۸۔تفسیر آیت صلوٰۃ الوسطیٰ ،قلمی تالیف سید محمد تقی بن ابراہیم تاریخ وفات ۱۳۴۱ھ،ق لکھنؤ

''ب'' فارسی (فارسی میں قرآنی سورتوں کی تفسیر)

۱۔نور الانوار،تفسیر بسم الله الرحمن الرحیم،قلمی ،تصنیف احمد بن محمد علی بن وحید بہبہانی تاریخ وفات ۱۳۳۵ھ۔ق۔

۲۔تقریب الافہام در آیات الاحکام ،قلمی ، ناصر الملت لائبریری لکھنؤ میں موجود ہے۔ تالیف ،مفتی سید محمد قلمی کنتوری ،تاریخ وفات ۱۲۶۰ھ۔ق

۳۔تفسیر کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس''،قلمی تصنیف سید العلماء سید حسین تاریخ وفات ، ۱۲۷۳ھ۔ق

۴۔تفسیر آیہ'' وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِی'' تصنیف مفتی محمد عباس ،لکھنؤ

پ: اردو : (اردو زبان میں قرآنی سورتوں کی تفسیر)

۱۔تفسیر آیت التطہیر ،مطبوعہ،تصنیف محمد باقر دہلوی ،متوفی ۱۲۷۲ھ،ق۔

۲۔ایجاز التحریر ،فی تفسیر آیت التطہیر ،مطبوعہ سید ناصر حسین بن سید مظفر حسن جونپوری ، تاریخ وفات ۱۳۱۳ھ۔ق

۳۔تفسیر آیہ معراج ، بنام اتقان البرہان ،مطبوعہ لکھنؤ ،تصنیف ۔ ہندوستان محقق ،محمد حسین لکھنوی ،متوفی ،۱۳۳۷ھ۔ق

۴۔التکمیل ،آیہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ : مطبوعہ لکھنؤ تصنیف حکیم سید مرتضیٰ حسین الہ آبادی،تاریخ وفات ۱۹۵۰ عیسوی

۵۔انوار الآیات : مطبوعہ لاہور

سوسے زائد آیات قرآنی کی تفسیر ،نیز سورہ الحجرات کی مختصر تفسیر تصنیف سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

قرآن کی تفسیروں پر حاشیہ:

الف: عربی

۱۔تفسیر بیضاوی پر حاشیہ،قلمی تصنیف طاہر بن سید رضی الدین ہمدانی دکنی ،متوفی ۹۵۲ھ

۲۔تفسیر بیضاوی پر حاشیہ : دوجلد ،قلمی ،لکھنؤ کی ناصر الملت لائبریری میں محفوظ ہے جس کی تصنیف شہید ثالث : نور اللہ شوستری کی ہے۔

۳۔تفسیر کشاف پر حاشیہ:قلمی، اسلامی یونیورسٹی میں محفوظ ،شروانی کتب کا حصہ ،تصنیف ، ابوالحسن ، دکن کے آخری بادشاہ ،متوفی ۱۱۱۱ھ،ق نے کی ہے۔

۴۔ الامالی التفسیر: یہ قلمی نسخہ مولانا سید آقا مہدی ،کراچی کی لائبریری میں محفوظ ہے جس کی تصنیف سید محمد تقی آل غفرانمآب نے کی ہے۔

ب: فارسی

۱۔ حاشیہ برتفسیر بیضاوی :قلمی، اسلامی کالج کی لائبریری میں محفوظ ہے، کتابت ۱۰۲۱ھ کی ہے مذکورہ نسخہ مصنف کی شہادت کے دوسال بعد مکتوب ہوا۔تفسیر بیضاوی پر الگ سے دو اور حاشیے بھی شہید ثالث کے دوفرزندوں کے ذریعہ کتابوں کی فہرست اور کتب الرجال میں مشہود ہے،لیکن چونکہ ان کے والد کے حاشیہ سے شریف الدین اور علاء الدولہ کے حواشی کے موازنہ ومقابلہ کا امکان میسر نہ ہوسکا، اس لئے ممکن ہے کہ تین علیحدہ حواشی نہ ہوں، بلکہ اصل حاشیہ خود شہید شوستری کا ہواور باقی دو نسخے علیحدہ طور پر ان کے دونوں صاحب زادوں کہ ہوں، بحر حال اگر یہ یہ تینوں نسخے میسر ہوں تو ان کے موازنے سے بات واضح ہوسکتی ہے۔

۲۔حواشی التفسیر یہ:قلمی تصنیف مفتی محمد عباس کی ہے مفتی محمد عباس کے زیادہ تر قلمی نسخے نجم العلماء لائبریری میں محفوظ ہیں۔

۳۔ الامالی التفسیر یہ: عربی ،قلمی نسخہ مولانا سید آقا مہدی کی لائبریری میں محفوظ ہے جوسید محمد تقی آل غفران مآب کی تصنیف ہے۔

تفسیر موضوعی:

۱۔ میزان الایمان ، حجۃ الاسلام مولانا میرزا یوسف حسین مدظلہ کے ذریعہ مفصل تفسیر تیار کی گئی ہے جس میں ہر موضوع کے لئے علیحدہ طور پر مع اردو ترجمہ اور خلاصہ آیتوں کا ذکر موجود ہے۔ یہ کتاب دس جلدوں میں شائع ہوچکی ہیں۔

۲۔ توحید القرآن اُردو مطبوعہ دہلی۔

۳۔ امامۃ القرآن اردو مطبوعہ دہلی تصنیف مولانا محمد ہارون زنگی پوری تاریخ وفات ۱۳۳۹ ھ۔ق

قرآن مجید سے متعلق مذکورہ مصنف کی دیگر دو کتابیں بھی موجود ہیں جو درج ذیل ہیں :

الف علوم القرآن ۔ ب : اوراد القرآن

کشف آیات:

قرآن مجید کی ترتیب وتنظیم کے بعد پہلا اہم مسئلہ قرآنی آیات کی گنتی تھی ، لہٰذا قرآن کو تیس پاروں ، سورتوں اور رکوع میں تقسیم کیا گیا ۔رکوع ان آیتوں کے مجموعے کو کہتے ہیں جو ایک موضوع کے مفہوم پر مشتمل ہو، رکوع ،سوروں اور آیتوں کی شمار گزاری کا مسئلہ ، پچھلی دو صدیوں سے علماء کی بحث کا موضوع رہا ہے ۔ اہل تحقیق حضرات نے حروف کی شکلوں،شکلوں میں اختلاف، علامتوں ، وقف اور فصل ووصل کے سلسلہ میں حیرت انگیز کارہائے نمایاں انجام دینے کے علاوہ آیتوں کے انکشاف اور وقوع پذیر ہونے کے مقام پر قابل ملاحظہ توجہ مبذول کی ہے۔

موجودہ اطلاعات کے بموجب ، اس سلسلہ میں تحقیق کا سلسلہ گیارہویں صدی ہجری سے شروع ہوا اور سو سال کے عرصہ میں ایسی متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں جن کا تحقیقی مطالعہ محققین کے ذمہ ہے۔ میں نے اپنی تصنیف مطلع انوار میں اس سلسلہ میں تین کتابوں کا ذکر کیا ، دراصل اس موضوع پر خاص توجہ کی ضرورت ہے،۔ کیونکہ دنیا کے بیشتر ممالک کے کتاب خانہ میں اس سلسلہ میں کتابیں موجود ہیں مثال کے طور پر گیارہویں صدی ہجری کی کشف المطالب والآیات نامی ، ناشناختہ اور ناقص کتاب اسلام آباد کی گنج بخش لائبریری میں موجود ہے۔ جس میں آٹھ باب اور ہر باب میں اٹھائیس فصلیں ہیں جو آیتوں کے انکشاف ، رکوع، سجدوں سورتوں ، حکایتوں اور جملوں کے انکشاف پر مشتمل ہیں (ر۔ک مراجعہ گنج بخش لائبریری اسلام آباد کے قلمی نسخوں کی فہرست صفحہ ۵۷۵) بہار

۶۳ کے رسالہ مشکوٰۃ نمبر ۲ کے شمارے میں جناب کاظم مدیرشاذ چی کے مقالہ کے مطالعہ کے بعد ایک بات کا اضافہ کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے اپنا مقالہ مطبوعہ قرآن اور انکشاف آیات کے عنوان سے تحریر کیا تھا مندرجہ ذیل کتابوں کی ترتیب انہیں کے مقالے سے مأخوذ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کشف الآیات : تصنیف موسیٰ ہزاری ، اسماء وافعال اور حروف کی ترتیب سے صاحب الذریعہ نے اس کا قلمی نسخہ (مورخہ ۱۰۵۶ھ۔ق) میں تہران میں سلطان المتکلّمین کے پاس دیکھا تھا۔

دلیل الحیر ان فی الکشف عن آی القرآن ، خوشنما ترتیب سے مزین ،تصنیف ، حافظ محمود داؤدی ، تاریخ تصنیف ، ۱۰۵۴ ھ۔ ق ۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۸۴ ھ ۔ق میں آستان قدس رضوی اور ۱۳۱۰ نیز ۱۳۱۸ ھ۔ق میں قازان کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

کشف الآیات : تصنیف ،میرزا محمد رضا اخیری طوسی منشی الممالک تاریخ تصنیف، ۱۰۶۷ھ۔ق یہ نسخہ مشہد کے آستان قدس لائبریری میں موجود ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے دیباچہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس سلسلہ میں قدم اٹھانے والے وہ پہلے شخص ہیں تاہم وہ اصفہان میں رہتے ہوئے اس بات سے لاعلم تھے کہ ان سے پہلے ہندوستان کے دکن میں قطب شاہی دور میں اور ترکی میں حافظ محمود نے اس پر طبع آزمائی کی ہے۔ (کاظم مدیر شاز چی) بحوالہ : مشکوٰۃ نمبر ۲ بہار ۶۳ صفحہ ۱۵۲۔۴

الرسالۃ الواضحہ ، یا آیات کلام الٰہی کے استخراج میں ہدیہ قطب شاہی تصنیف ملا محمد علی کربلائی ، شاگرد ابن خاتون آملی ، اپنے استاد کے حکم پر تصنیف کی اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ (متوفی ۱۰۸۳ ھ۔ ق) کے نام منسوب کی۔ یہ کتاب مذکورہ دوکتابوں پر بالادستی رکھتی ہے۔ کیونکہ مفردات کے اوّل وآخر کے علاوہ جزووحزب بھی معین کرتی ہے۔

اس کتاب کا قلمی نسخہ مشہد کے آستانہ قدس لائبریری اور مورخہ ۲۱/محرم ۱۰۸۴ ھ۔ ق کا دوسرا نسخہ قم، میں آیت اللہ مرعشی نجفی کی لائبریری میں موجود ہے۔

کشف الآیات:

تصنیف منجانب سید محمد رضا بن محمد مومن خاتون آبادی، معاصر شیخ حر عاملی تاریخ وفات ۱۱۰۴ ھ۔ ق

الجداوّل النورانیہ: مصنف الحاج سید ناصر بن حسین حسینی نجفی (متوفی ۱۱۱۸ ھ۔ق منسوب، اورنگ زیب عالمگیر، لعل محمد آبادی کی تحریر اور تاریخ کتابت ۱۱۲۱ ھ۔ق مذکور ہے، یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ جدول بندی کچھ اس طرح ہے۔

کان الناس امة واحده

السوره	الرکوع	الجزو	ربع الجزء
البقره	العاشر	الثانی	اوایل الثالث

نجوم الفرقان لتخریج آیات القرآن، منجانب مصطفیٰ بن محمد سعید افغانی، شہزادہ محمد اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ، تاریخ ترتیب: ۱۱۰۳ ھ۔ق

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۶۲ ھ۔ق میں سلطان العلماء کے حکم پر لکھنؤ سے اور پھر لاہور سے شائع ہوئی۔ تیس پاروں کا تعین اور رکوع کے اعداد وارقاع میں حروف ابجد کا استعمال ہوا ہے۔

نجوم الفرقان تصنیف منجانب گوستا وفلوگل۔ (متوفی ۱۸۷۰ عیسوی)

موصوف نے نجوم الفرقان کے ہمراہ قرآن کو آیات کے اعداد کے ساتھ شائع کیا۔ قرآن کے ساتھ شائع ہونیوالی یہ فہرست ۱۲۶۱ھ۔ق / ۱۸۴۲ عیسوی کو لیپزک میں منظر عام پر آئی۔ فلوگل کا انڈکس فارسی رسم الخط میں ۱۲۷۴ ھ۔ق میں تہران میں حاج جعفر تہرانی کے ذریعہ شائع ہوا۔ پورا قرآن فارسی ترجمہ اور فلوگل انڈیکس کے ساتھ میرزا عبد الوہاب منجم کے ذریعہ ۱۲۹۰ ھ۔ق میں پھر سے شائع ہوا اور اس کے بعد ایڈنبرگ میں عثمان اوغلی اوف نے ۱۳۹۱ھ۔ق / ۱۹۲۰ عیسوی میں اس کی تجدید اشاعت کی۔

پھر دبیر سیاقی نے اسی مطبوعہ لیپزک قرآن نیز فلوگل کے انڈیکس ترجمہ کو اپنے نام کر کے اقبال بکڈپو کے ذریعہ دوبارہ اشاعت کروائی۔

نجوم القرآن بھی قرآنی عبارت کے ساتھ ۱۳۱۳ ھ۔ق میں محمد صادق توسیر کانی کے ذریعہ تہران سے شائع ہوا ہے۔

کشف الآیات محمد شاہی: سید محمد بن مہدی حسینی نے ۱۲۵۷ ھ۔ق میں تصنیف کیا اور اسے محمد شاہ قاچار کے نام منسوب کیا۔ یہ کتاب، ابتداء میں تبریز اور پھر تہران سے ۱۲۷۶ھ۔ق میں شائع ہوئی۔

کشف الآیات ، منجانب میرزا علی بن محمد بن حسین قمی (۱۲۶۰ ھ۔ ق بقول صاحب الذریعہ)

مفتاح کنوز القرآن ، یہ ایک روسی عالم کی تصنیف ہے جسے استنبول اور یورپ میں شائع کیا گیا۔

فتح الرحمٰن مطالب آیات القرآن : تصنیف فیض اللہ علمی، مطبوعہ بیروت ۱۳۲۳ھ۔ق۔

ارشاد الراغبین فی الکشف عن ای القرآن المبین ، فیض اللہ علمی کی ایک اور تصنیف ہے۔

المعجم المفہرس: تصنیف منجانب محمد فواد عبد الباقی ، اس کتاب کو سب کتابوں سے زیادہ شہرت ملی اور بہت مفید واقع ہوئی۔

کشف الآیات : منجانب ڈاکٹر رامیار ، نسبتاً جامع مرتب کیا ہے اور سلطان عبد المجید کے نسخہ کو لیکر ضمیمہ کے ساتھ قرآن کو تہران سے شائع کیا ہے۔

معدن الانوار ومشکوٰۃ الاسرار۔ تصنیف منجانب محمد بن صالح الملقب کاشف الاسرار قزوینی۔ یہ کتاب درحقیقت خود ان کی تصنیف کردہ تفسیر کا دیباچہ ہے جو محرم ۱۳۷۰ ھ ۔ق میں مکمل ہوئی۔ اس کا قلمی نسخہ جسے ربیع الاوّل ۱۲۷۱ھ۔ق میں لکھا گیا ہے۔ میری لائبریری میں موجود ہے۔

اس کتاب میں جس میں قرآنی الفاظ وکلمات کے معانی کے علاوہ آیتوں کی فہرست بھی موجود ہے اس میں علمی طور پر کام ہوا ہے اور فہرست عمدہ ہے۔

مفتاح الآیات : مطبوعہ دہلی ، تصنیف مقبول احمد دہلوی ۔

مفتاح القرآن : مطبوعہ تصنیف میرزا قلیچ بیگ خان ، متوفی ۱۳۴۸ھ۔ق

حیدرآباد ۔ پاکستان

حال حاضر میں مولانا حافظ علی اور مقبول احمد کے تراجم جس میں فہرست موضوعی ، پاروں، سوروں اور آیتوں کے نمبر بھی موجود ہیں، تیار کئے جارہے ہیں ، انشاء اللہ بہت جلد انہیں قارئین وشائقین کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

ترجمۂ شاہ ولی اللہ دہلوی

از بہاء الدین خرمشاہی

ابو الفیاض قطب الدین احمد بن عبد الرحیم المقلب ''شاہ ولی اللہ دہلوی'' اور ''محدث دہلوی'' (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ ق) مطابق (۱۷۰۳۔ ۱۷۶۲ء) مسلمان دانشور، محقق قرآن، محدث، فقیہ ومتکلم، اور اسلام شناس وحریت پسند، عظیم فکر دینی کے عرفانی مسلک کے مصلح اعظم، عظیم اخلاقی وسماجی اور سیاسی، ہستی نے بارہویں ہجری، مطابق اٹھارویں صدی عیسوی میں برصغیر ہند میں زندگی بسر کی اور دہلی میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔

ان کی بے شمار تصانیف ہیں۔ صرف عربی اور فارسی زبانوں میں تقریباً ایک سو تصانیف پائی جاتی ہیں جن میں سے تقریباً پینتیس تصانیف ایسی ہیں جنہیں انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کرکے شائع کیا جاچکا ہے۔ ان کے سب سے پہلے استاد شاہ (شاہ کا جملہ طریقت وعرفان کا لقب ہے) عبد الرحیم عمری (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) دہلی میں واقع علوم دینیہ کے مرکز رحیمیہ کے بانی وموجد ورمنتظم تھے، مشہور ہے کہ آپ سات سال کی عمر میں حافظ قرآن بھی ہو گئے تھے۔ اور پندرہ سال کی عمر میں والد کی سفارش پر نقشبندی صوفیانہ طریقت کو اپنا لیا تھا۔ پھر والد کے مدرسہ میں استاد اور پرنسپل کا عہدہ سنبھالا۔

۱۱۴۳ میں حج کو تشریف لے گئے اور یہ دینی فریضہ انجام دیا۔ انہوں نے حرمین شریفین خصوصاً مدینہ میں چودہ مہینے اقامت اختیار کی اور اس مدت کے دوران، بڑے علمائے کرام اور بزرگان دین کی خدمت میں اپنی تعلیمات خصوصاً علم حدیث کو وسعت اور جلاء بخشی، ۱۱۴۵ق/۱۷۳۲ میں ہندوستان واپس آگئے اور پھر اپنی پوری زندگی، تعلیم وتربیت، تصنیف وتحریر اور طریقت کے راہیوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے وقف کردی۔ ایک عشرہ کے بعد حجۃ اللہ البالغہ کے نام سے اپنا علمی وسماجی، شاہکار، عربی میں تخلیق کیا، جسے قاہرہ سے دو جلدوں میں ۱۹۵۲۔ ۱۹۵۳ میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں قرآن وحدیث پر تاکید کے ساتھ، ثقافت اور اسلامی علوم کے خلوص اولیہ کی جانب بازگشت اور احیاء کی نداء نیز مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کے حل کے لئے سماجی راہ حل کی

نشاندہی کی گئی تھی جس سے ان کے صوفیانہ افکار کا جائزہ لینے سے تصنیفات میں گہرائی اور صوفیانہ مسلک اور تہذیب نفس کی توسیع کی کوشش نظر آتی ہے، اور بہر حال یہ نمایاں اور تاکیدی نہیں ہے۔

علامہ اقبال لاہوری (۱۹۳۸ء) اور فضل الرحمٰن (۱۹۸۸ء) جیسے جدت پسند مسلمانوں نے ان کی شخصیت میں اتحاد آفریں گروہ اور فقہی فرقہ پرستی وجماعت پسندی کے قانون اور آئیڈیالوجی کو وجود میں لانے والے کی حیثیت سے ڈھونڈ نے کی کوشش کی جو ایک نئے اجتہاد کی دعوت دینے والے اور کتاب وسنت کے باطن کو وجود میں لانے والے انسان تھے۔

انہوں نے الجز واللطیف فی ترجمه العبد الضعیف نامی کتاب میں، جو فارسی میں ہے، اپنی زندگی کی مختصر سرنوشت تحریر کی ہے اور کتاب الانفاس العارفین میں اپنی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ اپنے پانچ بیٹوں سمیت، منجملہ عبد العزیز کی کوششوں سے، ثقافتی، سماجی اور سیاسی تحریک وجود میں لائے، جس میں ان کے شاگردوں کا بھی بڑا اورنمایاں کردار کارفرما رہا ہے اور بقول، عبید اللہ سندھی (۱۹۴۴ء) اس تحریک کا نام، تحریک ولی اللہ رکھا گیا۔ قیام پاکستان، اور اس کی آزادی کے بعد شاہ ولی اللہ کو قومی ہیرو اور سیاسی وسماجی مفکر کی حیثیت سے یاد کیا جانے لگا اور انہیں وہی مقام ومرتبہ دیا گیا جو سترہویں صدی عیسوی میں سماجی ودینی مصلح، اور مسلمان، ہندوستانی عارف کی حیثیت سے شیخ احمد سرہندی کو دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اشارہ کیا گیا، آج کل جنوبی ایشیاء میں وسیع پیمانے پر وقوع پذیر دینی اسلامی تحریکیں، خصوصاً وجود میں آنے والے کثرت پسند اور عرفانی جزبوں سے سرچشمہ حاصل کرنے والا دیوبندی گروہ شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیز کے افکار کے زیر اثر قرار پایا ہے۔

اہل حدیث یہاں تک کہ مولانا مودودی کا پیروکار گروہ بھی صوفیانہ مسلک اور تصوف کو اپنانے والوں سے برسر پیکار تو ہے ہی، تاہم یہ لوگ، شاہ ولی اللہ کی زندگی اور آثار وافکار میں اصل شرعی اصولوں کی جانب بازگشت، غیر مسلکی سامراجی ثقافت کے اثر ورسوخ اور سیاسی تأثرات کے ٹھکرانے کے علاوہ مختصر یہ کہ اصلاح پسندانہ عقیدے سے الہام اور سرچشمہ حاصل کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے دور میں جاٹ اور مراٹھا قوموں کی جو غیر مسلم گروہوں پر مشتمل تھے، ان کی نسل پرستانہ مخالفت کے علاوہ ان کی وفات کے بعد، برطانوی سامراج اوران کے قبضے کا دور شروع ہوگیا ایسے موقع پر ان کے پوتے، شاہ اسماعیل شہید نے بعض مسلم اقوام کے درمیان پائی جانے والی بے جا رسومات کے

خاتمہ نیز غیر مسلموں کے خرافاتی عقیدے اور غیر ملکی جارحین سے مقابلہ کرنے کے ساتھ ہی اپنے داد ا، شاہ ولی کی مانند، ابن عربی کی طرز پر عرفانی مسلک قائم کیا۔ ان کے پیروکاروں میں نمایاں شخص ان کے شاگرد اور قریبی رشتہ دار، محمد عاشق (۱۱۷۳ء) تھے، جنہوں نے اپنی جہدِ مسلسل اور پیہم عمل سے، شاہ ولی اللہ کے عرفانی رجحانات کو دوام بخشا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی بہت ہی محنتی اور کثیر التصنیف انسان تھے، ان کی تصانیف میں ایک سو کتابوں اور مقالوں کو شمار کیا گیا ہے جن میں سے تقریباً تیس کتابیں، شائع ہوچکی ہیں اور باقی یا تو قلمی نسخوں کی شکل میں ہیں یا محوہوگئی ہیں انہوں نے زیادہ تر تصانیف ابتدائے اسلام سے لیکر تا ہنوز چلتی آرہی سرکاری اور علمی زبان عربی اور غزنویوں سے لیکر برطانوی سامراج کے دور تک ہندوستان میں آٹھ سو سال تک رائج سرکاری اور ادبی زبان، فارسی میں تحریر کی ہیں ان کی کچھ فارسی زبان میں تحریر کردہ تصانیف جو اس وقت ہندوستان کی دفتری اور سرکاری وادبی زبان بھی تھی، مندرجہ ذیل ہیں:

شاہ ولی اللہ کی تصانیف:

۱۔ الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس (مطبوعہ ہندوستان ۱۹۶۴ء)

۲۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

۳۔ اتحاف النبیہ فی مایحتاج الیہ المحدث والفقیہ (مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۹ء) اور بحث وتحقیق کے سلسلہ میں سب سے اہم تصانیف میں قرآن کی تحقیق ومطالعہ کے سلسلہ میں، تصانیف ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

۴۔ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن، یہ ترجمہ اور تصحیح وتکمیل خود، شاہ ولی اللہ دہلوی نے ۱۱۵۱ھ ق/ ۱۷۳۸ء میں انجام دی جسے کراچی اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں متعدد ومرتبہ شائع کیا گیا اور اس مقالہ میں بحث کا اصلی موضوع بھی یہی ہے۔

۵۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مختصر مگر تفسیر قرآن کے اصول اور قوانین پر مکمل وجامع مسائل پر محیط ہے جس میں بلاغت ولسان وادب اور تفسیر کی تحریر پر مبنی پانچ بحث اور اصل حصہ پر توجہ مبذول کی گئی ہے یہ ۱۹۶۴ عیسوی میں کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ دنیائے اسلام (عربی زبان) میں شائع ہوچکے حق طباعت کئی ملکوں میں محفوظ ہے اور ترجمہ الفوز الکبیر

کے عنوان سے کراچی نیز عرب ملکوں میں کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ جی، ایچ جلبنی کے تعاون سے G.H.jalbani-The principle of Quran Commentary. کے عنوان سے اسلام آباد سے ۱۹۸۵ عیسوی میں شائع ہوا۔

۶۔ المقدمة فی قوانین الترجمہ مختصر اور غیر مطبوعہ مقالہ، جو قرآن کے صحیح ترجمہ اور اس کے اصول وروش پر مبنی ہے۔

۷۔ ان کے تحریر کردہ فارسی مکتوبات جو ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں جن میں سے کچھ کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

ترجمہ کے بارے میں:

شاہ ولی اللہ نے سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا اور اس پر توجہ ان کی ثقافتی وعلمی زندگی کا سرمایۂ حیات بن چکا تھا، انہوں نے اپنی ایک گرانقدر علمی سند کے تحت، قرآن سے متعلق اپنی تحقیق اور قرائت کی استادانہ مہارت کو تفصیل کے ساتھ اور نام ونمود کو چوبیس نسلوں اور پشت در پشت کو حضرت ختمی مرتبت کی نسل تک پہونچایا اوران سے مرتبط ومتصل کیا ہے۔ ان کے پہلے شیخ اور بلافصل، استاد جن سے انہوں نے قرآن کریم کو شروع سے آخر تک عاصم سے حفص کی روایت کے مطابق سیکھا ہے، ۱۱۵۳ھ،ق میں حاجی محمد فاضل سندھی تھے۔

انہوں نے فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن نامی فارسی ترجمہ کی تمہید میں اصول ترجمہ کے قائدے اور ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے'' ایسے دور اور زمانے میں جس میں ہم زندگی بسر کررہے ہیں مسلمانوں کی خیر خواہی ونصیحت کا تقاضا ہے کہ قرآن عظیم کا سلیس اور رائج وآسان ترجمہ بغیر کسی ہنر نمائی اور دکھاوے کے اور اس کی کہانیوں کو بغیر کسی پیچ وخم کے آسان اور سادہ لفظوں میں پیش کیا جائے تاکہ خاص وعام سبھی اچھی طرح سمجھ کر مستفید ہوسکیں اور چھوٹے بڑے سبھی یکساں طور پر سمجھ پائیں۔ پھر کہتے ہیں فارسی تراجم پر تحقیق وجستجو شروع کی جو کہ زیادہ تر طویل ومفصل یا ایجاز فمل یا اطناب ممل (ممل) کے حامل تھے، لہٰذا ایک نیا کام شروع کرنے کی ضرورت نظر آئی۔ کچھ برسوں کے بعد ایک عزیز نے اس حقیر کے پاس فارسی ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھنا شروع کیا، یہ سلسلہ، اس بات کا آغاز ثابت ہوا۔ پھر اپنے ترجمہ کے اصول وضوابط اور طریقہ کار کی وضاحت پیش کرتے ہیں جنہیں ہم مسلسل اور آسان لفظوں میں فہرست کی شکل پیش کررہے ہیں۔

۱۔قرآن کی عربی شکل وصورت اور اس کے مفہوم کو فارسی میں ڈھالا گیا ہے۔

۲۔نحو وصرف اور علم بلاغت اور مقدم وموخر جو جملوں اور عبارتوں میں موجود ہیں انہیں فارسی زبان کے قاعدہ وقانون کے مطابق قرآن کی ترتیب وتشکیل کے لحاظ سے حذفیات اور الفاظ کی ترتیب کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔مگر یہ کہ جہاں دو زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے الفاظ میں عدم ہماہنگی اور معنی میں دشواری وپیچیدگی وجود آتی تھی۔

۳۔ جو کچھ کہ وجوہات اور شان نزول کی طرف اشارے کی جتنی ضرورت تھی ، بطور اختصار ، زیادہ تر انہیں حاشیہ میں نقل کیا گیا ، وجیز اور تفسیر جلالین کتابوں کی حد تک جو کہ اس ترجمہ کا اصل ذریعہ اور مأخذ ہیں۔

۴۔اس ترجمہ کی روش کم وبیش ،تحت اللفظی ہے ، اعراب وبلاغت اور قصص نیز دیگر قرآنی علوم کے پیش نظر اسی ضمن میں اس حصہ کے گیارہ نمبر کو ملاحظہ کریں۔

۵۔اس ترجمہ کی ترکیب ایسی ہے کہ ہر آیت کو الگ سے ترجمہ کے ساتھ لکھا گیا ہے اور مختار کی سیاقی روش کو روز مرہ استعمال میں آنے والی فارسی کو جگہ دی گئی ہے۔

۶۔تحت اللفظ سے جو کچھ کہ زیادہ ہے اور آج کی اصطلاح میں تفسیری لحاظ سے زیادہ ہے اگر ایک یا دو جملہ ہے ''یعنی''لفظ کے ساتھ اس کو اضافہ کرکے واضح اور الگ کیا گیا ہے اور اگر مفصل یا مستقل کلام ہے تو اس کے شروع میں ''مترجم کہتا ہے'' اور آخر میں ''واللہ اعلم'' مذکور ہے۔

۷۔ممکنہ حد تک یہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن سے متعلق مذکور کسی داستان کو ایک دو جملوں میں ،مختصر اور بطور اشارہ ذکر کیا جائے اور سبب اور شان نزول کے سلسلہ میں لمبی کہانیوں کو مختصر طور پر بطور اشارہ پیش کیا گیا ہے۔

۸۔ اس ترجمہ کا اصل ذریعہ اور مرکز حدیث کی کتابوں میں ''کتاب التفسیر'' صحیح بخاری وسنن ترمذی ہیں۔ اس میں حتی الامکان اسرائیلیات سے اجتناب کیا گیا ہے۔مگر یہ کہ کسی جگہ پر بغیر اشارہ وذکر کئے بغیر مطلب ومعنی واضح نہیں ہوتے،'' والفرورات تبیح المحظورات'' سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

۹۔مختلف وجوہات میں عربیت کے لحاظ سے مستحکم ترین وجہ علم حدیث وفقہ ہے جن میں رائج معنی کے لحاظ سے بہت کم عدول اور دوری اختیار کی گئی ہے اور انہی چیزوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۱۰۔ یہ ترجمہ اس طرح انجام پایا ہے کہ عربی اور بلاغت ونحو کے واقف کار حضرات ،قرآن کے اعراب اور حذف کے تعین وضمیر کے مرکز ومرجع اور عبارت کے تقدم وتأخر کو جو کہ ترجمہ کا لازمہ ہے بخوبی سمجھ سکتے ہیں یہاں تک کہ جو لوگ عربی زبان اور نحو سے واقفیت نہیں رکھتے ،غرض ومقصد کی اصلیت سے جو قرآن کے معنی کا ادراک ہے،محروم نہیں ہو سکتے ہیں

۱۱۔ ترجمے دو قسم کے ہیں یا تحت اللفظی یا معنی ومفہوم پر مشتمل اور ان دونوں کا خلل واختلال اپنی جگہ واضح وقائم ہے۔ یہ تراجم جامع اور اوسط درجہ کی روش رکھتے ہیں اور ان کے ہرطرح کے خلل واختلال کے حل کا راستہ بھی ڈھونڈا گیا ہے۔ جس کی شرح وتفصیل قواعد ترجمہ کے رسالہ میں بیان کی جائے گی۔

۱۲۔عربی زبان اور قرآن مجید میں'' وٗ'' واو اور''ف'' فاء زیادہ تر جگہوں پر زائد اور اضافی ہے اور فارسی ترجمہ میں ربط کا مفہوم دیتا ہے اور اس کے استعمال کے بغیر حرف اور جملہ میں عطف واستمرار کا مطلب نکلتا ہے اور بعض موقعوں پر جب جملوں میں الفاظ سست پڑے تو ان کو حذف کرلیا گیا یعنی ان کی جگہ کوئی دوسری چیز لائی نہیں گئی ہے۔

ترتیب وطباعت:

یہ ترجمہ جب سے مکمل ہوا تب سے اب تک، ہندوستان میں فارسی داں حلقہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کی جانب سے پر جوش خیر مقدم کیا گیا اس کے بعد پاکستان اور پھر دیگر مسلم ملکوں میں فارسی زبان کے واقف کار مسلمانوں منجملہ ایران وافغانستان کے لوگوں نے پسند کیا۔ پھر ہندوستان میں ترتیب وتنظیم کے بعد متعدد مرتبہ شائع کیا جاچکا ہے حالیہ طباعت جو ایران کے علاوہ عمل میں آئی ہے اس میں کراچی اور لاہور میں تاج لمیٹڈ کمپنی کی جانب سے طباعت کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جس کو ملا حسین واعظ کاشفی کی مختصر تفسیر کے ساتھ بڑے رحلی سائز میں شائع کیا گیا ہے، اس میں تاریخ طباعت مذکور نہیں ہے ، اس طباعت میں ۱۳۹۴ صفحات کا ذکر ہے۔ جس کے نیچے شاہ ولی اللہ کا ترجمہ دیا گیا ہے یا دونوں سطروں کے درمیان میں قرار دیا گیا ہے ترجمہ وعبارت قرآنی کو اوپر کے آدھے حصہ میں اور باقی نیچے کے آدھے حصہ میں تفسیر حسینی یا مواہب علیہ ہے جس کی وضاحت ملا حسین واعظ کاشفی کے ذریعہ کی گئی ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں مصنف اور تفسیر کے نام کا ذکر کیا

گیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی دوسری تفسیر جس کا نام جواہر التفسیر ہے اور صرف سورہ الفاتحہ پر مشتمل ہے اس کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اور بحمد اللہ حال ہی میں نشر واشاعت میراث مکتوب کے تعاون سے اس کی تصحیح کر کے شائع کیا گیا ہے لیکن جو چیز کہ واقف کار محقق کو غور کرنے پر مجبور کرتی ہے یہ ہے کہ کیا یہ وہی مواھب علیہ یا تفسیر حسینی ہے یا واعظ کاشفی کی کوئی اور مختصر تفسیر ہے کیونکہ وہ ۸۴۰ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۰ ھ۔ق میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہوا ہے کہ جواہر التفسیر کی پہلی جلد کی تکمیل کے بعد وجود میں آنے والی بہت سی مشکلات کے سبب اس کو مکمل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

یہ تفسیر چار جلدوں میں مواہب علیہ کے نام سے منظر عام پر آنے والی تھی پھر وہ ۱۳۵۷ھ۔ق میں قرآن کی تفسیر کا ترجمہ تحریر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور یہ تفسیر کا وہی ترجمہ ہے جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمہ کے صفحات کے ذیل میں آیا ہے۔اور اس ترجمہ کی تاریخ ملا حسین واعظ کاشفی کی تاریخ ولادت ووفات سے مطابقت نہیں رکھتی ہے۔ اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس طباعت میں تفسیر کی عبارت میں وہ اضافات نہیں پائے جاتے جنہیں خود شاہ ولی اللہ دہلوی نے تحریر کیا تھا نہ تو کتاب میں اور نہ ہی حاشیہ میں کہیں بھی موجود نہیں ہے تاہم کتاب کے آخر میں تصحیح کرنے والوں اور گواہوں کا ذکر ہوا ہے اسی طرح کتاب کے آغاز اور اختتام پر دو صفحات میں اسماء الحسنی کو درج کیا گیا ہے۔

اس کی اشاعت پاکستان کے شہر پیشاور میں نورانی کتابخانہ کے ذریعہ ہوئی ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ مترجم یعنی شاہ ولی اللہ دہلوی کی تفسیروں میں سبھی اضافات کو اس ترجمہ شدہ قرآن کے حاشیہ میں یعنی مترجم کا کہنا ہے کے جملہ سے شروع کیا گیا ہے اس طباعت کا سائز وزیری اور ترجمہ دونوں سطروں کے درمیان لایا گیا ہے۔ اور اس کے نیچے قرآنی آیات ہیں جو ۷۳۴ صفحات پر مشتمل ہیں اور شروع میں عنوانی صفحہ آیا ہے۔ اور اختتام میں ختم قرآن کی دو دعاؤں کا ذکر ہوا ہے۔ پھر رموز اور وقف کو ایک صفحہ میں لکھا گیا ہے اس کے بعد دو صفحات میں مصحف کی فہرست ہے جس میں سورتوں اور جزء کے نمبر درج کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد ایک صفحہ میں قارئین کو خطاب کر کے یاد دہانی کرائی گئی ہے اور اس میں طباعت کے دوران ناشر کی جانب سے احتمالی غلطیوں اور ان سے چشم پوشی کے ذکر کے ساتھ آخری

صفحہ میں اردو زبان کی درستی پر گواہ کے عنوان سے چار لوگوں کے دستخط کئے گئے ہیں۔

اس ترجمہ کو سعودی عرب اور مدینہ سے دو مرتبہ شائع کیا گیا۔

الف : ہندوستان اور پاکستان سے شائع ہونے والے نسخہ کو صرف اضافی تفسیر کو ہٹا کر شائع کردیا گیا جس کے اندر طباعتی غلطیاں پائی جاتی ہیں اور دوسری اشاعت میں دو ماہرین قرآن ، ڈاکٹر عبدالحق بلوچ اور شیخ محمد داری کے ذریعہ اصلاح اور نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا۔ یہ طباعت ۱۴۱۷ھ،ق، میں مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف کے توسط سے عمل میں آئی اس بابت مذید معلومات کے لئے مطالعات قرآن اور دانشنامۂ قرآن کا ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ یہ قرآن ۹۲۸ صفحات ۱۴×۲۱ سینٹی میٹر سائز میں باریک اور عمدہ کاغذ اور پسندیدہ جلد بندی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

عنوان والے صفحہ کے آغاز میں اس باترجمہ قران کا نام اس طرح ذکر ہوا ہے۔

فارسی زبان میں معنی کے ساتھ قرآن کریم کے صفحۂ اوّل کو اس طرح معنون کیا گیا ہے ! یہ قرآن کریم اور معنی دار ترجمہ خادم حرمین شریفین ملک فہد بن عبد العزیز آل سعود کی خدمت میں ہدیہ کیا جاتا ہے اور صفحہ کے نچلے حصہ میں مجمع الملک الفہد لطباعۃ المصحف لکھا ہوا ہے ۔ اور مترجم کے عنوان سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام کا ذکر ، اس صفحہ میں نہیں بلکہ ایک صفحہ پر مشتمل عربی مقدمہ اور ایک صفحہ پر مشتمل فارسی پیش لفظ میں جو ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی کا تحریر کردہ ہے ، شیخ ولی اللہ دہلوی کے نام سے ہوا ہے ۔ اس مطبوعہ میں دو وضاحتی حاشیے بھی تحریر ہیں۔

خود مترجم کی مختصر یا طویل وضاحت:

ترتیب و تنظیم اور اصلاحات انجام دینے والے لوگوں کی اصلاحات وترتیب اور رسم الخط نیز معنی پر مشتمل نکات اور وضاحتیں تحریر کی گئی ہیں جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۹ میں ''با خبر نہیں ہوتے کی جگہ'' نہیں سمجھتے'' اور سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳ میں'' ناسمجھ لوگ جیسا کہ ایمان لائے'' کی جگہ'' چنانچہ'' اور سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰ میں'' اور اگر چاہا خدا ہر وقت ان کی طاقت سماعت چھین لیتا ہے'' جیسی عبارت کی جگہ'' اور اگر خدا چاہتا ہرگھڑی ان کی سماعت زائل کردیتا'' نیز سورہ بقرہ کی ۱۳ اور ۱۷ نمبر کی آیتوں میں'' اس کے اطراف'' کی جگہ'' آس پاس'' سے تبدیل کردیا ہے۔ ہر صفحہ میں اس طرح کی اصلاحات کی میزان ،تقریباً چار پانچ جملے یا عبارت

تک پہونچتی ہے۔

ہمارے خیال میں حالانکہ ان اصلاحات کو بے فائدہ قرار نہیں دیا جاسکتا، پھر بھی علمی امانت کے اصولوں اور قاعدے کے مطابق، نیز ڈھائی سو سالہ مشہور ومعروف تراجم کی تاریخی، ادبی اورلسانی قدروں کے تحفظ کے پیش نظر نیز اس طرح کے قدیمی اور نوادرات پر ''اصلاح'' کے نام پر قلم کا چاقو چلانا، مناسب ومعقول نہیں ہے۔ اس کام کی جگہ اصل عبارت کو اپنی جگہ یونہی محفوظ رکھ کر حاشیہ میں مجوزہ اصلاح رقم کرنی چاہئے یا بطور واضح وآشکارا عالما عامداً ترجمہ قرآن ہو یا اسکا کوئی جزء یا تصنیفی واصلاحی جدت ان سب کو الگ سے ایک صفحہ یا صفحات پر پیش لفظ یا فہرست یا اختتامیہ اور حاشیہ کے عنوان سے تحریر وجاگزین کرنا چاہئے اور یہ کام عالمی سطح پر علمی میدان میں بلا اعتراض اور بلا مانع ہے لیکن شاہ ولی اللہ دہلوی کے اصلاح شدہ ترجمہ پر قارئین کو اس کی کسی بھی عبارت اور جملوں پر یہ اطمینان اور بھروسہ نہیں ہے کہ یہ آنجناب کی اصل عبارت ہے یا کسی اصلاح کرنیوالے کی کاوش اور دخل وتصرف کا نتیجہ ہے۔

اس گرانقدر ترجمہ کی عالمانہ اور جامع اصلاح مترجم قرآن اور معاصر محقق، استاد مسعود انصاری کے ذریعہ ترتیب وتشکیل پاچکی ہے اور انشاء اللہ عنقریب ہی مطبع احسان کے ذریعہ منظر عام پر آئے گی۔

اظہار خیال اور جائزہ

۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمہ پر جائزہ وتبصرہ حجۃ الاسلام محمد رضا انصاری کی تحریر وتصنیف ہے جسے ترجمان وحی کے قرآن جریدے میں تیسرے شمارے (شہریور ۱۳۷۷) کے صفحات ۱۱۔۲۸ میں شائع کیا گیا ہے۔

۲۔ ترجمہ قرآن کا جائزہ'' تحریر کردہ منجانب علی احمد ناصح رکن قم یونیورسٹی کی علمی کمیٹی طبع شدہ ''فصلنامہ قرآنی صحیفہ مبین دور دوم شمارۂ اول (بہار، ۱۳۷۸) صفحات ۸۷۔۹۶)

۳۔'' ایک ترجمۂ قرآن کا تعارف'' ایک فارسی داں ہندوستانی کی کاوش''تحریر کردہ منجانب ڈاکٹر غلام علی حد اد عادل، مطبوعہ'' کیہان اندیشہ'' شمارہ ۴۰ (بہمن واسفند ۱۳۷۰)صفحات ۲۶۔۳۲۔

۴۔'' دہلوی کے ترجمہ قرآن کی عظمت وزیبائی تحریر، بینات مسعود انصاری جیسے ہیں مقالہ

کے ابتدائی حصہ میں پیش کیا گیا اور موصوف کا عالمانہ منظّم اور استادانہ اصلاحی ترجمہ زیر طباعت ہے۔ اس کا ہم نے ذکر کیا ہے مطبوعہ بنیات قرآنی فصلنامہ سال سوم شمارہ ۳ (موسم سرماء ۱۳۷۵) صفحات ۱۰۵۔ ۱۱۳۔

۵۔ ''فتح الرحمٰن (ترجمہ قرآن محدث دہلوی) تحریر کردہ مسعودی انصاری مطبوعہ دانشنامہ قرآن وقرآن پژوھی (تہران، نشر دوستان۔ ناہید۔ ۱۳۷۷) جلد دوم صفحات ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۴۔

۶۔ ''ترجمہ فارسی (شاہ ولی اللہ دہلوی) تصنیف منجانب بھاء الدین خرم شاہی مطبوعہ دانشنامہ قرآن وقرآن پژوھی، جلد اول صفحہ ۵۵۵۔

ترجمہ کا نمونہ:

الف: ترجمہ آیت الکرسی (سورہ بقرہ آیات ۲۵۵ تا ۲۵۷)

''خدا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ سوائے اس کے، زندہ جو عالم کا مدبر ہے، اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند اس کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے، کون ہے جو اس کے نزدیک شفاعت کرنیوالا ہو اور اس کے حکم کے بغیر جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے ہاتھ میں ہے اور جو کچھ کہ ان کے ہاتھ کے پیچھے واقع ہے اور حاصل نہیں ہوسکتی (لوگوں کو) حق کے بارے میں معلومات مگر یہ کہ جو کچھ کہ وہ چاہے چھائی ہوئی ہے اس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین پر اور یہ محافظت اس کے لئے بارگراُن دونوں کی محافظت بارگراں نہیں ہوتی اور وہ بلند مرتبہ اور بڑی طاقت والا ہے۔

دین کے لئے کوئی زور زبردستی نہیں ہے ہر گھڑی، ظاہر کی گئی ہے گمراہی سے راہ نجات پس جو کوئی بت کا انکار کرے اور خدا پر ایمان لائے، گویا اس نے مستحکم ذریعہ سے تمسک اختیار کرلیا جو کہ اس سے علیحدہ ہونے والا نہیں اور خداند عالم سننے والا عالم ہے۔ خدا مومنوں کی بگڑی بنانے والا ہے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے والا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کی بگڑی بنانے والے وہ بت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لیجانیوالے ہیں۔ اور یہ لوگ دوزخ کے باشندے ہیں یہ لوگ وہاں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ب: آیۂ نور کا ترجمہ (سورہ نور آیۂ ۳۵)

خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں اس کے نور کی کہانی اس طاق کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہے (یعنی فتیلہ روشن ہے (حاشیہ) وہ چراغ شیشہ میں ہے (یعنی قندیل میں ہے۔ حاشیۂ) وہ شیشہ چمکدار ستارہ کی مانند ہے جو بابرکت زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ زیتونی درخت سے مراد، زیتون ہے نہ تو مشرق کی جانب اگا جانے والا ہے اور نہ ہی مغرب کی جانب اگا جانیوالا ہے، عنقریب ہے کہ اس کا روغن روشنی دے اگرچہ اس تک آگ نہ پہنچی ہو آگ جو کہ روشن ہے روشنی پر، خدا نے اپنے نور کی طرف ہر اس کی ہدایت کرتا ہے جو کہ چاہتا ہے، اور خدا لوگوں کو داستانیں بیان کرتا ہے اور خدا ہر چیز کا علم رکھتا ہے (پیشاور اور کراچی سے شائع شاہ ولی اللہ دہلوی سے نقل شدہ ترجمہ جو کہ دائرے میں ذکر ہوا مترجم کے حاشیہ اور اضافی تفسیر سے ہے اور باقی دونسخوں کے بیچ پایا جانے والا اختلاف جان بوجھ کر (۱۴۱۷) میں اصلاح کے بعد مدینہ سے شائع ہونے والے ترجمہ کو نقل نہیں کیا کیونکہ جو شرح اور دلیل گذری ہے اس کی بنیاد پر اس میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا اصلی اور خالص ترجمہ نہیں ہے بلکہ آج کل کے لوگوں کی جانب سے اصلاح کے نام پر اصلاحات اور تبدیلی کی گئی ہے۔

ذرائع اور مأخذ:

خود اپنے ترجمہ پر شاہ ولی اللہ کا مقدمہ فتح الرحمٰن وہ رسالے جن کا ذکر ہم نے اس مقالے کے چوتھے شمارے میں بطور تبصرہ وجائزہ پیش کیا ہے۔ دائرۃ المعارف قرآن وقرآن پژوھی (بہاء الدین خرم شاہی اور کاوش، تہران ۱۳۷۷، ۲ جلد مأخذ ''ترجمہ فارسی (شاہ ولی اللہ ''فتح الرحمٰن'' محدث دہلوی'' دائرۃ المعارف فارسی، مأخذ ''شاہ ولی اللہ دہلوی'' ترجمہ الفوز الکبر فی اصول التفسیر (مقدمہ، کراچی قدیمی کتب خانہ بدون تاریخ)

الاعلام زرکلی، مأخذ ''احمد بن عبد الرحیم'' ایرانیکا (دانشنامہ ویژۂ ایران وایران شناسی۔ انگریزی، ذیل مأخذ ''دہلوی'' جلد ۷ صفحہ ۲۲۰ ۔ ۲۲۱) اس مقالہ اور بعد کے مقالہ کے مصنف، مارسیا۔ک۔ سرمانسن نامی محقق ہیں۔

(نئے عالم اسلام کے بارے میں آکسفورڈ کا دانشنامہ انگریزی، زیرنگرانی جان اسپوزیٹو ۴ جلد، جلد چہارم، صفحہ ۳۱۱۔۳۱۲)

اسی طرح دانشنامہ دین کا مقالہ (زیرنگرانی، میر چاالیادہ، انگریزی زبان، ۱۶ جلدیں، جلد ۱۵ درج ذیل مأخذ ''ولی اللہ'' تحریر منجانب کارل باربر۔

اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ مذکورہ دانشناموں میں درج مقالوں کے مأخذ اہم اور معتبر کتابوں کی فہرستوں منجملہ شرح زندگی اور منفرد یادداشتوں پر مشتمل ہیں جو سبھی شاہ ولی اللہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو مختلف زبانوں اور زیادہ تر انگریزی اور عربی میں درج کیا گیا ہے۔

☙◆❧

تفسیر وتاریخ تفاسیر۔ ایک مطالعہ

اسلامی علوم ومعارف میں لفظ ''تفسیر'' کا اصطلاحی مفہوم قرآنی آیات کے معنی ومفہوم کی وضاحت اور ان میں پوشیدہ معارف کو ڈھونڈ نکالنا ہے لیکن جب اس لفظ کو مرکب شکل میں یعنی ''علم تفسیر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے معنی ومفہوم میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوجاتی ہے البتہ قرآن اور قرآنی مفہوم کی مرکزی حیثیت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔

عربی زبان کے اس لفظ تفسیر کی سامی (Sematic) بنیاد پسر یا فسر ہے جس کو قدیم ترین زمانہ سے'' پگھلانے'' کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خواب کی تعبیر کیلئے بھی اس لفظ کا استعمال ہوا ہے ۔عربی زبان کے علاوہ قدیم زبانوں مثلاً اکدی ، آشوری، عبرانی اور مختلف قسموں میں سے مقدس آرامی کتاب اور سریانی ومندانی زبانوں میں بھی اسکا استعمال پایا جاتا ہے ۱ ۔ درحقیقت پگھلانے سے خواب کی تعبیر کے معنی کی طرف مستقل استعارہ کارفرما ہے ۔ اسکی بنیاد یہ ہے کہ جس طرح سنگ معدن کو پگھلاکر خالص دھات حاصل کرتے ہیں اسی طرح باتوں کو پگھلاکر اس کے اندر پوشیدہ معنی حاصل کئے جاتے ہیں ۔تفسیر کو تفسیر وضاحت کے معنی میں استعمال بھی بعض مدارک میں موجود ہے ۲۔ لیکن اس کا کوئی مئوید نہیں ہے یہ لفظ قرآن کریم ۳۔ میں موجود ہے۔ جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے نبی کو خدا نے جو کچھ دیا ہے وہ'' اَحۡسَنَ تَفۡسِیراً '' ہے۔ راغب اصفہانی نے اس لفظ کی بنیاد پر سیر حاصل بحث کی ہے۔جیسے انہوں نے'' فسر'' کے مادہ کو''معنائے معقول کے اظہار'' کے معنی میں بیان کیا ہے ۴۔

قرآن کریم میں خواب کی تعبیر کیلئے'' عبر'' ۵ اور'' تاویل'' ۶ الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔ عربی زبان قرآن کے بعد اس معنی کا استعمال ہوا ہے ۷ آیات قرآنی اور پیچیدہ ورمز یہ باتوں کیلئے لفظ تاویل کا استعمال بارہا عمل میں آیا ہے ۸۔ اور کبھی قرآن کیلئے لفظ'' بیان'' کی تعبیر پیش کی گئی ہے ۹

حدیثوں میں ایسے نمونے موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ صحابہ کے زمانہ میں لفظ تفسیر بیان مفاہیم قرآنی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا ۱۰ لیکن تابعین کے زمانہ میں اس معنی کیلئے بہت زیادہ روایتیں ہیں اور وہ اس سلسلہ میں بہت ہی اطمینان بخش ہیں ۔۱۱ سے نقل ہوئی ہے ۔

دوسری صدی ہجری میں تابعین کی تعبیر میں لفظ تفسیر کا استعمال شرح کلام پیغمبرؐ کے معنی میں

بھی ہوا ہے ۱۲۔ قرآن اور سنت کے درمیا ن رابطہ کے بیان میں یحیٰ ابن ابی کثیر نے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ''السنةقاضية على كتاب الله '' سنت کتاب اللہ کے بارے میں فیصلہ کرتی ہے کی تعبیر استعمال کی ہے ۱۳۔ نصف صدی کے بعد شافعی نے سنت کے ذریعہ کتاب کے تبیین کی بات کہی ہے ۱۴۔ تیسری صدی کے اوائل میں احمد بن حنبل نے کتاب کیلئے سنت کے مفسر ہونے کی بحث پیش کی ہے ۱۵۔ان کے بعد دوسرے علماء نے بھی اسکی تائیدکی ہے ۔ ۱۶۔ لیکن احمد بن حنبل کی توضیح سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے لفظ'' قاضیہ'' کو جسارت شمار کیا ہے اور لفظ'' تُفسّر'' کو اس جگہ اسی معنی میں استعمال کیا ہے ۔

جس طرح آیۃ قرآن ایک دوسرے کی تعبیر کرتی ہے ۱۷۔ اسی طرح کچھ حدیثیں بھی دوسری حدیثوں کی تفسیر بیان کرتی ہیں ۔ ایک فکر یہ بھی ہے ۱۸۔ قرآن کی قرآن سے تفسیر ،قرآن کی سنت سے تفسیر اور سنت کی سنت سے تفسیر کی اصطلاح دوسری صدی ہجری میں سامنے آئی (آٹھویں صدی عیسوی) جس میں تضادیں اجمال کی تفسیر ہے ۱۹۔ دو دلیل شرعی کے درمیان رابطہ کی تبیین کے سلسلہ میں زوج مجمل ومفسر کا استعمال تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بہت ہوا ہے ۲۰۔ تیسری صدی ہجری میں عیسی ابن ابان حنفی ۲۱۔اور داؤ د ظاہری (د ۲۷۰ ق، ابن ندیم ۲۷۲) کے دو اصولی اثر کے عنوان سامنے آئے ۔

پانچویں صدی ہجری یعنی گیارہویں صدی عیسوی کے بعد تدوین یافتہ علم اصول کی کتابوں میں بہ زوج (یعنی مجمل ومفسر) مجمل ومبین جیسے دولفظوں کی بنا پر حاشیہ میں چلا گیا ۲۲ ۔ اورفقہی اصولی کتابوں میں مجمل ومبین کے رواج کی وجہ سے انکااستعمال محدود ہو گیا ۲۳۔ درمیانی اور آخری صدیوں میں علوم قرآن وحدیث کے مدارک میں مجمل ومفسر کی تعبیر سے استفاد ہ ہوا ہے ۲۴۔

اس کے علاوہ جب یونانی اور دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ کا کام شروع ہوا تو دوسری صدی ہجری میں تفسیر کی اصطلاح ، ترجمہ کے معنی ومفہوم میں استعمال ہونے لگی ۲۵ لیکن یہ استعمال انہیں صدیوں میں متروک بھی ہوگیا۔

جو اصطلاحیں ہمیشہ ایک ساتھ بولی جاتی تھیں ان میں تفسیر وتاویل کی بھی اصطلاح ہے ۔ قرآن کیلئے تفسیر کی لفظ بولی جاتی تھی۔ ابتدائی صدیوں میں تفسیر وتاویل کے درمیان بہت واضح انداز میں کوئی سرحد نظر نہیں آتی ، خاص کر ابو العباس مبرد جوادبی رجحان کے حامل تھے ، دونوں کے ایک ہی

معنی میں ہونے کی صراحت پیش کی ہے ۲۶؎ انہیں ابتدائی صدیوں میں اصولی اور فقہی نظریات کے حامل علماء لفظ تفسیر کو ظاہری معنی کی شرح اور لفظ تاویل کو باطنی معنی کی شرح کیلئے مخصوص سمجھتے تھے ۲۷؎ کبھی شکل معنی بیان کر دینے کو بھی تفسیر کہا گیا ہے اور دو محتمل معنی میں سے کسی ایک معنی کی طرف رخ موڑ دینے کو تاویل گردانا گیا ہے ۲۸؎ بعض محققین نے تجزیہ کلام پر مبنی شرح کو تفسیر اور ترکیب وکلیت کلام پر مبنی شرح کو تاویل کہا ہے ۲۹؎۔ لیکن یہ نظریہ لغوی تجزیہ پر مبنی اور اس میں زیادہ تر لغوی قدر و قیمت پر توجہ دی گئی ہے۔ تفسیر وتاویل کی اصطلاحی قدر و قیمت ملحوظ نہیں ہے ۳۰؎۔

الف: نظری مباحث

ا۔ تفسیری نظریہ کی بنیاد

ایک متن کے سلسلہ میں ایک ایسے معنی کی ایجاد کو تفسیر کہتے ہیں جس میں تفسیری معنی اور متن کے درمیان ایک طرح کی وابستگی ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں صرف نادر موارد مثلاً حروف مقطّعات کو استثنائی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ عموم آیات سے ذہن میں کسی نہ کسی معنی کا تبادر ضرور ہوتا ہے اسے معنائے اولیہ معنائے تبادر کہتے ہیں۔ تبادر عرفی میں بہ معنی زبان سے واقفیت کی بنیاد پر سامنے آتا ہے۔ اس میں کسی خصوصی فعّالیت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن جسے تفسیر کہتے ہیں ومعنائے ثانی معنائے تفسیر کی ایجاد ہے (جو تبادر سے جدا ہے) وہ ایسے دانش یا مہارت کا ماحصل ہوتا ہے جو زبان کی معمولی واقفیت سے بالاتر ہوا کرتی ہے۔ علم قرآن کے مدارک میں معنائے اولیہ اور ثانویہ کی جگہ ''ظاہر ومعنی'' ۳۱؎ اور کبھی ''ظاہر ومراد'' کی تعبیر سے استفادہ کیا گیا ہے ۳۲؎

تفسیر قرآن کے سلسلہ میں کبھی کبھی اسکی خوبصورت شناخت اور شاعرانہ عنصر پر بھی توجہ دی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود مفسرین کی فعالیت کا اہم حصہ اس بات کا جواب تلاش کرتا ہے کہ قرآن آخر کہنا کیا چاہتا ہے؟ اس بنا پر تفسیر کا اہم کام زیادہ سے زیادہ اطلاعات فراہم کرنا ہے، تفسیر لکھنے والے کا اہم کام یہ ہے کہ وہ اطلاعات کا ذخیرہ جمع کرے اور یہ بھی جواب دے کہ یہ اطلاعات کہاں سے فراہم ہوئی ہیں؟ کسی اصلی متن کے تجزیہ کی بنا پر یہ اطلاعات حاصل ہوتی ہیں یا قرآنی مضامین کو قرآن کے باہر سے ملنے والی اطلاعات سے جوڑنے پر یہ وسعت حاصل ہوتی ہے۔ تفسیری معلومات کی جنس کو دیکھ کر کچھ سابقین نے قرآن کی تفسیر کو تصورات میں شمار کیا ہے وہ اسکا شمار تصدیقات میں

نہیں کرتے ۳۳ تبادری اور تفسیری معنی میں نسبت کی جانکاری کے بعد تفسیر کی مختلف قسموں میں تمیز کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

۲۔ تفسیری معنا کی ایجاد: جب تفسیری معنی میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ قرآنی آیات کیا کیناچاہتی ہیں تو ایسے میں مفسّرین کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ ہر لفظ کے معنی کی تعیین فرمائیں۔ کیوں کہ مفسر، معنائے اولیہ سے بالاتر معنی ایجاد کرتا ہے۔ تبادر معنی سے تفسیری معنی کی طرف منتقلی کے موقع پر اس کے سامنے جو مرحلہ پیش آتا ہے وہ تاریخی زبان شناسی میں ''مفہومی معنی کی تغییر'' ہے۔ اسی وجہ سے مشابہت یا مجاورت (استعارہ ومجاز) کی بنا پر معنی کی زیادتی یا کمی کی طرف منتقلی اور رابطہ کی بنا پر معنی کی منتقلی اس کے مصداق ہیں۔

یہ کمی اور زیادتی، مصداق اور معنی دونوں وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کتب علوم قرآن میں قدیم طریقہ مصداق کی بناپر کمی اور زیادتی پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ان کتابوں میں ''عام یرادبہ الخاص'' اور'' خاص یرادبہ العام'' کے عنوان سے گفتگو کی گئی ہے ۳۴۔

مصداق میں کمی کے سلسلہ میں نمونہ کے طور پر آیت .وَأَنِّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِینَ'' ۳۵ کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اس آیت میں تبادر معنی تو یہ ہے کہ تمام انسانوں پر بنی اسرائیل کی برتری ہے لیکن اس کی تفسیر میں انکی برتری صرف عہد موسیٰ کے انسانوں پر ثابت کی گئی ہے اور اس معنی کا رخ ادھر موڑ دیا گیا ہے ۳۶۔

مصداق میں زیادتی کے سلسلہ میں تفسیروں میں کم توجہ دی گئی ہے لیکن ....مَنْ قَتَلَ نَفْساً بغَیْرِ نَفْسٍ..'' ۳۷ کو اس نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ۳۸

معنی کی وجہ سے کمی کے موارد میں تفسیر کے اندر'' ...أَوْ لاَمَسْتُمْ النِّسَاءَ.'' ۳۹ اور'' ..طَعَامَ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْکتاب ...'' ۴۰ جیسی عبارتیں نظر آتی ہیں جنہیں'' نزدیکی''اور'' غلات'' میں محدود کر دیا گیا ہے۔ ۴۱ ''....لاَ یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْن'' ۴۲ میں تو کچھ پلٹا ہوا نظر آتا ہے۔ بعض امامی تفاسیر میں ظالم کے معنی کو بڑی وسعت دی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اس میں ہر غیر معصوم'' شامل ہے ۴۳ معنی میں کمی اور زیادتی اور انتقال معنی کی بنا پر ساخت معنی کی قسمیں تفسیر کی نظری بحث میں نظر سے بہت دور ہیں۔

انتقال معنی کے خانہ میں مشابہت کی بنا پر ساخت معنی یا دوسرے الفاظ میں استعارہ، تاویل کی بہت مروج قسم ہے۔ تجسیم کا وہم پیدا کرنے والی بہت سی آیتوں کا رخ ظاہری معنی سے استعارہ کی طرف موڑ دینا اس طرح کے انتقال معنی کا نمونہ ہیں۔ اس سلسلہ میں ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں استوی قبضہ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ۴۴ شیعہ تفسیروں میں ''وَ الشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۴۵ کو پیغمبر کی طرف اور ''وَالْقَمَرِاِذَا تَلٰهَا'' ۴۶ کو امیرالمومنین حضرت علی کی طرف موڑا گیا ہے۔ یہ تاویل استعاری رابطہ پر مبنی ہے۔

انتقال معنی کے خانہ میں مجاورت کی بنا پر معنی کی منتقلی کے ذریعہ ساخت معنی یا دوسرے لفظوں میں مجازی معنی، تاویل کی ایک دوسری مروج شکل ہے۔ یہاں طبعاً مجازی معنی مقصود نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ''وسئل القریة'' ۴۷ میں عبارت سے تبادر عرفی حاصل ہوتا ہے لیکن ''جاء ربک'' ۴۸ سے ''جاء امرربک'' کا حصول یا تو تفسیری معنی کی سطح پر ہے ۴۹ یا پھر بعض اہل نظر نے ''وسئل القریة'' اور ''جاء ربک'' کو مجاز کی مثال میں ایک دوسرے کے ساتھ پیش کیا ہے ۵۰ البتہ یہ دھیان رہے کہ ''وسئل القریة'' میں انتقال معنی، عمومی طور پر ہو جاتا ہے لیکن۔ جاء ربک'' میں اگر پڑھنے والے کا مبنائے کلام مبنائے صفاتیہ ہے تو ''جَآءَ اَمْرُ ربک'' کی طرف انتقال معنی نہیں ہوگا۔

علاقہ سبب ومسبب کے ذریعہ معنائے تفسیری کی ساخت مندرجہ ذیل آیتوں میں نظر آتی ہے۔ مثلاً ''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'' و ''مَكَرَ اللّٰه'' ۵۱۔ ۵۲ ''وَهُوَ خَادِعُهُم ۵۳'' ''سَخراللّٰه مِنْهُم ۵۴'' ما ثورہ تفسیر میں ان لوگوں کو حاصل استہزاء، مکر، خدعہ اور سخریہ کی جزا دیا جانا مراد ہے ۵۵ اسی طرح مجازی پر مبنی علاقہ مجاز کی دوسری قسموں کے معنائے ثانی بھی قابل تحقیق ہیں۔ بعض مفسرین اگر تفسیر کو مجاز بتاتے ہیں تو مثلاً علامۂ زمخشری ایسے موقع پر استعارہ کے زیادہ تر قائل ہوئے ہیں۔ ۵۶

انتقال معنی کی گنجائش میں ایک معنی کی ساخت میں جب دو معنی سے رابطہ ہو تو دوسرے معنی کی طرف منتقل کرنے کا موجب اسوقت ہوگا جب رابطہ سے پہلے تبادر کی زمین ہموار نہ ہو۔ مثلاً آیۃ ''لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِم'' ۵۷ ابتدائی صدیوں میں تیز نگاہی سے پھسلا دینے کیلئے (چشم زخم) زیں ہموار نہ تھی۔ مفسرین میں اختلاف کے باوجود قدیم مفسرین کے درمیان ایسا انتخاب نظر نہیں آتا ۵۸ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں بخاری نے اپنی کتاب میں ''العین حق'' کا پورا باب قائم

کیا مگر اسمیں بھی اپنی روش کے تقاضے کے باوجود آغاز باب میں آیت کا کائی ذکر نہیں ہے۵۹ ایسا لگتا ہے کہ آغاز اسلام کے کچھ زمانہ بعد ثقافتی رابطہ کی بنا پر جب ، نگاہوں سے پھسلادینے (چشم زخم) کی اصطلاح سامنے آئی تو اسوقت زلق بہ ابصار کو اس معنی کی طرف پلٹا دیا گیا۶۰

ایجاد معنی صرف لفظ کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ جملہ کی سطح اور ترتیب جملات تک بھی ممکن ہے۔ جملہ کے سلسلہ میں مثال کے طور پر آیت'' اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی '' پیش کی جاسکتی ہے ۔ بعض تفاسیر میں خدا اور دریت آدم کے درمیان کی تمام گفتگو کو استعارہ سے تعبیر کیا گیاہے ۔ ۶۱ حالانکہ دوسری تفسیروں میں یہ آیت اپنے تبادری معنی کی طرف پلٹائی گئی ہے ۔ ۶۲ زمخشری نے معتزلی تفسیر کے عنوان سے اس آیت میں موجود تعبیر کیلئے'' تخئیل'' کی اصطلاح استعمال کی ہے یہاں تک کہ پرانے طرز کے مفسرین نے اسکی تعبیر میں''تمثیل'' کی اصطلاح استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کیا ہے ۶۳۔

۳ ، تعیین ربط معنی : آیت کیا کہتی ہے کہ جب تفسیر میں جواب تلاش کیا جاتا ہے تو مفسر کا سب سے اہم کام معنی کی قدرو قیمت کا تعیین ہے لیکن ایک حصۂ زبان کے معنی کی قدرو قیمت کا مطالعہ مستقبل کی طرف واپس لے جاتا ہے اور مفسرین کی کوشش کا ایک بڑا حصہ مختلف حصوں کے معنی کی قدرو قیمت کے باہمی ارتباط پر مرکوز ہوتا ہے ۔

دو یا کئی قرآنی عبارتوں میں جس جگہ ایک طرح کا تعلق اور ربط ہوتاہے وہاں پہلا سوال اصل تعلق کے بارے میں اٹھتا ہے اس کا علم حاصل ہونے کے بعد دوسرا سوال، تعلق کی قسم کے بارے میں پیدا ہوتا ہے ۔ پھر اگر لفظی اعتبار سے وہ عبارت پے درپے آتی ہو اور خاص کر قواعد نحوی نے ان میں باہم ارتباط دیا ہو، فہم عرف میں اصل عبارت مکمل طور پر برقرار ہو۔ اور اگر ایسے موارد میں ارتباط کی قسم بھی تبادری مفہوم کی صورت کی حامل ہو تو تعلق کا ادراک تفسیر کی حدوں سے خارج ہے ۔ مثلاً آیت ۶۴ '' قَبْلَ اَنْ تَمَسُّوهُنّ '' اور'' قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَة'' یہ'' ان ظلتموهن فَنِصْفُ مَافَرَضْتُم '' کیلئے قیود ہیں ۔اور'' اِلاّ اَنْ يَّعْفُو'' و '' اَوْ يَعْفُوا الذِی بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاح '' یہ آیتیں اصل حکم کا استثناء ہیں جو عبارت کی ساخت سے بخوبی آشکار ہے اور یہاں معانی کے درمیان ارتباط ،تبادری ہے تفسیری نہیں ہے۔ اصل تعلق ورابطہ اور ربط کی قسم دونوں غیر تبادری اور تفسیری ہو سکتے ہیں۔

جب رابطہ اور تعلق غیر تبادری ہو تو رابطہ کو دریافت کرنے کی بنیاد ، لفظ یا عبادت میں اشتراک کلیدی ہوسکتا ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ ارتباط لفظی سے مکمل طور پر الگ ہو کر رابطہ برقرار ہو ۔ پہلے کی مثال '' تحریررقبہ'' کفارہ سے متعلق آیات ۶۵ میں اور انفاق سے متعلق آیات میں مصارف اموال میں مشابہت کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے ۔

یہ تو اصل تعلق تفسیری کی بات تھی ۔لیکن نوع رابطہ اور تعلق تبادری کے بارے میں دو آیتوں کے درمیان رابطہ کی مثال آیۃ'' وحملہ خِصَالُہٗ ثَلاثونَ شَھراً'' ۶۶ اور'' وَالْوَالِدَاتُ یُرْ ضِعْنَ اَوْلَاد ھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْن '' ۶۷ اصحاب کے دور میں حمل کی کم سے کم مدّت کیلئے جس سے استناد کیا جاتا تھا ۶۸ دومختلف سوروں کی دوآیتوں کے درمیان ،نظری تفسیر ہے ۔لیکن ارتباط قبول کر لینے کے بعد یہ نتیجہ کہ حمل کی مدت چھ مہینہ ہے اور یہی حمل کی کم سے کم مدت ہے ایک عرفی دریافت ہے۔

تبادری رابطہ اور تعلق کبھی تفسیری تعلق ہوتا ہے۔اسکی مثال ''اصحاب الکھف والرقیم'' ۶۹ کی ترکیب میں الکہف والرقیم کے درمیان رابطہ ہے ۔ یہاں تو ربط یقینی ہے لیکن اصحاب کہف ہی اصحاب رقیم ہیں یا کوئی دوسرا گروہ ہے ،مفسرین کے درمیان یہ اختلافی موضوع ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کی دریافت ، غیر تبادری اور تفسیری ہے ۔ جملوں کی ترکیب کی سطح پر بھی مثلاً '' ولقدراہ نزلۃً اخری '' ۷۰ کا پہلے کی آیتوں سے ربط مکمل تبادری ہے لیکن '' راہ'' میں فاعلی اور مفعوی ضمیروں میں پہلے کی کسی آیت کے ساتھ اس کے معنی بیان ہوں گے اور اسکا مرجع کیا ہے؟ اس سلسلہ میں تفسیری دریافت مختلف ہیں جو کبھی تشبیہی ہیں تو کبھی تنزیہی ۷۱

دوسرے موارد میں اصل رابطہ اور نوع رابطہ دونوں تفسیری ہیں مثلاً آیت فئی ۷۲ اور آیت انفال (انفال۱/۸) اور آیت خمس (انفال ۴۱/۸) کے درمیان رابطہ ۔ یہاں نہ تو کوئی اتصال ہے اور نہ ان تینوں آیتوں میں کوئی کلیدی لفظ ہے جو ان کے لئے رابطہ کا ذریعہ بن جائے ۔ یہاں رابطہ تفسیری اور غیر تبادری ہے ۔نوع رابطہ کے بارے میں بھی مفسرین کے درمیان کا اختلاف یہ بتاتا ہے کہ یہ غیر تبادری ہے ۔ کہ جوافراد آیہ خمس کو آیۃ فئی کلا ناسخ بتاتے ہیں ۷۳ یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے آیت خمس کو آیت انفال کی ناسخ بتایاہے ۷۴ اور کچھ نے آیت فئی کو آیت انفال کا ناسخ شمار کیا ہے ۷۵ امامیہ کے نزدیک یہ تین آیتیں تین مختلف موضوعات کی طرف اشارہ کرتی ہیں اوران کے درمیان نسخ کا کوئی ربط نہیں ہے۔

علوم قرآنی اور اصول فقہ میں بہ صورت نظری معنی کے ربط کے سلسلہ میں خوب بحثیں ہوتی ہیں اور ناسخ ومنسوخ، عام وخاص، مجمل ومفسر (مبین) مطلق ومقید جیسی ذیلی بحثیں بھی آتی ہیں۔

قدیم مطالعات میں رابطہ کی قسموں کی بہت تفصیلی بحثیں نظر آتی ہیں اور وہ بحثیں اس کلی بحث پر مبنی ہے کہ مربوط آیتوں کے درمیان ایک آیت موضوع تصرف کے عنوان سے تو دوسری فاعل تصرف کے عنوان سے پہچانی جاتی ہیں۔ دوسری آیت پہلی آیت کے معنی پر جو تصرف کرتی ہے وہی تقسیمات کی بنیاد بنتی ہے۔علوم قرآنی کے نمونہ کیلئے مندرجہ ذیل کتابیں موجود ہیں۶ے

معانی قرآن دریافت کرنے اور سمجھنے کیلئے قرآن سے قران کی تفسیری روش کے کیلئے آیتوں کے روابط سے استفادہ نے اس آخری صدی میں بڑی وسیع زمین ہموار کردی ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ قدیم تفسیر میں رابطہ کی بہت سی قسمیں پہلے سے معین شدہ خاص کلامی فرض پر استوار ہیں۔سوروں میں آیتوں کی ترتیب اس کے توفیض ہونے پر مبنی آیتوں کا زنجیری رابطہ ہے۔سوروں کا آغاز واختتام ترتیب سورہ کے توقیفی ہونے پر مبنی ہے۔ ناسخ اور منسوخ کی بحث نزول کے زمانہ اور امکان وقوع نسخ پر مبنی ہے۔ عام وخاص وغیرہ کے مباحث بعض آیتوں میں اجمال اور بعض دوسری آیتوں میں تفصیل کے وجود پر مبنی ہیں۔

۴۔مفہومی ظرفیت کی تعیین: کبھی کبھی مفسر کسی آیت کی تفسیری بحث سے بلند ہوکر گفتگو کرتا ہے اور وہ اس بات کی فکر کرتا ہے کہ اسمیں کتنے معانی کی گنجائش موجود ہے۔ اس طرح وہ ایک جدید بحث یعنی'' کثیر الجہت تفسیر'' کی بحث شروع کرتا ہے۔معنی کی قدر وقیمت کے تعین کی بحث کے مقابلہ میں ظرفیت معنی کی تعیین کی یہ بحث درجہ دوم کا مطالعہ شمار ہوتی ہے۔

سورہ آل عمران کی ساتویں آیت میں قرآن کریم میں متشابہ آیات کی موجودگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بعض متقدّمین کے قول کے مطابق آیات متشابہ ان آیتوں کو کہتے ہیں جن میں مختلف معنی کی گنجائش اور ظرفیت ہوتی ہے۔خوارج سے احتجاج کیلئے رخصت کرتے وقت ابن عباس سے حضرت علیؑ نے فرمایا'' ان سے گفتگو کے دوران صرف قرآن کی آیتوں سے تمسّک نہ کرنا کیوں کہ قرآن میں متنوع معنی کی ظرفیت موجود ہے ۷ے

سورہ آل عمران کی مذکورہ بالا ساتویں آیت میں اس بات کا بھی اشارہ موجود ہے کہ'' جن کے دل بیمار ہیں'' وہ آیات متشابہ کی پیروی کرنے لگتے ہیں دوسری آیتوں میں بڑے واضح طور پر یہ کہا

گیا ہے کہ جس طرح لوگ قرآن سے ہدایت پاتے ہیں اسی طرح کچھ گمراہ بھی ہوجاتے ہیں ۷۸ دورخ پرموکل فرشتوں کے شمار کے سلسلہ میں انکا تذکرہ ۷۹ میں موجود ہے جن کے دل بیمار ہیں ۔

قرآن کریم میں آیات متشابہ کا اس صورت سے وجود اور ان کو محکمات کی طرف پلٹائے جانے کی ضرورت ،مربوط آیات کے درمیان کی نسبت کے بارے میں تفسیری مناقشات کا دروازہ کھولتی ہے ۔جن مقامات پر دو آیتوں کے تبادری معنی ایک دوسرے ابتدائی تعارض کی صورت میں سامنے آتے ہیں وہاں وہ معنی تفسیری معنی کی طرف پلٹتے ہیں یا مفسرین کی اصطلاح میں وہاں تاویل کی ضرورت پڑتی ہے ۔لیکن ان دو آیتوں میں سے کون سی آیت محکم اور دوسری آیت کی تاویل کا مبنی بنے ؟ اسلامی معارف کی تاریخ میں یہ اختلاف بہت اہم عامل ہے ۔

رویت خدا اور نفی رویت پرور دگار کی آیتیں اور وعید کے قطعی ہونے اور نہ ہونے کی آیتوں میں ان مناقشات کے نمونے تلاش کئے جا سکتے ہیں اور یہی بحثیں مختلف کلامی مذاہب کے وجود میں آنے کا سبب ہیں اس سلسلہ کی ایک واضح مثال کے طور پر قاضی عبدالجبار معتزلی کی کتاب متشابہ القرآن کو پیش کیا جا سکتا ہے ۔ جن آیتوں کے تبادر ی معنی معتزلی خیال کے مطابق نہیں ہیں انہیں متشابہ قرار دیکر اس کتاب میں انکی تاویل پیش کی گئی ہے ۔

ظرفیت معانی کے سلسلہ میں تفسیروں میں'' بطن'' کی اصطلاح موجود ہے۔ بطن (اسکی جمع بطون)باطن جو ظاہر یا ظہر کے مقابل میں اسکا مطلب ظاہری اور مانوس تفسیر سے بالاتر تفسیر ہے آحادیث میں تعدد بطون قرآن کی طرف بار بار اشارہ ہوا ہے ۔۸۰

علم اصول فقہ میں بھی ظرفیت معانی کے سلسلہ میں مختلف ابواب میں تذکرہ موجود ہے ۔ مثلاً مباحث الفاظ میں'' ایک معنی سے زیادہ'' میں استعمال لفظ ۱۱ کا باب قائم کیا گیا ہے ۔ اس میں مختلف مخصوص منجملہ ان کے قرآن پر بھی توجہ مرکوز کی گئی ہے ۸۱ حجت ظواہر کتاب بھی علم اصول کا ایک مبحث ہے جس میں ظواہر کتاب پر عمل کرنے پر اصرار ہے یا پھر انہوں نے تفسیری معانی کی طرف عدول کو اپنا موضوع قرار دیا ہے ۔۸۲ اپنے تفسیری نظریہ میں فلاسفہ نے بھی ظرفیت معانی کے مسئلہ پر توجہ دی ہے۔ زبان قرآن کے سلہ میں ابن سینا کا خیال ہے کہ قرآن میں استفادہ والی زبان کو رمزیہ ہونا چاہئے کیوں کہ نا واقف اعرابی کو علم کے حقائق سے آگاہ کرنا پیغمبرؐ کیلئے ممکن نہیں تھا ۔ اس طرح تمام انسانوں کا مسئلہ ہے ان کی نظریں اسی رمز یہ زبان کو سمجھنے والے صرف خواص ہیں اور وہ اپنے

ادراک کے درجہ کے مطابق معانی قرآن کی گہرائی سمجھتے ہیں ۸۳؎

زبان قرآن کا رمزیہ ہونا فلسفیوں کی نظر میں ضروری ہے اسی سے ملتا جلتا عارفوں اور صوفیوں کا نظریہ بھی ہے وہ بھی مختلف بطون قرآن کا سہارا لیتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ذہبی، محمد حسین ۲/ ۳۶۵۔۴۵۱۔

تفسیر قرآن کے ارتباط اور معنی کی ظرفیت پر جہاں بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے وہیں مفسرین نے ظرفیت میں اضافہ کی کوشش کی ہے۔ تاویل کے ذریعہ کچھ مفسرین نے باطنی معنی بھی سمونے کی کوشش کی ہے اور ہمیشہ حاصل افزائش ظرفیت کا نتیجہ پیش کیا ہے۔ لیکن یہ بھی دیکھنے کی چیز ہے اس کے ساتھ ساتھ مفسرین نے تفسیروں میں ظرفیت معنی کو کم کرنے کی سعی بھی فرمائی ہے اور وہ ایسی جگہیں ہیں جہاں بہت سے مفاہیم موجود ہوں اور انہیں مشخص اور محدود کردیا گیا ہوا۔ مثلاً یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی ''۸۴؎

یہاں ایک سوال کے جواب میں'' معنی کی ظرفیت موجود ہے پہلی چیز تو یہ ہے کہ آیت سوال کرنے والوں کا جواب دینا چاہتی ہے اور''الروح من امر ربی '' کی تعبیر اس کی توضیح ہے چنانچہ روح کی توضیح میں قرآن نے دوسرے مقامات پر''من امرہ '' اور'' من امرنا'' کا جملہ استعمال کیا ہے ۸۵؎ دوسری چیز یہ ہے کہ یہ اُن افراد سے سوال کیا جارہا ہے کہ جن کا جواب نہیں دیا جائے گا اور اس کا علم صرف خدا کو ہے ۔ بہت سی تفسیروں میں روایتوں سے استناد کرتے ہوئے معنی کی ظرفیت معنائے دوم کی طرف گھٹائی اور کم کی گئی ہے۔ وسیع ظرفیت کے لئے ملاحظہ ہو۸۶؎۔ اسی وجہ سے علماء نے کبھی سوال کے ذریعہ جان چھڑانا کبھی سوال کو مکروہ تو کبھی معلومات میں اضافہ کا ذریعہ کا قرار دیکر سوال کو کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ آخری جواب، جواب نہ دینا ہے۸۷؎۔

۲۔ مدارک تفسیر: تفسیری قول کی صحت اور اس کی نادرستگی پر زیادہ توجہ دینے کے بجائے جوبات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ تفسیر عام طور پر معنی کے ایجاد کی ایک کوشش ہے ۔ اس حصہ میں تحقیق کی جانے والی بات یہ ہے کہ اقوال تفسیر مختلف ہیں یا دوسرے لفظوں میں ایجاد شدہ معنی کس سرچشمہ سے تشتت کا شکار ہوتا ہے۔ قدیم بحثوں میں یہ موضوع مدارک تفسیر کے عنوان سے توجہ کا مرکز رہا ہے۔

۲۔ اعمل سے نظریہ تک :

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تفسیر کے بارے میں کوئی نظریہ قائم ہونے سے مدتوں پہلے تفسیر سامنے آچکی تھی۔ صحابہ اور تابعین بھی قرآنی آیتوں کے بارے میں توضیحات پیش کر چکے تھے اس توضیح سے کوئی خاص عنوان حاصل کرنے سے پہلے مشہور حدیث نبویؐ میں تفسیر باالرائے کی ممانعت آچکی تھی ، قدیم ترین روایتوں میں ''من قال فی القرآن برأیه'' کی عبارت موجود ہے ۸۸۔ اور صرف جدید روایتوں کی عبارت ''من فترالقرآن برأیه '' ہے جو نقل معنی ہے ۸۹

دوسری حقیقت یہ ہے کہ تفسیری نظریوں نے اپنے کو اس بات کا پابند نہیں بنایا ہے کہ وہ تفسیر سے پیدا ہونے والے ہر طرح کے حالات کی صورت بندی کریں گے بلکہ ایسا اقدام فعالیت تفسیر کے صرف اس حصہ کے حوالے ہے جہاں تفسیر کے عنوان سے ایک دوسرے متن کی تولید ہوتی ہے۔ جس بات نے نظریہ پر دازوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ہے وہ تفسیری متون اور زبانی محدود عناوین تفسیر ہیں۔ لیکن آیات قرآن ان کے تفسیری معانی سے تطبیق کے کچھ موارد بنیادی طور پر تفسیر کے حطۂ عمل سے باہر ہیں۔ چاہے وہ تطبیق مصداقی ہو یا تطبیق معنوی۔ تطبیق مصداق کے لئے شام میں ابو ذر کے طرز عمل کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ معاویہ کی سرمایہ اندوزی کو آیت ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّه '' ۹۰ کا مصداق سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ طرز عمل کسی طرح کی تفسیر میں نہیں شمار ہوا۔ اس کا دوسرا امور غیبت سے ممانعت والی آیت ۹۱ میں عمر بن سعد انصاری کے توسط سے حمص والوں کے بارے خلیفہ دوم کے قول کی تطبیق ہے ۹۲۔ اور آیت ''لاتجسسوا'' کی عبد الرحمٰن بن عوف کے ذریعہ خلیفہ دوم کی راتوں میں تجسس کرنے پر تطبیق ۹۳ کی طرف بھی اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ موارد میں کہیں بھی کسی استدلا ل کی بنا پر تطبیق نہیں ہوئی ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ صحابہ کو آیتوں کے جو معانی معلوم تھے ان کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ان کے بیرونی مصداق پر منطبق کرنے کا مجاز سمجھتے تھے ۔ گولڈ فیلڈ نے محافل اسلامی میں نظریہ تفسیر کا توسعہ اور اس کا طریقہ نامی مقالہ میں اس کی تحقیق کی ہے ۹۴

۲۔ ۲،تفسیر کے لئے مدرک کی موضوعیت:

ذرا ایک قدم آگے بڑھ کر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تطبیق مصداقی اور تطبیق مفہومی کے درمیان صحابہ آیتوں میں فرق نہیں کرتے تھے۔ ایسا نہیں لگتا کہ آیات قرآنی سے اپنے دریافت کا مدرک بیان کرنے کے وہ پابند تھے۔

تاریخ سے ماورا اگر جایا جائے تو صحابہ کی تفسیری فعالیت کے بارے میں اس طرح کا تصور آنا ممکن ہے کہ تفسیر قرآن کے بارے میں ان کے پاس مدارک موجود ہونے کے باوجود وہ انکا ذکر ضروری نہ سمجھتے ہوں اور انہوں نے جو کچھ بھی کہا ہو اس کے بارے میں ان کے پاس سنت کی سند موجود ہو۔لیکن تاریخی تجزیہ بتا تا ہے کہ تفسیر کے لئے مدرک بیان کرنااس کا مسئلہ نہیں تھا اور وہ مدرک کوخود آگاہانہ ملاحظہ نہیں کرتے تھے، تاریخ سے جس بات کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ صرف صحابہ نہیں بلکہ تابعین اور تبع تابعین کے نزدیک مدارک کی نشاندہی موضوعیت کی حامل نہ تھی اور اس کی تعبیر دقیق یہ ہے کہ تفسیر کے لئے کسی مدرک سے سند تلاش کرنا بنیادی طور پر ضروری نہیں تھا۔

ابتدائی صدیوں میں اہل نظر جس بات پر دھیان دیتے تھے وہ ان کی ذاتی رائے ہوتی تھی اور وہ اسی بنیاد پر تفسیر بیان کرتے تھے حدیث نبویؐ ''من قال فی القرآن برأیه '' اسی رویہ کی تنقید ہے اور اس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ تفسیر میں کوئی اپنی رائے کو دخل نہ دے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ پیغمبر خود اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر بیان نہیں کرتے تھے بلکہ وحی کے ذریعہ آیات کی توضیح فرماتے تھے ۹۵

خوش فہمی والے نظریہ سے پیچیدہ تر نظریہ کی طرف منتقل ہوجانے والے حاکم نیشاپوری کے نظریہ کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ صحابہ وحی اور تنزیل قرآن کے شاہد تھے لہٰذا ان کی تفسیر، حدیث مسند کے حکم میں داخل ہے۔ ۹۶

سلفیت کی طرف مائل درمیان صدی کے علماء سے پیچیدہ صورت والا نظریہ ظاہر ہوا پھر مولفین علوم قرآنی کا دھیان بھی اس طرف متوجہ ہوا ان کے یہاں اس معنوں کی عبارت باربار آنے لگی کہ چونکہ صحابہ نزول کے وقت قرائن واحوال کے شاہد تھے اس وجہ سے وہ تفسیر سے زیادہ واقف ہیں۔فہم تام ،علم صحیح اور عمل صالح میں وہ اپنے بعد والوں کی بہ نسبت امتیازی شان کے حامل ہیں ۹۷

اس نظریہ میں جو کچھ واقع ہوا ہے اس کی مکمل توجیہ موجود ہے لہٰذا اس میں تلویحاً یہ قبول کرلیا گیا ہے کہ صحابہ مدرک پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ نزول کے قرائن واحوال سے ان کی واقفیت کو تفسیر کا قہری مدرک شمار کیا گیا ہے۔ یہ توجیہ بھی غیر تاریخی ہے۔

جس طرح اصلی مذاہب کے قیام کے مدتوں بعد اصول فقہ کی تدوین عمل میں آئی اسی طرح مدارک تفسیر اور تفسیری اسناد کی باری بھی تفسیر کے وجود کے مدتوں بعد آئی۔ جس طرح اصول فقہ کے ذریعہ مذاہب کی تجدید اور تنظیم ہوئی اور احکام کی آزاد حصول یابی کے لئے شناسائی کی ایک روش مل گئی اسی طرح تابعین کے بہت بعد مدارک تفسیر کے پیدا ہونے والے نظریے سے نظریات کی تدوین کے زمانہ میں تفسیری خلافت کو زیادہ سے زیادہ محدود کرنے کا مقصد حاصل ہوا۔ اس سے پہلے کی تفسیروں کو جدا کردینا اور جدید نظریہ کی حمایت کرنے والی تفسیری روش کے میدان میں قدم رکھنا مقصود نہیں تھا۔

اس بنیاد پر قابل توجہ یہ بات بھی ہے کہ جو مذہبی جماعت ان اقوال کی صحت کی قائل نہیں تھی اسکے نزدیک بھی تابعین اور تبع تابعین کے تفسیری اقوال اہمیت کے حامل ہیں خصوصاً پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں امامیہ کتب تفسیر میں اقوال تابعین پر صحابہ کے اقوال سے زیادہ توجہ کے نمونے مل جائیں گے حالانکہ یہ اصحاب کے اقوال کے خصوصی اعتبار کے قائل نہیں رہے ہیں ۹۸ لیکن تفسیری نظریات کی تشکیل کے بعد درمیانی اور آخری صدی میں یہ اعتبار گھٹ گیا۔

تفسیری نظریہ کی تشکیل کے لئے چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) ایک اہم موڑ ہے، اس وقت جب مدرک تفسیر کے بارے میں خود آگاہی کا اضافہ ہورہا تھا، مفسرین اپنے مدارک کے بارے میں بے حد حساس تھے۔

۲۔ ۳۔ قرآن کی خود کفائی:

مدارک تفسیر پر سب سے پہلے شاید اسی گروہ کی توجہ مرکوز ہوئی جو مسلمانوں کے درمیان سنت کے آنے سے بدگمان تھے وہ قرآن کی طرف بازگشت کو صحیح اسلام سمجھنے کا واحد راستہ مانتے تھے عمل سنت سے پرہیز اور قرآن کی طرف التفات نے قرآن کے کافی ہونے کے نظریہ کے لئے زمین ہموار کردی۔

اس سلسلے کا پہلا اشارہ ہمیں وہاں ملتا ہے جب پیغمبرؐ نے حالت احتضار میں قلم اور دوات طلب فرمایا تھا تا کہ ایک ''نوشتہ'' لکھ کر دیں ایسے موقع پر خلیفہ دوم فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۹۹ اس مجلس میں کلام عمر میں ''کتاب خدا کی کفایت'' کا مطلب یہ تھا کہ ''پیغمبر کے لکھے ہوئے کسی دوسرے نوشتہ کی ضرورت نہیں ہے'' فہم قرآن میں قرآن کی خود کفایتی مقصود نہیں ہے۔

صدر اسلام کے چند دہے بعد خلیفۂ دوم کی تعلیمات سے بہت متاثر اویس قرنی، حرم بن حبان سے ملاقات میں کتاب خدا پر اکتفا کرنے اور ضبط حدیث میں مشغول نہ ہونے کی تاکید فرماتے ہیں:۱۰۰

لیکن حکمیت کے بعد خوارج کے قرآن پر استناد والا واقعہ اس فکر سے باہر نکلنے کے لئے ایک موڑ کی طرح پیش کیا جاسکتا ہے جب حضرت علیؑ نے ابن عباس کو خوارج سے مناظرہ کے لئے روانہ فرمایا تو آپ نے کہا کہ تم صرف قرآن کی بنیاد پر ان سے گفتگو نہ کرنا کیوں کہ قرآن کے مختلف پہلو ہیں تم ان سے سنت کے ذریعہ احتجاج کرنا ان کے پاس سنت سے گریز کا کوئی راستہ نہیں ہے۔۱۰۱

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں خوارج نے آیات قرآنی کو جوڑ کر اس سے تمسک کرتے ہوئے جو استدلال کیا تھا اسکا نمونہ ہمیں نافع بن ارزق کے ایک خط میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے آیت ''وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْكَافِرُونَ ۔۱۰۲ ''وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الظَّالِمُونَ ۱۰۳ اور'' وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ ۱۰۴ سے اس آیت کے ماقبل پر نظر ڈالے بغیر ہر فاسق وظالم وکافر کے مقابلہ میں اسے پیش کر کے نتیجہ نکالا ہے جو خوارج کا مشہور نظریہ ہے ۱۰۵ حالانکہ ان آیتوں میں یہودی اور نصرانی ہونے کی شرط ہے۔

کچھ متاخرین صحابہ جسے ابن عباس نے ''ضرب القرآن بعضه ببعض'' کہہ کر اس روش پر تنقید کی ہے۱۰۶ امام محمد باقرؑ کی ایک روایت میں اس روش کے حاصل کو کفر کہا گیا ہے۱۰۷۔

کچھ تابعین اور تبع تابعین مثلاً مجاہد اور ابوحمزہ ثمالی نے اپنی تفسیر میں عملی طور پر بارہا قرآنی آیات کی آیات سے تفسیر بیان کی ہے ۱۰۸ لیکن ان کی تفسیر کسی سنت تفسیری پر اعتماد کے بغیر نہیں ہے۔

اہل سنت کے مدارک میں آنحضرتؐ کے زمانہ میں قدر کے باب میں قرآن کی آیتوں پر

استناد کے ذریعہ گفتگو موجود ہے اور اس میں ''ضرب القرآن بعضہ ببعض'' کی تنقید پیغمبر کی زبانی منقول ہے ۱۰۹؎ اگر چہ عصر نبوی میں ایسی بات کا سامنے آنا قابل قبول نہیں ہے لیکن ایسی حدیث کا وجود بتاتا ہے کہ دوسری اور تیسری صدی میں ''ضرب القرآن ...'' کے سلسلہ میں تنقید ہونے لگی تھی اور اس تیسری صدی میں حکیم ترمذی نے نظری صورت کی تنقید پیش کی ہے(۲/ ۲۴۵) لیکن بعد کی صدیوں میں ضرب القرآن'' کی اصطلاح سے استفادہ بہت ہی نادر ہے ۱۱۰؎

درحقیقت شدت پسندوخوارج کی بیخ کنی کے بعد قرآن کی کفایت کی روشن سے تفسیر کی فضانے کنارہ کشی اختیار کرلی اور سنت وسیرت سے تمسک کی روش کو تفسیر میں غلبہ حاصل ہوا۔

قرآن فہمی کے لئے قرآن سے استفادہ کا چلن درمیانی صدیوں میں دوسری بارہوگیا اور مفسرین'' قرآن سے قرآن کی تفسیر'' کرنے لگے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس فکر میں سنت بھی مدرک تفسیر کی طرح شامل رہی اور اس آخری سدی میں چند اصلاح طلب مفسرین کے علاوہ خود کفائی قرآن پر کسی کا تکیہ نہیں رہا۔

۳۔تفسیر کا علمی استقلال :

دوسری اور تیسری صدی ہجری کو تاریخ علوم اسلامی کی تدوین کا زمانہ کہا جاسکتا ہے ۔ چوتھی اور پانچویں صدی علوم اسلامی کی تدقیق وتشکیل کا دور ہے۔قرآن کی تفسیر دوسرے علوم سے بہت زیادہ وابستہ تھی ۔ اس وابستگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تفسیر کو اہلیت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ مختلف علوم اسلامی کے شعبوں میں علماء کی فعالیت کا اہم حصہ عملی تفسیر قرآن کے لئے ہوا کرتا تھا ،مفسر کے عنوان سے کسی خاص صنف کی دلچسپی کا سبب یہ موضوع نہیں تھا تمام علماء اس میں دلچسپی لیتے تھے اور اس وقت کوئی ایک اسلوب غالب نہیں تھا۔

دوسری سے پانچویں صدی کے درمیان لکھی جانے والی تفسیروں کو چند معین دستوں میں تقسیم کرسکتے ہیں کچھ تفسیر ماثور ہیں جو اہل حدیث علماء نے تحریر فرمائی ہیں۔ ان میں مصنف کے چند چھوٹے اور محدود نکات اور کچھ صحابہ وتابعین سے منقول تفسیری مواد کے علاوہ کچھ نہیں معتزلی ، اشعری اور امامی علماء کی لکھی ہوئی کچھ تفسیریں ہیں۔ ان میں انہوں نے ظاہری اعتبار سے ان کے کلامی موافقت کے مطابق پائی جانے والی آیتوں کی تفصیل بیان کی ہے اور جن آیات کا ظاہری ان کے

مخالف تھا، اپنے مذہب کے مطابق انہوں نے ان کی تاویل پیش کردی ہے۔ کلامی استدلال میں ان کا جو معنیٰ ہے تفسیر میں بھی ان کا عملی مبنیٰ وہی ہے اور اس میں کلامی گفتگو سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کی گئی ہے۔

کچھ فقہاء نے تفسیروں میں علم اصول فقہ کی وسعت دی ہوئی روش سے استفادہ کیا ہے اور عارف وصوفی حضرات نے بھی جو محدود تفسیر لکھی ہیں ان میں انہوں نے اپنے مخصوص مروج انداز کی عکاسی کی ہے۔

مفسر کے اصطلاحی معنیٰ کی تبدیلی:

تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی میں کچھ شخصیتوں کو روایات کے اسناد میں ''المفسر'' کہا گیا جو بالکل نئی چیز ہے منجملہ ان کے ابوعلی حسین بن بندار، مفسر استرآبادی (۱۹۲ ق سہی، تاریخ. ۵۲۳: جم) ابوبکر محمد علی بن سہل مفسر مروزی (د ۲۹۶ق، اسماعیلی ۱/ ۴۹۲۔ سہمی، تاریخ ....۳۹۶۔ سوالات.... ۲۷۲) پدر ابو احمد عبد اللہ بن محمد بن ناصح فقیہ دمشقی (د ۳۶۵ ق) جو اپنے باپ کی شہرت کی وجہ سے ابن مفسر کہے جاتے تھے (کتانی ۱۰۱، ابوعمرو دانی ۳/ ۶۸۳جم۔ قاضی قضائی ۱/ ۷۳، جم ضیاء مقدسی۔ ۱۰/ ۱۹۵) عمار بن یزید مفسر (ابن حبان کتاب المجروحین ۱/ ۱۳۷) ابوعبد اللہ محمد بن موسیٰ ایلی مفسر (طبرانی، المعجم الصغیر ۲/ ۱۰۶ جم: بیہقی احمد، شعب ... ۴/ ۱۴۳) ابوبکر محمد بن ابراہیم مفسر (ہمان ۲/ ۱۲۱) ابوبکر دینوری مفسر (زندہ در ۲۸۸ ق، ابو نعیم، حلیہ ۴/ ۴۲، ۹/ ۳۳۹) محمد بن قاسم مفسر استرآبادی، راوی تفسیر امام حسن عسکریؑ (ابن بابویہ، التوحید، ۴۷ جم عیون، ۱/ ۵ جم) وابوبکر احمد بن محمد حاکم نیشاپوری کے شیخ ہیں (د ۴۰۵ق) اپنے والد کی شہرت کی بنا پر ابن المفسر کہے جاتے ہیں (احکام ...۱/ ۴۲) علی بن عبد الحمید مفسر واسطی (فرات کوفی ۶۱۷) وابومحمد عبد اللہ بن عطیہ بن حبیب مفسر دمشقی (مروزی، تعظیم ... ۸۵، اسانید ملحق، ابن عساکر، تاریخ ۳۱/ ۳۰) دوسری صدی سے تفسیری تالیف کا آغاز ہوا لیکن مذکورہ شخصیتوں میں سے کوئی بھی کسی جانی پہچانی تفسیری تالیف کا مولف نہیں ہے۔ یہاں تک کہ آخری شخصیت ابن عطیہ کی طرف ایک مبہم تالیف کی نسبت متاخر مدرک میں (مثلاً ادرنوی ۸۶، ۴۵/GAS) سوء تفاہم کی پیداوار ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جن افراد نے تفسیری اخبار اور معانی قرآن میں زبانی فعالیت کی تھی انہیں مفسر'' کہا گیا ہے۔ اور جن افراد

کی تالیف ،تفسیری سلسلہ کی تالیف تھی ، اس صدی میں ان کا تعلق متعدد علمی اصناف سے تھا۔

اسی صدی کے درمیانی حصہ میں ایسے نمونوں کا ثبوت ملا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں نے گزشتہ افراد سے روایت بیان کی ہے ایسے راویان تفسیر کو'' المفسر '' کہا گیا ہے مثلاً ''یعرف بابی محمد المفسر '' کی تعبیر موجود ہے۔ موسی بن عبد الرحمٰن ثقفی صنعانی (دم ۱۹۰ ق) راوی تفسیر ابن جریج نے عطا سے انہوں نے الکامل ابن عدی میں ابن عباس سے (۶/ ۳۴۹) روایت کی ہے۔ حسن عسکری کی طرف منسوب تفسیر کے راوی محمد بن قاسم استرآبادی کا ذکر بابویہ نے متعدد بار کیا ہے (مثلاً ، التوحید ۴۷، جم ، عیون ۱/ ۵ جم)

صرف پانچویں صدی کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ مفسرین کی لفظ اس صدی میں ان کے لئے استعمال کی گئی ہے جو تفسیر مبعوث کے عنوان سے پہچانے جاتے تھے۔ اس کا سب سے نمایاں نمونہ ابو القاسم حسن بن محمد بن حبیب کا متعدد بار مفسر کی تعبیر سے یاد کیا جانا ہے۔ ۱۱؎

سند سے خالی ماثور تفسیر کے پہلے نمونہ کے مصنف ابو القاسم ابن حبیب نیشاپوری (د۴۰۶ق) ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تفسیری حدیث کے اندراج میں ایسی روش اس زمانہ میں بالکل نئی اور سبب تنقید تھی ۔ اگر یہ کہا جائے کہ پانچویں صدی میں جو اصحاب حدیث کی روش کی پابندی نہیں کرتے تھے اور نہ محدث تھے ،تفسیر لکھنے والے ایسے شخص کو مفسر کہا جاتا تھا تو یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے۔

اس گمان کی تائید کے لئے پانچویں اور چھٹی صدی کے شاگرد ابن حبیب ثعلبی اور شاگرد ثعلبی واحدی کا نام لیا جاسکتا ہے جو اسی طرح کی تالیف کو جاری رکھنے میں منہمک تھے۔ ۱۲؎ صرف ماثور تفسیر لکھنے والوں کے لئے لفظ مفسر کا ستعمال درحقیقت لفظ کو جدید معنی کی طرف منتقل کرنے کا مرحلہ ہے۔

چھٹی صدی ہجری میں ذرا وسیع معنی میں لفظ مفسر استعمال ہوا۔ جس نے تفسیر کی کتاب لکھی اسے مفسر کہا گیا۔ مثلاً مقاتل بن سلیمان ، (فخر الدین ،تفسیر ۱/ ۵۴۹) محمد بن مسعود عیاشی (حسکانی ۱/ ۳۰) احمد بن حسن فلکی ، (ابن شہر آشوب مناقب ۱/ ۱۶۷ جم) ہبۃ اللہ ابن سلامہ بغدادی (ابن جوزی، زاد/ ۱۵۷ جم) کے نام نظر آئے ہیں (واحدی ۱۱۔ حیکانی ۱/ ۶۴۔ طبرسی ،مجمع ۱/ ۲۱۰)

لفظ مفسر کا استعمال کلی معنی میں۔ یعنی جس نے بھی قرآن کی تفسیر میں ہاتھ ڈالا۔ اگر چہ

ایسے شخص کے لئے مفسر کا استعمال چوتھی اور پانچویں صدی میں بہت ہی مبہم اور نادر ہے۔ (مثلاً ، سراج ۶۹۔ سورہ آبادی ۱/ ۳) لیکن چھٹی صدی کے وسط کے مدارک میں باقاعدہ نظر آنے لگا (مثلاً ابن شہر آشوب ، متشابہ..۱/ ۹،۳۸جم : فخر الدین ، التفسیر ۱/ ۳۲۳۔ ۳/ ۴۶۰)

مجموعاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مفسر کی اصطلاح ایسے تنگ معنی یعنی تفسیر لکھنے والے کے معنی میں تیسری صدی کے اواخر میں نظر آئی پھر پانچویں صدی میں دوسرے تنگ معنی یعنی مولف تفسیر ماثور مجرد۔ میں منتقل ہوا اور چھٹی صدی ہجری کے وسط میں اس کے معنی میں وسعت پیدا ہوئی اور ہر تفسیر بیان کرنے والے کو مفسر کہا گیا۔

تفسیر ایک مستقل علم:

چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی میں جامع الازہر، مدارس نظامیہ اور اس جیسے دسیوں دوسرے مدارس کے قیام کے بعد دینی مراکز کے تعلیمی نظام میں اہم تبدیلی رونما ہوئی۔ مختلف مراحل میں حصول مہارت کے پیش نظر مختلف علوم میں تعلیمات کا سلسلہ شروع ہوا تو صنفی قدیم تعلیم کے بجائے مدرسہ والی قدیم تعلیم کی بنیاد پڑی اس طرح ہر علم میں کام کرنے کا بہت کھلا موقع نصیب ہوا۔

دوسری طرف چوتھی صدی ہجری میں کلامی اور فقہی جدید مذاہب کی ایجاد کا باب بند ہوجانے اور نظری وسعت کے میدان میں موجودہ مذاہب کے وارد ہونے کے بعد فقہ وکلام کے علماء اپنے فن میں خصوصی مہارت حاصل کرنے میں سرگرم ہوگئے۔ اور مختلف علوم میں دسترسی سے اپنے آپ کو دور رکھا۔

تفسیری میدان میں بھی اس واقعیت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ متکلم ، فقیہ ، محدث، معلم اور ادیب یعنی مختلف علماء کا پانچویں صدی تک یہ یقین تھا کہ قرآن کے مفاہیم کو سمجھنے کے لئے مختلف علوم کا سہارا لینا چاہئے ۔ ادباء کی تفسیری کتابوں میں تفسیری احادیث اور فقہی مباحث کی گنجائش اور متکلمین وفقہا کی تفسیری تحریروں میں ادبی لطیف باتوں پر توجہ مرکوز کرنے کی بحث اس مقالے کے دوسرے حصہ میں پیش کی جائے گی۔

عالم تفسیر کے داخلی اور خارجی شعبوں میں یہ واقعات چھٹی صدی سے علم کلام فقہ وغیرہ جیسے

علوم سے تفسیر کے رابطہ کا سبب بنے اور علم تفسیر ایک مستقل علم کا عنوان بن کر مختلف علوم سے حاصل شدہ معلومات کو عمل میں لانے والے علم کی شکل میں پہچانا گیا۔

مختصر یہ کہ ابتدائی صدیوں سے لیکر چھٹی صدی تک تفسیر مدارک سے حاصل تو کی جاتی تھی مگر کسی مستقل بحث کی طرح وہ منظر عام پر نہیں آئی تھی ۔لیکن چھٹی صدی ہجری میں اس کی مستقل حیثیت سامنے آئی اور اسی بنا پر تفسیر کو جدید ضرورتیں پیش آئیں۔

تفسیر کے سلسلہ میں مفسرین کچھ اصول ومبانی کی شدت سے ضرورت محسوس کررہے تھے ، گذشتہ چندصدیوں میں ہاتھ آنے والی چیزوں کو ایک منظّم شکل میں جمع کردینا تفسیر کی داخلی ساخت کے لئے ضروری تھا۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم وہ چھوٹے بڑے مقدمے ہیں جو مفسرین نے اپنی تفسیروں میں لکھے ہیں ان مقدموں میں ایسے ہی مطالب کو موضوع بنایا گیا ہے بعد میں جن کا نام ''علوم قرآن'' رکھا گیا اس سلسلہ کا مختصر مقدمہ فضل بن حسن طبرسی نے مجمع البیان پر لکھا ہے اور تفصیلی مقدمہ المحر رالوجیز پر ابن عطیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

ابتدائی صدیوں کے مقدمات میں کسی مستقل آثار کا تلاش کر نا بہت مشکل ہے۔ ان میں سے کچھ مثلاً متن امامی جو تفسیر النعمانی کے نام سے پہچانی جاتی ہے متقین تاریخ کے اعتبار سے مزید تحقیق چاہتی ہے ۔لیکن یہ ابتدائی نمونہ ہے۔ کتاب المدخل فی التفسیر،مصنفہ ابو القاسم بن حبیب نیشاپوری (د ۴۰۶ ق) اب باقی نہیں ہے کہ جس کے مضامین کے بارے میں کچھ فیصلہ کیا جاسکے ۔ مفسر گرامی کی کتاب المبانی ظاہراً جو تفسیر پر مقدمہ تھی، مجموعہ مقدمتان فی علوم القرآن میں اثر جعفری نے اسے شائع کیا تھا (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۴) اگر پانچویں صدی سے اس کا انتساب صحیح ہوتو یہ ابتدائی کتابوں کی صف میں داخل ہے۔ راغب اصفہانی کی مقدمہ التفسیر القرآن کے عنوان سے لکھی ہوئی کتاب ۔(۴۲۵ ق) ابتدائی آثار کا ایک دوسرا نمونہ ہے۔ یہ کتاب ان کی گم شدہ تفسیر کا مقدمہ ہے (مطبوعہ کویت ۱۴۰۵ق)

چھٹی صدی ہجری میں گذشتہ صدیوں سے زیادہ منظّم انداز میں کچھ مفسرین نے مستقل تالیف کیں۔جن میں علوم قرآنی پر مشتمل ابتدائی کتابیں بھی شامل تھیں۔ایسی تالیفات میں ابو بکر ابن عربی (د ۵۴۳ ق) کی قانون التاویل ، ابو الفرج ابن جوزی (د ۵۹۷ق) کی فنون الافنان کا نام لیا جاسکتا ہے جیسے کتب ادب القضا کے مصنّفین قضاوت کی تنظیم اور ایجاد وحدت رویہ کے ذریعہ قاضیوں

کی مدد کرنا چاہتے تھے بالکل اسی طرح علوم قرآنی کے ابتدائی مصنفین ،تفسیر کو منظّم کرنا اور مفسرین کی سرگرمیوں کو ایک ضابطہ عطا کرنا چاہتے تھے۔

کتب علوم قرآن کا سلسلہ اگر چہ اس صدی تک اسی نہج وروش پر جاری رہا لیکن آٹھویں صدی میں اصول وقواعد تفسیر کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی گئیں جو ہر اعتبار سے مکمل اور اپنے مقصد میں کامیاب رہیں۔

قواعد تفسیر کے موضوع پر تالیفات :

آٹھویں صدی ہجری اور چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں مشہور سلفی عالم تقی الدین ابن تیمیہ (د ۷۲۸ ق) نے تفسیروں میں موجود آشفتگی دبے سروسامانی مختلف النوع روش اور ان کو پرکھنے کے لئے کسی اصول کے فقدان پر تنقید کرتے ہوئے ایک ایسا رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا جو قواعد کلی بیان کرے اور فہم قرآن ،معرفت تفسیر ومعانی میں، عقلی اور نقلی سطح سے بلند ہوکر حق وباطل کے درمیان تمیز کا ذریعہ بنے اور اقوال کے درمیان فیصلہ کا امکان پیدا کرے (مقدمہ.. ۳۳) ان کی یہ تحریر بعد میں مقدمۂ اصول التفسیر کے عنوان سے مشہور ہوئی۔ ابن تیمیہ نے اپنی تالیف کے مقدمہ میں بیان کردہ مقصد کی وسعت کے باوجود عملی طور پر صرف اپنی تائید شدہ روش یعنی سلفی تفسیر کی تحریر کی تائید اور دوسری روش کی مذمت کی۔ انہیں کے زمانہ میں بغداد کے حنبلی عالم سلیمان بن عبد القوی طوفی (د۷۱۶ق) نے بھی اس موضوع پر اپنی تالیف پیش کی اور الاکسیر فی قواعد التفسیر کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمائی۔ ۱۱۳

نویں صدی ہجری کے وائل اور پندرہویں صدی عیسوی میں سلفیت کے زور اور یمن کے زیدیوں کے درمیان باب اجتہاد کھل جانے کے سبب تفسیر میں بھی تبدیلی نظر آئی۔ اور پھر صنعاء کی سلفیت کی طرف مائل عالم محمد بن ابراہیم وزیر (د ۸۴۰ق) کو ابن تیمیہ کے انداز کی کتاب قواعد التفسیر لکھی ۱۱۴

نویں صدی کے وسط میں قواعد تفسیر کی طرف میان رو اہلسنت کی توجہ بھی مبذول ہوئی۔ ادبی علوم میں ماہر اور شہرت یافتہ ایشیائے کوچک کے حنفی عالم محی الدین محمد کا کافیہ جی (د ۸۷۹ق) نے التیسیر فی قواعد التفسیر کے عنوان سے کتاب تحریر فرمائی۔ ۱۱۵

ان تحریروں کے بعد علم التفسیر یا علوم التفسیر کے نام سے موضوع بحث کا تعارف کرایا گیا ہے۔منجملہ ان کے محمد بن عبد الکریم مغیلی مالکی عالم تلمسان (مذکورہ حوالہ ۶/ ۲۱۶) کی البدرالمنیر فی علم التفسیر (د ۹۰۹ ق) جلال الدین سیوطی کی التحبیر العلم التفسیر (د ۹۱۱ق، مذکورہ کتاب۔ ۳/ ۳۰۱) قاضی بغداد قوام الدین مولی یوسف (د ح ۹۲۰ ق) قاضی بغداد (طاش کو یری زادہ ۱۹۰۔ ادرنوی ۳۶۶۔۳۶۷) کی مقدمات تفسیر کے موضوع پر جامع کتاب۔ شافعی عالم فارس (زکلی ۴/ ۲۳) عبد العزیز بن علی شیرازی زمزمی (د ۹۷۶ق) کی علم التفسیر میں منظوم اور مصر کے شافعی عالم منصور طبلاوی کی نہج التیسیر کی علی علم التفسیر (دلم ۱۰۱۴ ق) کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے ۔ اس طرح تصانیف وآثار کا تواتر بتاتا ہے کہ اس موضوع نے ڈیڑھ سو برس سے زیادہ مدت تک تفسیر کے علماء کو اس کی طرف متوجہ رکھا۔

بارہویں صدی ہجری یعنی اٹھارہویں صدی عیسوی میں دمشق کے حنفی مفتی حامد بن علی عمادی (د ۱۱۷۱ق) نے التفصیل بن التفسیری والتاویل لکھ کر تفسیری نظریہ میں ایک خاص رویہ پیش کیا ہے۔ (مدرک سابق ۲ / ۱۶۲) ہندوستان میں سلفی عالم شاہ ولی اللہ دہلوی (د ۱۱۷۶ق) نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (مطبوعہ سلمان ندوی ، ۱۴۰۴ق) اور فتح الخبیر بمالابد من حفظه فی علم التفسیر (مدرک سابق ۱/ ۱۴۹) گذشتہ انداز پر تحریر فرمائی تھی لیکن اس میں سلفیت کی طرف میلان موجود ہے۔

تیرہویں صدی ہجری یعنی انیسویں صدی عیسوی میں مشہور کتاب اصول الفقہ کے مولف حفنی عالم محمد مصطفیٰ خضری نے مبادی التفسیر کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمائی (مدرک سابق ۷/ ۱۰۰۔۱۰۱) قدیم قواعد کی تفسیر کی بقیہ باتوں کو دہرانا اور مرتب کرنا جس کا عین مقصد تھا۔ خضری اپنی کتاب میں کسی نئی یا بدلی ہوئی فکر کو پیش کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن منتخب اور منظّم چیزوں کی جمع آوری کے سبب چودہویں صدی کی عرب دنیا دمیں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

خضری ہی کے زمانہ میں یمن کے ایک زیدی عالم احمد بن عبد الرحمٰن مجاہد صنعانی (د۱۲۸۱ق) نے اپنی تحریر فتح اللہ الواحد یا مقدمہ فی علم التفسیر میں ایسی ہی کوشش کی ۔

چودھویں صدی کے نصف اول میں قواعد تفسیر کی قدیم روش کو باقی رکھنے کی جو کوشش ہوئی اس میں مندرجہ ذیل علماء اور کتابوں کا نام لیا جاسکتا ہے مثلاً سید احمد خاں کی التحریر فی اصول التفسیر

(د۱۳۱۶ق رہبر 104ff) مصطفیٰ حکیم کی مقدمہ لعلم التفسیر (د ۱۳۴۱ ق زرگلی ۷/ ۲۲۹) اندونزیابی تبارمکہ کے عالم محسن بن علی مساوی کی اصول التفسیر میں منظومۂ زمزمی (د ۱۳ق، مدرک سابق ۵/ ۲۸۸) مصری مالکی عالم محمد حسنین مخلوف کی والمدخل المنیر فی مقدمہ علم التفسیر (د ۱۳۵۵ ق، مدرک سابق ۶/ ۹۶) اور ادھر نصف صدی میں اس سلسلہ کی متعدد اور متنوع کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اتنا کچھ بیان کرنے کے باوجود ابھی تک جو قواعد تفسیر منظّم ہوئے ہیں انہیں کافی نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح اس صدی تک مقدمہ تفاسیر اور حاشیہ تفسیر نویسی میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

روش اور سلوب کی بنیاد پر تفاسیر کی طبقہ بندی، مشرقی مصنّفین کے درمیان پہلی مرتبہ لکھی گئی تفسیر کے اقسام اور اس کے بعد مسلمان محققین کی خدمات کو ضبط کرنے کی اس صدی میں کوشش کی گئی۔ اسلامی تفسیر وں کو حجت عطا کرنے کے پہلے قدم کے لئے گلدسپہر کی طرف اشارہ کرنا چاہئے اس میں مستشرقین کے درمیان مقالات اور متعدد کتابیں سامنے آئیں۔ عالم اسلام کی بہت بااثر کتاب محمد حسین ذہبی کی التفسیر والمفسر ون کا نام لیاجاسکتا ہے، جس کی تکمیل وتنقید میں بعد میں اہم قدم اٹھائے گئے۔

علم تفسیر کی ابتدائی تاریخ:

ا۔تفسیر نبوی:

مناسب تو یہی ہے کہ تفسیر نبوی، پیغمبر کو قرآن کے پہلے مفسر کے عنوان سے پہچانا جائے البتہ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ عہد نبوی میں تفسیر کا مفہوم کتنا روشن تھا بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے بعض اقوال واخلاق بعض آیات قرآنی سے مربوط تھے اور ان آیتوں کو گہرائی سے سمجھنے میں مددگار بھی ثابت ہوئے۔ آپ کی بہت ساری حدیثیں بڑی وضاحت کے ساتھ آیات قرآن کی تفسیر بیان کرتی ہیں۔مثلاً ''یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِه'' (بقرہ ۲/ ۱۲۱) کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ ان کی اس طرح پیروی کرتے ہیں جو سزاوار ہے (خطیب اقتضاء... ۷۶۔، ذہبی محمد، میزان ... ۴/ ۲۵۳) کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پیغمبر نے ایسی بات کہی ہے جو مخاطبین یا آنیوالوں کے لئے آیت کی تفسیر شمار کی جاتی ہے مثلاً پیغمبرؐ کا یہ ارشاد کہ ''بنی اسرائیل میں

سے اگر کوئی خادم، عورت اور چوپایوں کا مالک ہوتا تھا تو بادشاہ کہلاتا تھا'' یہ حدیث آیہ "وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا" (مائدہ ۵/ ۲۰) کی تفسیر کہی گئی ۱۱۶۔ حالانکہ متن حدیث میں کہیں بھی براہ رواست آیت کی طرف اشارہ نہیں ۔ پھر بھی اسے آیت کی تفسیر سمجھا گیا۔

سیوطی نے الاتقان کی نوع ۸۰۔ میں تفسیر کے باب میں پیغمبرؐ کی کچھ حدیثیں جمع کی ہیں لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی حدیثوں کے اسناد مناسب نہیں ہیں اس بنا پر عصر نبویؐ میں تفسیر کی کیفیت کے سلسلہ میں بڑی مضبوط اور مستحکم بات پیش کرنے کی ضرورت ہے(مہدوی راد نے بھی اس سلسلہ میں بحث کی ہے)

۲۔ تفسیر صحابہ:

خلافت کے ابتدائی دور کے زمانہ میں تفسیر کی وسعت کی طرف میلان نظر نہیں آتا۔ خلیفۂ اوّل سے کسی آیت کے بارے میں پوچھا گیا اور ان پر اس کا مطلب آشکار نہیں تھا تو انہوں نے فرمایا'' اگر میں نادانی کی بناپر کتاب خدا کے بارے میں کوئی بات کہوں گا تو...کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا اور کون سی زمین میرا بوجھ ٹھائیگی'' ۱۱۷۔ اسی سے ملتا جلتا مضمون خلیفۂ دوم سے بھی منقول ہے۔ جب ان سے آیت قرآن کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا'' یہ سوال پرتکلف ہے'' اور اس کا جواب جاننا ضروری نہیں ہے۔ ۱۱۸۔

اصحاب پیمبر کے درمیان معدودے چند افراد ہی نے تفسیر کے بارے میں اہتمام کیا ہے علوم قرآن میں جن کے نامشہور ہیں وہ دس صحابہ ہیں۔ چار خلفاء، ابن مسعود، ابن عباس، ابی کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، اور عبد اللہ بن زبیر ہیں۔ لیکن جن افراد کے تفسیری مضامین تفصیل سے نقل ہوئے ہیں وہ علی الترتیب حضرت علیؑ ابن عباس ابن مسعود، ابی ابن کعب ہیں۔ ابتدائی تینوں خلفاء سے سیوطی کے مطابق کی تصریح مطابق تفسیر کے سلسلہ میں بہت ہی نادر بیانات صادر ہوئے ہیں۔ ۱۱۹۔

جن صحابہ کو مفسر کہا جاتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ مجموعی طور پر ۳۵ ہجری یا ۶۵۵ عیسوی یعنی کبار صحابہ کے زمانہ میں حضرت علیؑ کے علاوہ مدینہ میں تفسیر کا درس دینے والے اہم شخص ابی ابن کعب اور کوفہ میں ابن مسعود تھے جنہوں نے دو اہم تفسیری محفلوں کا انعقاد کیا۔ تفسیر اور

مصحف کی جمع آوری کے درمیان براہ راست ربط کے بغیر ہمیں اس بات پر توجہ رکھنی چاہئے کہ ابن مسعود اور ابی ابن کعب کے دو مصاحف مصحف عثمانی کی تدوین کے بعد بھی مدتوں باقی رہے اس سے دونوں حضرات کی یاد تاریخ میں معلم قرآن کی حیثیت سے باقی ہے۔ حالانکہ صحابہ میں کسی تیسرے شخص کا وہ مقام نظر نہیں آتا۔

کم عمر صحابہ میں دو میلانات نظر آتے ہیں۔ کسی نے تفسیر کی طرف توجہ دی اور کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کیا۔ اگر چہ تفسیر کی زیادہ سے زیادہ ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ اسے بہت احترام کی نظر سے دیکھا گیا ہے ابن عباس (د ۶۸ ق) شیخ المفسرین کے عنوان سے پہچانے جاتے ہیں جو نوجوان صحابہ کے درمیان ایک ایسی اور شخصیت کے مالک تھے جس نے تفسیر کے ایک قوی مکتب کی بنیاد رکھی اس میں مختلف سرزمین سے آئے ہوئے طالبان علم تفسیر کی پرورش ہوئی۔ عبد اللہ بن عمر (د ۷۳ق) علمی اور دینی معارف کے حامل نوجوان صحابہ کے درمیان ان کے راس ورئیس اور قرآن کی تفسیر سے پرہیز کرنے والے جانے جاتے تھے ۱۲۰

مضامین آفرینی کے اعتبار سے صحابہ کبار سے منقول کچھ تفسیری حدود اور کچھ متون ہیں۔ صحابہ کی طرف سے جسے تفسیر کہا جاسکتا ہے۔ ان میں سے کچھ باتیں قرأت کے عنوان سے نقل ہوئی ہیں۔ ان قرأتوں میں کچھ چیزوں کا اضافہ ہے۔ مثلاً عبد اللہ ابن مسود اور ابی ابن کعب سے نقل شدہ چیزیں (ابن خالویہ ۱۷۳۔۱۷۴۔ابن ابی داؤد ۵۳۔۵۵) کچھ قرائتیں تفسیر لفظ پر مبنی ہیں مثلاً ابن مسعود سے منقول ساھون'' (مامون ۵/۱۰۷) ''لاھون '' کی قرائت (ابن خالویہ ۱۸۱) اور اکرمکم '' (حجرات ۴۹/ ۱۳) کی جگہ'' خیارکم'' کی قرائت (ابن ابی داؤد) ابی ابن کعب سے منقول موصدۃ(ہمزہ ۱۰۴/ ۸) کی جگہ''مطبقہ'' کی قرأت (ابن خالویہ ۱۷۹) اسی طرح دوسرے صحابہ سے منقول تفاسیر کو تفسیر کی ایک قسم کہا جاسکتا ہے۔(صحابہ کی تفسیر کی بحث کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ مہدوی راد ۶۱۔ ۱۱۹)

عصر صحابہ میں تدوین تفسیر کے سلسلہ میں طولانی گفتگو ہوسکتی ہے۔ کچھ امامیہ علماء مثلاً شیخ مفید نے فرمایا ہے کہ مصحف علیؑ میں جوز یادتی نظر آتی ہے وہ تاویل ہے۔ یا بین السطور کی تفسیر ہے۔۱۲۱ اس بنا پر اس مصحف کو تدوین تفسیر کا پہلا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ نوجوان صحابہ کے زمانہ میں ابن عباس کی مختصر تحریر ہے جسے احتمالی تفسیر کہا جاسکتا ہے۔ یہ علی بن طلحہ کی ابن عباس سے روایت

ہے جو بعد والوں کے ہاتھوں تک پہونچتی ہے۔ بخاری نے اسے' قال ابن عباس'' کہہ کر نقل کیا ہے۔ ۱۲۲ اور اصل طبری کے منابع میں بھی ہے۔ ۱۲۳ سزگین، ابن عباس کی طرف متون میں سے صرف اس متن کو اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ متن سمجھتے ہیں (۲۷/ ۱،GAS) ابن عباس کی طرف منسوب خبر کے اعتبار سے جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو(برگ FF۱۷۳)

۳۔ تفسیر تابعین:

۱۶۱ سے ۸۵ ہجری یا ۶۸۱ سے ۷۰۴ عیسوی تک تابعین کے پہلے طبقہ کی فعالیت کا زمانہ ہے اس زمانہ میں کوفہ میں اصحاب علیؑ ، ابن مسعود اور مکہ میں اصحاب ابن عباس کی محفلوں میں زبانی طور پر تفسیر کی رونقیں قائم تھیں۔ مدینہ اور بصرہ کی فضا تفسیر سے دور تھی ۔ صرف بصرہ ایرانی عالم ابوالعالیہ ریاحی (دم ۹۳ق) ہیں جنہوں نے عراق وحجاز کے اصحاب مثلاً ابن مسعود ، ابن عباس اور شاید حضرت علیؑ سے بھی کچھ حصہ حاصل کیا تھا(ھ د، ۵/ ۶۶۴۔۶۶۵) ربیع بن انس بصری کی روایت کے مطابق ان کے پاس ایک نسخہ ہے جس میں ابو العالیہ نے ابی ابن کعب سے کچھ تفسیری مضامین نقل کئے تھے۔ ۱۲۴

تاریخی روایت کو دیکھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ حقیقتاً اس زمانہ میں تفسیر کی تدوین کا آغاز ہوا۔ ابو حاتم رازی کے مطابق اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان (۶۵۔ ۸۶ق) نے سعید بن جبیر کو ایک خط لکھ کر تفسیر قرآن کے سلسلہ میں ایک کتاب لکھنے کی خواہش ظاہر کی ۱۲۴ سعید کی زندگی ہی میں اسی تفسیر کے نسخے تیار ہوئے ۔سعید بن جبیر کے یار وغرہ جو متن پڑھتے تھے شاید وہ یہی تفسیری متن ہے۔قرأت کی بنیاد پر انہوں نے اپنے نسخہ میں تبدیل کی ہے۔ ۱۲۶

تابعین کے دوسرے طبقہ (۸۵۔۱۱۰ق/ ۷۰۴۔۷۲۸عیسوی) تفسیر کے مرکز میں بڑی واضح تبدیلی ہوئی۔ ابن عباس کی بزم میں مختلف علاقوں سے جو لوگ آتے تھے اس زمانہ میں وہ لوگ اپنے اپنے وطن واپس چلے گئے اور انہوں نے وہاں عباس کے مکتب کا ایک شعبہ کھول دیا۔ مجاہد بن جبیر اور عطاء بن ابی ریاح کے مکہ میں ، محمد بن کعب قرظی اور مولای ابن عباس ، عکرمہ نے مدینہ میں،حسن بصری، قتادہ جابر بن زید نے بصرہ میں، اسماعیل اور عطیہ بن سعد نے کوفہ میں ، میمون بن مہران بلاد جزیرہ میں طاؤس یمانی نے یمن میں اور ضحاک بن مزاحم نے ایران میں ابن عباس سے

حاصل کردہ تفسیر کو نشر کرنا شروع کیا۔ (ابن سعد نے ان افراد کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے) لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس طبقہ کے تمام شناختہ افراد یا مجاہد و طاوؤس جیسے افراد، ابن عباس کے خاص شاگرد تھے یا حسن بصری، محمد بن کعب وغیرہ جیسے افراد ان کی بزم کے خوشہ چین تھے۔

اس زمانہ میں ابن عباس ایک ایسی شخصیت نظر آتے ہیں جنہوں نے تفسیر کو مرکزیت عطا کی۔ یہاں تک کہ مدینہ اور کوفہ کے مراکز میں قربت کا راستہ ہموار کیا۔ دوسری صدی کے اوائل میں مکتبہ ابن مسعود کے پیروکار عون بن عبد اللہ مسعودی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ''تاویل قرآن کے سلسلہ میں مفسر مدینہ محمد بن کعب سے بڑا عالم میری نظر سے نہیں گذرا یہ اپنی جگہ خود بہت پر معنی بات ہے ۱۲۷؎ البتہ تابعین کے زمانہ میں تفسیر سے پرہیز کا سلسلہ جاری تھا۔ ان میں سے بصرہ میں اس کے بڑے علمبردار ابن سیرین تھے یہ حسن کے برخلاف تفسیر سے دور رہتے تھے اور یہ رجحان ان کے بعد ان کے مکتب کے پیروکاروں میں بعد کی نسلوں میں بھی موجود رہا۔ مدینہ میں بھی فقہائے سبعہ کی تعلیمات کا غلبہ رہا ہے لہٰذا وہ بھی تفسیر سے پرہیز گاری کا رجحان رکھتے تھے۔

اس عہد کی تاریخ تفسیر کے نسخۂ تابعین کے تفسیری اقوال پر مبنی ہیں اور تبع تابعین کی جمع کردہ یا روایت کردہ ہیں۔ بعض نسخے اس کے برخلاف ہیں مثلاً عطا بن دینار نے سعید بن جبیر سے جو تفسیر روایت کی ہے۔ مجاہد عکرمہ، قتادہ اور زید بن اسلم کے نسخوں میں جو بات آئی ہے اس کی تدوین میں تابعین نے کس حد تک کردار ادا کیا ہے یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ بہر حال اس سلسلہ میں صرف معاصر محققین ہی نہیں بلکہ کچھ قدیم علماء بھی یہ سمجھتے تھے کہ تابعین کے اقوال پر مبنی ان آثار کی تدوین تابعین کے عہد کے بعد عمل میں آئی ہے جیسے ابو طالب مکی ۱/ ۲۸۵

جو چیزیں باقی رہ گئیں ہیں اگر ان کی تحقیق کی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تابعین اپنی تفسیری روش میں صحابہ اور ابن عباس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ منجملہ ان کے مجاہد سے منقول تفسیری مضامین میں قرآن کریم کی مجازی زبان اور عقلی روایتی تفسیر پر اگر توجہ دی جائے تو اس کے نمونے مل سکتے ہیں۔ ۱۲۸؎ کوفہ کے رہنے والے شیعہ مفسر عطیہ بن سعد عوفی (د ۱۱۱ق) بھی اپنی تفسیر میں مجازات قرآن کے مطالعہ پر توجہ دیتے تھے۔ ۱۲۹؎ عمر بن عبید مغزی کے مدون کردہ حسن بصری کے اقوال میں عقلی اور درایتی تفسیر کے بہت زیادہ نمونے مل سکتے ہیں ۱۳۰؎۔ حسن کی تفسیر میں چونکہ طرق اور اسانید کا کوئی ذکر نہیں ہے اس بنا پر وہ اصحاب درایت کی تنقید کا نشانہ (خلیلی ۱/ ۳۹۶) اور اہل درایت کی

توجہ مرکز ہیں لیکن عمرو کے ذریعہ اصول نقل کی رعایت کی بنا پر مختلف مذاہب کے لوگ ان کے آثار کی طرف رجوع فرماتے ہیں ۱۳۱۔

۴۔ تبع تابعین کی ابتدائی تدوین:

تبع تابعین کے زمانہ میں 'تفسیر''علم کی شاخ کی حیثیت سے پہچانی جاتی تھی اور صحابہ وتابعین اس علم کے حصول کا ذریعہ تھے۔ اس جگہ ابن جریج (د۔ ۱۰ق) کی بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے جو انہوں نے اپنے یمنی مدمقابل معمر بن راشد (د ۱۵۱ق) کے بارے میں کہی تھی جب کسی سوال کرنے والے نے معمر کے ساتھ ان کی تفسیر کے تعارف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ معمر نے چشمۂ علم سے ان کی بہ نسبت زیادہ سیرابی حاصل کی ہے ۱۳۲۔

بہر حال مکتوب تفسیر کے قدیم نمونے قدیم ترین اسلامی نوشتوں سے ماخوذ ہیں اورانہیں تبع تابعین نے صحابہ اور تابعین سے نقل کئے ہیں۔ تبع تابعین کے زمانہ میں تفسیر نویسی کی ابتدائی شکل یہ تھی کہ اس میں ایک یا چند صحابہ اور تابعین کے تفسیری اقوال درج کر لئے جاتے تھے۔

تاریخ حدیث میں اسناد کے بارے میں جان لینے کے بعد اس بات کا انتظار نہیں ہونا چاہئے کہ دوسری صدی کے نصف اول میں جس جماعت نے حدیث نہیں بلکہ تفسیر کا اہتمام کیا تھا خاص کر ان کے نزدیک مرکزی مسئلہ اسناد کا مسئلہ ہوگا۔ اس وجہ سے حدیث کے ابتدائی نسخوں میں اسنادی حساسیت کو نظر انداز کر دینا ایک عام بات تھی۔ اس سلسلہ میں ان نسخوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جن میں رادی نے شیخ کا زمانہ دیکھے بغیر ''عن'' کے ذریعہ شیخ سے روایت بیان کردی ہے۔ نمونہ کے طور پر ضحاک بن مزاحم کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جس کے تمام مضامین ابن عباس سے منقول ہیں حالانکہ ضحاک نے ابن عباس کا زمانہ دیکھا ہی نہیں۔ انہوں نے سعید بن جبیر سے ری میں ان کی تفسیر کے اسباق حاصل کئے تھے ۱۳۳۔ ابن عباس سے عطا خراسانی کی روایت کے تمام تفسیری نسخے مرسل ہیں عطا نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا(ابن ابی حاتم، ، الجرح ۳(۱) ۳۳۴) محمد بن سائب کلبی نے ابو صالح سے اور انہوں نے ابن عباس سے جو تفسیر بیان کی ہے کئی صدیوں سے اس کا رواج رہا لیکن اسناد کے اعتبار سے اس میں ہمیشہ تردید پائی گئی ہے اور اسی وجہ سے طبری نے اپنی تفسیر میں اس سے استفادہ نہیں کیا ۱۳۴۔ یہاں تک کہ ابن جریج کی تفسیر سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران

میں معطا بن ریاح نے ابن عباس سے براہ راست روایت کی ہے اور بقیہ سوروں میں عطاء خراسانی سے مرسل روایت ہے۔ ۱۳۵

تفسیری نسخوں سے بصورت ''وجادہ'' بھی استفادہ کا رواج تھا اس کی بہت واضح مثال عطاء بن دینار کے توسط سے سعید بن جبیر کی روایت تفسیر بھی ہے جو نہ براہ راست نہ بالواسطہ کسی طرح کی سماعت پر مبنی نہیں تھی (ابن ابی حاتم ۳(۱) ۳۳۲) کہا جاتا ہے کہ مجاہد کی اہم تفسیر منجملہ ان کے ابن ابی نجیح کا نسخہ بھی وجادہ ہی کی بنیاد پر مبنی ہے اور جس کو قاسم بن بی بزہ کے نسخہ سے لیا گیا ہے۔ بعض تفسیری نسخوں مثلاً مولائے زید ابن ثابت محمد بن ابی محمد کے نسخہ میں ابن عباس سے روایت بالکل ہی مشکوک تھی جو محمد کے توسط سے ابن عباس یا سعید بن جبیر عکرمہ سے بیان کی گئی ہے۔ ۱۳۶

سلسلۂ گفتگو کے نکتۂ نظر سے کہنا چاہئے کہ تابعین کے زمانہ میں تفسیروں کا اہم حصہ ابن عباس تک ملتا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود منقولات ابن عباس کے درمیان یکسانیت نظر نہیں آتی۔ تفسیر طبری میں ابن عباس سے منقول مختلف روایتوں کے مضامین کے درمیان تقابلی مطالعہ کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی مختلف آیتوں میں ایک ہی صحابی سے کس طرح متنوع اقوال نقل ہوئے ہیں۔

اس عہد میں شیعوں کی تفسیر، خاص کر مولا علی سے منقول تفسیری مضامین بھی توجہ کے قابل ہیں، خصوصاً زید ابن علی اور جابر بن یزید جعفی سے منسوب تفسیر قابل ذکر ہے۔

تبع تابعین کے عہد کی کچھ تفسیروں کی تدوین تابعین کے تفسیری اقوال کی جمع آوری ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفسیری کتب ورسائل کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً تفسیر قاسم بن ابی بزہ یہ مجاہد کی روایت ہے۔ ابن ابی نجیح کی مجاہد سے نقل کردہ ''روایت پر مبنی تفسیر ورقاء بن عمر کوفی مجاہد سے ابن ابی نجیح کی روایت کردہ تفسیر شبلی بن عبادہ مکی مجاہد سے ابن ابی نجیح کی نقل کردہ روایت پر مبنی تفسیر حمید بن قیس اور تفسیر عیسیٰ بن میمون بھی حسن بصری کی روایت پر مبنی ابو رجاء محمد بن سیف بصری کی تفسیر قتادہ کی روایت سے متاقبل بن حیان کی تفسیر معمر کے دو شاگرد عبد الرزاق اور محمد بن ثور صنعانی کے دونسخوں سے قتادہ کی روایت پر مبنی معمر بن راشد یمانی کی تفسیر قتادہ کی روایت سے سعید بن ابی عمرو بصری کی تفسیر بروایت قتادہ، شیبان بن عبدالرحمٰن نحوی کوفی تفسیر قتادہ سے روایت کردہ سعید بن بشیر از دی بسری کی تفسیر (ابن ندیم ۳۶ تیز ۳۲/ IGAS۱) عکرمہ سے یزدے نحوی کی روایت کردہ حسین بن واقدی مروزی کی تفسیر عبد الرحمٰن بن زیدی بن اسلم کی ان کے والد سے نقل کردہ نسبتاً

تفصیلی ضحاک بن مزاحم سے روایت کی ہوئی نہشل بن سعید و رودانی کی تفسیر ضحاک کی روایت سے نقل کی ہوئی ابو روق عطیہ بن حارث کوفی کی تفسیر (ثقل طہری ۲۷)

شیعہ علماء کے درمیان بھی اپنے خاص معنی میں ان جیسے نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے مثلاً تفسیر ابوحمزہ ثمالی جو آئمۂ اہل بیت سے منقول ہے امام محمد باقرؑ سے زید یہ کی نقل کردہ روایت کی بنیاد پر فرقہ جارویہ کے بانی ابو ایجاد وزیاد بن منذر کی تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں اس کے مضامین کی ایک قسم موجود ہے۔ اور حسین بن مخارق کی تفسیر کے اندرونی اسناد کے بارے میں کوئی چیز نہیں معلوم۔

۵۔ تبع تابعین کے نزدیک تفسیری تالیف:

دوسری صدی ہجری کی تیسری دہائی سے پانچویں دہائی تک صحابہ اور تابعین کی تفسیر کے نمونے ابتدائی ہیں جو تفسیر قرآن کے عنوان سے سامنے آئے ہیں اور مختلف ومتنوع مدارک سے تالیف ہوئے ہیں۔ ان آثار کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مولف کے تفسیری نظریات بعینہ نقل صحابہ اور تابعین کے مطابق ہیں۔ عراق، مکہ اور خراسان میں ایسی تالیفات ملتی ہیں۔ یعنی وہ علاقے جہاں نئی فکر اپنا قبضہ جمارہی تھی۔ لیکن قدیم فکرو الے علاقے مثلاً مدینہ، شام میں ایسی تحریک نظر نہیں آتی یہاں کے مفسرین تالیف تفسیر کے میدان میں بہت دیر سے اترے۔

اسماعیل بن عبد الرحمٰن سدی کی تفسیر کو تابعین تفاسیر سے پہلے کی مختصر اسناد والی تفسیر سے منتقل ہونے والی تفسیر سمجھنا چاہئے۔ اس میں مکمل کوفی خصوصیت موجود ہے۔ اس میں مختلف اسناد کے اندراج کے واضح نمونے موجود ہیں اس کے تمام مضامین ابن عباس، ابن مسعود اور ''ناس'' من الصحابہ'' سے منقول ہیں ۱۳۷ اس تفسیر کی سند میں ابو مالک کا نام ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ ابو مالک اشعری کی طرف یہ اشارہ ہے جو اصحاب پیغمبرؐ سے کم اہمیت نہیں رکھتے۔ (E۲۱ذیل ابن مسعود) اور اسی زمرہ میں ابن عباس سے روایت کرنے والے ابو صالح ہیں سدی نے اپنے مضامین میں بغیر سند والے مضامین بھی نقل کئے ہیں جو بظاہر انہیں کی دریافت ہیں اور بعد کے مدارک میں یہی مضامین سدی کے نظریہ کے طور پر نقل ہوئے ہیں ۱۳۸

بصرہ میں ربیع بن انس (د ۱۳۹ ق) نے ابو عالیہ ریاحی کی تبائی ہوئی تفسیر کی تدوین کو اپنی تفسیر کا حصہ قرار دیکر کم اسناد والی تفسیر روش کو جاری رکھا اور وسیع پیمانہ پر خود اضافہ کرتے ہوتے

تفسیری مطالب کو زیادہ سے زیادہ پیش کیا۔ (ابن حجر، العجاب ۲۱۵۔ ۳۴/ GAS ۱) بصرہ کے خراسانی عالم داؤد بن ہند کی تفسیر (ابن ندیم ۳۶) بھی ظاہراً ان ابتدائی تفسیر وں میں ہے جن میں صحابہ اور تابعین کے تفسیری اقوال متنوع اسناد کے ساتھ درج ہیں۔

اس علاقے میں مشہور متکلم اور مسلک معتزلہ کے بانی واصلی بن عطا کی تالیف معانی القرآن بھی ایک مکمل جداگانہ انداز کی تالیف ہے۱۳۹۔ جسے ابتدائی درایتی اور کلامی تفسیری بھی کہہ سکتے ہیں اور دوسری طرف اسے معانی القرآن کی ادبی زمین ہموار کرنے والی تفسیر کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔

ابن عباس اور مجاہد کے اقوال کی نقل کے سلسلہ میں ابن جریج کے متن کا اہم حصہ شامل ہے (طبری ،۱/ ۵۴۔۷۵،۷۶ جم) جس میں ابن عباس کے چند غیر مشہو اقوال کے علاوہ اسناد نظری نہیں آتے باقی تفسیری منقولات بھی عام طور پر مکی علماء مثلاً عطاء بن ابی رباح عمر بن دینار (طبری ۱/۱۶۹) یا ابن عباس کے شاگردوں مثلاً عکرمہ سے مروی ہیں اسی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسانید کی مقامی تنوع کے برخلاف ابن جریج کی تفاسیر میں کوفی رنگ کے بجائے مکی رنگ محفوظ ہے۔

تفسیر ابن جریج کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں درایتی رنگ پایا جاتا ہے۔ اس کے اہم حصے ان اقوال پر مبنی ہیں جو ان کے تدبر کا ماحصل ہیں۔ ابن جریج کی روایت والی تفسیر کبھی زبان کے تجزیہ پر مبنی ہیں تو کہیں استلزاماتی تجزیہ اور اگلی پچھلی آیتوں کے مضامین کے منطقی رابطہ پر مبنی ہیں اور کبھی کسی آیت قرآن کی تفسیر بھی مربوط آیت سے مدد لی گئی ہے۔

ابن جریج کی تفسیر کئی صدیوں تک رائج تھی اور امامیہ فرقہ کی بھی اس پر خاص توجہ مرکوز رہی۱۴۰۔ لیکن اصحاب حدیث نے اس کتاب کو اہمیت نہیں دی۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ ابن جریج نے صحت کا خیال نہیں رکھا ،آیت کے ذیل میں جو حدیث مل گئی وہ اسے نقل کرتے چلے گئے ۔

تبع تابعین کے زمانہ کی سب سے اہم تفسیر ،تفسیر مقاتل بن سلیمان ہے ۔ یہ بلخی ، مرو کے رہنے والے عالم تھے بڑی قدیم اور مکمل تفسیر ہے۔ ذھبی نے اس کے مفسر کو بہت بزرگ مفسر'' تسلیم کیا ہے (سیر ۷/ ۲۰۱) یہ تفسیر ہمیشہ مورد استفادہ رہی اور آج بھی اس کے متعدد نسخے موجود ہیں (شحانہ ،عبد اللہ ''ص''، ''ھ'' ۔''ل'')مرو کا مرکز چونکہ مکہ ، مدینہ ،کوفہ ، بصرہ اور دمشق کے پانچویں مراکز کے بعد کا مرکز ہے اس وجہ سے اس میں مقامی محدود یت سے رہائی کے لئے زیادہ زمین ہموار تھی اور اس رہائی نے خراسان میں علاقائیت سے بلند ہوکر تفسیر لکھنے کا موقع فراہم کیا۔ تفسیر مقاتل

بن سلیمان کے مقدمہ پر غور کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے مختلف علاقوں کی میراث پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔

مقاتل نے مختلف علاقوں کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ساتھ علاقائی تنوع کا بھی دھیان رکھا ہے مثلاً کوفہ میں نخعی اور شعبی محافل کے درمیان تقابلی حصہ پر ان کی توجہ قائم رہی اور حماد بن سلیمان اور حکم بن عتبہ جیسے افراد ان کی نگاہ میں دو مکتب فکر کے نمایاں افراد کے عنوان سے توجہ کا مرکز رہے۔ بصرہ میں بھی حسن بصری کے شاگردوں پر توجہ کے ساتھ ساتھ ابن سیرین اور ان کے شاگردوں مثلاً ایوب سختیانی اور ہشام بن حسان پر بھی توجہ مرکوز رہی ۔ مدینہ میں فقہائے سبعہ اور زہری کے مکتب کے اقوال کے ساتھ ساتھ اقوال امام محمد باقرؑ بھی مدنظر رہے۔

مقاتل نے تفسیر کے مقدمہ میں مختصر مگر تفسیر کے بعض مباحث نظری کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ بعد میں شافعی کے الرسالہ میں اسے بسیط انداز میں پیش کیا گیا ہے متن تفسیر میں مقاتل، اقوال کے اسناد نہیں پیش کیا اس وجہ سے اقوال کو جدا کرنا اور ان کے ذاتی خیالات کو تلاش کرنا مشکل ہے۔ جس زمانہ میں اصحاب حدیث اسناد کے بارے میں بہت حساس تھے اسی زمانہ میں صحابہ اور تابعین کے اقوال کو نقل کے باوجود اپنی کتاب میں اسناد کو حذف کردینے اور فقط درایتی تفسیر پیش کرنے کی بنا پر مقاتل اصحاب حدیث کی خواہشوں پر کھرے نہیں اترے ۔

درایتی قدر و قیمت کے اعتبار سے مقاتل کو اہم مقام حاصل ہے اور تشبیہ و تفضیل صحابہ کے بارے میں مقاتل کی طرف منسوب اقوال ۔ اگر چہ بہت دقیق نہ بھی ہوں تو اس بات کی علامت ہیں کہ وہ کلامی فکر رکھنے والوں اور عقائد میں نظری مباحث والوں کی روایت سے بالا تر تھے ۔(افصاح ۹۱۔ ابن جوزی تبیس ۔ ۱/۱۰۶ شہرستانی ۱/ ۱۲۸)

تفسیر مقاتل ، تالیف کے بعد اپنے مولف کی زندگی میں رائج ہوگئی تھی اس کے نسخے مختلف مقامات پر اصحاب حدیث کے بزرگوں تک پہونچ چکے تھے اور وہ اس کے بارے میں اپنے فیصلے صادر کرنے لگے تھے ۔ سب سے بڑے مصنف ابن مبارک اصلی تفسیر کو مستحسن قرار دیتے ہیں لیکن اسکی اسنادی حالت کو نا قابل اعتبار شمار کرتے ہیں لیکن اصحاب حدیث کی بد بینی میں مولف کا اعتقادی رجحان موثر تھا۔ کچھ افراد مثلاً سفیان بن عینیہ ان کی تفسیر سے بہرہ مند ہوتے تھے لیکن اسنادی حالات کی بنا پر نقل کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اصحاب حدیث کے درمیان ابن عینیہ جیسے افراد کم نہیں تھے اس

وجہ سے شافعی نے تفسیر کے معاملہ میں سب کو مقاتل بن سلیمان کے عیال میں شمار کیا ہے۔

مشہور تفسیر کے علاوہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر میں دوسرے آثار بھی ہیں مثلاً متشابہ القرآن (بن ندیم ۳۹) بعد میں یہ تفسیر متکلمین کے لئے ایک تفسیری روش بن گئی۔ آیات والمتشابہات اس کے اندر بھی ایسے ہی مضامین ہیں۔ الجوابات فی القرآن اس میں شاید کلامی مضامین ہیں نوادر التفسیر تفسیر خمسائه آیت من القرآن (قلمی نسخہ کے لئے ملاحظہ ہو ۳/ GAS۱) الناسخ والمنسوخ اس میں فقہی باتیں ہیں۔ التقدیم والتاخیر (ابن ندیم) بظاہر اس میں قرآن کے ادبی رخ سے بحث کی گئی ہے۔

خراسان کے ایک دوسرے عالم مقاتل بن حبان بلخی ہیں اصحاب حدیث جن کی تائید کرتے ہیں ان کی بھی تفسیر ہے انہوں نے تابعین خصوصاً مجاہد حسن بصری اور ضحاک سے ان کے مضامین نقل کئے ہیں لیکن اس میں اسناد موجود ہیں۔ اس رخ سے ان کی تفسیر سدی کی استنادی روش سے بہت قریب ہے۔ ان کی روایات میں اقوال وافعال پیغمبر میں بلاغت سے بارہا استناد نظر آتا ہے۔[۱۴۱] فقہ میں جو قدیم اصحاب کی خصوصیت معہد رہی ہے۔ تعاقل بن حبان کی تفسیر، قدیم اصحاب حدیث کی روش کا واضح نمونہ ہے۔ اور یہ ضبط احادیث میں قید تمایز سے پہلے کی چیز ہے۔

اسناد کی قدر و قیمت اور بلاغت پر تکیہ ایک طرف اور دوسری طرف مستندات کے بارے میں اصحاب حدیث کی خوش فہمی کی بنا پر قدیم کتب وتفاسیر کو ''اثر'' کہا گیا ہے مثلاً آثار ابن حاتم وابن منذر بغیر مسند کے مقاتل ابن حبان کے اقوال[۱۴۲] تفسیر مقاتل بن حبان میں ناسخ ومنسوخ اور سبب نزول پر خصوصی توجہ نظر آتی ہے۔

حوالے:

۱۔ گرینوس، ۱۱۵۹، جغری، ۹۲، شکور، ۲/ ۶۴۵، زامیت ۳۲۲۔

۲۔ مثلاً سور آبادی ۱/ ۴

۳۔ فرقان ۲۵/ ۳۳

۴۔ ص ۳۹۴

۵۔ یوسف ۱۲/ ۴۳

۶۔ یوسف ۱۲/ ۶

۷۔ ابن حشام ۵/ ۱۵۶، ابوہلال، ۲۵ ابن ندیم، ۱۶۹۔ نجاشی ۳۷۵

۸۔آل عمران ۳/۷۔کہف ۱۸/۹۲

۹۔قیامت ۷۵/۱۹

۱۰۔مسلم ۴/۲۱۵۶۔احمد بن حنبل، مسند ۱/۳۸۰۔ابو یعلی ۴/ ۲۳۔ابن عاصم ۳۱

۱۱۔جس میں عراق کی مثال حجاز مجاہد (طبری، تفسیر ۵/۷۔۔عامر شعبی ابراہیم نخعی (احمد بن حنبل، العلل ۱/۲۰۱

۱۲۔مثلاً مسلم ۴/ ۱۷۴۵۔احمد بن حنبل، مسند ۳/ ۳۹۲۔ابوداؤد، ۴/ ۲۳۰۔طحاوی ۴/۳۰۱

۱۳۔ دارمی ۱/ ۱۵۳۔ابن قتیبہ تاویل مختلف ۱۹۹

۱۴۔الہ سالہ ۔ ۹۱ ، ۲۱۲، ۲۲۲

۱۵۔خطیب، الکفایۃ ۱۵۔ابن ابی یعلی ۱۱/۱۵۱۔حازمی ۲۷۔ان سے پہلے کیلئے ابن مبارک قرطبی ۱/۳۹

۱۶۔مثلاً مروزی۔السنۃ ۵۲، ۱۰۹

۱۷۔سیوطی، الدر ۷/۲۲۱

۱۸۔ابن سنند ار/۳۵۱۔ابن حزم حجۃ الوداع ۳۱۹، خطیب ۷ الجامع ۲ / ۲۱۲

۱۹۔شافعی الرسالہ ۲۱۲۔اختلاف..... ۱۳۲، جمہ، الام ۳/۱۱۹، جمہ

۲۰۔مروزی، السنہ ۱۲۔ابو ہلال ۴۳، طبری، تفسیر ۱/۵۰۵/۲۸۶۔طحاوی ۱/۳۷۔ابن خزیمہ ۲/ ۱۴۸۔ ابن حبان، الصحیح ۴/ ۴۳۵/۔نحاس، اعراب ۱/۷۹

۲۱۔ د۲۲۰ق، جصاص الفصول ۳/۱۴۶

۲۲۔ ابوالحسن بصری ۱/۲۹۲۔طوسی، العدۃ ۱/۹۔ابواسحاق ۴۸۔غزالی، المستصفی، ۱۸۷، محقق حلی، ۱۰۴

۲۳۔طوسی، المبسوط ۸/۹۹۔ابن حزم، الاحکام ۱/۸۱ ۔ابن رشد ۱/۱۹۰۔ یحییٰ بن سعید ۵۲۹۔ابن قدامہ ۵/۱۰۵۔ابن رشد ۱/۱۹

۲۴۔ابن عبد البر، التمصید ۲/۲۴۵۔بغوی ۱/ ۴۳۵۔راوندی ۱/۷ ۔قرطبی ۲/۱۰۵۔

۲۵۔مثلاً ابن ندیم ۳۰۵، ۳۰۹

۲۶۔طبرسی، مجمع .. ۱/۳۹، ابن جوزی، زاد ... ۱/ ۲

۲۷۔ابو ہلال ۴۳ ۔ابن جوزی، ابن حجر، فتح ۸/۱۵۵۔حاجی خلیفہ ۱/ ۳۳۴ منقول از ابوطالب تغلبی

۲۸۔طبرسی، مجمع ۔ابن حجر، فتح ۱۳/۵۲۶۔قاموس، ذیل فسر، حاجی خلیفہ، منقول از ماتریدی

۲۹۔ابو ہلال، راغب ۲۷، ۳۹۴

۳۰۔ ھ۔ د، ۱۴/۳۷۶

۳۱۔جصاص، احکام .... ۲/ ۷۴ ''تفسیر'' ۲۳۔قرطبی ۲/ ۱۱۴، ۵/۹۱ جم

۳۲۔ شافعی الرسالہ ۵۸ ،طبری ،تفسیر ۱/ ۲۶۴، ۱۹/ ۱۱۳
۳۳۔ابن نجیم ۹/ ۱۸۹۔ زرقانی ،محمد عبدالعظیم ۲/ ۴ ۔ ذہبی محمد حسین ۱/ ۳۳
۳۴۔ مثلاً شافعی ، الرسالہ ۵۸ ، ۶۴ ''تفسیر'' ۲۳، ۲۵۔ سیوطی الاتقان ۳/ ۵۰
۳۵۔ بقرہ ۲/ ۴۷
۳۶۔ طبری ،تفسیر ۱/ ۲۴۶ ''تفسیر'' ۲۳
۳۷۔ مائدہ ۵/ ۳۲
۳۸۔طبری ،تفسیر ۲۵۔ ۲۶
۳۹۔نساء ۴/ ۴۳
۴۰۔ مائدہ ۵/ ۵
۴۱۔فراء ۲/ ۹۶ / ۲۷۵۔ جصاص ، احکام ۴/ ۳ ۔طبری ،تفسیر ۵/ ۱۰۱، ۱۰۵ عیاشی ۱/ ۲۹۶
۴۲۔ بقرہ ۲/ ۱۲۴
۴۳۔ ابن بابویہ ، الخصال ۳۱۰۔طبرسی ،مجمع ۱/ ۳۷۷۔ بیاضی ۱/ ۱۱۵
۴۴۔قمی ۲ / ۲۷۲۔ ابن بابویہ ، معانی ... ۳۰ ۔طوسی ، التبیان ۱/ ۱۲۴، ۹/ ۵۱۹
۴۵۔شمس ۹۱/ ۱
۴۶۔شمس ۹۱/ ۲
۴۷۔یوسف ۱۲ / ۸۲
۴۸۔فجر ۸۹ / ۲۲
۴۹۔ابن بابویہ ،عیون .... ۳/ ۱۱۵۔ بغوی ۴/ ۴۸۶
۵۰۔طوسی ، العدۃ ۱/ ۳۷
۵۱۔ بقرہ ۲/ ۲
۵۲۔آل عمران ۳/ ۵۴
۵۳۔نساء ۴/ ۱۴۲
۵۴۔توبہ ۹/ ۷۹
۵۵۔ ابن بابویہ ،طوسی ، التبیان ۱/ ۸۰۔ ۲/ ۴۷۶
۵۶۔مثلاً ۱/ ۶۶۔۶۷، ۴/ ۷۵۱
۵۷۔قلم ۶۸/ ۵۱

۵۸۔مثلاً صنعانی ،تفسیر .... ۳۱۱/۳ ۔ ابن قتیبہ ، تاویل مختلف ۳۱۷ ۔ ۳۱۸۔طبرسی ،تفسیر ۲۹/ ۴۶۔۴۷ قمی ۲/ ۳۸۳۔کلینی ۵۶۷/۴

۵۹۔الصحیح ۲۱۶۷/۵

۶۰۔ بغوی ۴/ ۳۸۴۔قرطبی ۲۵۴/۱۸۔ابن کثیر،تفسیر ... ۴۳۶/۴۔مجلسی ۳۹/۴۰

۶۱۔ جصاص ۲۱۰/۴۔زمخشری ۱۷۶/۲) طبرسی ، مجمع ۳۹۱/۴۔قرطبی ۳۱۴/۷

۶۲۔طبری ،تفسیر ۱۱۰/۹۔جکنی ۴۴۱/۱۔ ۱۳۷/۲۔عباشی ۱۸۳/۱۔ ۲/ ۳۹: ۴۲۔فرات ۱۴۶ ۔سیوطی ، الدر ۔ ۵۹۸/۳

۶۳۔ابن منیر ۱۷۶/۲

۶۴۔ بقرہ ۲۳۷/۲

۶۵۔ نساء ۹۲/۴۔ مائدہ ۸۹/۵ ۔مجادلہ ۳۱/۵۸

۶۶۔احقاف ۱۵/۴۶

۶۷۔ بقرہ ۲۳۲/۲

۶۸۔مسند زید ۳۱۶۔ مالک ۸۲۵/۲۔سعید بن مقصود ۹۳/۲۔ صنعانی ،المصنف ۳۴۹/۷،۳۵۲۔ قاضی نعمان ۸۴/۱۔بیہقی ، احمد ، اسنن ... ۴۴۲/۷

۶۹۔کہف ۹/۱۸

۷۰۔نجم ۱۳/۵۳

۷۱۔ابن ابی شیبہ ۳۲۷/۶۔ احمد بن حنبل ، مسند ۴۱۲/۱۔ ۴۶۰۔مسلم ۱۵۸/۱۔۱۵۹۔ ترمذی ۱۶۲/۵۔ طبری ،تفسیر ۴۶/۲۷۔۵۲۔سید مرتضی ''تفسیر آیات'' ۲۸۳۔شریف رضی ، المجازات ...۴۹

۷۲۔حشر ۷/۵۹

۷۳۔صنعانی ، المصنف ۲۹۵/۵ابن ابی شیبہ ۶۹۹/۶۔طبری تفسیر ۱۷۵/۹۔۱۷۶

۷۴۔قرطبی ۲/۸

۷۵۔ابن حزم الناسخ ....۳۹۔مقری ۱۷۵

۷۶۔ زرکشی ۲۸/۲، اصول فقہ کی کتابیں ملاحظہ ہوں ، سید مرتضی ، الذریعہ ۲۰۱/۱۔غزالی ، المستصفی ۲۲۴۔ صاحب معالم ، معالم ... ۱۰۲۔شوکانی ۔ ارشاد .... ۲۴۳۔خوندخراسانی ۲۵/۱

۷۷۔نہج البلاغہ نامہ ۷۷۔نان القرآن حمال ذووجوہ

۷۸۔بقرہ ۲۶/۲

۷۹۔سورۃ مدثر ۷۴/۳۱

۸۰۔ مثلاً حکیم ترمذی ۲/۱۸۷۔کلینی ۱/ ۳۷۴۔عیاشی ۔۱۱۔۱۲۔ابن بابویہ ، معانی ۲۵۹ ۔ ابونعیم ،حلیہ : ۱/ ۶۵

۸۱۔ ابو الحسن بصری ۲/ ۳۵۳۔ سرخسی ۱/ ۱۳ سید مرتضی ۱/۱۷۔۱۸۔فخرالدین ، الحصول ۱/۳۷۱۔ آخوند خراسانی ۳۶

۸۲۔ جوینی ۲/۸۷۵۔ بن تیمیہ، مجموع ..... ۲۹/ ۱۴۴۔ آمدی ۸۰۱۲ ۔ تونی ۳۲۔ شیخ انصاری ۱/۱۲۹ شوکانی ارشاد ۴۳۲

۸۳۔ رسائل ۱۲۴۔ ۲۵۔ نیز صدرالدین ۱۔۲

۸۴۔ اسراء ۱۷/ ۷۵

۸۵۔نحل ۱۶/ ۲۔غافر ۴۰/ ۱۵ سوریٰ ۲۲/ ۵۲۔

۸۶۔سید مرتضٰی ، الا مالی ۱/ ۸۔۹۔طوسی، التبیان ، ۶/ ۵۱۶۔بیضاوی ۳/ ۴۶۴۔محدود ظرفیت کے لئے لغوی ۳/ ۱۲۴۔ ابن جوزی۔زادہ/ ۸۱ ۔ ابن کثیر،تفسیر ۳/ ۶۱۔ثعالبی/ ۵۸

۸۷۔سیوطی ، الا تقان ۲/ ۳۷۲۔امیر صنعانی ۳/ ۱۱۹

۸۸۔ترمذی ۵/ ۱۹۹۔۲۰۰۔نسائی ۵/ ۳۱۔ ابویعلیٰ ۳/ ۱۹۰۔تفسیر العسکر ی ۱۴۔۱۵

۸۹۔(عیاشی) ۱/ ۱۷۔ ابن بابویہ ۔کلامی ... ۲۵۷۔سرخسی ۱/ ۱۲۷۔غزالی ، المخول ۳۲۸۔فخرالدین ، التفسیر ... ۴/ ۱۱۷ذیل آیات متشابہات

۹۰۔توبہ ۹/ ۳۴

۹۱۔حجرات ۴۹/ ۱۲

۹۲۔ابونعیم ، جلد ۱/ ۲۴۸۔ذہبی ،محمد، سیر... ۲/۵۶۱

۹۳۔حاکم ۴/ ۴۱۹۔بیہقی ، احمد،السنن ۸/ ۳۳۳۔قس صنعانی ، المصنف ۱۰/ ۲۳۲

۹۴۔ص ۲۷۔۵

۹۵۔ ابویعلیٰ ۸/ ۲۳۔ہیثمی ۶/ ۳۰۳

۹۶۔۲/ ۲۸۳۔ نیز بیہقی ، احمد، القراۃ... ۲۱۴

۹۷۔ابن تیمیہ ، مجموعہ ۱۳۰۰۰/ ۳۶۴: ابن کثیر تفسیر ۱/ ۴۔زرکشی ۲/ ۱۷۴۔ سیوطی الاتفاق ۴/ ۲۰۰۔ صدیق حسن خاں ۲/ ۴۹۸

۹۸۔مثلاً شریف رضی ، حقائق ۴۹۰۰۰۔ ۶۳۔طوسی ، التبیان ، نیز طوسی مجمع اور ان کے دوسرے آثار

۹۹۔حسبنا کتاب اللہ بخاری ۴/ ۱۶۱۲/۷/۲۱۴۶۔مسلم ۳/۱۲۵۹۔احمد بن حنبل مسند ۱/ ۳۲۴۔۳۳۶

۱۰۰۔ابونعیم ،حلیہ ۲/ ۵۴۔۸۵ نیز حاکم ۳/ ۴۵۹۔ لالکائی۔کرامات... ۱۱۳۔۱۱۵

۱۰۱۔نہج البلاغہ نامہ/ ۷۷

۱۰۲۔مائدوہ ۴۴۔

۱۰۳۔مائدہ ۴۵

۱۰۴۔مائدہ ۵/ ۴۷

۱۰۵۔مبرو ۳/ ۱۲۲

۱۰۶۔ابن ابی شیبہ ۶/ ۱۴۲) ۱۷

۱۰۷۔طرقی ۲۱۲۔کلینی ۲/ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔عیاشی ۱/ ۱۸۔ابن بابویہ ''عقاب ...'' ۲۸۰

۱۰۸۔سوری ، ۳۸۔حرز الدین ۶۲

۱۰۹۔ابن ماجہ ۱/ ۳۳۔ الکانی ،شرح ۱/ ۱۵۔ ابن عساکر، تاریخ ..۵۹/ ۳۴۰

۱۱۰۔مثلاً ابن حزم ، الاحکام ۲/ ۹۴۔

۱۱۱۔سبھی ، تاریخ ۱۸۷ جس اساتید ملحق تعلمی ۱۰/ ۱۰/ ۲۶۷ بیہقی احمد۔السنن ۱/ ۳۱۸،جسم حکانی ۲/ ۳۶۳

۱۱۲۔حوالہ سابق ۱/ ۱۴۴۔سمعانی ، التحبیر ۱/ ۲۴۷۔ ابن عساکر، تاریخ ۱/ ۱۵۱ جس

۱۱۳۔ادرنوی ۲۶۴: زکلی ۳/ ۱۲۷۔۲۸

۱۱۴۔مذکورہ حوالہ ۵/ ۳۰۰۔۳۰۱

۱۱۵۔ابن کثیر،تفسیر ۲/ ۳۸

۱۱۶۔ابن شبیہ/ ۱۳۶۔سعید بن منصور ۱/ ۱۶۸۔ابن قینہ، تاویل مختلف ۲۰۔خطیب الجامع ۲/ ۱۹۳۔بیہقی ، احمد ش شعبت ،۷/ ۴۲۴۔ ابن حزم ، المحلی ۱/ ۶۱

۱۱۷۔ابن ابی شیبہ ۳۰/ ۹۵۔۶۱۔ ابن کثیر ۱/ ۶۔سیوطی اللر ۸/ ۴۲۱

۱۱۸۔الاستتان ۴/ ۲۳۳

۱۱۹۔(مثلاً ملاحظہ فرمائیں) ابن عبد البرالاستعجاب ۳/ ۹۰۱۔ ابن عساکرتاریخ ۳۱/ ۱۶۷ ابن اثیر ۳/ ۲۲۸

۱۲۰۔اوائل.. ۹۴

۱۲۱۔الصحیح ۳/ ۱۲۰۹

۱۲۲۔طبری ۱/ ۸۷، ۱۰۴۔ ابن حجر العجاب ۲۰۶۔ ۲۰۷

۱۲۳۔طبری ۶/ ۶۷۔سیوطی ۴/ ۲۴۰، ۱۷۴۔ ہررست ۳۰۰۔۹۹۲

۱۲۴۔الجرح ۳ (۱) ۳۳۲۔ذہبی محمد، میزان ۳/ ۷۰

۱۲۵۔احمد بن حنبل، ابو العلل ۲۰/ ۴۲۹۔ ۲۹۰، بخاری، التاریخ الصغیر ۱/ ۲۲۷۔ ابن سعید ۶/ سعد ۲۶۶

۱۲۶۔ابن عساکر، تاریخ ۵۵/ ۱۴۱۔نزی ۲۶/ ۳۴۵

۱۲۷۔مجاہد ۷۷۔۷۸، جم! نیز/ ۱ GAS,29

۱۲۸۔گلدستہ سیہر ۔ ۱۷۶۔ ۱۰۷۔ ۳۰/ ۱، GAS

۱۲۹۔ابن ندیم ۲۰۳

۱۳۰۔نقل کے لئے ملاحظہ ہو صنعانی، تفسیر ۳/ ۳۱۶۔ ۳/ ۱۶۱ جم ۔طبری، تفسیر ۳/ ۱۴۸۔ ۴۱۴ جم خصاص، احکام ۲/ ۲۷۴۔۵۔ ۲۵۴ جم ابن کثیر، ۲/ ۴۷۴۔ ۳/ ۱۵۴ جم

۱۳۱۔احمد بن حنبل مسند ۴/ ۴۵۴ ابن ابی حاتم، اجرح ۵۴/ ۲۵۶

۱۳۲۔سمعانی، الانساب ۵/ ۶۵۷، نسفی، عمر ۲۶۹۔ ۳۷۰۔ ابن حجر العجاب ۲۱۱، نیز ۳۰۔۲۹/ GASI

۱۳۳۔ابن ندیم ۳۶۔۱۰۷، ۱۰۸۔ابن حجر ۲۹۔ ۲۱۰۔ 1/34.35GAS

۱۳۴۔ابن حجر، ۲۰۸

۱۳۵۔ابن حجرہ ۲۰۵

۱۳۶۔طبری، تفسیر ۱/ ۶۸، ۸۰ جم، تاریخ ۱/ ۳۲، ۳۷ جم ابن عبد البر الشہید، ۱۸/ ۸۵، بیہقی، احمد السنن ۴/ ۳۶، ۷/ ۳۶۷، ۱۰/ ۲۸۶، قرطبی ۱/ ۲۵۶، ابن حجر، العجاب، ۲۱۱

۱۳۷۔طبری، تفسیر ۲/ ۷۵۔ ۳/ ۳۲۴ جم

۱۳۸۔ذھبی، محمد، میزان ۴/ ۳۲۹

۱۳۹۔طوسی، تبیان ۱/ ۴۷، ۱۰۴ جم حسکانی ۲/ ۴۸۴، ابن شہر آشوب، منشاہد! / ۱۸، ۱۹ جم قرطبی ۱/ ۲۳، ۱۹۲ جم دوانی ۱۷۵

۱۴۰۔ابن کثیر، تفسیر ۳/ ۲۸۴، ۳۰۴ قرطبی ۴/ ۲۰۷۔سیوطی، الدر ۱/ ۴۱۶، ۴۹۴ جم

۱۴۱۔ابن حاتم، تفسیر، شم ۷۶، ۱۰۳۔جم: طبری، تفسیر ۱۰/ ۲۷، ۱۳۸۔سیوطی ۲/ ۳۱۶، ۵۸۸

۱۴۲۔ثعلبی ۲/ ۱۱، ۲۷ جم لغوی ۱/ ۶۹۴۰ جم، ابن جوزی زاد ۱/ ۴۳۳، ۲/ ۲۳/ جم ابن کثیر ۱/ ۴۔ ۴۳ جم

ꕥ♦ꕥ

قرآن کریم کی کچھ آیات جن کی تفہیم اب آسان ہے

سید غلام حیدر

قرآن کریم وہ مقدس صحیفہ الٰہی ہے، جس کے بارے میں فقط مسلمانوں ہی نہیں بلکہ غیرمسلموں اور دور جاہلیت کے عربی زبان وادب کے ماہرین بھی یہ اعتراف کرچکے ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، بلکہ یہ خالق ومالک کائنات کا کلام ہے، جس کے نزول کا مقصد دنیائے بشریت کی ہدایت ورہنمائی ہے۔ خداوند عالم نے اپنی اس کتاب میں مختلف النوع علوم وفنون اور قیامت تک بنی نوع انسان کے کام آنے والی تمام لازمی معلومات جمع کردی ہیں ۔ جیسے جیسے انسانی فکر کو فروغ حاصل ہوگا وہ قرآنی رموز سے واقف اور اس سے بھرپور استفادہ کرتی رہے گی۔ زیرنظر مقالہ کے ذریعہ انسانی علوم کی دو اہم شاخوں کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔ ان میں سے ایک علم فلکیات (Astronomy)اور دوسری شاخ علم سماجیات پر مبنی ہے۔ (Sociology) جس کی جدید ترین شاخ یعنی علم آبادیات ہے۔

فلکیات (Astronomy)

قرآن کریم میں اس سلسلے میں جگہ جگہ متعدد آیات ملتی ہیں۔ جن سے فلکیات ، سورج ، چاند ، ستاروں، سیاروں اور دوسرے اجرام فلکی پر براہ راست یا بالواسطہ روشنی پڑتی ہے ۔ مثال کے طور پر وَعَلاَمَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ، (سورہ نحل : ۱۶)

یعنی بہت سی نشانیاں اور بہت سے لوگ ستارے سے بھی راہ معلوم کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِی جَعَلَ لَكُمْ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِی ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ☆

اور وہ وہی ہے جس نے تمہارے واسطے ستارے پیدا کئے تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں ان سے راہ معلوم کرو۔

اس سلسلے میں قرآن کریم میں جتنی بھی آیات سورج اور چاند سے متعلق ملتی ہیں ،ان سے

ایک بات واضح طور پر عیاں ہے۔ کہ ان دونوں سے ظاہر ہونے والی روشنی میں فرق ظاہری طور پر بھی ہمیں محسوس ہوتا ہے اور اب سائنٹفک نقطہ نظر سے بھی یہی ثابت ہو چکا ہے۔ درج ذیل چند آیات سے یہ بات اور بھی واضح ہو جائے گی:

۱۔ هُوَ الَّذِی جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذَلِکَ إِلاَّ بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ☆ (یونس :۵) (جس نے آفتاب کو چمک دار اور مہتاب کو نور (روشن) بنایا)۔

۲۔ تَبَارَکَ الَّذِی جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا (سورہ الفرقان:۶۱)

(بابرکت ہے وہ خدا جس نے آسمان میں بروج اور ان برجوں میں (آفتاب کا) چراغ اور پرنور چاند بنایا)

۳۔ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح : ۱۶)

(اور اس نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا)

۴۔ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا (النباہ: ۱۳) (اور ہم نے سورج کو روش چراغ بنایا)

۵۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۔وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ (الشمس : ۱،۲)

(سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی اور چاندی کی جب اس کے پیچھے نکلے۔)

اگر ہم غور سے دیکھیں تو ان پانچ آیتوں میں سورج کی چمک کو ایک جگہ ضیاء، تین جگہ سراج، چراغ اور ایک جگہ روشنی سے تعبیر کیا گیا ہے، جبکہ پہلی تین آیتوں میں چاند کے لئے نور یا منیر، جو ایک ہی مصدر کے الفاظ ہیں۔استعمال ہوئے ہیں ۔عربی لغت کی نزاکتوں اور الفاظ کے تہہ بہ تہہ معنوں کی بحث سے بچتے ہوئے، اتنی بات تو بہر طور آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ سراج، یا چراغ جلتا ہے اور اس کے جلنے سے ہی ضیاء یا روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں تپش اور سوزش کا عنصر لازمی ہے، جبکہ نور کے معنوں میں، روحانی مطالب سے قطع نظر بھی ایک طرح کا سکون، لطافت اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ پورے قرآن شریف میں کہیں بھی سورج اور چاند کی روشنی کے اس فرق میں کوئی خلط مبحث (mixup) نہیں ہے۔

ممکن ہے بادی النظر میں یہ بات اہم محسوس نہ کی گئی ہو، اور اسے صرف دونوں روشنیوں کی

ظاہری کیفیت پر محمول کیا گیا ہو اور اس کے ہیئتی فرق پر توجہ نہ کی گئی ہو، مگر اب جبکہ پورے وثوق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سورج آگ کا ایک گولا ہے اور چاند میں جو بھی چمک دمک ہے وہ اس کی اپنی نہیں صرف سورج کی شعاعوں کا انعکاس ہے، تو اس بات کو اتنے صاف طور پر یا Clarity کے ساتھ کہہ دینا یقیناً قرآن شریف کے محکم ہونے کی ایک دلیل ہے۔ یہ تو نہیں کہ جاسکتا کہ ساتویں صدی کی عام دنیا میں فلسفیانہ طور پر چاند اور سورج کی روشنی کے بارے میں کیا موقف تھا، تاہم اتنی بات تو یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار آیات سنائی ہوں گی، ان میں تو مشکل سے ہی ایسا کوئی شخص رہا ہوگا، جس کو اس علم سے کوئی سروکار ہو۔

اوپر پیش کی گئی چوتھی آیت والقمر اذا تلھا میں لفظ تلا، کے معنی لغت میں پیچھے آنا، نقش قدم پر چلنا، تابع ہونا، پیروی کرنا، وغیرہ وغیرہ بتائے گئے ہیں۔ اس آیت کو عام طور پر دن اور رات کے ایک دوسرے سے پیوست ہونے کے معنوں میں لیا جاتا ہے، یعنی سورج غروب ہونے کے بعد چاند نظر آتا ہے۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اشارہ ہو ان دو اجرام فلکی کے آسمان میں آپسی رشتے یا حرکت کی طرف یعنی چاند کا سورج کی پیروی کرنا اور نظام شمسی میں اس کا سورج کا تابع ہونا۔

آج کی دنیا میں تیسری چوتھی جماعت کا بچہ بھی یہ جانتا ہے کہ دنیا اور دوسرے سیارے سورج کے اردگرد گھومتے ہیں اور چاند دنیا کے اردگرد گھومتے ہوئے سورج کے گرد بھی چکر لگاتا ہے۔ مگر ساتویں صدی میں اس تصور یا اس کی تاریخ میں بہت خلط ملط یا confusion تھا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں ایک یونانی فلسفی کا تصور تھا کہ دنیا گول ہے اور وہ ایک مرکزی آگ کے گولے (جو سورج نہیں تھا) کے اردگرد گھومتی ہے۔ ۲۷۰ ق،م میں ایک فلسفی نے باقاعدگی سے یہ کہا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے یعنی نظام شمسی میں سورج مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جسے شمسی المرکز (Heliocentric) سسٹم کہتے ہیں۔ کوئی میں سو سال بعد دوسری صدی عیسوی میں بطلیموس (Ptolomey) نے زمین کو مرکز مان کر اسے ساکت قرار دیا اور تمام اجرام فلکی کو، جس میں سورج بھی شامل تھا، اس کے گرد گھومتا ہوا مانا۔ اسے ارضی المرکز (Geocentric) سسٹم کہتے ہیں۔ یہ تصور یہاں تک مقبول ہوا کہ یہ کلیسا کا بھی عقیدہ بن گیا۔ ایک طویل عرصے تک اس کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ تقریباً بارہ سو سال اس تصور کا راج رہا۔ جس وقت قرآن شریف نازل ہوا۔ یہی عقیدہ فلسفیان کلیسا اور عوام میں بلاشبہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ کاپرنیکس نے پھر سورج کو مرکز

اور باقی اجرام فلکی کو اس کے گرد چکر لگانے والا مانا، مگر اس کی زندگی میں اس کی اشاعت نہیں ہوسکی۔ پھر کچھ موافقت اور مخالفت کے بعد گیلیلیو نے کاپرنیکس کے سسٹم کو تسلیم کیا، جس پر کلیسا نے مقدمہ چلایا اور مجبوراً اسے بھی اپنا تصور ظاہری طور پر سہی مگر منسوخ کرنا پڑا۔ بعد میں ساری دنیا کو اسی نظریے کو تسلیم کرنا پڑا۔

مگر قرآن شریف نے ساتویں صدی میں ہی والقمر اذاتلھا کہہ کر بات بالکل صاف کردی تھی ۔ اس وقت لوگوں نے اسے آمنا وصدقنا کے جذبے کے تحت اور کچھ ظاہری شواہد کی بنیاد پر قبول کرلیا تھا۔ فلکیات کے نقطہ نظر سے عام لوگوں نے اس پر توجہ ہی نہ دی ہوگی۔ بہر طور، اب یہ بات ہر طرح کے مشاہدات وتجربات سے بلاشبہ ثابت ہوچکی ہے۔ یہ بھی قرآن کی حقانیت کا ایک ثبوت ہے۔

سماجیات (Sociology)

اس نام سے علم کی یہ شاخ خواہ کتنی ہی جدید مانی جائے مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ بھی دنیا میں قدیم ترین موضوعات میں سے رہی ہے۔ قرآن کریم ، اپنی روح اور متن کے اعتبار سے سماجیات کی جیسی مکمل اور جامع کتاب ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اسی سماجیات کی ایک جدید ترین شاخ آبادیات کا مطالعہ (Demography) بھی ہے۔ علم کی ایک باقاعدہ شاخ کے طور پر اس کی عمر مشکل سے ڈیڑھ دوسو سال ہوگی۔

سورہ نساء کی پہلی آیت ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ الَّذِى خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِى تَتَسَائَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (النساء ۔۱)

(اے لوگو! اپنے پالنے والے سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک نفس (شخص) سے پیدا کیا اور ان سے ان کی بیوی کو پیدا کیا او انہیں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں)

اس آیت میں خلق منھا زوجھا کے سلسلے میں مترجمین ومفسرین میں جو اختلاف رائے ہے اس سے کوئی غرض نہیں ہے ، اس کے صرف آخری حصے وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثيرا وّنِسَاء پر اپنا خیال ظاہر کرنا ہے۔

یہ بہت نازک سا خیال ہے ، خدا کرے میں اس خیال کو قابل فہم بھی بنا سکوں اس ٹکڑے کا اگر خالص تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے تو وہ یہ ہوگا : اور پھیلاے ان دونوں سے مرد بہت سے اور عورتیں

،ملحوظ رہے کہ رجالا کے بعد کثیراً ہے نساء کے بعد نہیں اور یہی میرا نکتہ بحث ہے۔

اردو کے تین ترجموں (مولانا فرمان علی صاحب ، مولانا مقبول احمد صاحب اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب) دیکھے جن سب میں بہت سے مرد اور عورتیں کہا گیا ہے انگریزی کے دو ترجموں (عبد اللہ یوسف علی اور ایم۔ ایچ شاکر) میں سے اول الذکر نے Countless men and women اور ثانی الذکر نے Many men and women ترجمہ کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم عام طور پر اس سے یہی مطلب لیتے ہیں۔

یقیناً نہ میری حیثیت نہ اتنا علم کہ میں ایسے علماء پر کسی اعتراض کی جرائت کروں۔ مگر مجھے تلاوت کرتے وقت ایک دن خیال آیا کہ اردو اور انگریزی میں اس جملے کی قدرتی ساخت (اگر ہم دونوں صنفوں کی کثرت کو مساوی سمجھیں) ایسی ہوگی جس میں مرد اور عورتیں سے یا تو پہلے بہت سے آئے یا بعد میں ، جیسا کہ متذکرہ بالا مترجمین نے کیا بھی ہے ، اور یہی محاورہ ہے۔ درمیان میں بہت سے کا جوڑ کچھ غیر قدرتی سالگا۔ میرے خیال میں موجودہ عربی عبارت کا ترجمہ یوں ہونا چاہئے۔ مرد بہت سے اور عورتیں ، جیسا کہ قرآن میں ہے، ممکن ہے یہ بات میرے ذہن میں عربی محاورے سے ناواقفیت کی وجہ سے ہی آئی ہو۔ اگر ایسا ہے تو شرمندگی کے ساتھ معافی چاہتا ہوں۔

چونکہ عربی عبارت میں مرد کے بعد بہت سے، اور پھر عورتیں ہے اس لئے مجھے خیال آیا کہ کیا یہ ایک ایسی حقیقت کی طرف خفیف سا اشارہ یا علامت تو نہیں ہے جس کا اگر اس دور میں انکشاف کردیا جاتا تو اس کا کوئی اطمینان بخش ثبوت فراہم کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ حقیقت دنیا کی آبادی میں مردوں اور عورتوں کا تناسب اب تو یہ بات ایک واضح حقیقت کہ دنیا کی آبادی میں مرد زیادہ اور عورتیں کم ہیں۔ فی الوقت (۲۰۰ء میں) مردوں کی آبادی عورتوں سے لگ بھگ چار کروڑ ستر لاکھ (۴،۷۰۰۰۰۰۰) یا 0.76 زیادہ تھی ۔ دنیا کے تمام بڑے ملکوں چین، ہندوستان بنگلہ دیش، پاکستان، مصر، ایران، نائجیریا وغیرہ وغیرہ میں مردوں کی آبادی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ ہے اورز یادہ رہی ہے۔ (Statistics) کے ایک قانون Low of Inertia of Large Numbers کے تحت اس میں تبدیلی آنا لگ بھگ محال ہے۔ میرا خیال ہے اسی کا خفیف سا اشارہ آیت کی ساخت رجالا کثیراً ونساء میں ملتا ہے۔

اگر دنیا کی تاریخ کی صرف پچھلی صدی میں ہی لڑی جانے والی جنگوں میں مردوں کے

اتلاف اور دوسرے حادثات میں زیادہ تر مردوں کی اموات کی تعداد کو بھی شامل کیا جائے تو یہ تناسب مردوں کے حق میں اور زیادہ ہوجائے گا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی کوئی خاص وجہ بھی اب تک طے نہیں کی جاسکی ہے۔

ساتویں صدی کے عرب سماج میں جس میں بعض خاندانوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کردینے کے علاوہ مردوں کے اتلاف جان کے ان گنت بہانے ۔متواتر جنگیں، آپسی قتل وغارت گری ، لوٹ مار، صحرائی طوفان وغیرہ۔ موجود تھے۔ اگر وہاں کے لوگوں سے اس وقت یہ بات کہہ دی جاتی کہ مردوں کی آبادی عورتوں سے زیادہ ہے تو نہ صرف کسی کو یقین نہ آتا بلکہ وہ اس دعوے کو چیلنج بھی کرتے جس کا ثبوت فراہم کرنا اس وقت کے مادی حالات میں ناممکن ہوجاتا۔ ظاہر ہے اس وقت کی آبادی کا تعین کرنا تو ناممکن ہے مگر فی زمانہ عرب میں مردوں کی آبادی ۳٪ زیادہ ہے۔

رشوت اور کرپشن:

سورہ بقرہ کی ایک آیت کا آخری حصہ اس طرح ہے

وَلاَتَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ : ۱۸۸)

اورآپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور (نہ) مال کو حکام کے یہاں جھونک دو تاکہ لوگوں کے مال میں سے (جو) کچھ ہاتھ لگے ناحق خورد برد کرجاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

اس آیت کے پہلے حصے، یعنی ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ یہاں تک کی بات تو عرب کے اس سماج میں آسانی سے سمجھی جاسکتی تھی مگر دوسرا حصہ۔ دوسروں کا مال خورد برد کرنے کے لئے اپنے مال کو حکام کے یہاں مت جھونکو جسے آج رشوت یا کرپشن کہا جاتا ہے اور ہمارا سماج طرح طرح کے scams میں پھنسا ہوا ہے، یہ صورت تو اس سماج میں اگر نا قابل فہم نہیں تھی تو نا قابل عمل تو بہر حال تھی۔

کرپشن اور رشوت ستائی کے رائج ہونے کے لئے ایک باقاعدہ حکومت،اس کا افسر شاہی (بیوروکریٹیک) ڈھانچہ اور اس کی تمام تر کمزورویاں کنٹرول ، لائسنس وغیرہ کے قوانین ، ان سے بچ نکلنے کے غیر قانونی ذرائع اور خصوصاً ایسی معیشت کا ہونا ضروری ہے جو پوری طرح زر بنیاد

(money-based) ہو۔ جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت زیادہ بڑا حصہ قبائلی نظام کے تحت چند بڑے شہروں کو چھوڑ کر، گلا بانی، شکار، کچھ کھیتی باڑی، کھجور وغیرہ کے باغات کے اور کچھ تجارت کی بنیادوں پر زندگی گزار نا تھا۔ زیادہ تر خرید وفروخت بارٹر (Barter) نظام پر مبنی تھی۔ نہ افسر تھے نہ اپنی کرنسی۔

پھر آیت میں لفظ ،حکام ، کو اگر منصفوں یا ججوں کے مترادف بھی مان لیا جائے ، جیسا کہ کچھ مفسرین کا خیال ہے تو وہاں یمن کے علاوہ کوئی باقاعدہ عدلیہ کا نظام بھی نظر نہیں آتا جان ومال کے آپسی قضیوں کا فیصلہ عام طور پر تلوار کرتی تھی ، کبھی کبھی قبیلے کے سرداروں کے درمیان گفت وشنید یا کسی تیسرے فریق کی مصالحت کی کوشش ضرور تھی۔ اس آیت میں قرآن کریم نے وہ بات کہی ہے جو دنیا کے بیشتر حصے میں انیسویں بیسویں صدی کے حالات سے بہت زیادہ مناسبت اور مطابقت رکھتی ہے۔ ساتویں صدی کے عرب میں اس کا قابل عمل (applicable) ہونا بعید از قیاس لگتا ہے۔ بہر طور یہ بات کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو اسلام میں رشوت لینے دینے کو مطلقاً حرام نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے میرے خیال میں یہ آیت قرآن کریم کی اس گہری بلکہ معجز نما سماجی بصیرت کا بہترین نمونہ ہے جو سماج کی تمام گھناؤنی برائیوں کی پیش بندی کرنا چاہتی ہے۔

اورآخر میں سماجیات سے متعلق یہ آیت إِنَّ اللّٰهَ لاَيُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے نفسوں (دلوں) کو نہیں بدلتے۔)اس آیت کے مفہوم کو

مولانا حالؔی نے یہ کہکر بیان کیا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس آیت کے بارے میں اس وقت صرف اتنا کہہ کر کہ یہ قوموں کے عروج وزوال ، دنیا میں سیاسی ، سماجی ، ہر طرح کے انقلابات اور انسانی سماجیات کی طویل تاریخ کا عنوان ہے۔ اور اس دعا کے ساتھ کہ خدا ہماری قوم کے ایک ایک فرد، بچے، بوڑھے اور سبھی جوان کو اسے سمجھنے اور اپنے دل میں اتار لینے اور اس کا عملی طور پر اثر قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☙◆❧

قرآن کا تصور انصاف

پروفیسر محمد اسلم اصلاحی
صدر شعبہ عربی جے این یو۔ نئی دہلی

خداوند قدوس نے جس گھڑی اس عالم آب وگل کو وجود بخشا اسی دم اس کی سلامتی و بقا کے قوانین بھی وضع کردئے۔ سورہ الرحمٰن کی ابتدائی آیات میں خدائے بزرگ وبرتر نے جہاں تخلیق آدم و شمس وقمر نیز دیگر مظاہر فطرت کی نمود کی طرف اشارہ کیا ہے وہیں میزان کے نصب کرنے کی بات کہی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس میزان کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور اس میزان کو عدل وانصاف سے قائم کیا جائے۔ اس میں کسی طرح کی کمی یا بیشی نہ کی جائے ۔ اس ہدایت کا واضح مقصد یہ ہے کہ مبدأ فیاض نے جن مظاہر کو لباس مجاز عطا کیا ہے ان میں دوام واستقرار صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ان میں توازن واعتدال کو اولین اہمیت دی جائے ۔ یہ توازن واعتدال کیونکر برقرار رکھا جائے اس کے لئے خدائے لم یزل نے خلق کائنات کے ساتھ ہی کچھ قواعد وضوابط بھی وضع کردئے۔ ان قواعد وضوابط کا جب تک لحاظ رکھا جائے گا اس وقت تک ہم تباہی وبربادی سے محفوظ رہیں گے۔ ان میں خلل آتے ہی ہمارا سارا وجود خطرے میں پڑجائے گا۔ ان کی اسی اہمیت نے بیدار مغز اشخاص اور مہذب اقوام کو ان کے تعلق سے ہمیشہ چوکنا رکھا ہے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ان میں کسی طرح کی کمی یا زیادتی ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ہے۔

اپنے سفر امریکہ کی روداد میں ایک عرب سیاح نے اس صداقت کو اجاگر کرنے کی غرض سے درج ذیل دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے ۔

'' ایک روز میں ایک امریکی گاؤں کی سیاحت پر نکلا ۔ گاؤں کے باہر ایک شاندار میوزیم کو دیکھ کر میں حیرت میں پڑگیا اور سوچنے لگا کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں میوزیم کے کیا معنی ! میوزیم کے اندر گیا تو دیکھا کہ ایک جانب ایک گز رکھا ہے۔گز دیکھ کر سوچنے لگا کہ آخر اس میں کیا خاص بات ہے جو اسے میوزیم کی زینت بنایا گیا ہے ۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ برجستہ میوزیم کے ایک ملازم سے یہ سوال کر بیٹھا : اس گز میں آخر ایسی کیا خاص بات ہے جو اسے یہاں میوزیم میں رکھا گیا ہے؟؟ جواب میں ملازم نے جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ۔ اس نے کہا کہ اس گز کی اہمیت کبھی کبھی بے انتہا بڑھ جاتی ہے ۔ اس کی وجہ سے بہت سے مسائل اور

جھگڑے لڑائیاں پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجاتی ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر اس نے میری بیتابیٔ شوق کو کچھ اور بڑھادیا۔ میں نے مضطرب ہوکر پوچھا کہ اس میں کیا کرامات ہیں؟ وضاحت تو کرو۔ اس کو نوادرات میں کیسے جگہ مل گئی ۔ اس طرح کے گز تو بازاروں میں ہر جگہ دستیاب ہیں۔ ملازم نے جواباً جو کچھ کہا اس میں یقیناً بے پناہ حکمت اور بیش بینی ہے ۔ اس نے کہا: بازاروں یا دیگر جگہوں پر پائے جانے والے سارے گز معیاری نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی وجہ سے کبھی کبھی مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں لوگ انہیں لے کر یہاں آتے ہیں اور اس کو معیاری پیمانہ مان کر اپنے گزوں کے معتبر یا نامعتبر ہونے کا فیصلہ خود کرلیتے ہیں ۔ اگر یہ نہ ہوتو نہ جانے کتنے مقدمے عدالتوں میں درج ہوں اور نہ جانے کتنے لوگ زخموں یا ہلاکتوں کی نذر ہوجائیں۔''

خالق کون ومکاں کو میزان یعنی معیار کی اہمیت کا احساس تھا سی لئے تو اس نے خلق اشیاء پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ خلق کے ساتھ ہر چیز کا پیمانہ بھی مقرر کردیا بنابریں اپنی کتاب مبین میں اس نے متعدد جگہوں پر فرمایا ہے کہ ''ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی ٹھیک ٹھیک جگہ بھی متعین کردی'' سورہ الفرقان کی دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے۔'' وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا '' یعنی ملک واقتدار میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ بھی فرمادیا۔ بالفاظ دیگر یہ اندازہ کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص طریقۂ کار ہے۔ ایک ایسا طریقۂ کار جس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں فرمان الٰہی ہ'' سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۔ یعنی یہ اللہ کا طریقۂ کار ہے اور اس میں تم کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اس طریقۂ کار کی اہمیت کا بخوبی احساس ہمیں مظاہر قدرت نیز مناظر فطرت کے مشاہدہ کے وقت بار بار ہوتا ہے۔ اس طریقۂ کار سے عدول یا خروج یقیناً ہم سب کیلئے تباہی وبربادی کا باعث ہوگا۔ اس سے روگردانی بالفاظ دیگر'' وضع الشئی فی غیرمحله '' یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ پر نہ رکھنے کے مترادف ہوگی اور ماہرین قانون ظلم کی یہی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اس ظلم کا مقابل عدل ہے ۔ عدل یعنی کسی چیز کو اس کی متعین جگہ پر رکھنا ۔ عدل وظلم کی اس تعریف کی روشنی میں کوئی بھی شخص از خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ عدل وانصاف کیا ہے اور ظلم وزیادتی کیا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ شخص سلیم طبیعت اور صالح فطرت کا حامل ہو۔ حدیث نبوی ہے کہ جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے وہ اگر درست ہوتو ہر چیز درست ہوگی اس میں اگر خرابی ہوتو ہر چیز خراب ہوگی۔ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ گویا حق وباطل کے مابین تمیز کے لئے صالح دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اوامر ونواہی کا ذکر آیا

ہے وہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال بخوبی جانتا ہے۔''وَنَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُه (سورہ ق، آیت ۱۶) یعنی ہم انسانی نفس کے وسوسوں کو جانتے ہیں'' کا یہی مطلب ہے۔ اسی لئے ہمارے ظاہری امور واقوال کی باریابی ہمارے باطنی عقائد وخیالات پر مبنی ہے ۔ یہ ایک انتہائی پیچیدہ بات ہے غالب علیہ الرحمہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں اس ضمن میں ''دھوکہ'' ہم محض اس وجہ سے کھاتے ہیں کہ ہم اپنی قوت بینائی پر کچھ بے جا انحصار کرتے ہیں کہ اسی لئے تو قرآن کریم میں فرمودۂ الٰہی ہے۔'' يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" (سورہ الروم آیت ۷) یعنی کافر لوگ بالفاظ دیگر کوتاہ نظر لوگ دنیاوی زندگی کا صرف ظاہری پہلو ہی دیکھتے ہیں ۔ اس صورتحال میں خیروشر کے درمیان تمیز یقیناً توفیق الٰہی کے بغیر امر محال ہے۔'' تانہ بخشد خدائے بخشندہ'' کسی اردو شاعر نے اس صورتحال کی ترجمانی بڑے خوبصورت انداز میں کچھ اس طرح کی ہے۔

یہ تمیز خیرو شر بھی عجب امتحان ہے کوثر
وہی آگ روشنی دے وہی بستیاں جلادے۔

قرآن کریم میں اسی لئے اصول وضوابط سازی سے زیادہ دل کی درستگی ،نفس کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور رسول اکرم کے تعلق سے فرمایا گیا ہے کہ انہیں لوگوں کے دلوں کی صفائی اور تزکیۂ نفس کے لئے بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ الجمعہ میں فرماتے ہیں : هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُبِينٍ(آیت: ۲) ترجمہ: اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں میں ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے، ان کی تطہیر کرتا ہے اور انہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت ودانائی کی باتیں سکھاتا ہے۔'' نفس کے تزکیہ وتطہیر کے بعد انسان کے اندر عدل وانصاف کا حقیقی شعور خود بخود پیدا ہوجاتا ہے اور وہ حالات وضروریات کے تحت قرآنی بصیرت کی روشنی میں اپنے لئے خود قانون وضع کرتا ہے اس ضمن میں وہ قول رسول اکرہ لنفسک مایغیرک تکرہ'' یعنی اپنے لئے جو چیز ناپسند کرو وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو'' کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے ۔ دنیا میں بھلا ایسا کون شخص ہوگا جو اپنے لئے کسی طرح کے ظلم وزیادتی کو پسند کرتا ہو ۔ مذکورہ ارشاد رسول کو حق وانصاف کی دنیا میں کلیدی حقیقت حاصل ہے۔

باینہمہ ایسے اقوال رسول اور ایسے فرمودات الٰہی کا اثر صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جن کے نفوس پاک اور جن کے قلوب صاف ہوں ۔ الہامی رشدو ہدایت کا فائدہ صرف خدا ترسوں کو ہوتا ہے

قرآنی آیت ''ھدًی لّلمتقین ''یعنی'' یہ کتاب مبین صرف پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے''۱؎ سے اس حقیقت کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ دلوں کی درستگی ہی اسلامی تعلیمات کی روح ہے ۔جس شخص کو اس کا ادراک ہوجائے گا اس سے ظلم وجبر کا ارتکاب از بس ناممکن ہوجائے گا ۔ ایسا شخص اپنے ہر ایک عمل میں رضائے الٰہی کا خواستگار ہوگا ۔ بنابریں اسے جس چیز سے روک دیا جائے گا وہ اس سے رُک جائے گا اور جس عمل کی ہدایت کی جائے گی وہ اس کو بجالائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔'' إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلَئِكَ هُمْ الْمُفْلِحُونَ ☆ وَمَنْ يُطِعْ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقِيهِ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْفَائِزُونَ ۔۲؎ ''یعنی مومنین کو جب اللہ اور اسکے رسول کی طرف ان کے مابین کسی فیصلے کی غرض سے بلایا جاتا ہے تو ان کا صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا، ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں اسی طرح وہ جو اللہ اور ان کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور تقویٰ اختیار کرتا ہے وہی کامران اور بامراد ہے۔

مذکورہ بالاخوبیوں سے جب کوئی شخص آراستہ ہوجاتا ہے تو وہ اپنے جذبات و احساسات نیز خواہشات کو امر الٰہی کے تابع کردیتا ہے۔ وہ خدا کی نظر سے دیکھتا اور اس کے ہی ذہن سے سوچتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ'' وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلًا مُبِينًا۳؎ یعنی'' جب اللہ اور اس کے پیغمبر کسی معاملے میں کوئی فیصلہ صادر کردیتے ہیں تو اس معاملے میں کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا ۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہوگا''۔ کے بعد اللہ اور اسکے رسول کے اوامر ونواہی کی پیروی میں ہی اس کی نجات ہے وہ اگر ایسا نہیں کرے گا تو معصیت الٰہی کا مرتکب ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے گم کردہ راہ ہوجائے گا۔ بدنصیبی ومحرومی اس کا مقدر بن جائے گی۔ اس خسران اور نامرادی کا احساس اسے ہمیشہ ظلم وزیادتی سے دور اور عدل و انصاف سے قریب رکھے گا ہر چند کہ اسے اپنی اس کوشش میں ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ ایسا شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس کی بصیرت وبصارت کا دائرہ ظاہری امور تک محدود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری کوتاہی نظر اکثر حالات میں ہمیں غلط نتائج تک پہنچا دیتی ہے۔ حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰ کے مابین جو کچھ پیش آیا اور جس کا ذکر قرآن کریم میں بالتفصیل آیا ہے ۴؎ ہمارے حواس خمسہ میں نقص نیز ان کی محدودیت کا بین ثبوت ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح کی متعدد آیات ہیں جن سے انسانی صلاحیتوں کی خامیاں اجاگر ہوتی ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ'' وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَيُبْصِرُونَ بِهَا ۵؎ یعنی

ان کے پاس آنکھیں ہیں پر ان سے دیکھتے نہیں'' آنکھیں ہوتے ہوئے نہ دیکھنا ہمیں یقیناً ایسی راہ پر گامزن کردے گا جہاں ظلم وناانصافی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

حضرت داودؑ اور دہقان کی بیوی کے تعلق سے جو کچھ سورہ ص کی آیات ۲۰ تا ۲۴ میں آیا ہے وہ اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ ایسی صورت میں ربانی ہدایات کی ہم انسانوں خاص طور سے نیک طینت انسانوں کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ہدایات یا تو فرشتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہیں یا پھر ان کے لئے وحی والہام واحلام یا القاء کا سہارا لیاجاتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلاَّ وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ٦ یعنی'' کسی بھی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ یا ہر پردے کے پیچھے سے یا پھر رسول بھیجا جائے جو اللہ کی اجازت سے جو کچھ وہ چاہتا ہے اسے پیش کرے بیشک اللہ بلند وبالا اور دانا ہے۔'' اس حقیقت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیکو کار بندوں کو بروقت متنبہ کرکے انہیں افراط وتفریط سے بچالیتا ہے اس کا اندازہ ہمیں سورہ ص میں مذکورہ حضرت داودؑ اور فرشتوں کے مابین تمثیلی مکالموں سے بخوبی ہوتا ہے خاص طور سے اس وقت جب ان سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ میرے بھائی کے پاس ننانوے بھیڑیں اور میرے پاس صرف ایک بھیڑ ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کو بھی ہتھیالے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں۔ یہ تمثیلی داستان سن کرحضرت داوٗدؑ سمجھ گئے کہ ان سے کسان کے حق میں زیادتی ہوگئی ہے چنانچہ وہ توبہ کرتے ہوئے فوراً سجدہ میں گرگئے'' ۔تعلیمات الٰہی کا در اصل یہی سب سے بڑا فائدہ ہے کہ ان کی روشنی میں انسان دوسروں کے بجائے اپنا محاسبہ خود کرتا ہے۔ وہ اپنے عمل کے بارے میں خود فیصلہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کے سامنے ہمیشہ حدیث نبویؐ رہتی ہے۔''کلکم راع و کلم مسؤل '' یعنی '' تمہارا ہر شخص نگہبان اور تمہارا ہر شخص جوابدہ ہے۔'' صورتحال جب اس طرح کی ہوگی تو ظلم وزیادتی کے امکانات محدود ہی نہیں بلکہ معدوم ہوجائیں گے۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہر شخص کسی طرح کی زیادتی کے اقدام سے پہلے دس بار سوچے گا کہ بروز حشر اسے اپنے اس عمل کی جوابدہی مشکل ہوجائے گی۔ اس کے لئے مشکل ہوجائے گا۔ بأ ی ذنب قتلت'' یعنی کس جرم میں اسے قتل کیا گیا ، کا جواب دینا ہوگا۔

ایسا شخص درحقیقت دو طرح کے محاسبوں کے درمیان محصور ہوگا۔ ایک تو محاسبہ نفس اور دوسرا محاسبۂ روز حشر ان دونوں محاسبوں کے بالمقابل اسے دیگر لوگوں کے محاسبہ کی چنداں فکر نہیں ہوگی ۔ کیونکہ وہ کورٹ ، کچہری نیز انسان کے وضع کردہ قانون سے پہلے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہے گا اور قبل اس کے کہ اس کے کسی عمل کے بارے میں لوگوں کا فیصلہ آئے وہ اپنے بارے میں خود

حکم صادر فرمادے گا۔ اس سلسلے میں الٰہی فرمودات اس کے تزکیۂ نفس کے لئے کافی ہوں گے۔ ان فرمودات کی روشنی میں وہ اپنے جذبات واحساسات کو صحیح سمت عطا کرے گا کیونکہ جذبات واحساسات کی برانگیختگی کی صورت میں کبھی کبھی انسانی ضمیر کی آواز دب جاتی ہے ۔ یا اس میں کمزوری آجاتی ہے اسی لئے تو رب کریم نے فرمایا ہے:

لَایَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَی أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَی وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِیرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۷ یعنی ''کسی قوم سے نفرت تمہیں ہرگز ہرگز اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، کیونکہ انصاف ہی پرہیزگاری سے قریب ہے۔ اس واضح اور بین حکم خداوندی کے بعد کسی شخص کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی نفرتوں یا دیرینہ عداوتوں کا بہانہ بنا کر کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرے۔ بالفاظ دیگر ہمیں اپنی پسند وناپسند کو عدل وانصاف کی قدغنوں سے مقید کرنا ہوگا۔ ہمیں بہر صورت اس سلسلے میں جادۂ توازن اور راہ اعتدال پر چلنا ہوگا۔ ایمان وایقان سے ہماری پر زور محبت اور کفر و ترک سے ہماری شدید نفرت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم میزان عدل کی پرواہ نہ کریں اور اپنی نفرت اور عداوت کی پیاس بجھانے کے لئے لوگوں کے ساتھ ہم ظلم وزیادتی کرتے پھریں قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت غیر مسلموں سے معاملات کے وقت ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ مبادا کفروشرک سے ہماری بڑھی ہوئی نفرت وعداوت ہمیں ظالموں اور سفاکوں کی صف میں لاکھڑا کردے۔ اس ضمن میں ہمیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ یادرہے کہ'' اِنَّ اللّٰہ لاَیُحِبُّ الظّٰالمین '' ۷ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہاجاسکتا ہے کہ کائنات کا خالق ومالک عدل کرنے والوں کو عزیز رکھتا ہے۔ اب اگر خدا کی رضا وخوشنودی حاصل کرنی ہے تو ظلم وظالم سے دوری وعلیحدگی اور عدل وعادل سے قربت اختیار کرنی ہوگی اور مرد مومن کی معراج یہ ہے کہ وہ راضی برضائی الٰہی رہے کیونکہ مرضی معبود کے سامنے سر تسلیم خم کردینا ہی اسلام ہے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انسان کی اپنی مرضی یا من مانی کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی بلکہ اللہ کی رضا وخوشنودی کا حصول ہی اس کا مقصد حیات ہے ۔

حوالے:

۱۔سورہ بقرہ آیت ۳

۲۔سورہ النور، آیت ۵۱۔۵۲

۳۔سورہ احزاب آیت ۳۶

۴۔سورہ کہف آیت ۶۰ تا ۸۲

۵۔سورہ الاعراف آیت ۱۷۹

۶۔سورہ شوریٰ آیت ۵۱

۷۔سورہ مائدہ آیت ۸

قرآن ناقابل تحریف آسمانی کتاب

سید مرتضیٰ عسکری

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے جس میں بنی نوع انسان کی جملہ مادی اور معنوی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے اور اس کا مقصد دنیائے بشریت کو دنیوی اور اخروی عظمت وسعادت سے مالا مال کرنا ہے۔ اس عظیم مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے خداوند عالم نے الٰہی آئین وقوانین پر مشتمل ایک کتاب نازل فرمائی جس کا نام قرآن ہے جس کے بارے میں دشمنان اسلام بھی یہ اعتراف کرتے چلے آرہے ہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے جی ہاں ! یہ کلام الٰہی اور اسلام کے دو بنیادی ستونوں میں سے ایک ہے جس میں کسی قسم کی تحریف وتبدیلی یا الٹ پھیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا میں اسلام کے مختلف فرقے تو ہیں لیکن ہرفرقے کی مقدس کتاب قرآن ہی ہے۔ پس اگر قرآن کو مرکز اتحاد واتفاق کہا جائے تو قطعی مبالغہ نہ ہوگا۔ دشمنان اسلام نے اس کلام الٰہی کے سلسلے میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کی ہرممکن کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔

تحریف قرآن ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں علماء کے درمیان اکثر گفتگو ہوتی رہی ہے اور دشمنان اسلام اس کو کافی بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہے ہیں۔ ذیل میں اس موضوع پر دنیائے اسلام کے نامور عالم دین سید مرتضیٰ عسکری سے کی گئی گفتگو حاضر خدمت ہے۔

سوال: قرآن مجید کے متن میں ایسا کیا انتظام واہتمام کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس آسمانی کتاب کو عہد نزول سے عصر جدید تک ہرطرح کی تحریف اور الٹ پھیر سے محفوظ رکھا جاسکے؟

جواب: آپ کا سوال انتہائی ظریف اور غور طلب ہونے کے ساتھ ہی ساتھ گہرے، تحقیقی اور وسیع جواب کا متقاضی ہے لیکن اس مختصر سی گفتگو میں ان فطری تدابیر وانتظامات کی طرف فقط اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

درحقیقت ظہور اسلام سے قبل کی امتوں پر نازل ہونے والی آسمانی کتابوں میں تحریف کی ایک اہم اور بنیادی وجہ یہ رہی ہے کہ پیام وحی کے متن اور ارباب دولت واقتدار کے مفاد ومصالح

کے درمیان غیر معمولی ٹکراؤ پایا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ایک گروہ آسمانی کتاب کے حقائق کو چھپانے میں لگ جایا کرتا تھا اور دوسرا گروہ اس میں تحریف والٹ پھیر کی بھرپور کوشش کیا کرتا تھا لیکن قرآن مجید کے لئے جس کو خداوند عالم نے بنی نوع انسان کے لئے ایک جاوید الٰہی کتاب کی حیثیت سے اس دنیا میں نازل کیا ہے اور رہتی دنیا تک اب اس کی جگہ دوسری کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے، خداوند عالم کی جانب سے ایسی تدبیر و اہتمام یقینی ہے کہ جن کے ذریعہ وہ اس کتاب کی ابدیت وہمیشگی کی ضمانت کر سکے اور موقع ومفاد پرست افراد وجماعتیں اس میں کسی قسم کی تحریف بھی نہ کرسکیں۔

اس سلسلے میں ایک اہم تدبیر قرآن مجید میں فقط اصول وکلیات کا بیان ہے اور اس کی شرح وتفسیر کو پیغمبر اکرمؐ کی سنت وسیرت میں تلاش کرنا ہے مثلاً قرآن میں جہاں کہیں نزول وحی کے زمانے میں موجود شائستہ افراد اور برگزیدہ گان الٰہی کا ذکر آیا ہے وہاں نام کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح جہاں کہیں لائق لعنت ومذمت افراد واقعات کا بیان ہے وہاں بھی متن میں کسی فرد یا جماعت کا نام نہیں آیا ہے۔

یہ قرآن مجید کا عام مشورہ ہے البتہ ابولہب اور اس کی زوجہ کا ذکر کرتے وقت قرآن کریم نے ان کی اعلانیہ مذمت کی ہے جس سے قانون شکنی نہیں بلکہ حکمت خداوندی کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ ابولہب اور اس کی زوجہ کو پیغمبرؐ اور مذہب اسلام سے خصوصی عداوت تھی۔ اس کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا اور عربوں کے درمیان اسکی اپنی ایک حیثیت یہ تھی کہ خود پیغمبرؐ بھی اسی قبیلے سے تھے۔ نام کی وضاحت کی وجہ سے اسلام کی راہ میں آنے والی اکثر رکاوٹیں دور ہوگئیں اور پیغمبرؐ کی ذات کے لئے کوئی خطرہ بھی لاحق نہیں ہوا بلکہ واضح الفاظ میں لعنت ومذمت کفر وعناد کی آگ بھڑکانے والے دوسرے لوگوں کے لئے ایک وارننگ ثابت ہوئی اور انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ اگر اپنی معاندانہ راہ وروش جاری رکھیں تو ابولہب جیسا انجام بھگتنا پڑیگا۔

درحقیقت خداوند عالم نے قرآنی اصول وکلیات کی شرح وتفسیر ووضاحت کی ذمہ داری اپنے پیغمبرؐ کے سپرد کی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آیۂ کریمہ ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً'' میں اہل بیتؑ میں سے کسی ایک کا نام نہیں لیا گیا ہے لیکن جب ہم سنت وسیرت پیغمبرؐ کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رسول خداؐ نے واضح لفظوں میں بتادیا ہے کہ اس آیۂ کریمہ کے مصداق کون لوگ ہیں۔ حدیث کساء میں پیغمبراکرم ایک چادر کے نیچے علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ

وحسینؑ کے ساتھ جمع ہوکر اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرماتے ہوئے ساری دنیا پر یہ واضح کردیتے ہیں کہ میرے اہل بیت اطہارؑ یہ ہیں۔اس کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ پنجگانہ نماز کے وقت علیؑ وفاطمہ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے تھے اور ارشادفرمایا کرتے تھے''السّلام علیکم یا اھل البیت''

یا داستان مباہلہ میں ملتا ہے کہ'' قُلْ تَعَالَوا نَدْعُوْا اَبْنَائکم...'' قرآن نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ''فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَائَنَا وَأَبْنَائَکُمْ وَنِسَائَنَا وَنِسَائَکُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْکَاذِبِینَ ..'' کیونکہ اگر قرآن مجید میں یہ نام آجاتے تو اموی دور کے صاحب اقتدار لوگ ان ناموں کو ہرگز برداشت نہ کرتے۔

اگر اس آیۂ کریمہ''یاایُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیْک۔'' میں کلمہ''فی علی'' کی وضاحت کردی جاتی تو جن لوگوں نے آئندہ حکومت پر اپنی نگاہیں لگا رکھی تھیں وہ قرآن کے ساتھ کیا سلوک کرتے ؟!

اسی طرح سورۂ''إِنَّا أَعْطَیْنَاکَ الْکَوْثَرَ ☆ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ☆إِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْأَبْتَرُ''میں پیغمبرؐ کی توہین کرنے والوں کا نام نہیں لیا گیا ۔ وہ لوگ کون ہیں جو پیغمبرؐ کے آخری بیٹے کی وفات کے بعد انہیں ابتر اور مقطوع کہا کرتے تھے اور جن کا مقصد پیغمبر کو اذیت پہونچانا تھا ؟ خداوند عالم نے قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا'' عاص بن وائل پدر عمروعاص۔ ھو الابتر۔'' اور نہ یہ فرمایا''امیه ابن الخلف ھو الابتر ۔'' بلکہ ان کینہ پرور اور بدزبان افراد کا تعارف خود پیغمبر اکرم کراتے ہیں۔

اگر قرآن مجید میں واضح طور پر یہ ذکر کردیا گیا ہوتا کہ۔'' والشجرة الملعونة ۔'' بنی امیہ ہیں تو ایک فطری بات تھی کہ مسند اقتدار پر قدم رکھتے ہی اموی حکمراں سب سے پہلے قرآن سے اس عبارت کو حذف کرنے میں سرگرم ہوجاتے۔

اسی طرح آیۂ مبارک'' إِنْ جَائَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا ۔'' عثمان کے بردار رضاعی ولید کے بارے میں نازل ہوئی جس کو خلافت کے تیسرے دور میں حاکم کوفہ مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح سورۂ منافقون میں عبد اللہ بن ابی کا نام نہیں آیا جبکہ یہ سورہ اسی کے لئے نازل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ'' ان الذین ینادونک من ورائالحجرات۔'' نامی آیۂ مبارکہ میں آواز بلند کرنے والوں کا نام نہیں لیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں ایسی بے شمار آیات موجود ہین جن میں افراد وحوادث کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

لیکن قرآن مجید نے ان راہبوں کی نشاندہی ضرور کردی ہے جن کے ذریعہ ممدوحین اور ملعونین کی مکمل شناخت میں کوئی دشواری نہ ہو جیسا کہ ارشاد کیا گیا ہے۔'' هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانَزَّلَ لَهُمْ۔''

قرآن کو ہر طرح کی تحریف یا الٹ پھیرے پوری طرح محفوظ رکھنے کے لئے دوسری الٰہی تدبیر اس آسمانی کتاب کا تدریجی اور مخصوص طرز نزول ہے۔ ۲۳ سال کی مدت میں قرآن دو شکلوں میں نازل ہوا۔ ایک وہ آیات ہیں جو بعثت کے آغاز میں مکہ میں نازل ہوئیں۔ یہ چھوٹی اور موزوں آیات ہیں مثلاً ''وَالضُّحَی ☆ وَاللَّیْلِ إِذَا سَجَی ☆ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلَی ☆ وَلَلآخِرَةُ خَیْرٌ لَکَ مِنْ الْأُولَی '' الرَّحْمٰنُ ، عَلَّمَ الْقُرآن ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَان...''

ان چھوٹی اور موزوں آیات کو حفظ کرنا بہت آسان تھا بالخصوص ایسے زمانے میں جبکہ امی اور غیر پڑھے لکھے لوگوں کی اکثریت تھی اور ایسے لوگ نادر ونایاب تھے جو ان آیات کو لکھ لیتے۔ لیکن اسلام کی وسعت اور علم ودانش کی حوصلہ افزائی نیز وقت کی رفتار کے ساتھ قرآن کی تعلیم میں روز افزوں اضافہ کی وجہ سے دھیرے دھیرے یہ کمی دور ہوتی گئی اور کافی لوگ قرآنی آیات کی کتابت میں سرگرم ہوگئے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کے دنوں میں مدینہ میں لمبی لمبی آیات اور سورتیں نازل ہوئی ہیں کیونکہ مکہ کے مقابلے میں مسلمانوں کو مدینہ میں زیادہ سکون واطمینان ومکمل حفاظت کے وسائل وامکانات بھی فراہم تھے۔

جن لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کسی علاقہ میں بھیجنا چاہتے تھے تو ان کے لئے'' اقرئهم للقرآن'' کو کسوٹی قرار دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جب جنگ احد کے کچھ شہیدوں کو نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے پیغمبرؐ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو آپ فرماتے تھے۔'' اقرء هم للقرآن '' کو ان کا قبلہ قرار دو۔ جب دو شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرتے تھے تو کہتے تھے'' اقرء هم للقرآن'' اس وجہ سے اس دور کے معاشرہ میں حافظ قرآن کو غیر معمولی فضیلت حاصل تھی اور مومن ومنافق دونوں ہی حفظ قرآن کے شعبہ میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

میری نظر میں'' کتاب وحی'' والی یہ بات درست نہیں ہے کہ کچھ گنے چنے افراد ہی کتابت وحی میں مشغول رہے ہیں کیونکہ سبھی مسلمان وحی الٰہی کی کتابت اور اس کے حافظہ میں مشغول رہا کرتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہوا کرتی تھی کہ قرآن کا زیادہ سے زیادہ حصہ

انہیں حفظ ہوجائے چنانچہ اور وہ اسے لکڑی، پتھر، ہڈی، بھیڑ کی کھال اور کپڑوں پر لکھ لیا کرتے تھے اور یہ کام کچھ اس انداز میں انجام پایا کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف یا الٹ پھیر کرنا ناممکن تھا۔

قرآن کے تدریجی نزول کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ جب پیغمبر اکرمؐ پر دو تین آیتوں کا نزول ہوجاتا تھا تو وہ آیتوں کو مسلمانوں کے سامنے پڑھتے تھے اور مسلمان ان آیتوں کو حفظ کرلیا کرتے تھے اور اس کے بعد دوسری آیہ کریمہ نازل ہوتی تھی۔

روایات میں منقول ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں رات کے وقت پیغمبر اکرمؐ نازل شدہ آیات کو جبرئیل کے سامنے دہرایا کرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے قرآن حفظ کرنے والے مسلمان ایک دوسرے کے سامنے حفظ شدہ آیات کو پڑھ کر سنایا کرتے ہیں۔

سوال: عالم اسلام میں قرآن کی تحریف کا مسئلہ کب اور کن افراد کے ذریعہ پیش کیا گیا؟

جواب: مسئلہ تحریف کہنے کے بجائے یہ کہنا بہتر ہوگا کہ کن لوگوں نے اور کب قرآن میں تحریف کی کوشش شروع کی۔

درحقیقت بنی امیہ کی خلافت کے آخری دور میں جماعت زنادقہ کے ذہن میں یہ خیانت آمیز خیال پیدا ہوا کہ وہ اس سلسلے میں سعی لاحاصل کریں۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے مضبوط دلیلوں کی ضرورت ہے جن کو میں نے اپنی زیر تالیف کتاب میں جمع کردیا ہے۔ اگر پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب کی فہرست میں بہت سے جعلی اور نام نہاد صحابی شامل ہیں تو کم ہی لوگ اس بات پر یقین کرتے تھے لیکن میں نے اس سلسلے میں لازمی تحقیق کے بعد ایک کتاب تصنیف کی جس میں ۹۳ ایسے صحابی ہیں جن کا جعلی ہونا ثابت ہے اور زنادقہ نے عمداً ان ناموں کو پیغمبرؐ کے اصحاب کی فہرست میں شامل کردیا ہے۔

اصحاب سازی کے ساتھ ہی ساتھ جعلی راویان حدیث کی بھی لمبی فہرست موجود ہے۔ میں نے اپنی کتاب میں ایسے ۳۷ راویوں کا ذکر کیا ہے جو جعلی ہیں اور اسی طرح ۳۴ شہر اور جعلی علاقوں کے بارے میں بھی تحقیقی اسناد ومدارک موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ روایات میں جن شہروں اور علاقوں کی بات کہی گئی ہے ان کا کوئی وجود نہیں ہے پس تحریف قرآن کی حدیثیں بھی زنادقہ کی جعل کی ہوئی ہیں۔

تحریف قرآن کی بات پہلے مکتب خلفاء سے شروع ہوئی اور اس کے بعد راویوں کے ذریعہ

اس کو مکتب اہلبیتؑ سے وابستہ کردیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلا آدمی ابومخنف ہے جس نے ۱۵۷یا ۱۵۷ ہجری میں وفات پائی۔

جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے تقریباً ۱۲۰ہجری میں زنادقہ نے یہ حدیث تیار کی ہے یعنی دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ان لوگوں نے تاریخ اسلام کو بھی کافی توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ ان لوگوں نے ابو ذر کو ایک خرافاتی شخص اور معاویہ کو ایک ترقی پسند انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ یہ زنادقہ کا کام ہے اور اس کے بعد یہ بات ہمارے اسناد ومدارک میں بھی شامل ہوگئی۔ ابومخنف کے بعد مرحوم شیخ مفید نے بھی اس سے روایات نقل کی ہیں اور آج تک مکتب اہلبیت کے انتہا پسند افراد اس خراب کاری میں لگے ہوئے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے زنادقہ نے مکتب خلفاء میں خراب کاری کررکھی ہے۔

ꕥ♦ꕥ

قرآن کریم کے چند اردو تراجم

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی

عجمی (غیر عربی) زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ سب سے پہلے فارسی زبان میں کیا گیا۔ علامہ سرخسی کے بیان کے مطابق حضرت سلمان فارسی نے فارس کے باشندوں کے لئے قرآن کریم کی سورۃ الفاتحہ کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ (المبسوط، ج ۱، ص ۳۷) جو یقیناً یہ ایک مبارک کوشش تھی۔ اس کے بعد قرآن کریم کے کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کی گویا کہ ایک تحریک شروع ہوگئی۔ علاّمہ سید شریف جرجانی (متوفی: ۸۱۶ھ) نے تیمور لنگ کا عہد میں قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہی وہ فارسی ترجمہ ہے، جسے بعض ناشرین نے ہندوستان میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے شیخ سعدی شیرازی کا ترجمہ قرار دیا ہے، حالانکہ شیخ سعدی شیرازی نے قرآن کریم کا کوئی ترجمہ کیا ہو، اس کا کسی بھی معتبر ذرائع سے علم نہیں ہوتا۔

ہندوستان میں غالباً سب سے پہلے شہاب الدین ہندی، دولت آبادی نے (متوفی: ۹۴۹ھ) قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو یہ شیر شاہ سوری کے استاد تھے۔ اس کے بعد بارہویں صدی ہجری کے مصلح اعظم حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۵۰ھ میں قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا جس کا نام 'فتح الرحمان' ہے۔ اسی کے ساتھ ہندوستان میں قرآنی دعوت کا کام منظّم طور پر شروع ہوا۔ اب تک یہاں قرآن کریم کی تعلیم وتدریس کا کام علمی حلقے تک محدود تھا اور وہ بھی برائے نام، عوام کا براہ راست قرآن کریم سے استفادہ کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا۔

دعوت قرآن ولی اللّٰہی مشن کا بنیادی حصہ تھا۔ اس لئے شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے دو صاحبزادوں، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے قرآن کریم کے اردو میں ترجمے کیے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہی اردو زبان آگے چل کر فارسی کی جگہ ہندوستان میں لکھنے پڑھنے کی زبان بننے والی تھی۔

شاہ ولی اللہ ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء میں فوت ہوئے۔ شاہ صاحب کی وفات کے ۲۹ سال بعد شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی نے موضح قرآن کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا، جسے انہوں نے ہندی کا نام دیا اوراس کی وجہ یہ بیان کی:

''اس میں ریختہ زبان نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف، تاعوام کو بے تکلف دریافت ہو''

(مقدمہ موضع قرآن)

یہ شاہ عالم ثانی کا دور تھا موضح قرآن تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۰۵اعداد نکلتے ہیں۔اس ترجمے کا پہلا ایڈیشن اردو ٹائپ میں ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء میں مطبع احمدی کلکتہ سے چھا۔یہ ایڈیشن سید عبد اللہ لاہوری ثم سواتی نے حضرت سید احمد بریلوی کی معیت میں سفر حج کے دوران نقل کیا تھا۔سید صاحب ،کے بھانجے سید احمد علی صاحب کے پاس موضح قرآن کا مسودہ موجود تھا۔حج سے واپس آ کر مسودے میں کچھ پرانے اردو محاورات کی اصلاح کی گئی اور اس اصلاح میں مولانا عبد الحئ صاحب، داماد شاہ عبد العزیز صاحب، اور ان کے جانشین نواسے شاہ محمد اسحاق صاحب، کا مشورہ شامل تھا۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے تحت اللفظ ترجمے کی صورت یہ ہوئی کہ ان کے شاگرد خاص نجف علی نے اپنے استاد سے درخواست کی کہ آپ مجھے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ پڑھائیں۔آپ نے قبول کرلیا، نجف علی اسے قلم بند کرتے رہے اور اپنے استاد کو دکھاتے رہے۔شاہ صاحب اس کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ تحت اللفظ ترجمہ مکمل ہوگیا اور پھر اسے چھاپ دیا گیا۔

مندرجہ بالا دونوں ترجمے اپنی اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ بامحاورہ ہے اور اس میں مراد خداوندی اور وحی الٰہی کی اصلی مراد کو واضح کیا گیا ہے۔اور شاہ رفیع الدین صاحب نے لغوی ترجمہ کیا جس میں محاورہ کی رعایت نہیں ہے۔شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے کا پہلا ایڈیشن جو تلاش بسیار کے بعد دستیاب ہوا ہے، ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۴۰ء کا ہے۔

بہ اعتبار تحریر یہ دونوں ترجمے ایک ہی وقت میں وجود میں آئے۔زبان کی نوعیت کے لحاظ سے ہر ترجمہ اپنی، جگہ ضروری اور اہم نظر آتا ہے۔بابائے اُردو ڈاکٹر عبد الحق کو تعجب ہے کہ شاہ عبد القادرصاحب کے بامحاورہ ترجمے کے بعد شاہ رفیع الدین صاحب کے لفظی ترجمے کی ضرورت چند سال کے اندر ہی کیوں پیش آئی؟لیکن نوعیت ترجمے پر نظر رکھنے والوں کے نزدیک یہ تعجب بے محل ہے۔شاہ رفیع الدین صاحب کی وفات (۱۲۳۲ھ) شاہ عبد القادر صاحب کی وفات (۱۲۳۰ھ) کے دو سال بعد ہوئی۔ولی اللہی تراجم سے بیس سال پہلے شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی نے قرآن کریم کے آخری پارہ کا ترجمہ کیا تھا اور مختصر تفسیر لکھی تھی۔یہ ترجمہ وتفسیر پہلی مرتبہ ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔انگریز حکومت وقت نے اسے وہابی لٹریچر قرار دے کر ضبط کرلیا تھا، لیکن پھر یہ تفسیر کئی مرتبہ چھپی۔

اُردو نثر کے بالکل ابتدائی دور میں تفسیر مراد یہ کی زبان صاف اور شستہ ہونے کے اعتبار سے واقعی نمونہ اور مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بزرگ مفسر ملک شاہ کے نام سے مشہور ہیں اور سنبھل (مراد آباد) میں آرام فرما ہیں۔

۱۹ ویں صدی کے اوائل ہی میں کمپنی بہادر نے اپنے فوجی جوانوں کو اُردو پڑھانے کیلئے فورٹ ولیم کالج کھولا۔ یہاں نشرواشاعت کا کام بھی بڑے پیمانے پرانجام دیا گیا۔گل کرسٹ کی اس کالج میں مرکزی حیثیت تھی۔گل گرسٹ نے چند ماہر علما کو جمع کیا اور قرآن کریم کا اردوترجمہ شروع کرادیا۔ ان علامیں ایک سید بہادر علی بھی تھے، جو سید عبد اللہ کے والد تھے۔یہ ترجمہ مکمل ہوگیا مگر طباعت سے محروم رہا۔ اس کا مخطوطہ ایشیا ٹک سوسائٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی زبان ہر لحاظ سے معیاری اور امتیازی شان کی حامل ہے۔

۱۹ ویں صدی کے وسط میں مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ، کے بانی سرسید احمد خاں صاحب نے تہذیب الاخلاق رسالے میں تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا جو گیارہ سال میں پندرہ پاروں تک پہنچ کر رک گیا ۔ چوں کہ سرسید احمد نے اس تفسیر میں جمہور علماء کے خیالات سے ہٹ کر معتزلہ کا عقلی راستہ اختیار کیا تھا اس لئے علما نے اس پر سخت ردعمل کا اظہار کیا اور یہ ترجمہ وتفسیر اشاعت عام سے محروم ہوگئی۔سرسید احمد کے اس ترجمے کے بعد اردو کے دو دوسرے ترجمے وجود میں آئے ۔ ایک تفسیر حقانی کی صورت میں مولانا عبد الحق صاحب حقانی نے ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں لکھا اور دوسرا ترجمہ اُردو کے مشہور معمار ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی نے کیا۔ اس کی تاریخ طباعت ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء ہے۔ڈپٹی صاحب کے ترجمے کو بعض عامیانہ اردو محاورات کے استعمال کی وجہ سے حلقۂ علما میں پسند نہیں کیا گیا ،جبکہ تفسیر حقانی کو ہر طبقے میں قبولیت عام نصیب ہوا۔

مولانا فتح محمد جالندھری ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے رفقائے کار میں سے تھے، انہوں نے عامیانہ محاورات کی اصلاح کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی صاحب نے ان کی اصلاحات سے مکمل اتفاق نہیں کیا اور انہوں نے اپنا علاحدہ ترجمہ کیا ، جو بہت سلیس اور صاف ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔

۱۹۰۶ء میں مرزا حیرت دہلوی نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا، جوباوجود نہایت سلیس وشستہ ہونے کے مقبول نہ ہوسکا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مرزا صاحب تشیع کے رد میں انتہائی غلو سے

کام لیتے تھے۔ یہ ترجمہ اور مرزا صاحب کی تمام دوسری کتابیں ناپید یا کمیاب ہوگئیں۔

بریلوی جماعت کے قائد مولانا احمد رضاخاں صاحب، نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اس میں زبان و بیان کی خوبیوں کے مقابلے میں مخصوص عقائد کی ترجمانی کو اہمیت دی گئی ہے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کا ترجمہ بھی اسی ترجے کے ساتھ ۱۳۳۱ھ میں شائع ہوا، لیکن قبول عام ہونے سے محروم رہا۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے مالٹا کی اسارت کے زمانے میں شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمے کی تسہیل کی اور اسے عام فہم بنانے کی کوشش کی اور موضح فرقان کے نام سے ایک ترجمہ شائع کیا۔ اس کی اشاعت کا سال ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۰ء ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ وتفسیر بیان القرآن ۱۹۱۰ء میں مکمل ہوا۔ اس میں تھانہ بھون کی قصباتی زبان کی جھلک نظر آتی ہے۔

جدید اُردو زبان کی تفسیر وں میں مولانا ابو الکلام آزاد کا' ترجمان القرآن' (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی 'تفہیم القرآن' (مطبوعہ ۱۹۱۵) میں اور حال ہی میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا 'تدبر قرآن' وجود میں آئے یہ تینوں ترجمے دراصل ترجمانیاں اور تاویلی تراجم ہیں۔ انہیں اپنی اپنی تحقیقی نوعیت کے لحاظ سے ان میں ہر ایک کی شان ممتاز ہے۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا ترجمہ (۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۴ء) اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کا ترجمہ قرآن کریم کشف الرحمٰن (۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء) بھی اپنے اپنے حلقوں میں کافی مقبول ہیں۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ترجمہ 'تفسیر ثنائی' پہلی جلد ۱۳۱۳ھ اور اسی طرح آخری جلد (۱۳۳۵ھ) اپنے حلقے میں قبول عام کی حامل ہے۔

ꕥ♦ꕥ

مفتی محمد عباس شوشتری اور قرآنی علوم ومعارف

مہدی باقر معراج

آبائی طور پر ایران سے تعلق رکھنے والے ہندوستان میں مقیم علمی گھرانوں میں جزایری شوشتری خانوادہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۱؎ جس کا سلسلہ نسب سید نعمت اللہ جزایری (۱۱۱۲۔۱۰۵۰ھ) تک پہونچتا ہے اسی خاندان کے ایک فرد مفتی محمد عباس بھی تھے جو ان سادات موسوی جزایری میں سے تھے جو شہر خوزستان میں سکونت پذیر تھے۔ ۲؎

سید محمد جعفر بن سید ابی طالب بن سید نور الدین بن سید نعمت اللہ اس خانوادے کے پہلے شخص تھے، جنہوں نے ہندستان مہاجرت کی۔ آپ ۱۲۱۰ھ میں شہر لکھنؤ میں قیام پذیر تھے۔ ۳؎

مفتی صاحب مرحوم کی شخصیت اور کوائف حیات پر روشنی ڈالنے کی چند اں ضرورت نہیں، البتہ آپ کی تالیفات کے باب میں خامہ فرسائی سے پہلے آپ کے زمانۂ تعلیم کا محض ایک سرسری جائزہ پیش ہے۔

سید محمد عباس شوشتری جو عام طور پر مفتی محمد عباس کے عنوان سے جانے جاتے ہیں، اواخر ربیع الاوّل ۱۲۲۴ھ۔۱۸۰۹ء میں شہر لکھنؤ میں پیدا ہوئے ۴؎ آپ کے والد سید علی اکبر بن سید محمد جعفر متوفی ۱۲۶۱ھ لکھنؤ کے معروف علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ ۵؎ چنانچہ والد واہل خانہ کی عالمانہ اور دیندارانہ تربیت مفتی صاحب کی زندگی کے لئے بدرجہ اتم تاثیر گذار رہی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد آپ کو منتخب روزگار، علماء دین سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے بعض ابتدائی دروس اور منطق وفلسفہ مولوی عبدالقدوس، عبد القوی فرنگی محلی اور مولوی قدرت علی حنفی سے پڑھے ۶؎ انتہائی صغرسنی میں آپ کی شعوری بالغ نظری سب پر عیاں ہوچکی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ۱۴ برس کے سن میں فارسی میں مثنوی ''من وسلوی'' نظم کی جسے عوام وخواص سبھی نے سراہا۔ ۳۴ برس کے سن میں ''جواہر عبقریہ فی رد تحفہ اثنا عشریہ'' کی تالیف آپ کی علمی مہارت وچابکدستی کی غماز ہے۔ ۷؎

بالآخر، ۲۵ رجب المرجب ۱۳۰۶، مارچ ۱۸۸۹ء کو شہر لکھنؤ میں آپ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ ۸ ان کی رحلت کو اتنا عرصہ گذر گیا مگران کے خدمات نے انہیں کبھی بھی مرنے نہیں دیا۔ ان کی گرانقدر تالیفات نے انہیں لائبریریوں، مدرسوں، کتابوں، تذکروں اور امین حافظوں میں ابھی بھی زندہ رکھا ہوا ہے۔ آپ کی قلمی کاوشوں کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ تفسیر قرآن ومباحث عرفان سے لیکر فقہ وفلسفہ، ہیئت ونجوم، کلام وتاریخ نیز منطق جیسے موضوعات پر مشتمل آپ کی کم وبیش تین سو تالیفات ہیں ۹ جن میں سے ایک سو پچاس کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، جبکہ مبینہ تعداد کے علاوہ متعدد مخطوطہ ہندوستان کے مختلف کتابخانوں میں موجود اپنی اپنی نوبت اشاعت کے منتظر ہیں۔

واضح رہے کہ آپ کے جملہ علمی کارنامے تین زبانوں عربی، فارسی اور اردو پر مشتمل ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ آپ کی کچھ تالیفات ۱۸۵۷ء کی تحریک سے متعلق بھی تھیں۔ جو ظاہراً کہیں کسی کی دست رس میں نظر نہیں آتیں۔ سردست مفتی موسوم کے صرف ان رشحات قلم کا تذکرہ مقصود ہے جن کا تعلق قرآنیات سے ہے۔

روائح القرآن فی فضائل امناء الرحمٰن

کتاب مذکورہ میں مفتی صاحب نے قرآن کریم سے ایسی آیات کا انتخاب کرکے اس کی تشریح وتفسیر کی ہے جو داماد رسول حضرت علی علیہ السلام اور ان کی نسل سے ہوئے گیارہ معصوم ائمہؑ کے لئے منقبتی پہلو کی حامل ہیں۔ اس کتاب کی طباعت ۱۲۷۸ھ میں نواب سید باقر علی خاں کے توسط سے دار الاشاعت جعفری لکھنؤ میں عمل میں آئی۔ ۱۰

آغاز کتاب میں سید العلماء سید حسین بن دلدار علی صاحب کا اجازہ ہے۔ اس کے علاوہ اصل فصول میں داخل ہونے سے پہلے ایک انتہائی جامع تقریظ ہے۔ اس کے بعد آپ کے سلسلۂ انتخاب میں سے پہلی آیت اور اس سے متعلق مندرجات کچھ اس طرح ہیں۔'' فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔فی سورہ البقرہ قبل نصف الجز فی الدر النّثور اخرج ابن النجار عن ابن عباس قال سئل رسول الله عن الكلمات اتقى تلقاها آدم من ربه فتاب عليه فقال صلى الله عليه وآله وسلم سال بحق محمدؐ وعليؑ و فاطمہؑ و والحسنؑ

والحسینؑ الا تبت علیه فتاب علیه اقول لقد تعلم ان آدم ابو الانبیاء ومسجود ملائکة السّماء معلهم الاسماء وفی ابتلاء یه بترک الاولی الذی شود امره قوله عزو علا وعلی آدم ربه تقوی ثم القاء هذه الکلمات للطّیبه من اللّٰه وتوبته برکتها علیه دلیل علی ان لعلی وعرسه وشبله فضلاً عظیما وجاها فخیما عند اللّٰه اکبر رغما لاناف من فضل علیهم ابا بکر وعمر وکیف یکون ابو البشر و را فضل ممن هو افضل من الی البشر" ۱۱

علاوہ ازیں سورہ مائدہ کی آیۂ ولایت 'انما ولیکم اللّٰه ورسولهُ....الخ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"فی سورة المائده عقیب الآیه السابقه نقل ابواسحاق احمد بن محمد بن الثعلبی فے تفسیر یرفعه بسنده قال بینما عبد الله بن عباس جالسا قریبا من زمزم بقول قال رسول اللّٰه قال وهو یحدّث النّاس اذا قبل رجل متلثما فوقف فجعل ابن عباس لایقول قال رسول اللّٰه لا قال الرجل قال رسول اللّٰه فقال بن عباس سالتک باللّٰه من انت فقال ایها النّاس من عرفنی فقل عرفنی ومن لم یعرفنی فانا ابو ذر الغفاری سمعت رسول اللّٰه بها تین والا صمتا یقول فی علی بن ابیطالبؑ انه قائد البررة قاتل الکفرة منصورمن نصره خذل من غذله وصلیت مع رسول اللّٰه یوماً من الایام الظهرفسال سائل فی المسجد فلم یعظم احد شیئا فرفع السائل دیه الی السماء وقال اللهم اشهد انی سالت فی مجد نبیک محمدؐ فلم یعطنی احد شیئا وکان علی فی الصلوٰة راکعا فاومے الیه بخنصره الیمنی وفیها خاتم فاقبل السائل فاخذ الخاتم من خنصره علیه السلام وذالک بمریٍ من النبی وهو فی المسجد فرفع رسول اللّٰه طرفه الی السماء وقال الهم ان اخی موسی سالک فقال رب الشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی اشدد به ازری واشرکه فی امری فانزلت علیه قراناسنشد عضدک باخیک ونجعل الکما سلطانا فلایصلون الیکما اللهم وانی محمدؐ نبیک وصفیک اللهم فاشرح لی صدری ویسرلی امری واجعل لی وزیرا من اهلی علیا اشدد به ظهری قال ابوذر فما استتم دعائه حتی نزل جبرئیل علیه السلام من عند اللّٰه عزوجل وقال یا محمدؐ اقر انّما ولیکم اللّٰه ورسوله والذین امنوا الّذین یقیموا الصلوٰة ویوتون الزکوٰة وهم راکعون" ۱۲

المواعظ القرآنیہ

یہ بھی مولف مذکور کے ان شاہکار قرآنی کارناموں میں ہے، جس میں موصوف نے قرآن مجید کی چند منتخب آیات کو جمع کرکے اس کی تفسیر کی ہے۔ اس میں تمرکز ان آیات پر ہے جو ظاہراً وعظ ونصیحت کے مضامین پر مشتمل ہیں ۱۳

حسنا غالیة المهر فی تفسیر سورۂ دهر

یہ مفتی محمد عباس صاحب کی وہ تفسیر ہے جو قرآن حکیم کے معروف سورہ، سورہ دھر کی آیات شریفہ سے متعلق ہے۔ ''تجلیات'' میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے ۱۴

مفتی صاحب کی یہ تالیف قرآن مجید کی تسہیل تفہیم کے لئے لگائے گئے حواشی سے متعلق ہے۔ اس کا ذکر بھی 'تجلیات'' میں ملتا ہے ۱۵

تفسیر آیت و سیتجنبها الاتقی

مفتی محمد عباس صاحب نے آیہ مذکورہ کی مفصل تفسیر فرمائی۔ اس کا ذکر بھی ''تجلیات'' میں ملتا ہے۔ ۱۶

تفسیر سورہ رحمٰن

یہ بھی آپ کے غیر معمولی اہمیت کے حامل کارناموں میں سے ایک ہے۔ اس کا ذکر بھی تجلیات میں موجود ہے۔ ۱۷

تفسیر سورہ ق

اسے بھی مفتی موصوف کا علمی وتحقیقی شاہکار کہا جاتا ہے۔ ۱۸

جلجۃ السحاب فی حجبیۃ ظواہر الکتاب

یہ بھی قرآن مجید سے متعلق آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ اس پر آپ کے استاد سید حسین ابن سید دلدار علی غفران مآب نے تقریظ لکھی ہے۔ ۱۹

الشعلۃ الجوالہ

یہ محمد عباس شوشتری صاحب کی وہ تالیف ہے جو تین ابواب پر مشتمل ہے ۔ عہد عثمانی کے قرآن سوزی کے واقعات اس میں درج ہیں۔ اس کا فارسی ترجمہ بنام ''آتش پارہ'' بھی لکھنؤ سے چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ ۲۰

واضح رہے کہ زیر نظر مضمون میں مفتی صاحب کی وہ تالیفات تذکرہ میں لائی گئی ہیں جو قرآن سے متعلق ہیں وگرنہ آپ کی شخصیت کی جامعیت اور آپ کی جملہ قلمی کاوشیں ایک انتہائی مفصل موضوع ہے۔ علاوہ ازیں آپ ایک قادر الکلام شاعر نہایت شفیق استاد اور بہترین ادیب بھی تھے ۔ البتہ قرآن وتفسیر قرآن سے متعلق آپ کے خدمات کی نوعیت سے ایک بات جو سب سے پہلے واضح ہوجاتی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے دیگر مفسرین وعلماء کی طرح پورے قرآن کی تفسیر وترجمہ کو موضوع نہیں قرار دیا بلکہ قرآن مجید کے جن سوروں ، آیتوں یا تاریخی موارد کے باب میں تحقیق ونگارش کرنے کو اپنے تئیں زیادہ ضروری اوردلچسپ سمجھا یاانہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان آیات وسوروں سے متعلق کماحقہ تفسیر وتحقیق نہیں ہوئی ہے یا اگر ہوئی بھی ہے تو اس میں دیانت داری کا پہلو مفقود ہے، تو انہوں نے اسے اپنا علمی ، اخلاقی ودینی فریضہ جانتے ہوئے منتخب کرلیا۔ علاوہ بریں ایک اور بات جو آپ کے ذریعہ کی گئی تفسیروں کے باب میں لازم الذکر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے سنی وشیعہ دونوں تفسیروں سے باقاعدہ طور پر استفادہ کیا ہے اور ایسی مدلل ومتوازن گفتگو کی ہے جس سے قاری کو'' تقابلی جائزہ'' کا لطف آتا ہے۔

مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ کی تقدس مآب ،علمی اور گرانقدر تالیفات انہیں کبھی مرنے نہیں دیں گی۔

حوالہ جات:

۱۔شوشتری ہای مقیم ہند

۲۔تکملہ نجوم السماء، ج ۱، محمد مہدی کشمیری، ۱۳۹۶ھ، ص ۳۶۔ ۳۴

۳۔دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ، ج ۱ ،ص ۴۲۷۔۴۲۶، ۱۳۶۹ش، تہران، ایران

۴۔تکملہ نجوم السماء ، ج ۱،ص ۳۶، ۱۰۴

۵۔تکملہ نجوم السماء ، ج ۱،ص ۳۹، ۱۰۵

۶۔مطلع انوار، مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ،ص، ۴۰ ،۴۵، ۵۶، کراچی ، ۱۹۸۱ء
۷۔تکملہ نجوم السماء، ج ۱،ص ۶۱؛ دانشنامۂ ادب فارسی ج ۴،ص ۲۶۳، ۱۳۶۵ش تہران،ایران
۸۔مطلع انوار ، مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ،ص ۵۶۲، کراچی
۹۔ اعیان الشیعہ ،سید محسن امین ، ج ۷،ص ۴۱۳۔۴۱۱، ۱۹۸۶، بیروت، تذکرہ بے بہا ؛ سید محمد حسین نوگانوہ ص ۲۳۱۔۲۲۹، دہلی
۱۰۔روائح القرآن مفتی محمد عباس شوشتری ،ص ۱، مطبع جعفری لکھنؤ، ۱۲۷۸ھ، الذریعہ ؛ آقا بزرگ تہرانی ، ج ۱۱،ص ۲۵۵، ۱۹۵۹ء، تہران
۱۱۔ روائح القرآن مفتی محمد عباس شوشتری ،ص ۳۳ ،لکھنؤ،
۱۲۔روائح القرآن مفتی محمد عباس شوشتری ،ص ۱۲۴ ،لکھنؤ،
۱۳۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۲۳،ص ۲۲۷، تہران ، ۱۹۷۵ء
۱۴۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۷،ص ۱۴، تہران ، ۱۹۷۵ء
۱۵۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۲۳،ص ۱۰۲، تہران ، ۱۹۷۵ء
۱۶۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۴،ص ۳۲۷، تہران ، ۱۹۷۵ء
۱۷۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۴،ص ۳۳۸، تہران ، ۱۹۷۵ء
۱۸۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۴،ص ۳۴۱، تہران ، ۱۹۷۵ء
۱۹۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۵،ص ۱۲۷، تہران ، ۱۹۷۵ء
۲۰۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی ج ۱۴،ص ۱۹۸، تہران ، ۱۹۷۵ء

قرآن کریم اور تہذیب نفس

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نزول قرآن کا بنیادی مقصد روحانی بنیادوں پر حیات انسانی کی تشکیل ہے اور اس کے ذریعہ انسانی معاشرہ کی صالح خطوط پر تعمیر ہے۔ نفس انسانی کی تہذیب اور عقل انسانی کی تربیت قرآن کا خاص مدعا ہے۔ یہ مقصد اگر چہ سابقہ آسمانی کتابوں کا بھی رہا ہے، مگر حالات وزمانہ کے تناظر میں، قرآن تہذیب انسانی کا مکمل نسخہ ہے ہر دور اور مقام کے لئے یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ یوں تو قرآن پاک کی بہت سی خصوصیات اور عالی صفات خود قرآن کریم میں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان کی گئی ہیں، مگر ان خصوصیات میں خصوصیت ہدایت اور تہذیب نفس خصوصیت نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور قرآن اس کا بار بار اظہار کرتا ہے۔ قرآن میں ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد اس طرح وارد ہوا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَائَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ☆ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ (سورہ یونس: ۵۷۔۵۸)

(اے لوگو! تمہارے پاس نصیحت نامہ تمہارے رب کے پاس سے آچکا ہے، جو سینوں کے امراض کے لئے شفا ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔، (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کی مہربانی اور اسکی رحمت کی وجہ سے ہے تو لوگوں کو اس پر خوش ہونا چاہئے، وہ ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں)

اس آیت میں قرآن کریم کی چار صفات عالیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے:

۱۔ یہ موعظہ ہے، یعنی بری باتوں اور برے اعمال سے قرآن روکتا ہے۔
۲۔ شفاء لمافی الصدور ہے، یعنی سینہ کے تمام امراض کے لئے نسخہ شفا ہے۔
۳۔ ہدایت نامہ ہے، یعنی اللہ کی رضا پر چلنے کا راستہ دکھاتا ہے۔
۴۔ رحمت ہے، یعنی اہل ایمان کو دنیا اور آخرت میں رحمت الٰہی کا مستحق بناتا ہے۔

یہ چاروں صفات انسانی زندگی کی تعمیر وتہذیب میں قرآن مجید کے جامع اور انقلاب آفرین کردار کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور قرآن کے مقصد ومدعا کو واضح کرتی ہیں۔

ان میں پہلی صفت قرآن کریم کی ان حکیمانہ نصیحتوں سے عبارت ہے جو انسان کو بری باتوں، بری عادتوں، برے عمل اور برے اطوار کو ترک کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔ مثلاً ظلم وتعدی، حق تلفی، گالم گلوج، قتل وغارت گری، زنااور وبدکاری اور شہوت رانی، غیظ وغضب، فتنہ وفساد، غرور ونخوت، بت پرستی اور مادہ پرستی جیسی تمام حرکات سے اجتناب کرنے کی دعوت کا نام موعظہ ہے۔ اس میں دل سوزی اور اخلاص کا وافر حصہ پایا جاتا ہے، اور استدلال بھی اس میں نمایاں طور پر موجود ہے۔ سورہ اعراف میں اس کی وضاحت اس طرح ہوئی ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (سورہ الاعراف، ۳۳)

(آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میرے رب نے حرام کیا ہے بے حیائی کی باتوں کو، خواہ کھلی ہوئی ہوں یا چھپی ہوئی اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو، جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرو جو تم نہیں جانتے)۔ اسی مضمون کی مزید وضاحت سورہ الانعام کی آیت ۱۵۱ میں بھی کی گئی ہے۔

یہ آیات انسانوں کو احساس دلاتی ہیں کہ تمہارے جو اعمال اور حرکات ہیں اگر وہ تمہاری شخصیت کے وقار اور اعتبار کے لئے مضر ہوں تو ان کو ترک کردو کیونکہ اگر تم برائیوں کو ترک نہیں کروگے، تو نیکیوں کی فصل تمہارے وجود سے نہیں ابھرے گی۔ کاشت کار پودے لگانے سے پہلے کھیت کے جھاڑ جھنکار کو صاف کرتا ہے، اسی طرح تم کو اپنے نفس کی کھیتی کو نقصاندہ چیزوں سے پاک کرنا چاہئے۔

قرآن پاک اوصاف رزیلہ کو کہیں محرمات سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی منکرات، کبھی فواحش سے اور کبھی معصیت سے، منشا انسانی وجود کو الائشوں سے صاف وپاک کرنا ہے اور اس طرح انسان کو پاکیزگی کی راہ پر گامزن کرنا ہے، اور انسانی زندگی کو مہذب اور مودب بنا کر اللہ رب العزت کا محبوب بنانا ہے۔

قرآن کریم کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ دلوں کے امراض کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔ قرآن

ظاہر کو فاسد اعمال سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے دلوں کو بھی گناہ کے اثرات اور مہلک روحانی امراض سے پاک کرتا ہے ۔ دلوں کے امراض میں شرک والحاد، تشکیک اور نفاق، توہم پرستی اور بدگمانی ، خود پسندی اور نفس پرستی، کینہ، حسد، غرور، تعصب وغیرہ ایسے امراض ہیں جو انسان کو اندر سے جلا دیتے ہیں۔ انسان بظاہر معقول اور مہذب نظر آتا ہے، مگر اندر سے اس کا وجود جل کر راکھ میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے ۔ جسے ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

منظر سیاہ پوش نہ پیکر جلا ہوا
ہر شخص اپنی ذات کے اندر جلا ہوا

قرآن پاک نے انسانی وجود کی پاکیزگی اور اس کے نفس کی تہذیب کے لئے باطن کو سنوارنے پر زیادہ زور دیا ہے ، یہ انسان کا وہ پہلو ہے جسے دوسرا تو کم دیکھتا ہے مگر وہ خود اسے زیادہ محسوس کرسکتا ہے۔

جب تک انسان باطنی امراض سے پاک نہ ہو، ظاہری امراض سے پاک نہیں ہوتا ہے۔ جب جسم پر پھوڑ نکلتا ہے تو اس کے علاج کے ساتھ اطباء فساد خون کا بھی علاج کرتے ہیں، کیونکہ فساد خون ہی اس کا موجب ہے ۔ اسی طرح ظاہری اعمال فاسدہ کے پیچھے باطنی رویہ کی اصلاح ضروری ہے ۔ عارفین ہمیشہ اس پہلو کو ذہن میں رکھ کر فرد کی اصلاح کرتے ہیں۔ قرآن پاک انکشاف کرتا ہے کہ دلوں کے امراض اگر دور نہ ہوں تو عقیدہ وعمل کی گندگی مزید پھلتی ہے۔ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ (سورہ التوبہ ، ۱۲۵) اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اللہ نے ان کی گندگی میں اضافہ کردیا۔

انسان جسمانی امراض میں مبتلا ہوتا ہے تو دوا کی فکر کرتا ہے، معالج سے رجوع کرتا ہے، کیونکہ مرض کی تکلیف اسے علاج پر مجبور کرتی ہے، مگر انسان روحانی امراض میں مبتلا ہوتا ہے تو اُسے علاج کی چنداں فکر نہیں ہوتی، نہ مرض کی شدت کا احساس ہوتا ہے نہ اسے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ اگرچہ یہ مرض جسمانی امراض سے زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے ۔ قرآن یہی احساس دلوں میں پیدا کرتا ہے اور مریضوں کو علاج کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

قرآن پاک کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مکمل ہدایت نامہ ہے ۔ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے توریت کو بھی نوشتہ ہدایت کے طور پر عطا کیا گیا تھا، مگر وہ ہدایت نامہ صرف

یہود ونصاریٰ یعنی بنی اسرائیل کے لئے تھا۔ ارشاد ہے:

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلاَّ تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا (سورہ بنی اسرائیل۔ ۲)

(اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ بنایا کہ بندوں علاوہ کسی اور کو کارساز نہ ٹھہراؤ۔)

یہود ونصاریٰ کل بھی یہ کہتے تھے کہ" كُونُوا هُوداً أَوْ نَصَارىٰ تَهْتَدُوا (سورہ بقرہ، ۱۳۵)

(یہودی یا عیسائی ہوجاؤ تو ہدایت پاجاؤ گے)۔ اور آج بھی وہ اسلام کو باطل مذہب (معاذ اللہ) پیغمبر اسلام کو جھوٹا پیغمبر اور قرآن کو خود ساختہ کتاب قرار دیتے ہیں۔ مگر قرآن صاف اعلان کرتا ہے کہ إِنَّ هٰذَا الْقُرآن يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَم (سورہ بنی اسرائیل، ۹) (قرآن سب سے سچے اور اچھے راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔) یہود ونصاریٰ دین حنیف سے مرتد اور منحرف ہیں۔ انہوں نے کتاب الٰہی کو ترمیم وتحریف کا شکار بنایا اور دین الٰہی کو کھیل تماشا بنالیا۔ اس مذہب سے ہدایت ختم ہوچکی ہے۔ اب اللہ کی رضا تک پہونچنے کا واحد ومعتبر ذریعہ قرآن کریم ہے۔ اس کی ہدایت وقتی نہیں دائمی ہے۔ یہ کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ آفاقی ہے۔

قرآن پاک کی تیسری صفت:

زندگی کے تمام معاملات میں قرآن انسان کی رہنمائی کا حق ادا کرتا ہے۔ عقائد واخلاق سے لیکر حلال وحرام تک، تمدن سے لیکر مشقت تک اور معاشرت سے لیکر سیاست تک اس کی رہنمائی کا سلسلہ وسیع اور روشن ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے منشا کو سمجھنے، اس کی مرضی کو جاننے اور نجات حاصل کرنے کا واحد مکمل نوشتہ قرآن کریم ہے۔ قرآن ہر طبقہ کے انسان کو اپنی ہدایت سے فیض یاب کرتا ہے۔ اور دنیاوی سعادت اور آخروی نجات کی بشارت دیتا ہے۔ اس ہدایت سے منہ موڑ کر انسان کامیاب نہیں ہوسکتا، خواہ اسے اپنی عقل وفہم اور علم وتجزیہ پر کتنا ہی ناز کیوں نہ ہو!

قرآن پاک کی چوتھی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے سراپا رحمت ہے۔ جب انسان اپنے وجود کو ہر طرح کی برائیوں سے پاک کرتا ہے، فاسد خیالات اور مہلک رسم ورواج سے اجتناب کرتا ہے، نفس کو عقائد صحیحہ اور اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتا ہے اور آسمانی ہدایت نامہ کو اپنی

زندگی کا نصب العین بنالیتا ہے تو صحیح معنوں میں رحمت الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے۔ رحمت الٰہی کی کرنوں سے وہ فیضیاب ہوتا ہے۔ اس کا پورا وجود روحانی ہوجاتا ہے اور وہ انسانی معاشرہ میں ربانی قدروں کا نمائندہ قرار پاتا ہے۔

جب انسان اس روحانی منزل تک پہونچتا ہے تو اسے ایک طرح کا سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کے اندر فرحت وانبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس میں جزبۂ شکر بھی شامل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کے اظہار کی اجازت یہ کہہ کر دی ہے کہ'' اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہئے ۔ وہ اس مال ودولت سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔''

قرآن پاک میں قارون کی داستان سنائی گئی ہے اور اس کے مال ودولت کا تذکرہ کرکے کہا گیا ہے کہ اپنی دولت پر اتراؤ نہیں۔ اللہ اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ مگر قرآن کی دولت پر اہل ایمان کو خوش ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ دونوں جگہ ''فرح'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، مگر یاد رہے کہ قارون کی خوشی اس کی ناجائز دولت پر تھی مگر اہل ایمان کی خوشی روحانی دولت ہے۔ ان میں سے ایک فانی ہے اور دوسری جاودانی ، ایک ہلاکت کا ذریعہ ہے اور دوسری حیات جاودانی کا سرچشمہ ، ایک کا انجام پستی ہے اور دوسرے کا بلندی، ایک کی خوشی جھوٹی ہے، دوسری کی حقیقی ۔ اللہ اس حقیقی خوشی سے بندہ مومن کو سرشار کرتا ہے اور اس کی روحانی لذت کو پائداری سے ہم کنار کرتا ہے۔ اس روحانی دولت کا حامل دونوں جہان کی سعادت سے مالا مال ہوتا ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو مسلمان قرآنی تعلیمات سے بے پرواہ ہوکر اپنے آپ کو ظاہری برائیوں سے نہ تو بچاتے ہیں اور نہ تذکیۂ نفس کرتے ہیں اور نہ اپنی تربیت کے لیے قرآن کو میزان کامل کا درجہ دیتے ہیں، ان کو یہ خوشی اور مسرت کس طرح حاصل ہوسکتی ہے؟

امام رازی نے قرآن پاک کی مذکورہ خصوصیات کو اپنے مخصوص فلسفیانہ اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روح جسم سے عشق طبعی کے سبب تعلق پیدا کرتی ہے اور روح عالم جسمانی کی مشتہیات اور طبیعات سے خمسہ خیمہ کے ذریعہ لذت حاصل کرتی ہے۔ پھر یہ طریقہ اس کی عادت میں شامل ہوجاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ نور عقل آخری درجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ روح کا جسمانی لذات سے یہ استغراق باطل عقائد اور برے اخلاق کے اختیار کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور یہ احوال روح کے لئے امراض شدیدہ بن جاتے ہیں، تو اس کے علاج کے لئے ماہر طبیب کی ضرورت

پڑتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی حیثیت ماہر طبیب کی ہے اور قرآن کی حیثیت مجموعہ ادویہ کی، جس کے ذریعہ امراض کا علاج ہوتا ہے ۔ جب طبیب مریض کا علاج کرتا ہے تو اس کے حسب ذیل چار مراتب ہوتے ہیں:

اوّل یہ کہ مریض کو غیر مناسب کھانے اور ان چیزوں کے استعمال سے روکا جائے ،جو مرض کا سبب ہیں۔ اسے موعظہ کہا گیا ہے۔

دوم مریض کو ایسی دوا پلائی جائے جو اس کے باطن کو امراض فاسدہ سے پاک کردے۔

اسی طرح جب انبیاء علیہم السلام مخلوق کو محرمات سے روکتے ہیں تو اس کا ظاہر نامناسب افعال سے پاک ہوجاتا ہے۔ پھر وہ باطن کی طہارت کا حکم دیتے ہیں۔ جو برے اخلاق سے اجتناب اور عمدہ اخلاق کے اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

تیسرا مرتبہ مذکورہ دونوں مراتب کے حاصل ہونے کے بعد آتا ہے۔ اس لئے کہ روح ناطقہ تجلیات قدسی اور انوار الٰہی کا سامنا کرنے کے قابل ہوجاتی ہے اور اسی کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ نفس انسانی روحانی منزل کی بلندی تک پہونچ جاتا ہے۔ اللہ کا نور ارواح پر جلوہ گر ہوتا ہے اور اسے منور کردیتا ہے ۔ یہی رحمۃ للمومنین ہے۔ یہ نور صرف مومنوں کے لئے خاص ہے، کیونکہ مشرکوں کی روح انبیاء کے روحانی انوار سے منور نہیں ہوتی۔ اس میں نور کو قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں پیدا ہوتی۔ (التفسیر الکبیر تفسیر سورہ یونس)

موجودہ عہد میں مسلمانوں میں عقائد واعمال اور تہذیب واخلاق کی جو کمی نظر آتی ہے، اس کی بنیادی وجہ قرآن کریم سے بے تعلقی ہے۔ جب مریض نسخہ شفا کو نظر انداز کردے تو مرض میں اضافہ ناگزیر ہے ۔مسلمانوں کے روحانی اور خلاقی امراض کے علاج کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کو دستور زندگی بنا کر عمل کرنا شروع کریں اور اپنی تہذیب وتربیت کے لئے اسے میزان بنالیں ،تاکہ وہ ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل نو کرنے میں کامیاب ہوں۔

ﮋ♦ﮊ

قرآن شناسی

حجۃ الاسلام سید مجتبیٰ موسوی لاری

رسالت کے لئے ایسے معجزہ کا ہونا بھی ضروری ہے جو اس بات کو ثابت کرے کہ اس کا تعلق ماورائے طبیعت سے ہے اور رسالت سے اس کی جدائی ناممکن ہے۔ معجزہ وہ کھلا ہوا برہان ہے جس کے اظہار کے بعد مخالفین کی تمام بے منطق دلیلیں ختم ہوجاتی ہیں۔ معجزہ اس بات کو بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔

یوں تو تمام انبیاء اپنی رسالت الٰہی کے انجام میں ایک ہی مقصد رکھتے تھے، بلکہ ہر ایک کی خصوصیات سے قطع نظر کرتے ہوئے دیکھا جائے تو ان کی نوع تعلیمات بھی باہم مشابہ تھیں۔ البتہ موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر خصوصیات زمانی کے لحاظ سے اپنے اپنے طریقۂ عمل کے مطابق ترقی وتکامل میں پیشرفت ہوتی تھی۔

مختلف انبیاء کو مختلف قسم کے معجزات دئے جانے کا یہ تھا کہ سابق انبیاء کے دوران رسالت لوگوں کی توجہ مشاہدات اور آنکھوں سے دیکھ لینے پر موقوف تھی۔ اور اس زمانے کے کاہن وذہین لوگ عوام کے افکار پر جو قید وبند لگاتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ عمومی افکار ایک محدود مرکز پر جمع رہتے تھے۔ اور یہی خدا سے ان کی دوری کا سب سے بڑا سبب تھا۔ نیز فکر بشر کے انجماد کی علت بھی یہی تھی۔

اسی لئے انبیائے الٰہی خدا کی طرف سے اسی بات پر مامور تھے کہ اس حساس ترین نقطۂ انحراف کو آماجگاہ تبلیغ قرار دیں۔ اور اسی طرح کی چیزوں کے ساتھ، یعنی جو عوام کی نظروں میں اسی طرح ہوں مثلاً معجزات، ان لوگوں کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوجائیں اور اپنی اعجازی طاقت سے مخلوق کی خدا سے جدائی والی علت اور افکار کے ایک جگہ محدود ہوجانے کے سبب کو یعنی اس زمانہ کے کاہنوں اور قہرمانوں کی نظر بندیوں وحیرت انگیزیوں کو جو انسانی روحوں کو اپنے جال میں پھانس لیتے تھے، باطل قرار دیں اور اپنے اعجاز کی نمائش اور دین الٰہی کے واقع بنیانہ اصول کو پیش کرکے آدمیوں کے سامنے رشد وہدایت وتکامل کے دروازے کھول دیں اور ان کی تمام ابعاد زندگی اور ان کے حالات کو خدا سے جوڑ دیں۔ معجزہ کی حقیقت کا یہ صرف ایک گوشہ ہے۔

حضور اکرمؐ بھی ایک ایسے معاشرہ میں آسمانی رسالت کے لئے منتخب کئے گئے ،جس میں عوامی افکار انشائے کلام بلیغ ، پسندیدہ وشیریں اشعار پڑھنے اور ادبی ابتکار کے محور کے گرد گھومتے تھے۔ اور ایسے ہی محور کے گرد گردش فکری کے ہونے نے، جو نہ اصولی مسائل کا جز، تھا اور نہ انسانی زندگی کے حیات بخش اجزاء میں تھا، لوگوں کوخدا سے بے توجہ بنادیا تھا۔ اوریہی افکار میں جمود وتوقف کا سبب بن گیا تھا۔

ان حالات میں پروردگار عالم نے اپنے رسولؐ کوقرآن جیسے ہتھیار سے مسلح کرکے بھیجا ، جو ادبائے عصر کے آثار سے مشابہ اور بالاترین تھا۔ البتہ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ منحصر بہ فرد تھا اور ایسا حیرت انگیز جوعہدۂ بشر سے خارج تھا۔

آیات الٰہی کی کشش وشیریں بیانی نے قوم عرب کے دلوں کو احساس وادراک سے پر کردیا اور وہ لوگ اس امانت الٰہی کی طرف نہایت گیرائی کے ساتھ متوجہ ہوگئے ۔قوم عرب، جوفن بلاغت اور اس کے آثار ورموز سے مکمل طور پر آگاہ تھی، اس بات کوسمجھ گئی کہ قرآن کی بلاغت بشری طاقت سے باہر ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس کوسن کر اور اس کے معانی کوسمجھ کر اس کی طاقت بلاغت سے متاثر نہ ہوا جائے! اور یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے ساتھ ساتھ لوگوں کا تاثر بڑھتا گیا اور دین الٰہی کی طرف ان کے میلان کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی۔

رسول اکرمؐ اگر قرآن کے علاوہ کوئی اورمعجزہ پیش کرتے تو عرب کی عام ذہنیت کی بناپر وہ قابل توجہ نہ ہوتا اور اس میں شک وتردید کے راستے کھل جاتے ،لیکن چونکہ اس زمانے کے عرب فن سخنوری سے بخوبی آگاہ تھے اور لغت وادب کے اساتذہ اور قہرمان ان کے درمیان موجود تھے ، اس لئے وہ قرآن کی غیرمعمولی بلاغت خارق العادہ کی تردید کرہی نہیں سکتے تھے۔

دیگر انبیاء کے معجزات ان کے زمانہ تک محدود تھے۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی شریعتیں ناپائدار اور وقتی تھیں۔ لیکن رسول اسلامؐ کی نبوت تمام جہان کے لئے تھی اور آپ کی شریعت تمام شرائع میں مکمل ترین شریعت تھی، اس لئے آپ کو وقتی معجزہ نہیں دیا گیا تھا ، کیونکہ جیسے آپ کا دین ابدی ہے اسی طرح آپ کا معجزہ بھی ابدی ہونا چاہئے تھا۔

دائمی رسالت کے لئے دائمی معجزہ ہونا چاہئے ،جو ہر زمانہ میں کارآمد ہوتا کہ جس طرح وہ گذرے ہوئے لوگوں پر حجت تمام کرتا ہے آئندہ لوگوں کے لئے بھی حجت تمام کرے۔ کیونکہ اگرمعجزہ

کی عمر کوتاہ ہوگی تو وہ بعد والی نسل کے لئے قابل رویئت نہ ہوگا اور اس سے مستقبل والوں کے لئے حجت نہیں پیش کی جاسکتی ، اس لئے قرآن مجید کو بہ عنوان معجزہ ابدی وپائدار اور خدا کے آخری کلام کے عنوان سے پیش کیا گیا۔

پیغمبر اسلامؐ نے مقدماتی تدارکات کے بغیر جس دن سے اپنے آئین کو بہ صورت مکتب جہانی پیش فرمایا، کہ جس کے نفوذ کا منطقہ نسلی اور جغرافیائی سرحدوں میں محدود نہیں کیا جاسکتا ، اسی دن سے اس جاودانی سند کو اس بات کے اثبات کے لئے بھی پیش کیا کہ میں پوری کائنات کے لئے نبی بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں، تا کہ یہ زندہ دلیل ہو کہ آپ کی بعثت وجنبش انقلابی تاریخ بعثت اور انبیاء کے جنبشہائے انقلابی کی آخری فصل ہے۔

اسی لئے بعثت رسولﷺ کا معجزہ خاتم بعثت کا معجزہ ہے۔ اور قرآن نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں ہر جگہ پر نزول آیت کے تحت شرائط یا تاریخی واقعات بیان کرنے کے ضمن میں یا عصر رسول اسلام میں ہونے والے واقعات کی شرح میں یا زندگی کے گوناگوں مسائل کے بارے میں بصورت تمثیل ، زندگی کے بالاتر مراتب کے لئے ہدایت بشر کی خاطر اس طرح سے لازمی رہنمائی کردی ہے کہ جس سے واقعات کی تحلیل وتجزیہ کے ذریعہ اور ان جاری حوادث کے ذریعہ جن میں ان تحولات کے مورد پر قرآن کی قضاوت اور اس کا نقطۂ نظر حاوی ہے، کلی اصول کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔

اسلام نے جو روحانی تحول اور تاریخی واجتماعی انقلاب پیش کیا ہے وہ ایک ایسا راز ہے جس کو قرآن کے تدریجی فلسفہ کے علاوہ کہیں سے درک نہیں کیا جاسکتا۔

اگر چہ سطحی وجاہل افراد کی نظر میں قرآن کا تھوڑا تھوڑا نازل ہونا باعث نقص سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر تاریخی واقعات اور زمانہ کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ پیغمبرؐ کی کامیابی میں بنیادی طور سے یہ دخل ہے۔

جس طرح طویل بیماری طویل علاج چاہتی ہے ، اسی طرح جو عوامل مستمر طریقہ سے انسان کو حقائق ہستی تک پہونچنے سے روکتے ہیں اور اس کی رشد وبلندگی کے حصول میں مانع ہوتے ہیں، وہ بھی ایک ایسے فکری نظام اور ہمہ جانبہ اجتماعی اصول کے مرہون منت ہوتے ہیں جو فکری خطوط کو ترقی دے سکے اور اس کو ایک معین مقصد یعنی انسان کو خود اپنے سے بیگانگی کی قیدوبند سے آزاد کراسکے اور اس مقصد کی طرف رہبری کرسکے۔اور اس صورت کے علاوہ مسئلہ کا حل ناممکن ہے۔اس لئے صرف اسلام

ہی ایک ایسا ممکن نظام ہے جو ان تمام خصوصیات کا محامل ہے اور تمام ضرورتوں کا جواب دینے والا ہے۔

عام مسلمان تو قرآن کے اعجاز پر صرف دینی عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن اہل نظر واہل تحقیق علمی عقیدہ رکھتے ہیں، کیونکہ جہاں بینی اور محتوای علمی وتربیتی اور فرد وگروہ پر قدرت رہبری کے لحاظ سے قرآن حیرت انگیز حد تک جامعیت رکھتا ہے۔ اور اس امر میں ابھی بہت زیادہ تحقیق کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس میں علمی تحقیق کی تو اشد ضرورت ہے۔

قرآن مکتب اسلام کی تحقیق وکدو کاوش کا اصلی منبع ہے۔ اور ہر زمانہ اور ہر دور اور دنیا کے ہر گوشہ میں قرآن ایک ایسا کامل وآزادانہ معاشرہ وجود میں لاسکتا ہے، جس کے زیر سایہ انسان کی تمام چھپی ہوئی طاقتیں اور تمام استعداد اجاگر ہوسکتی ہیں اوراس طرح ان بستہ راہوں کو کھول سکتا ہے، جو ایک آئیڈیل معاشرہ اور حکومت الٰہی والے معاشرہ تک پہونچاتی ہیں۔

قرآن کو نازل ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ مدت گزر گئی اور اس مدت میں انسان نے بہت سے تغیرات کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ پھر بھی رشدوتکامل کے مراحل طے کرنے کے ساتھ ساتھ اور آفرینش کے اسرارو رموز پالینے کے باوجود اسے اور ہر زمانہ میں اس کی احتیاج رہی ہے اور وہ اپنا معرف بھی رہا ہے۔

اس معجزہ (قرآن) نے اسی وقت سے جب کہ لوگوں کے اندیشہ وفکر کو کمال نہیں حاصل ہوا تھا، یقینی طور سے پیغمبر اسلامؐ کی رسالت کو ثابت کردیا تھا اور آج بھی جبکہ نسل بشر اپنے کو ادراک وعلم ومدنیت کے درجۂ کمال پر فائز سمجھتی ہے، قرآن بہ عنوان معجزۂ مستمر تاریخی اور بصورت زندہ دلیل کے خاتم الرسلؐ کی حقانیت کو ثابت کرسکتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ انسانی معلومات کے حدکمال پر پہونچنے اور فکر کے تازہ افق کی وسعت نے ہمارے لئے یہ بات ممکن بنادی ہے کہ گزشتہ لوگوں اور ان کے حالات سے مزید استفادہ کریں۔

اگر قرآن فقط کسی ایک معین حصۂ یا محدود مکان کے بارے میں اپنی توجہ مرکوز رکھتا تو اپنی اعجازی خصوصیت کے باوجود زمانۂ مستقبل کے بارے میں پیشروی نہیں کرسکتا تھا۔ قرآن کے جاودانی ہونے کا راز ہی یہ ہے کہ قرآن نے زمانہ کے روز افزوں ترقی یافتہ حوادث کے بارے میں اس نے معنوی ہدایت بخش فرامین صادر کئے ہیں اور تمام حوادث حل کا اصلی منبع یہی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ حضور سرورکائنات کا ظہور اور آپ کا عمل معاشرہ کے درمیان مرحلۂ تفکر

وتعقل تک پہونچ جانے کا بشارت دہندہ اور انسان کے ارادہ کو بسط واستقلال وتوسعہ دینے والا یہی قرآن ہے، باین معنی کہ انسان رشد واندیشہ کے مرحلہ میں تحقیق کے سلسلہ میں دیکھنے کے بجائے غورکرنے کی منزل میں گامزن ہوتا ہے اور فطری حوادث میں دقت نظر اور گہرائی فکر کے بجائے سادہ اندیشی کو اختیار کرتا ہے، تاکہ غیر طبعی حوادث اور خارق عادت اشیاء میں انبیائے سابقین کی رسالت کی طرح معجزہ کے سامنے سرنگوں ہو۔ واقعی قرآن بشر کو مسلسل دعوت دے رہا ہے۔'' تدریجی طور پر بشریت کو اس کی جستجو کا ثمرہ اسی وقت مل سکتا ہے جب محقق کا ذہن پہلے کی خود خیالی تصویر اور پیشگی عقیدہ سے خالی ہو، کیونکہ پہلے ہی سے قرآن کریم سے عصبیت رکھنا اور اپنا فیصلہ پہلے ہی سے متعین کرلینا صرف جمود وتحجر کا سبب ہوتا ہے۔ اور یہ بات ایسی ہے کہ ہر منصف مزاج محقق کو اس سے بچنا چاہئے۔

یہ بات مسلمات سے ہے کہ قرآن 'عقلمندوں' کی کسی کمیٹی کے افکار کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ جب عقلائے دہر کا مجمع ایسی چیز نہیں پیش کرسکتا تو صرف ایک آدمی'' جس نے دنیا میں کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کیا'' تن تنہا، جو جزیرہ العرب جیسے پست ترین معاشرہ میں پیدا ہوا ہو اور وہ بھی ایسے زمانہ میں کہ جب عربوں کو علم وفلسفہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ نہ اس کو پیش کرسکتا تھا اور نہ کہیں سے اقتباس کرسکتا ہے۔

قرآن نے بشر کی بلندی کے لئے جو نظام پیش کیا ہے، اگر اس میں غور کیا جائے اور سابق نظاموں وقوانین سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ قرآن نہ تو ان سابق نظاموں کی کتابوں سے اقتباس شدہ ہے اور نہ ان سے مشابہ ہے، بلکہ یہ بالکل نیا ہے، کلام اللہ انسانی معاشرہ میں انقلاب لانے والا اور معاشرہ کو عدل وانصاف کی بنیادوں پایوں پر قائم کرنے والا اور محروم وستمزدہ لوگوں کو مساوات وآزادی دلانے والا ہے۔قرآن نے سابق امتوں اور پہلے کے انبیاء کے حالات اور ان کی زندگی کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔قرآن میں جو قصے بیان ہوئے ہیں اور جن حوادث کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بے مثال واقعیت کے حامل ہیں ۔ ہر نظر میں ہم دور ونزدیک اشارہ کے ساتھ حقیقت کے تاروپود کو دیکھتے ہیں۔

قرآنی حکایات کا توریت وانجیل سے نسخہ برآوری کا امکان مکمل طرح سے منتفی ہے، کیونکہ سرگذشت انبیاء کے بیان میں نقش قرآن مثبت قالب میں ہے۔ قرآن خود اصلاح تغیر دیدیتا ہے۔

پیغمبروں کے قصوں میں جو باتیں نامناسب ہیں یا فطرت توحید وعقل کے خلاف ہیں یا اصلی مذہبی بینش کے متضاد ہیں، ان کو حذف کر دیتا ہے۔ کیونکہ اگر نسخہ برآوری ہوتی، تو یہ بات ممکن نہیں تھی ۔ دراصل نسخہ برداری تقلید واقتباس کا نام ہے جو منفی جنبہ رکھتا ہے ۔

ڈاکٹر موریس بوکائے اس سلسلہ میں اس طرح اظہار نظر کرتے ہیں : مغربی ممالک میں یہودی ، عیسائی اور لامذہب بغیر کسی دلیل کے سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ محمد ﷺ نے قرآن کو کتاب مقدس کی تقلید کر کے لکھا یا لکھوایا ہے۔ اور یہی لوگ کہتے ہیں کہ قرآنی قصص دینی تاریخ نے عہدین کے قصص کو ابتدا سے لکھا ہے۔ یہ اعتراض ایسا ہے کہ کوئی کہدے کہ جناب عیسیٰؑ عہد قدیم سے واقعات لے کر اپنے معاصرین کو موعظہ فرماتے تھے اور اس طرح انہوں نے لوگوں کو اپنا فریفتہ بنالیا تھا۔ پس جس طرح جناب عیسیٰؑ پر اعتراض غلط ہے ،اسی طرح حضرت محمد ﷺ پر بھی غلط ہے۔ پوری انجیل متی عہد قدیم سے ماخوذ ہے۔ اس کے باوجود کون مفسر یہ سوچ سکتا ہے کہ اس بنا پر خدا کا رسولؐ ہونے کی صفت حضرت عیسیٰؑ سے سلب ہوگئی ؟

اسی طرح عہد نبی کے قصص وقرآنی قصص اور دیگر موضوعات میں مشابہت سے خصوصاً جو چیزیں دینی تاریخ سے مربوط ہیں، جائے انکار نہیں ہے، (مگر اس سے رسول اکرمؐ کی رسالت پر اثر نہیں پڑتا) کتنی عجیب وغریب بات ہے کہ مغربی ممالک والے حضرت عیسیٰ پر اعتراض نہیں کرتے کہ وہ اس قسم کے اعمال اور تعلیمات کا ذکر انجیل سے کیوں کرتے ہیں؟ لیکن یہی لوگ بغیر کسی احساس کے محمدؐ پر یہی اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ ان چیزوں کو محمدؐ بہ عنوان وحی متعارف کراتے ہیں، لہٰذا (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں۔

لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ رہبانیوں نے محمدؐ کو جو چیزیں یاد کرائی تھیں یا لکھوائی تھیں اور محمدؐ نے ان کا اپنے قرآن میں ذکر کیا ہے، تو آخر وہ کیا باتیں ہیں؟ دراصل یہ سب اور کہاں ہیں؟ بالکل ہی بے بنیاد باتیں ہیں۔

بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ چودہ سو سال پہلے جو واقعات شائع تھے اور علمی نقطۂ نظر سے ان مین جو اشتباہات تھے، ان کو دور کر کے اور ان صحیح واقعات کو جن کی درستگی کو ہمارا آج کا ترقی یافتہ علم ثابت کر چکا ہے، ایک شخص (امّی) بیان کرے اور ان کی نشاندہی کرے؟ یاد رہے کہ قرآن مجید نے داستان خلقت کو کتاب مقدس کے قصے سے بالکل ہی الگ بیان کیا ہے۔

کہنا صرف اتنا ہے کہ حقیقت کا متلاشی انسان قرآن کے لئے، جو ایک کتاب بھی ہے، برہان رسالت بھی ہے اوراعجاز پیغمبرؐ کا مظہر بھی ہے، وحی الٰہی کے منبع کے علاوہ کسی اور چیز کا قائل نہیں ہوسکتا۔

اسی وجہ سے قرآن ایک ابدی ، روشن اورواضح معجزہ بن کر خدا کی طرف سے آیا ، تاکہ اسلامی تعلیمات وقوانین زمانہ کی رفتار ترقی کا ساتھ دے سکیں۔ اس لئے ان دستورات اور فرامین کو الفاظ وجملات کے اعجازی قالب میں ڈھال کر ظاہر کیا۔ اور اس طرح کینہ توز دشمنوں اور ان کی مکاریوں کا جواب دینے اور نظام دین کی حفاظت کا ارادہ الٰہی ظاہر ہوا۔

احکام الٰہی کے قالبوں کو پابندی اور ثبات بخش کر دشمنوں کے ہاتھوں کو قرآن میں تغیر وتبدیل وتحریف سے ہمیشہ کے لئے روکنے کے لئے قطع کردیا اور تعلیمات وقوانین الٰہی کو زمانہ کے ساتھ ساتھ مستمر کردیا۔ قرآن کا ایک اعجاز اس پہلو سے بھی ہے کہ اس نے انسانی زندگی میں ایک جہانی انقلاب اورعظیم تمدن پیدا کردیا۔

اسلام کی شناخت میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اس نے ایک جنگجو ،پراگندہ اورعلم سے محروم ملت کو جو اپنے قبیلوں کے اتحاد سے بھی بے خبر تھی، ایک جہانی ملت عالمی قوم بنادیا۔ اسی طرح وسیع ومعنوی ابعاد کے ساتھ ایک ایسے تمدن کی بنیاد رکھی، جس میں اپنی ذات کے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہی، بلکہ اس کے برخلاف دنیا کے انقلابات اورنسل وقوم وطبقات اجتماعی کی بنیاد پر بین الاقوامی قانون سازی ، آزادی فکرو دانش تکریم علم، یہ ساری چیزیں قرآن واسلامی نظام کی مرہون منت ہیں۔ ان تمام چیزوں کے لئے قرآن سے استفادہ کیا گیا ہے،قرآن نے ان سے استفادہ نہیں کیا۔

بلکہ حملہ آوروں نے جب اسلامی سرزمین پر حملے کئے اور اپنی برتری کی بنیاد پر مسلمانوں پر غالب آگئے،تو بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا ہم مذہب بناتے، اسلام کی معنوی قوت سے متاثر ہوکر مغلوب ملت کا مذہب قبول کرلیااورمسلمان ہوگئے۔ اور ملتوں کی تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ غالب قوم نے مغلوب قوم کے مذہب کوقبول کرلیاہو یہ صرف اسلام کی ہی خصوصیت ہے۔

حوالہ:

۱۔توریت، انجیل ،قرآن،ص ۱۷۸۔۲۰۷

قرآن کریم میں اسلام

خانم زہرا میرزائی

کتاب ''مفردات راغب''میں مادہ ''سَلَمَ'' کے عنوان کے ذیل میں یوں لکھا ہے:

"السِّلمُ والسَّلامة ،التُعَزی مِنَ الافاتِ الظَّاهِرةِ و الباطِنَةِ وَ الاسلامُ الدُّخول فِی السِّلم"۔

یعنی بے شک، سلامتی ،ظاہری و باطنی آفات سے دور رہنا ہے ،اور اسلام یعنی سلامتی و تندرستی میں داخل ہونا۔''

"السین و اللام و المیم،معظم بابهِ مِنَ الصحَّةِ وَ العَافیةِ فالسّلامة أن یَسلِمَ الانسانُ مِنَ العَاهَةِ وَ الاذی۔"[۱]

اس کا واحد معنی والا مادہ ہے،اور اس کے اکثر ابواب ،سلامتی و تندرستی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔سلامتی یعنی انسان،آفت ،رنج و آزار سے سلامت ہو۔

لفظ اسلام کے مشتقات

اَسْلَمَ: تسلیم ہوا،گردن کو جھکادیا،مسلمان ہوا،واگزار کردیا،(باب افعال کا ماضی)۔قرآن میں تکرار ۲۲۔مرتبہ

سَلَمَ: سلام کیا،حوالے کیا،سلامتی میں دیا(باب تفعیل کا ماضی)۔قرآن میں تکرار ۶ ؍مرتبہ

سِلم: صلح،آرامش(ثلاثی مجرد کا مصدر)۔قرآن میں تکرار ۱؍مرتبہ

سَلم: اطاعت کرنا ،تسلیم(ثلاثی مجرد کا مصدر)۔قرآن میں تکرار ۵ ؍مرتبہ

سَلام: تحیت کے ساتھ صلح،درود،شاباشی(باب تفعیل کا مصدر)۔قرآن میں تکرار ۲ ؍مرتبہ

سَالِم: تندرست،(ثلاثی مجرد کا اسم فاعل)۔قرآن میں تکرار ۱؍مرتبہ

سَلیم: اخلاقی اوراعتقادی بیماریوں سے پاک(وزن فعل پر صفت مشبہ)۔قرآن میں تکرار ۲ ؍مرتبہ

مُسلم: مسلمان،اسلام کا ماننے والا۔(باب افعال سے اسم فاعل)۔قرآن میں تکرار ۴۳ ؍مرتبہ

مُسَلَّم: ہرعیب ونقص سے سلامت (باب تفعیل سے اسم مفعول)۔قرآن میں تکرار ۳/مرتبہ

مُستَسلم: تسلیم ہوا،سلامتی کا طالب (باب استفعال سے اسم فاعل) قرآن میں تکرارا /مرتبہ

سُلَّم: سیڑھی (اسم جنس) قرآن میں تکرار ۲/مرتبہ

سلیمان: خدا کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کا نام۔حضرت داود کے فرزند (سلمان کا اسم مصغر) قرآن میں تکرار ۱۷/مرتبہ۔

لفظ اسلام کے معانی

باب افعال (اسلام) سے مادہ "سَلَمَ" کے لئے کچھ معانی بیان ہوئے ہیں:

۱۔نفس،عمل اورعبادت کو خدا کے لئے خالص کرنا۔۲

۲۔دلی یقین کے بغیر اقرار وتصدیق۔۳

۳۔جنگ میں ہتھیار ڈالنے والا،حاکم کے اقتدار کے سامنے فرماں بردار (سر جھکانے والا)۔۴

۴۔فرماں برداری،بندگی کا اقرار۔۵

لہٰذا اسلام وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکانے اور اس کی فرمانبرداری کو، سعادت کی انتہا،اصلی مقصد اور سب سے اعلیٰ انسانی کمال جانتا ہے۔ یہ ہر موحد کا دین ہے اور قرآن کریم نے بھی ہمیں خبر دی ہے کہ تمام انبیائے ماسبق کا دین یہی تھا۔لیکن یہود،نسل کوانسانی کمال جانتے ہیں اور معتقد ہیں کہ شرافت میں ،اللہ کے نزدیک،کوئی بھی فرزندان یعقوب تک نہیں پہنچ سکتا ہے ،چاہے مطیع ہو یا عاصی۔عیسائی کہتے ہیں کہ کوئی خدا کے فرزند کی اطاعت کے بغیر سعادت مند نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ خود انبیاء۔خدا انسان کی صورت میں ظاہر ہوا اور مارا گیا تا کہ سب کے گناہوں کوختم کردے۔

اسلام کی ایک ظاہری اور قانونی صورت ہے: جس نے بھی کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کرلیاوہ مسلمانوں کے مسلک میں داخل ہوجاتا ہے اور اسلامی احکام اس پر نافذ ہوجاتے ہیں۔لیکن ایمان،حقیقی اور باطنی امر ہے اور اس کی منزل انسان کا دل ہے،نہ کہ اس کی زبان اور اس کا ظاہر۔ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں :

"الاسلامُ علانیة و الایمان فی القلب"۔

اسلام ایک کھلا ہوا امر ہے ،لیکن ایمان دل میں ہوتا ہے۔

لہٰذا یہاں پر'' تسلیم'' کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔تسلیم کی منزل ایک ایسی منزل ہے جو توکل و رضا کی منزل سے بلند ہے۔''تسلیم'' یعنی انسان خدا کے مقابلے میں کسی چیز کا مالک نہ ہواوراپنی زندگی کومکمل طور پر خدا کے سپرد کردے۔اگر'' رضا'' کی حالت میں کہتا تھا 'پسند کرتا ہوں اس کو جو محبوب پسند کرتا ہے'،تو''تسلیم'' کی حالت کہے۔حکم وہی ہے جو تو کہے،لطف وہی جو تو کرے۔

''تسلیم''کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے :تسلیم جسم،تسلیم عقل اور تسلیم قلب۔بدن کا تسلیم ہونا ظاہری ہے لیکن عقل وفکر،دلیل ومنطق کی رو سے تسلیم ہوتی ہے،اور قلب کی تسلیم، دل سے اعتقاد اور فرد کا مطیع وفرماں بردار ہونا ہے،جو کہ ایمان وعمل کے ساتھ ہوتا ہے۔لہٰذا بیان کئے گئے معنی کے مدنظر،اسلام کو امن وسلامتی کا دین کہا جاسکتا ہے۔

يَا اَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا ادخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۶

اے ایمان والو! تم سب کے سب اکبار اسلام میں (پوری طرح) داخل ہوجاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو امن وسلامتی کی دعوت دیتا ہے ۔امن وسلامتی صرف ایمان کے پرتو میں ممکن ہے۔صرف ایمان کی معنوی طاقت کے استعمال کے ذریعے مختلف النوع انسانی ختلافات کے باوجود، بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے کے قریب آ کر عالمی حکومت کی تشکیل کر سکتے ہیں اور امن و دوستی ہر طرف سایہ فگن ہوسکتی ہے۔لفظ اسلام قرآن میں ۸ مرتبہ اور اس کے مادے سے ۱۴۰ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس کے مشتقات ۴۱ مرتبہ قرآن میں آئے ہیں۔

اسلام کے سلسلے میں آیتیں:

۱۔مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلاَنَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِين۔ ۷

ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ نرے کھرے حق پرست تھے (اور) فرمانبردار (بنے) اور مشرکوں سے بھی نہ تھے۔

۲۔إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ۔ ۸

ابراہیم سے زیادہ خصوصیت تو اِن لوگوں کو تھی جو ان کی پیروی کرتے تھے اور اس پیغمبر اور

ایمانداروں کو (بھی) ہے اور مومنوں کا خدا مالک ہے۔

۳۔ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنْ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔۹

اور جب ابراہیم و اسماعیل خانۂ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے (اور دعا مانگتے جاتے تھے) اے ہمارے پروردگار ہماری (یہ خدمت) قبول کر، بے شک تو ہی (دعا کا) سننے والا (اور نیت کو) جاننے والا ہے۔

۴۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔۱۰

اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا فرمانبردار ہواور ہم کو ہمارے حج کی جگھیں دکھا دے،اور ہماری توبہ قبول کر۔ بے شک تو ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

۵۔وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۱۱

(یہودی عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہوجاؤ تو راہ راست پر آجاوگے (اے رسول ان سے) کہہ دو کہ ہم ابراہیم کے طریقہ پر ہیں جو باطل سے کترا کر چلتے تھے اور مشرکین سے نہ تھے۔

۶۔ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۱۲

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و اولاد یعقوب یہ سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے(اے رسول ان سے) پوچھو تو کہ تم زیادہ واقف ہو یا خدا۔اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی (موجود) ہو (کہ وہ یہودی نہ تھے)اور پھر وہ چھپائے،اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں۔

۷۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلاَتُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۱۳؎

یہ وہ لوگ تھے جو سدھار چکے ہیں ۔جو کچھ وہ کما گئے ان کے لئے تھا اور جو کچھ تم کماؤ گے تمہارے لئے ہوگا۔اور جو کچھ وہ کر گزرے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔

۸۔وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً ۱۴؎

اور اس شخص سے دین میں بہتر کون ہوگا جس نے خدا کے سامنے اپنا سر تسلیم جھکا دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے طریقہ پر چلتا ہے جو باطل سے کترا کے چلتے تھے،اور خدا نے ابراہیم کو تو خالص دوست بنالیا۔

۹۔ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّهِ الإِسْلاَمُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلاَّ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللّهِ فَإِنَّ اللّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۱۵؎

دین تو خدا کے نزدیک یقیناً اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو (اس دین حق سے) اختلاف کیا تو محض آپس کی شرارت اور (اصلی امر) معلوم ہوجانے کے بعد (ہی کیا ہے) اور جس شخص نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا تو (وہ سمجھ لے کے خدا اس سے) بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

۱۰۔وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلاَمِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۱۶؎

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی خواہش کرے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول ہی نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں سخت گھاٹے میں رہے گا۔

۱۱۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَتَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَيَعْلَمُونَ ۱۷؎

تو(اے رسول) تم باطل سے کترا کے اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو۔یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (درست کی ہوئی) بناوٹ میں(تغیر) تبدل نہیں ہوسکتا۔یہی مضبوط اور (بالکل سیدھا) دین ہے۔مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

۱۲۔قُلْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لاَنُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ

مُسْلِمُونَ ۱۸؎

(اے رسول ان لوگوں سے) کہہ دو ہم تو خدا پر ایمان اور جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئے اور موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو (جو کتاب) ان کے پروردگار کی طرف سے عنایت ہوئیں (سب پر ایمان لائے) ہم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم تو اسی (یکتا خدا) کے فرمانبردار ہیں۔

۱۳۔شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَاتَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيب۱۹؎

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (پر چلنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور (اے رسول) اسی کی ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی ہے اور اسی کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا۔(وہ) یہ ہے کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔جس دین کی طرف تم مشرکین کو بلاتے ہو وہ ان پر بہت شاق گذرتا ہے۔خدا جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کرلیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اپنی طرف (پہنچنے) کا رستہ دکھادیتا ہے۔

۱۴۔ فَلَوْلاَكَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُوْلُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلاَّ قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۲۰؎

پھر جو لوگ تم سے پہلے گذر چکے ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے عقل والے کیوں نہ ہوئے جو (لوگوں کو) روئے زمین پر فساد پھیلانے سے روکا کرتے (ایسے لوگ تھے تو) مگر بہت تھوڑے سے اور یہ انھیں لوگوں سے تھے جن کو ہم نے (عذاب) سے بچالیا اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ اِن ہی (لذتوں) کے پیچھے پڑے رہے جو انھیں دی گئی تھیں اور یہ لوگ مجرم تھے۔

۱۵۔وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۲۱؎

اور تمہارا پروردگار ایسا (بے انصاف) کبھی نہ تھا کہ بستیوں کو زبردستی اجاڑ دیتا اور وہاں کے لوگ نیک چلن ہوں۔

۱۶۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَتَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لاَيَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ

بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۲۲

اے ایمانداروں اپنے (مومنین کے) سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ (کیونکہ) یہ غیر لوگ تمہاری بربادی میں کچھ کسر اٹھا نہیں رکھیں گے (بلکہ) جتنا تم زیادہ تکلیف میں پڑوگے اتنا ہی یہ لوگ خوش ہونگے۔دشمنی تو ان کے منہ سے ٹپکتی پڑتی ہے اور جو (بغض وحسد) ان کے دلوں میں بھرا ہے وہ کہیں اس سے بڑھ کر ہے ہم نے تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کردیے ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

۱۷۔ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۲۳

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔اور تمہارے (اس) دین اسلام کو پسند کیا۔پس جو شخص بھوک میں مجبور ہوجائے (اور) گناہ کی طرف مائل بھی نہ ہو (اور کوئی چیز کھالے) تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۸۔إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۲۴

بے شک یہ تمھارا دین (اسلام) ایک ہی دین ہے اور میں تمھارا پروردگار ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔

۱۹۔ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۲۵

اور لوگوں نے باہم (اختلاف کرکے) اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (حالانکہ) وہ سب کے سب پھر کے ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

۲۰۔وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۲۶

اور جو حق جہاد کرنے کا ہے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔اسی نے تم کو برگزیدہ کیا اور امور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی ،تمہارے باپ ابراہیم کے مذہب کو (تمہارا مذہب بنادیا ہے)

اسی (خدا) نے تمہارا پہلے ہی سے مسلمان (فرمانبردار بندے) نام رکھا اور اس قرآن میں بھی (تو جہاد کرو) تا کہ رسول تمہارے مقابلہ میں گواہ بنیں اور تم تمام لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تم پابندی سے نماز پڑھا کرو ،زکات دیتے رہو اور خدا کے احکام کو مضبوط پکڑو، وہی تمہارا سرپرست ہے تو کیا اچھا سرپرست ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔

۲۱۔ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۲۷

یہ (دین اسلام) تم سب کا مذہب ایک ہی مذہب ہے اور میں تم لوگوں کا پروردگار ہوں تو بس مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

۲۲۔ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ ۲۸

اور (یہود) کہتے ہیں کہ یہود (کے سوا) اور (نصاریٰ کہتے ہیں کہ) نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں جانے ہی نہ پائے گا ۔یہ ان کے خیالی پلاؤ ہیں ۔اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ بھلا اگر تم سچے ہو کہ ہم ہی جنت میں جائیں گے تو اپنی دلیل پیش کرو۔

۲۳۔ بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلاَخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَهُمْ يَحْزَنُونَ ۲۹

ہاں البتہ جس شخص نے خدا کے آگے اپنا سر جھکا دیا اور اچھے کام بھی کرتا ہے تو اس کے لئے اس کے پروردگار کے یہاں اس کا بدلہ (موجود ہے) اور آخرت میں ایسے لوگوں پر کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے۔

۲۴۔يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلاَتَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۳۰

ایمان والو تم سب کے سب اکبار اسلام میں (پوری طرح) داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا یقینی ظاہر بہ ظاہر دشمن ہے۔

۲۵۔أُوْلَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۳۱

یہ (مشرک مرد ہو یا عورت) لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور خدا اپنی عنایت سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ یہ لوگ چیتیں۔

۲۶۔ أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلإِسْلاَمِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أُوْلَئِكَ فِي ضَلاَلٍ مُبِينٍ ۳۲

تو کیا وہ شخص جس کے سینے کو خدا نے قبول اسلام کے لئے گشادہ کردیا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی ہدایت کی روشنی پر چلتا ہے، گمراہوں کے برابر ہوسکتا ہے۔افسوس تو ان لوگوں پر ہے جن کے دل خدا کی یاد سے (غافل ہوکر) سخت ہوگئے ہیں یہ لوگوں صریحی گمراہی میں (پڑے) ہیں۔

۲۷۔وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۳۳

اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور اچھے اچھے کام کرے اور کہے کہ میں بھی یقیناً (خدا کے) فرمانبردار بندوں میں ہوں۔

۲۸۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۳۴

وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے اور تمام دینوں پر غالب کرے اگر چہ مشرکین برا ہی کیوں نہ مانیں۔

۲۹۔وَمَا أُمِرُوا إِلاَّ لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۳۵

اور انہیں تو بس یہ حکم دیا گیا تھا کہ نرا کھرا اسی کا اعتقاد رکھ کے باطل سے کترا کے خدا کی عبادت کریں اور پابندی سے نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور یہی سچا دین ہے۔

۳۰۔إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۳۶

(اے رسول) جب خدا کی مدد آپہنچے گی اور فتح (مکہ) ہوجائے گی اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ غول درغول خدا کے دین میں داخل ہورہے ہیں تو تم اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرنا اور اسی سے مغفرت کی دعا مانگنا وہ بے شک بڑا معاف کرنے والا ہے۔

۳۱۔وَإِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۳۷

اور جب ان کے سامنے یہ پڑھا جاتا ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں بے شک یہ ٹھیک ہے اور ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے ہم تو اس کے پہلے ہی سے مانتے تھے۔

دین اسلام

دین اسلام ،ایسا دین ہے جس کے ظاہری قوانین، انسان کی تمام ضرورتوں اور خیر وشر کے تمام احکام پر مشتمل ہیں۔چنانچہ اس کو لانے والی مقدس ہستی نے اپنی عمر کے آخری حصے میں صریحاً فرمایا ہے:

يَا ايُّها النَّاس مَامِن شَيءٍ يُقربُكُم الى اللّٰه وَ يُبَعِّدَكُم عَنِ النّارالا وَ قَد أمَرتُكم بهِ وَ مِن يُبَعِّدَكُم عَن اللّٰهِ وَ يُقَرَبُّكُم الى النّار الا قَد نَهيكُم عَنهُ۔

اے لوگوں ! کوئی شی ء ایسی نہ تھی جوتم کو خدا سے نزدیک اور آگ سے دور کرتی،مگر یہ کہ میں نے اس کا حکم دیا،اور کوئی شی ء ایسی نہ تھی جوتم کو اللہ سے دور اور آگ سے نزدیک کرتی ،مگر یہ کہ میں نے اس سے منع کیا۔

اسلام ایسا دین ہے جس کے کے احکام فطری، جس کے معارف حسی،اور حقایق قابل مشاہدہ ہیں،اس کے احکام فطرت کے مطابق ،اس کے احکام، کمال آدمیت کے درجات اور اس کے نتائج،انسانیت کی روح ہیں۔ .....ایک سماجی دین جس نے اخوت و مساوات کی اساس کو سچائی اور درستی کی محکم بنیاد پر رکھا ہے ،جو کبھی ڈھیلی نہ ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کے حقوق کو مکمل طور پر مدنظر رکھتا ہے اور ان کے حق میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتا ہے۔دوسرے دین ،اس دین کا مقدمہ محسوب ہوتے ہیں۔اسلام وہ واحد دین ہے جس میں اس اہم موضوع میں،مادی اور معنوی دونوں ا پہلووں پر،حساب سے توجہ دی ہے،دوسری طرف ، اس دین میں ،عارف ومعروف،عاشق ومعشوق، عاقل معقول وغیرہ رابطے کو بڑی خوبی سے بنایا اور پروان چڑھایا ہے ۔

حوالے:

۱۔ ابی الحسین،احمد بن فارس بن زکریای رازی،معجم مقائیس اللغۃ،تحقیق:عبد السلام محمد ہارون ،(قم:دفتر تبلیغات اسلامی،۱۴۰۴ ق.)،مادہ ''سَلَمَ''

۲۔طبرسی،ابوعلی الفضل بن حسن ،مجمع البیان،نرم افزار ترجمہ وتفسیر قرآنیجا۔۱۰۴نشر حدیث اہل بیت علیہم

السلام بر مجمع البحرین، ج ۶،ص ۸۶ بر تفلیسی ،حبیش ، وجوہ قرآن ،تصحیح مہدی محقق،ص ۲۰.

۳۔طبرسی ،ابوعلی الفضل بن حسن ،ایضاً، بر مصطفوی ،حسن،التحقیق فی کلمات القرآن ، ج ۵ ،ص ۲۰.

۴۔طبرسی ،ابوعلی الفضل بن حسن ،ایضاً، بر طباطبائی،محمد حسین،المیز ان فی تفسیر القرآن، ج ۱۵،(بیروت: مؤسسۃ الاعلمی، ۱۳۹۴ ق.۔ ۱۹۷۴ م.)،ص ۳۹۳.

۵۔طبرسی ،ابوعلی الفضل بن حسن ،ایضاً، ج ۸،ص ۷۰۷.

۶۔سورہ بقرہ:۲۰۸

۷۔سورہ آل عمران:۶۷

۸۔سورہ آل عمران:۶۸

۹۔سورہ بقرہ:۱۲۷

۱۰۔سورہ بقرہ:۱۲۸

۱۱۔بقرہ:۱۳۵

۱۲۔سورہ بقرہ:۱۴۰

۱۳۔سورہ بقرہ:۱۴۱

۱۴۔سورہ نساء:۱۲۵

۱۵۔سورہ آل عمران:۱۹

۱۶۔سورہ آل عمران:۸۵

۱۷۔سورہ روم:۳۰

۱۸۔سورہ آل عمران:۸۴

۱۹۔سورہ شوریٰ:۱۳

۲۰۔سورہ ہود:۱۱۶

۲۱۔سورہ ہود:۱۱۷

۲۲۔سورہ آل عمران:۱۱۸

۲۳۔سورہ مائدہ:۳

۲۴۔سورہ انبیاء:۹۲

۲۵۔سورہ انبیاء:۹۳

۲۶۔سورہ حج:۷۸

۲۷۔سورہ مومنون:۵۲

۲۸۔سورہ بقرہ:۱۱۱

۲۹۔سورہ بقرہ:۱۱۲

۳۰۔ سورہ بقرہ:۲۰۸

۳۱۔سورہ بقرہ:۲۲۱

۳۲۔سورہ زمر:۲۲

۳۳۔سورہ فصلت:۳۳

۳۴۔سورہ صف:۹

۳۵۔سورہ بینۃ:۵

۳۶۔سورہ نصر: تمام سورہ

۳۷۔سورہ قصص:۵۳